شخصیت و افکار

شیخ الاسلام محدث گھوٹوی

یعنی

شیخ الاسلام علامہ

غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ

بانی شیخ الجامعہ (وائس چانسلر)

جامعہ عباسیہ بہاولپور

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

شخصیت وافکار

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ

یعنی

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمتہ اللہ علیہ
بانی شیخ الجامعہ (وائس چانسلر)
جامعہ عباسیہ بہاول پور

تالیف:

الشیخ پوتا، پروفیسر حافظ غلام نصیر الدین شبلی مہری

ناشر:

حضرت الشیخ الجامع اکیڈمی، ۲۳۵ ۔ جناح سٹریٹ
پیر خورشید کالونی، ملتان

بسم الله الرحمن الرحيم

بارِ اول

نام مؤلف : پروفیسر حافظ نصیر الدین شبلی

تاریخ اشاعت : ۲۰۱۲ - ۱۲ - ۱۲

تعداد : ۱۰۰۰

کمپوزنگ : مسعود الرحمٰن

ہدیہ : ۸۰۰ روپے

مطبع: پرنٹ نیٹ ایڈوٹائزر
آفس نمبر 3,6 فرسٹ فلور، وہاب پلازہ
سرکلر روڈ، راولپنڈی فون: 0345-5111499 ,+92-51-5558229

ناشر: حضرت الشیخ الجامعؒ اکیڈمی، ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

بنام نامی اسم گرامی والدی الکریم حضرت شیخ الحدیث، مفتی اعظم، استاذ العلماء نائب الشیخ علامہ حافظ محمد عبد الحیٰ الچشتی القادری رحمتہ اللہ علیہ نائب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور، خلف الرشید قطب الاقطاب، بحر العلوم، شیخ الکل فی الکل، جامع المعقول والمنقول، فاتحِ مرزائیت، مبلغ شریعت، مرشدِ طریقت، حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمتہ اللہ علیہ، بانی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاول پور دار السرور۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید ۔ نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سر آمد روز گارِ این فقیرے ۔ دگر دانائے راز آید کہ ناید

میرے فرزندان الشیخ پوتا ڈاکٹر محمد فخرالدین عامر سلمہ ربہ اور الشیخ پوتا ڈاکٹر محمد بدرالدین ظافر سلمہ ربہ نے کارِتالیف میں جو کاوشات سرانجام دیں، اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے، آمین۔

التاریخ: ۱۲۔۱۲۔۲۰۱۲

الشیخ پوتا پروفیسر حافظ غلام نصیر الدین شبلی
علامہ (جامعہ عباسیہ بہاولپور)
تخصص فی الفقہ والقانون (جامعہ اسلامیہ بہاولپور)
ایم اے علوم اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور)
فاضل عربی (تعلیمی بورڈ، پنجاب، لاہور)

اللہ

جل جلالہ وعم نوالہ

حمد بے حد ہے فقط اللہ کی — نعمتِ بے عدّ، فقط اللہ کی
شکر اس کا ہے نصیبِ بانصیب — سر بلندی، ذکر سے اللہ کی
مصدرِ علم وہدایت ہے فقط اسکی وحی — منبع رشد وکرامت ہے کتاب، اللہ کی
تو ہوا آزاد، ہر آزار سے — جب ربوبیت مان لی، اللہ کی
مایۂ مؤمن فقط ایمان ہے — جو ملے، توفیق سے اللہ کی
بِن عمل کے کچھ نہیں تیرا مقام — ہے یہی تلقیں رسول اللہ کی
زندگی کر دے نچھاور اس پہ تو — ہے یہی منشا، ذبیح اللہ کی
دل کو خالی کر ہوس سے، میرے یار — طرز اپنا، تو ولی اللہ کی
بندہ بن جا تو خدا کا، خوش خصال — کر اطاعت تو نبی اللہ کی
خوب بھر لے دل کو انکی حبّ سے — ذات جنکی ہو بہو مظہر شئون اللہ کی
اتباعِ نفس سے مؤمن خلاصی پا گیا — پڑ گئی نظر عنایت گر حبیب اللہ کی
دو جہاں کی خیر سے شبلی کا دامن بھر گیا — مل گئی اسکو شفاعت جب رسول اللہ کی
توفیق توبہ مل گئی، راہ سیدھی کھل گئی — ہو گئی اسکو زیارت جب رسول اللہ کی

محمد

صلی اللہ علیہ وسلم

معطر محمدؐ سے سارے جہاں ہیں — منور محمدؐ سے کون ومکاں ہیں

محمدؐ ہیں مطلوب ومقصودِ مؤمن — محمدؐ تو محبوبِ ربِ جہاں ہیں

محمدؐ کا رتبہ ہے سب سے نرالا — محمدؐ امامِ جمیع مرسلاں ہیں

محمدؐ ظہورِ تجلیٔ اکمل — محمدؐ تو آئینہ ضوفشاں ہیں

محمدؐ ہی بستے ہیں دل میں ہمارے — وہی مایۂ زندگی، نور جاں ہیں

غلامِ محمد ہے پیارا خدا کو — محمدؐ کے پاپوش تاج شہاں ہیں

محمدؐ ہیں آئینہ ذات سبحاں — محمدؐ حقائق میں جلوہ کناں ہیں

محمدؐ شفاعت کریں عاصیوں کی — شفاعت کے منکر ذمیمِ جہاں ہیں

محبت محمدؐ کی معراجِ ایماں — محبت سے خالی فقیدِ نشاں ہیں

محمدؐ کے اصحاب و اولاد اطہار — بروئے محمدؐ مؤقر ذی شاں ہیں

ہو شبلیؔ کی حالت پہ ان کی عنایت — وہی ناصر و حامئی بے کساں ہیں

علی

کرم اللہ وجہہ

علی عقدہ کشائے عارفاں ہیں — علی منزل نمائے سالکاں ہیں

علی کے سر پہ ہے تاجِ ولایت — علی وارث امیرِ مرسلاں ہیں

علی اللہ کی شمشیرِ بُراں — علی قہرِ خدا بر کافراں ہیں

علی محبوبِ سرکار دو عالم — علی نورِ قلوبِ مؤمناں ہیں

علی دروازۂ شہرِ معارف — علی موجد علومِ نحویاں ہیں

علی ہیں فاتحِ اسرارِ قرآن — علی منشأ نبیؐ کے راز داں ہیں

علی کی ذات، عینِ شرح دیں ہے — علی محسن برائے کل زماں ہیں

علی کی سمت ہے نظرِ فقیہاں — علی شاہِ بلاغت نکتہ داں ہیں

علی سالارِ تقویٰ و شجاعت — علی درماندگاں کے پاسباں ہیں

علی کے خوشہ چین سب اولیاء ہیں — علی قلبِ دو عالم میں نہاں ہیں

علی کے فقر پہ ہو جاؤں قرباں — فقیروں کے لئے گنجِ گراں ہیں

علی کی حب، ایمان کی نشانی — علی کے کینہ ور ننگ جہاں ہیں

علی کی اک نظر برحال شبلیؔ — مٹا دے دوریاں جو درمیاں ہیں

حضرت الشیخ الجامع کی منقبت

آپ کے بڑے صاحبزادے نائب الشیخ شیخ الحدیث مفتی اعظم حضرت علامہ الحافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمتہ اللہ علیہ کی جناب مستطاب میں بایں الفاظ اظہار عقیدت فرمایا ہے:۔

صد مبارک بارگاہِ ایزدی کے معتمد
طالبِ دین کے لئے نخل تمنا سروقد

☆☆☆

شیخ جامعؒ سے جو بہہ نکلی ہیں نہریں علم کی
ہوں ترقی پر الٰہی روز افزوں تا ابد

☆☆☆

ہے ہدف ان کا اشاعت دین کی
درس ان کا دل نشین تو قول ان کا مستند

☆☆☆

ذات ان کی جامعِ علم و عمل
مصطفیٰ کے عشق کی ہرگز نہیں ہے کوئی حد

☆☆☆

سارے عالم کو دکھائی سیدھی راہ
نیز چشتی کو سوجھایا سب نیک و بد

☆☆☆

حضرت جد امجد رحمتہ اللہ علیہ کی منقبت

(منجانب: الشیخ پوتا پروفیسر حافظ غلام نصیر الدین شبلی، علامہ جامعہ عباسیہ، بہاول پور)

صد مبارک، صد مبارک، دین کے سالار کو　بھر دیا برکت نے جسکی، دامن و کوہسار کو
جسکے علم و فضل نے کایا پلٹ دی خلق کی　جسکی محنت نے سنوارا اجڑے ہوئے گلزار کو
شیخ جامعؒ سے ملقب ہوگیا جو ہر طرف　اس نے زورِ درس سے سلجھا دیا افکار کو
جسکی عظمت کی شہادت دی سبھی ہمعصر نے　جس نے ضوءِ عقل سے پھیلا دیا انوار کو
جو رہا بندہ خدا کا، خادم دین متین　جس نے چاہا، ٹوٹ کر، احمد نبی مختار کو
جس نے اپنی زندگی کر دی نچھاور دین پر　دھن یہی سر پہ رہی، سیدھا کروں اشرار کو
کانَ للہِ کا ہوا جو ہو بہو مصداق حق　زندگی بھر جس نے چاہا زر کو نہ زردار کو
لطفِ رب سے جب ہوا شرعِ محمدؐ کا نقیب　اک نیا جذبہ دیا، نئی سمت دی اطوار کو
وہ حضوری ہوگیا جب صاحب لولاک کا　مل گئیں کل رفعتیں، تب فکر کو گفتار کو
واہ! نبھایا فرض اپنا، زندگی کو تج دیا　مقتدیٰ اپنا بنایا، مہر علی منٹھار کو
ان کی نسبت فخرِ شبلیؔ ہوگئی　ایسی دولت کب ملی اغیار کو؟

بسم الله الرحمن الرحيم

أما بعد فهذه عدة أبيات شاهدة على الصدق بالبينات وهدية مهداة تظهر الحب فى الله والخيرات سمح بها خاطر مولانا الذكى اليلمعى الديان العلامه محمد لطافت الرحمن السواتى الأفغانى الى حضرت الشيخ الجامع لانواع العلوم كلها الاجلة والادانى الحبر الربانى شيخ الاسلام مولانا غلام محمدالمحدث الملتانى الفائز بالسبق الى غايات الأمال ونهايات الامانى صاحب السفر اللاثانى ظفر الحق والصداقة على من اجاب العلم بالسفاهة فرضى الله تعالى عنه وارضاه وجعل الجنة مأواه ومثواه .

أيا فاضل الملتان صدر الافاضل ... أانت الذى قد نلتَ جل الفضائل

ووفقت جمعاً للعلوم جميعها ... فبوركتَ يا مولى كريم الشمائل

رزقتَ وقاراً سودداً اعظمةً تقى ... وصرتَ فقيد المثل يا خير فاضل

تلمذت من شيخ جليل معظم ... برامفور مولانا النبيل المباسل

فشيخك فضل الحق شيخى وقدوتى ... وكان كبحرٍ مَاتنا هىٰ بساحل

وقال مرارًا يا لطافت نعم مَا ... بقومكَ من تحصيل علم الاوائل

وذاكرنى المرحوم يوماً فقال لى ... وكان كما قال الحميد الخصائل

بِانَّ لنا خلفاً بملتان ماجدًا ... يدافع عما قلتُ شبهات جاهل

فدافعتَ عن استاذنا فى كتابه ... بما فى امورٍ عامةٍ من مسائل

واحسنتَ فى ذب العدى عن حريمه ... وفزتَ من الله العلى بنائل

فجئتَ بظفر الحق لطمًا بوجه من ... سعىٰ ان يرد الحق سفهاً بباطل

وكنتَ بباولفور شيخًا موظفًا ... ترا أسستَ عباسيةً فى المشاغل

وَاِنِّى ارىٰ هنّا مآثرك التى ... بها فقتَ كلاً فى العلى والفواضل

وقدمتما والموت غاية كلنا ... وابقيتما كل المزايا لِسَائل

ومنى تحيات السّلام عليكما ... وهٰذا دعائى بالضحىٰ والاصائِل

جزىٰ ربنا اياكما عن جنابهِ ... فآوا كما الفردوسَ خيرَ المنازل

اللهم آمين يا رب العالمين

☆☆☆

فہرست مضامین

باب اول

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

میرے برادر بزرگوار پروفیسر علامہ حافظ غلام نصیر الدین شبلی مدظلہ العالی نے ہمارے جدّ امجد حضرت الشیخ الجامع مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ اور ان کے افکار ونظریات کو نہایت عالمانہ استدلال اور محققانہ طرز تحریر کے ساتھ کتابی شکل میں پیش فرمایا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اپنے عہد طالب علمی میں گہرا علمی ذوق رکھتے تھے۔ میدان عمل میں قدم رکھا تو زندگی کا طویل عرصہ دین کی تدریس وترویج میں گذارا، اعلیٰ تعلیمی اداروں میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

حضرت الشیخ الجامعؒ اور ہمارے والد گرامی شیخ الحدیث مفتی علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ چشتی صاحبؒ ان ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے اتنے اخلاص کے ساتھ دین اسلام کے فروغ میں زندگیاں صرف کر دیں کہ نام کی حد تک بھی نام ونمود کو گوارا نہ کیا۔ حضرت الشیخ الجامعؒ کو امام المسلمین سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بسطۃً فی العلم والجسم کہہ کر پکارتے تھے۔ ایسی نابغۂ روزگار شخصیت کا تذکرہ آنے والی نسلوں کیلئے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ دینی وعلمی حلقوں میں اس کی ضرورت انتہائی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ برادر گرامی محترم شبلی صاحب یقیناً مبارکباد کے حقدار ہیں کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی سعادت ان کے حصے میں آئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا وآخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

جی اے حق محمد
ریسرچ اسکالر ریٹائرڈ، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی ۔ اسلام آباد

؎ تبسم کی خیرات کیجئے عطا ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ

''پیش لفظ''

مسلکِ اہل السنّت والجماعت، مسلکِ اعتدال اور مسلکِ وَسَط ہے، یہ مسلک، انتہاء پسند اور شدت پسند نہیں ہے۔ تعصب اور فرقہ پرستی سے پاک ہے، نفرت، کدورت اور بغض وعناد سے لاتعلق ہے، کیونکہ یہ صوفی علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبت، الفت، شفقت، رواداری، وسعتِ نظری اور برداشت اس کا طرۂ امتیاز ہے، تبلیغ بالعمل اور دعوت بالعمل اس کا شیوہ ہے، زبانِ حال اس کا ہتھیار اور اتباعِ سنتِ نبوی اس کا سنگھار ہے۔

مسلکِ اہل السنّت والجماعت، دلیلِ قاطع اور برہانِ ساطع کا حامل مسلک ہے۔ یہ کورانہ تقلید کا قائل نہیں ہے، یہ استدلال صریح کی روشنی میں مباحثہ کرتا ہے، اسے دور کی کوڑی لانے، بے کار تاویلات کا سہارا لینے، خلط مبحث کرنے، دلائل شرعیہ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس شرعی) سے روگردانی کرنے اور قیاس مع الفارق ٹھونسنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دینِ اسلام کی تفہیم وتوضیح کیلئے کتاب ہذا مسمّٰی بہ ''شخصیت وافکار شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ'' نہایت مفید اور مؤثر ثابت ہوگی۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے سبقاً سبقاً پڑھایا جانا چاہئے تاکہ طالبانِ دینِ متین اور متلاشیانِ حق مبین، اس کا مکمل اور کما حقہ فہم وادراک حاصل کرسکیں۔

مقصدِ کتاب کے بارے میں مختصر ترین تبصرہ یہ ہے کہ اس کتاب کی غرض وغایت ''اتحاد بین المسلمین'' کا پرچار ہے، لہٰذا جو شخص بھی تنگ نظری اور گروہ بندی کی عینک اتار کر صرف اور صرف حق وانصاف تک پہونچنے کی نیت سے اس کا مطالعہ کرے گا وہ یقیناً بفضل اللہ تعالیٰ اس کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوکر قرونِ اُولیٰ کے رنگ میں رنگا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کتاب کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ اول سے آخر تک، الہام وجدانی اور کشفِ غیبی کے زیرِ اثر مرتب کی گئی ہے۔ اس کا مأخذ ہمارے جد امجد حضرت شیخ الحدیثؒ کے مرتب کردہ مسودات ہیں، جنہیں ہمارے جد اعلیٰ حضرت شیخ الاسلامؒ کی روحانی تائید وتوثیق حاصل ہے۔

اس کے مؤلف علامہ، حافظ، مفتی، پروفیسر نصیر الدین شبلی صاحب ہمارے لائقِ صد افتخار والد گرامی ہیں، آپ صاحب مطالعہ محقق اور صاحب استدلال مفکر ہیں، آپ اپنے عہد کے نامور ترین اور یکتائے روزگار اساتذۂ کرام کے خاتم التلامذہ، مسند نشین اور وارثِ علم وفضل ہیں، آپ کو مندرجہ ذیل ابحار العلوم اور آئمۃ الفنون ہستیوں سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا:

(۱) آپ کے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث، مفتیٔ اعظم علامۃ الزمان حافظ القرآن والحدیث مولانا محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲) استاذ الحفاظ حضرت حافظ احمد دین۔ (۳) استاذ الحفاظ حضرت حافظ غلام محمد المعروف استاد وڈا۔ (۴) حضرت مولانا مفتی حافظ غلام فرید۔ (۵) حضرت مولانا محمد احسن۔ (۶) حضرت مولانا شیخ کلیم اللہ (۷) حضرت مولانا عبد الرشید لیکچرر عربی۔ (۸) حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی۔ (۹) حضرت مولانا محمد احمد ولد حضرت مولانا فاروق احمد انصاری۔ (۱۰) حضرت مولانا اسرار الحق انصاری۔ (۱۱) حضرت مولانا حبیب اللہ شاہ بنوری۔ (۱۲) حضرت مولانا صاحبزادہ حافظ نصیر الدین چیلاوہنی۔ (۱۳) حضرت مولانا محمد ناظم ندوی۔ (۱۴) حضرت مولانا عبد الحمید رضوانی۔ (۱۵) حضرت مولانا الٰہی بخش جار اللہ۔ (۱۶) حضرت مولانا حسن الدین ہاشمی۔ (۱۷) حضرت مولانا عبد الکریم لیکچرر عربی۔ (۱۸) جناب نور محمد بنگالی پروفیسر انگلش۔ (۱۹) جناب عبد الحمید پروفیسر انگلش۔ (۲۰) حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسن پیرزادہ پروفیسر عربی۔ (۲۱) حضرت مولانا محمد صادق شیخ الفقہ۔ (۲۲) حضرت مولانا عبید اللہ شیخ المنقولات والمعقولات۔ (۲۳) حضرت مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر۔ (۲۴) حضرت مولانا پیر امام علی شاہ۔ (۲۵) حضرت مولانا غزالی زماں احمد سعید شاہ کاظمی شیخ الحدیث (رحمہم اللہ تعالیٰ)

آپ کے ایک رفیق کار نے کیا خوب کہا ہے:۔

''قلندرانہ مکاشفات بموقعہ تبادلہ علامہ پروفیسر غلام نصیر الدین شبلی صاحب مدظلہ

صبا چہ نامہ آورد ورقعہ چہ فرست — بطرفِ شبلی گلِ نو زچشتِ اہلِ بہشت
گلے زگلشنِ ''استاذِ کل'' درود باد — کہ بوئے علم شمیدم بعام وخاص نشست
''ہمائے علم'' جدا شد زما بہ بے خبری — اگرچہ عرض بکردم چہ خوب ہست وچہ زشت

ترجمہ: صبا کیا خط لائی اور کیا رقعہ بھیجا، پروفیسر شبلی کی طرف جو چشت اہلِ بہشت کا تازہ پھول ہیں، وہ استاذ الکل (اللہ کی ان پر رحمت ہو) کے گلشن کا ایک ایسا پھول ہیں کہ جس سے میں نے ہر عام وخاص مجلس میں علم کی خوشبو سونگھی ہے۔ ''ہمائے علم''، ہم سے بے خبری میں جدا ہو گیا، اگرچہ میں نے ان کی خدمت میں سب نیک وبد خوب عرض کر دیا''۔

مندرجہ ذیل اصحابِ علم نے بعض حوالہ جات کی تخریج میں تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر عطا فرمائے، آمین۔

۱۔ الشیخ پوتا علامہ پروفیسر حافظ جی اے حق، محمد صاحب مدظلہ، ریسرچ اسکالر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔
۲۔ مفتی حفیظ اللہ نقشبندی صاحب، مدرس جامعہ خیرالمعاد، قلعہ کہنہ، ملتان۔
۳۔ علامہ عبدالغفور منصور صاحب، ڈائریکٹر مرکز تعلیماتِ اسلامیہ، الفہد ٹاؤن، ملتان۔
۴۔ مولانا حافظ محمد سعید صاحب، مدرس جامعہ انوارالعلوم ملتان۔
۵۔ مولانا محمد حماد القاسمی صاحب، مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان و قاسم العلوم ملتان۔
۶۔ جناب رؤف احمد صاحب، اسسٹنٹ لائبریرین، لائبریری ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

ازقلم:۔
الشیخ پوتا ڈاکٹر محمد فخر الدین عامر پی ایچ ڈی (فارماسیوٹکس) فرزند مؤلف
الشیخ پوتا ڈاکٹر محمد بدر الدین ظافر ایف سی پی ایس (آرتھوسرجری) فرزند مؤلف
الشیخ پوتا انجینئر محمد مسعود الحق ایم ایس سی (انجینئرنگ) فرزند جناب جی اے حق۔ محمد صاحب

التاریخ:۔ ۲۰۱۲۔۱۲۔۱۲ بمطابق ۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

☆☆☆

بابِ اول

ولادت اور حصولِ علم



مولانا غلام محمد گھوٹویؒ ہال، بہاولپور

تعلیم قرآن مجید:

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے وطن مألوف سے تھوڑے ہی فاصلے پر ٹھیکریاں شریف اور چکوڑی شریف کے قصبہ جات واقع ہیں، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد بھی یہاں آ کر سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ ٹھیکریاں شریف کا درس حفظ قرآن کیلئے اور چکوڑی شریف کا درس علوم شرعیہ کی تعلیم کیلئے مشہور تھے۔ ٹھیکریاں کی مسند تدریس پر زیر نظر دور میں حضرت صاحبزادہ قاری حافظ محمد دین گنج شکری فاروقی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز تھے جن کے ساتھ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد چوہدری چوغطہ خان مرحوم ومغفور کے نہایت قریبی اور دوستانہ مراسم تھے کیونکہ ان کے بزرگوں سے آپ کو ارادت مندی اور فیض روحانی حاصل تھا۔

جب حضرت علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ چار سال چار ماہ اور چار دن کے ہوئے تو آپ کے دادا چودھری چوغطہ خاں مرحوم نے آپ کو قرآن پاک کی ناظرہ تعلیم کے لئے حضرت قاری حافظ محمد دین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت استاذ قاری محمد دین رحمۃ اللہ علیہ حضرت گھوٹوی قدس سرہ العزیز کی نورانی صورت اور آپ کی ذہانت اور فطانت سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ یہ بچہ اپنے زمانہ میں گنج شکری اور فاروقی وراثت کا حق ادا کرے گا۔ اس پیشین گوئی نے آپ کے جد امجد کے دل میں آپ کی قدر ومنزلت کو دو چند کر دیا۔ وہ آپ کو روزانہ اپنے کندھوں پر بٹھا کر ٹھیکریاں لے آتے اور اسی طرح چھٹی کے وقت بھی خود ہی آ کر آپ کو واپس گھر لے جاتے، حالانکہ اس کام کو انجام دینے کیلئے آپ کے ہاں ملازموں اور کارندوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ یہ ۱۸۹۰ء تا ۱۸۹۱ء کا زمانہ تھا۔

اسکول کی تعلیم:

تعلیم کلام اللہ کے بعد چودھری چوغطہ خاں مرحوم ومغفور نے اپنے ہونہار پوتے کو منگووال کے پرائمری اسکول میں داخل کرا دیا، اس اسکول کے اساتذہ کرامؒ اپنے شاگرد کی غیر معمولی صلاحیت اور اعلیٰ درجہ کی دانائی کا اعتراف بڑی فراخ دلی سے کرتے تھے، اس حوصلہ افزائی کی برکت سے آپ کے دل ودماغ میں ایک بڑا سکالر بننے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ آپ نے پرائمری اسکول سرٹیفکیٹ کا امتحان بڑی امتیازی شان سے پاس کیا اور پہلی پوزیشن حاصل کی۔ آپ کی وجہ سے اس اسکول کے ریاضی اور سائنس کے اساتذہ کو حکومت کی طرف سے ترقی اور انعام سے نوازا گیا۔

مسجد خانقاہ حضرت محدث گھوٹویؒ، بہاولپور

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ

دروازہ خانقاہ حضرت محدث گھوٹویؒ بہاولپور

مزار پرانوار حضرت الحدیث مفتی علامہ چشتی صاحبؒ بمقام مشرقی باغیچہ، دربار غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

گنبد خانقاہ حضرت محدث گھوٹویؒ بہاولپور

حضرت محدث گھوٹویؒ

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ

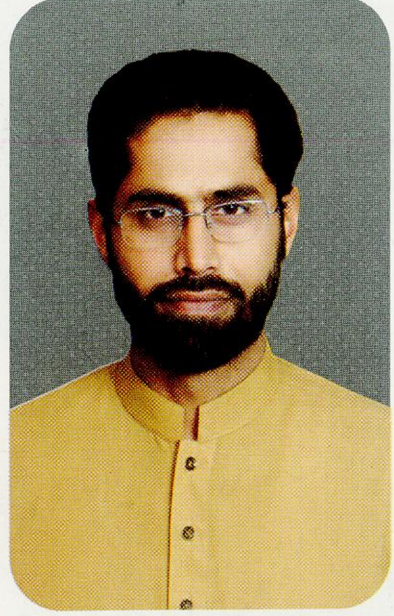
حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحبؒ

مئولف، پروفیسر نصیر الدین شبلی

حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحبؒ

مئولف، پروفیسر نصیرالدین شبلی

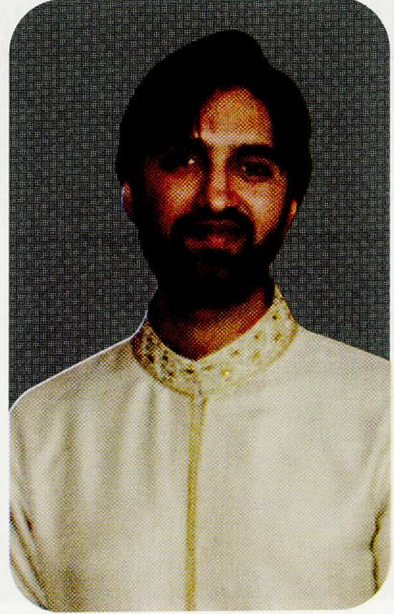
علامہ جی اے حق محمد



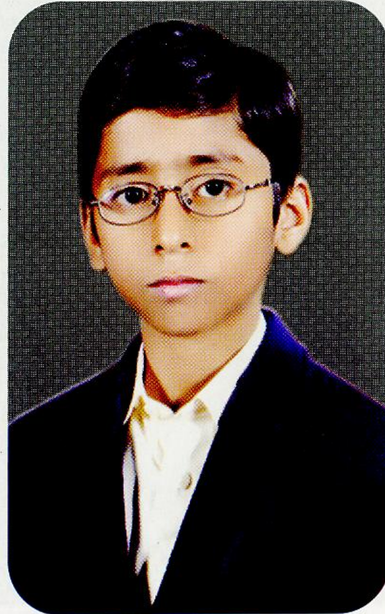
ڈاکٹر محمد فخرالدین عامر



ڈاکٹر محمد بدرالدین ظافر



انجینیر محمد مسعودالحق



محمد اسید سیال

درس نظامی کا آغاز۔ دار العلوم چکوڑی شریف:

چکوڑی کی عظیم درس گاہ اس علاقے میں اپنی نیک نامی کی بدولت خاص شہرت رکھتی تھی، جہاں حضرت صاحبزادہ حافظ علامہ محمد چراغ گنج شکری فاروقی رحمۃ اللہ علیہ مسند تدریس وارشاد پر جلوہ گر تھے۔ آپ حضرت عارف کامل علامہ صاحبزادہ محمد امین گنج شکری فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے جنہیں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ العزیز کے خلیفۂ مجاز ہونے کی سعادت اور حضرت سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے پیر بھائی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت مولانا محمد چراغ رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ کے فیض یافتہ تھے، ان کی خاطرداری فرماتے ہوئے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ چکوڑی تشریف لایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ طالب علمی میں بھی حضور اعلیٰ قدس سرہ نے ادھر قدم رنجہ فرمایا تو حضرت الاستاذ مولوی محمد چراغ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قابل فخر شاگرد غلام محمد گھوٹویؒ کو بغرض جانچ تعلیم آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضور اعلیٰ قدس سرہ نے آپ کی لیاقت کا امتحان لیتے ہوئے چند سوالات پوچھے، جب اس ننھے طالبعلم نے نہایت معقولیت اور کمال صحت کے حامل جوابات گوش گذار کیے تو حضرت اعلیٰ قدس سرہ نے آپ کی عبقریت کی بڑی تحسین فرمائی اور نہایت مسرور ہو کر ارشاد فرمایا: ''یہ بچہ مجھے بڑی شان والا معلوم ہوتا ہے، اس کا خاص خیال رکھنا''۔ یہی موقعہ تھا جب حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ نے حضرت صاحبزادہ مولانا محمد چراغ رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت فرما کر اپنے سلسلہ میں داخل فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۳ یا ۱۴ سال ہوگی۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے چکوڑی میں دو سال سے کچھ زائد عرصہ تک تعلیم حاصل کی، صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں، ابھی آپ کافیہ پڑھ رہے تھے کہ شریکہ برادری کا پراصرار مطالبہ شروع ہو گیا کہ ہماری طرح غلام محمد بھی زمیندارہ سنبھال لے اور ہماری طرح خاندان کا ہاتھ بٹانا شروع کرے یہ اوائل ۱۸۹۹ء کا زمانہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کی روح، ذوقِ علم سے شناسا ہو جائے اور تعلیم کی لذت اس کے قلب وذہن میں سرایت کر جائے تو وہ صرف اور صرف اقرأ اور ذلک الکتاب کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت محبوب سبحانی قدس سرہ کی اتباع میسر آئی اور آپ نے زراعت اور تعلیم میں سے تعلیم کو منتخب فرمایا۔

سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ انہوں نے تحصیلِ علم کیلئے گھر بار چھوڑا، آرام و آسائش سے منہ موڑا اور عزیز واقارب کی جدائی برداشت کی، تب کہیں جا کر انہیں معراجِ علم نصیب ہوئی۔

آفرین ہے ان حضرات پر جنہوں نے مسافرت اور بھوک پیاس کی صعوبتوں کو گلے لگایا، ناسازی حالات، جسمانی تکالیف اور ایذاء رسانی زمانہ کا سامنا کیا مگر حصول علم جیسے بلند مقصد کی خاطر مونہہ سے اُف تک نہ کہی۔

ایسے ہی باہمت، حوصلہ مند اور شجاعت شعار بزرگوں کی صف میں ہمیں حضرت شیخ الاسلام، بحر العلوم، محدث اعظم، علامہ مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا پر عزم چہرہ بھی دکھائی دیتا ہے جو ہزارہا مشکلات کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے بالآخر سرخرو ہوئے اور آسمان علم وہدایت پر شعلہ بار آفتاب اور نورپاش مہتاب بن کر چمکے، بلا ریب آپ نے سارے جہاں کو اپنے دروس اور مواعظ سے جلاء اور ضیاء بخشی۔

دار العلوم گھوٹہ:

خلاصۃ المرام اینکہ چکوڑی کے بعد آپ کی منزل، مضافات ملتان میں واقع محمد پور گھوٹہ نامی ایک بستی قرار پائی، جہاں سیبویہ زماں، یگانۂ دوراں، فخر المحققین، اسوۃ المدرسین حضرت علامہ حافظ مولوی محمد جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سکھلانے اور آپ کا دین پڑھانے میں اپنے آپ کو زیبِ فرشِ مسجد ومدرسہ کئے ہوئے تھے۔ آپ مرشد زماں، خواجۂ خواجگان، علامہ دوراں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ اور ان سے مستفیض تھے، حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہ نے گھوٹہ میں شرح وقایہ، میر قطبی، ملا جلال، میبذی، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف اور حسامی تک کتابیں پڑھیں، حضرت مولانا محمد جمال الدین رحمۃ اللہ کی شفقت، محبت اور عنایت کا تذکرہ ہمیشہ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر رہتا تھا۔مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبیداللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا غلام مرتضیٰ چیلاوانی رحمۃ اللہ علیہ (شاگرد مولانا خواجہ خدابخش خیرپوریؒ) جیسے جید علماء کرام کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

دار العلوم محمد پور گھوٹہ میں بھی دیگر مدارس دینیہ کی طرح یہ طریقہ رائج تھا کہ طلباء عام طور پر مختلف گھروں سے اپنے لئے کھانا مانگ کر لاتے تھے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ایک نامناسب طرزِ عمل تھا۔ آپ اس طور طریقہ کے عادی نہ تھے، کیونکہ ایک باعزت زمیندار گھرانے کے چشم وچراغ ہونے کے ناطے سے آپ بھیک مانگنے پر موت کو ترجیح دینے کے قائل تھے، چنانچہ جب دیگر طلباء کھانا مانگنے کیلئے جانے لگے اور انہوں نے آپ کو بھی ساتھ چلنے کی پیش کش کی تو آپ نے اسے یکسر مسترد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے آپ پر غنودگی طاری ہوگئی اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ یہ دیکھ کر استاذ مکرم بہت پریشان ہوئے، طلباء نے جب ساری صورت حال کی وضاحت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں غلام محمد کو اپنا بیٹا بناتا ہوں، آج سے اس کیلئے کھانا میرے گھر سے بھیجا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔

موجودہ زمانہ میں یہ صورت حال بہت حد تک تبدیل ہوتی نظر آرہی ہے، عام لوگ طلباء کو بھکاری بنانے پر اعتراض کرنے لگے ہیں، یہی وہ معقول طرز فکر ہے جو کہ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۹۹ء میں یعنی آج سے ایک سو پندرہ سال پیشتر متعارف کرائی تھی، آپ وسط ۱۸۹۹ء سے اواخر ۱۹۰۱ء تک گھوٹہ میں رہے۔

حضرت علامہ حافظ محمد جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تھا کہ تہجد کی نماز کیلئے آپ علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو جگاتے، اس دن کے سبق پر گفتگو کرتے، مشکل مقامات کی توضیح فرماتے، اور اپنی طرف سے اس مقام سے متعلق اعتراضات قائم کرتے، اگر ہونہار شاگرد جواب دے دیتا تو فبہا ورنہ درس کے دوران اس اعتراض کو پیش کرنے کا حکم فرماتے تاکہ دوسرے طلباء بھی مستفید ہوسکیں۔

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ خصوصی سلوک اسلئے برتا جاتا کیونکہ استاد مکرمؒ نے آپ کو کلاس کا مانیٹر مقرر کیا ہوا تھا، اس لئے آپ روزانہ ساری کلاس کو یومیہ اسباق کا تکرار کراتے تھے اور اس طرح استاذ مکرم کا بوجھ بانٹ لیتے تھے، اس کے علاوہ سینئر طلباء کے ذمہ ہوتا تھا کہ وہ جونیئر طلباء کو پڑھائیں، حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ان سینئر طلباء میں سر فہرست ہوتے تھے، اس طرح گویا زمانہ طالب علمی سے ہی آپ مدرس کے فرائض انجام دینے لگے، رئیس گھوٹہ پیرزادہ حافظ ملک احمد بخش بھٹہ مرحوم و مغفور بھی آپ کے کلاس فیلو اور مستفید تھے، اسی طرح مولانا ملک محمود صاحب بھپلا مرحوم و مغفور نے بھی آپ سے استفادہ فرمایا۔

قاضی والا (تلمبری):

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال سے زائد عرصہ تک گھوٹہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد حضرت الاستاذؒ نے مشورہ دیا کہ برصغیر کے دیگر مشاہیر علماء سے بھی استفادہ ضروری ہے تاکہ آپ دور ونزدیک کی جملہ علمی وراثت کو سمیٹ سکیں جسکی صلاحیت آپ کے اندر نمایاں طور پر نظر آرہی تھی، چنانچہ آپؒ گھوٹہ سے قاضی والا، تلمبری ضلع مظفر گڑھ کے مدرسہ میں پہنچے جہاں حضرت مولانا سید غلام حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ شورکوٹی، ضلع جھنگ بطور مدرس خدمات انجام دے رہے تھے، (یہ مولانا سلطان محمودؒ تلمبری والے سکنہ ٹھٹھی حمزہ، ستانواں کے شاگرد تھے جو مولانا خواجہ عبیداللہ ملتانی کے شاگرد تھے) اسی طرح آپ مخن آباد کے ایک مقام چکی فاتق میں بھی تشریف لے گئے، مگر زیادہ دن قیام نہیں فرمایا۔

چکی شیخ ضلع میانوالی:

نمل ضلع میانوالی کے علاقے میں ایک پہاڑ پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ایک خانقاہ ہے اس مقام کا نام چکی شیخ ہے وہاں ایک نامور مدرس مولانا مولوی نور الزمان رحمۃ اللہ علیہ آف کالا باغ اپنے پیرزادہ کو پڑھانے پر مامور تھے، شوقِ علم، حضرت گھوٹویؒ کو وہاں بھی کشاں کشاں لے گیا، وہاں آپ کو عجیب وغریب صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ان ایام میں دو قدیمی طلباء حضرت مفتی عطاء محمد رتویؒ اور مولوی نور احمد بھکریؒ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس سے متاثر ہوکر سفر وحضر میں آپ کے ساتھی بن گئے تھے جب حضرتؒ چکی شیخ پہنچے تو مولانا نور الزمانؒ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قدوقامت کو دیکھ کر انہیں پڑھانے سے تو معذرت پیش کر دی مگر مولانا عطاء محمد اور مولوی نور احمد کو پڑھانے پر از خود رضامند ہو گئے، لیکن ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم تو صرف اور صرف علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی پڑھنے کیلئے ان کے ساتھ قریہ قریہ پھر رہے ہیں، یہ سن کر حضرت مولانا نور الزمانؒ بہت حیران تو ہوئے مگر حضرت گھوٹویؒ کو پڑھانے کی حامی بھر لی (مفتی عطاء محمد مذکور آف رتہ شریف ضلع چکوال، سلسلہ للہ شریف کے وارث علم وفضل تھے اور حضرت گھوٹویؒ کے ساتھ رامپور تک بھی گئے تھے)۔

پیرزادہ صاحب کے زیر درس کتاب صدرا (ہدیہ سعیدیہ کی شرح از علامہ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ) کا صرف ایک نسخہ وہاں دستیاب تھا، مگر پیرزادہ صاحب وہ نسخہ تھوڑے وقت کیلئے بھی حضرت گھوٹویؒ کو دکھانے کے روادار نہ تھے، حضرت نے اس کا حل یہ نکالا کہ رات کو جب پیرزادہ صاحب اپنے اتالیق مولوی صاحب کے ساتھ بیٹھ کر مطالعہ کا شغل فرماتے تو آپ انکے پیچھے کھڑے ہو کر متعلقہ صفحات کو پڑھ لیتے جس سے وہ ساری عبارت آپ کے حافظہ میں نقش ہو جاتی، بعد ازاں آپ الگ بیٹھ کر اس عبارت میں خوب غور وفکر کرتے اور اس کے معانی اور مطالب کا تفحص فرماتے، یہ ایک مشکل ترین صورت حال تھی مگر حصول علم کی لگن ایسی زبردست تھی کہ آپ یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔

ایک دن مولانا نور الزمان رحمۃ اللہ علیہ نے سبق کی تقریر کی، چونکہ وہ مقام خاصا مشکل تھا اسلئے انہوں نے پیرزادہ سے سبق سنانے کی فرمائش کی، مگر ان کے جواب سے آپ مطمئن نہ ہوئے، آپ نے دوبارہ تقریر کی، اب بھی پیرزادہ صاحب کا جواب اَقرب اِلی الصواب نہ تھا، مجبوراً استاد صاحب کو تیسری مرتبہ تقریر کرنا پڑی، لیکن افسوس کہ پیرزادہ حق مقام ادا نہ کر سکے، آج پہلی مرتبہ جناب استاد صاحب نے علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف توجہ کی اور سبق سنانے کا حکم دیا، علامہ گھوٹویؒ نے استاد صاحب کی تینوں تقاریر ترتیب وار سنا دیں اور ان پر اپنی طرف سے کچھ اشکالات بھی وارد کیے، استاد محترم حیران ہو کر کہنے لگے کہ ان کے جوابات کیا ہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ ہدیہ سعیدیہ کی ایک اور شرح حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ مولوی عبدالحق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی ہے، اس میں ان اشکالات کے جوابات موجود ہیں، پھر علامہ گھوٹویؒ نے اس مقام کی اصل تقریر پیش فرمائی جس سے سارے اشکالات رفع ہو گئے۔ (حضرت مولانا عبدالحق خیر آبادی حضرت علامۃ الزمان امام العصر مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے اور مدرسہ عالیہ رامپور کے سابقہ پرنسپل تھے۔ ان کے جانشین مولانا فضل حق رام پوری حضرت گھوٹویؒ کے استاد تھے)۔

استاد صاحب نہایت متاثر ہوئے اور پیرزادہ کو فرمایا کہ مولوی غلام محمد اس کتاب کے زیادہ حقدار ہیں، اسلئے انہیں بھی مناسب وقت کیلئے یہ کتاب دے دیا کرو۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ شہباز اوج علم تھے، انہیں بلند پروازی اور اپنے ذوقِ علمی کی تسکین کیلئے ''فائق الاقران'' کی تلاش میں ایک بار پھر محو سفر ہونا پڑا۔

دار العلوم نعمانیہ لاہور:

دار العلوم نعمانیہ لاہور، علوم اسلامیہ عربیہ دینیہ کی تدریس کا نامور اور قدیمی مرکز تھا، جہاں ان علوم کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ اور آلیہ کی اعلیٰ تعلیم بھی دی جاتی تھی، ریاضی، طبعیات اور کیمسٹری سیکھنے کیلئے طول و عرض سے شائقین علم ادھر کا رخ کرتے تھے، یہ دار العلوم، انجمن نعمانیہ لاہور کے زیر انتظام تھا جس کے منتظمین، دین اور علم کیلئے سراپا اخلاص تھے اور اتحاد بین المسلمین ان کا منشور تھا، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی نعمان بن ثابت کی مناسبت سے اس انجمن اور دار العلوم کا نام نعمانیہ تجویز کیا گیا۔ ان دنوں یہ دارالعلوم شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں واقع تھا۔

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ بھی اس دارالعلوم کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا کرتے تھے، آپ نے اس کے جلسۂ دستار فضیلت کی صدارت بھی قبول فرمائی تھی، اس موقعہ پر آپ نے اپنے یادگار خطاب میں اہل دین اور اہل تدریس کیلئے گراں قدر رہنما اصول بھی پیش فرمائے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب چکی شیخ کو الوداع کہا تو آپ کی منزل دار العلوم نعمانیہ لاہور تھی، اس دار العلوم کے انتخاب کی وجہ جامع المعقولات والمنقولات، متبحر عالم دین علامہ مولانا مولوی مفتی اعظم غلام احمد شہید طاعون حافظ آبادیؒ کی ذات گرامی تھی جو حضرت اعلیٰ گولڑوی کے ارادتمند اور دار العلوم ہذا میں صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، آپ کا فتویٰ مسلم عندالکل ہوتا تھا۔

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے اشتہار کے جواب میں جو اشتہار شائع کرایا تھا اس پر برصغیر کے جید اور محقق علماء و فضلاء کے تائیدی دستخط ثبت کرائے گئے تھے، ان میں حضرت علامہ مولانا مفتی اعظم مولوی غلام احمد حافظ آبادیؒ کے دستخط بھی شامل تھے، جب حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ لاہور تشریف لائے اور شاہی مسجد لاہور میں تین دن تک جلسہ ہوتا رہا تو اس سارے عرصہ کے دوران علامہ موصوف بھی حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے ساتھ رہے اور اس تمام دینی و تبلیغی کاروائی میں بھرپور حصہ لیا، آپ علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ ریاضی کی تمام اقسام، نیز طبعیات کے مایہ ناز استاد تھے اور افتاء میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک سال کے قریب قریب قیام فرمایا اور بیضاوی شریف، ترمذی شریف، ہدایہ شریف کے علاوہ طبعیات، کیمیا، ہیئت خاص طور پر علم المیراث اور ریاضی کی جملہ اقسام کی تعلیم حاصل کی۔آپ یہاں افتاء میں اپنے استاذ مکرم کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

حضرت علامۃ العصر مولانا مولوی محمد حسن فیضی رحمۃ اللہ علیہ بھی مفتی علامہ غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے اولین شاگردوں میں سے تھے اور دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں نائب مدرس تھے، اپنے استاذ گرامی کے ساتھ معرکہ لاہور میں سرگرم عمل رہے، آپ بے نقط نظم ونثر لکھنے کی وجہ سے فیضی کہلاتے تھے، آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو بذریعہ اشتہار چیلنج دیا کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی ذات گرامی تو بہت ہی بلند ہے پہلے آپ میرے ساتھ تفسیر نویسی میں مقابلہ کر لیجئے لیکن مرزا صاحب کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ ان کے چیلنج کو قبول کر سکتے۔ مفتی اعظم استاذ العلماء مولانا مولوی غلام احمد حافظ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور اولین شاگرد حضرت مولانا مولوی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ مدرس دار العلوم ہذا کا اسم گرامی بھی ان علماء ناصرین کی فہرست میں شامل ہے جو حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے شانہ بشانہ معرکہ لاہور میں موجود رہے۔

سیف چشتیائی میں حضرت اعلیٰ گولڑویؒ نے حضرت مولانا غلام احمد صاحبؒ کو ”محققین عصر اور مدققین دہر“ سے شمار کیا ہے۔ حکیم عبد الحیؒ رائے بریلوی نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں ”لَقِيتُهُ غَيْرَ مَرَّةٍ ببلدة لاهور وكان فاضلاً كبيراً، جيد التفقه، حليماً، متواضعاً، شديد التعبد، كثير الصمت، حسن السمت، له مهارة في استخراج المسائل الجزئية ومهارة في التدريس“ ترجمہ: ”لاہور میں کئی دفعہ آپ سے ملاقات ہوئی، آپ فاضل کبیر، عمدہ فقیہ، بردبار، منکسر المزاج، بڑے عبادت گذار، خاموش طبع اور خوش شکل آدمی تھے، مسائل جزئیہ کے استخراج اور فن تدریس میں مہارت تامہ رکھتے تھے“۔ حضرت علامہ مولانا مولوی عبد اللہ ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بڑے قدر دان تھے اور حواشی میں آپ کے مشورے قبول کرتے تھے، ۱۹۰۷ء میں وصال فرمایا۔

جامع فیض عام کانپور:

حضرتِ عارفِ کامل، جامع المعقول والمنقول، حاوی الفروع والاصول، فقیہ العصر

مولانا احمد حسن محدث کانپوری رحمۃ اللہ کی ذات مقدس اس جامعہ کی مسند تدریس وارشاد سے انوار علم وعرفان کا فیض، عام کرنے میں مشغول تھی، آپ کو حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا اعزاز حاصل ہے، آپ کے علو مرتبت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ حصول علم کیلئے آپ کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ محدث کانپوریؒ حضرت مولانا لطف اللہ علیگڑھیؒ کے شاگرد تھے۔

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم قطب الاقطاب علامہ غلام محمد محدث گھوٹویؒ کی خدا داد صلاحیتِ انتخاب نے آپ کو حضرت محدث کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض عام کی طرف رہنمائی کی، آپ کانپور حاضر ہوئے تو حضرت الاستاذ الکاملؒ نے بے ساختہ فرمایا یہ چودھویں کا چاند کہاں سے طلوع ہوا ہے؟ آپ نے عرض کیا پنجاب سے! پھر جب شرف تلمذ کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ آپ سے خوشبوئے علم آ رہی ہے اس لئے میں ضعیف العمری کے باوجود آپ کو پڑھاؤں گا۔ یہ اواخر ۱۹۰۲ء یا اوائل ۱۹۰۳ء کا زمانہ تھا۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے کانپور میں حدیث، فقہ، اصول فقہ، میراث، ادب عربی اور تمام علوم عقلیہ کا درس لیا۔ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ استاذ العلماء، حضرت کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی اور زہد وعبادت سے بہت متأثر ہوئے۔ استاذ کانپوری آپ کو سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حضرت الاستاذ کے ہمراہ حضرت خواجہ مخدوم علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر کلیر شریف حاضر ہوئے، چونکہ یہاں قوالی کا اہتمام کیا جاتا تھا، اس لئے کچھ ناپختہ طالب علم وہاں پہنچے اور انہوں نے محدث کانپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اباحت سماع بالمزامیر پر بحث شروع کر دی۔ آپ نے فرمایا وہ مزامیر حرام ہیں جو موجب لہو ولعب ہوں جبکہ صوفیاء کرام کا سماع، رغبت الی اللہ کیلئے گداز پیدا کرتا ہے۔ وَبَيْنَهُمَا بَوْنٌ بَعِيْدٌ، آپ نے ان طالب علموں سے مزید فرمایا کہ اپنے اساتذہ سے کہہ دینا کہ کل تک آپ کے اور ہمارے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ عرس کی محافل سماع میں شرکت فرماتے تھے تو آپ لوگوں کو بحث وتمحیص کی نہ سوجھی، آپ کے وصال کے بعد اب جواز کیلئے دلیل کا مطالبہ کیا جا رہا ہے؟ میں تو مشائخ کے پرانے طریقہ پر چلا آ رہا ہوں، نئی سوچ تو آپ نے اپنائی ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات ہی سماع کے عدم جواز کی دلیل پیش فرمائیں۔

پاکپتن شریف میں حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر حضرت اعلیٰ گولڑوی اور حضرت محدث کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی باہم ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے، حضرت اعلیٰ گولڑوی محدث کانپوری کو اپنے برابر مصلیٰ پر بٹھلانا چاہتے مگر وہ بوجہ ادب، معذرت کرتے تو حضرت پیر صاحب مصلیٰ ہٹا کر ان کے برابر نیچے بیٹھ جاتے اور دیر تک علمی اور روحانی گفتگو کا سلسلہ چلتا رہتا۔

حضرت مولانا مولوی محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاری عبدالرحمن جونپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا احمد حسن محدث کانپوریؒ کے شاگرد تھے۔

حضرت قبلہ باوجی قدس سرہٗ کا بیان ہے کہ میں نے کسی معمر بزرگ کو ایسی نورانی اور جاذب نظر شکل وشباہت والا نہیں دیکھا جیسے حضرت محدث کانپوری تھے، شفاف گندمی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اور اعلیٰ درجہ کی نظافت پسندی، گفتگو کے وقت گویا منہ مبارک سے پھول جھڑتے تھے، اس شان علم پر اخلاص وانکسار تو بے حد وبے مثال تھا۔

مسئلہ امتناع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت محدث کانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا، اسی طرح آپ نے ”تنزیہ الرحمن عن شائبۃ الکذب والنقصان“ تصنیف فرمائی، جس پر پروفیسر عبد اللہ ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ لکھی۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اخیر عمر کے شاگرد تھے، اسلئے آپ کو خاتم المستفیضین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ فقیہ العصر محدث کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خزانہ ہائے علوم وفیوض کے وارث ہونے کا شرف آپ کے حصہ میں آیا، جب تک حضرت کانپوری رحمۃ اللہ علیہ حیات رہے علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی اور جگہ جانے کا نہ سوچا، مگر جب ۱۹۰۴ء میں آپ کا وصال ہو گیا تو آپ کانپور سے رام پور تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ الاسلام گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے کانپور میں حضرت الاستاذ کے نائب کے طور پر افتاء کے منصب پر بھی خدمات انجام دیں۔

حضور محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت الاستاذ محدث کانپوری رحمۃ اللہ علیہ صلح جو مزاج رکھتے تھے، دھیمی اور پروقار طبیعت کے مالک تھے، سلف صالحین،

خاص طور پر حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر کاربند رہتے تھے اس وجہ سے مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے بعض مسائل میں اختلاف واقع ہو جاتا تھا۔

مدرسہ عالیہ رام پور:

اس زمانہ میں مدرسہ عالیہ رام پور اس علاقے کا سب سے نامور، عظیم الشان اور سرکاری دار العلوم تھا۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت الاستاذ علامہ مولانا فضل حق رامپوری پرنسپل دار العلوم ہذا (جوکہ مولانا حدایت علی بریلویؒ کے واسطے سے حضرت مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کے شاگرد تھے) کی کلاس میں سینکڑوں طلباء زیرِ تعلیم تھے، اس دار العلوم کے جملہ اخراجات حکومت رامپور برداشت کرتی تھی۔ والیان رامپور علم اور دین کی خدمت کو سعادت دارین سمجھتے تھے اور اختلاف مسلک کو اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیتے تھے۔اس مدرسہ کے سابقہ پرنسپل حضرات میں حضرت بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ملا حسن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ (ابن حضرت علامہ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ) جیسے عظیم اور نامور علماء کرام کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

حکومت کے فیاضانہ طرزِعمل کے باوجود، طلباء کی روز افزوں تعداد، دیگر ذرائع اور وسائل کی تلاش اور ضرورت کا احساس دلاتی رہتی تھی، چنانچہ منتہی طلباء، شہر کی مساجد میں امامت کے فرائض انجام دے کر اپنے خورد ونوش کا بندوبست کر لیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں کچھ نادار اور مستحق طلباء اہل ثروت کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر بھی گذر اوقات کرتے تھے، کچھ اہل دل اور مخیر حضرات ان دینی طلباء کی مدد کر کے اپنی عاقبت سنوارتے اور اللہ کے ہاں اجر پاتے۔

یہی صورتِ حال، دنیا کے تقریباً تمام مدارس دینیہ میں رائج اور معمول بہا تھی، جن بزرگوں نے ان کٹھن اور صبر آزما مراحل سے گذر کر علوم وفنون کے بیش بہا خزائن کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا وہ یقیناً مبارک باد اور اللہ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

جب حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ رام پور پہنچے تو اس وقت کوئی مسجد ایسی نہ تھی جس میں پہلے سے کوئی طالب علم پیش امام کا فریضہ انجام نہ دے رہا ہو،

نیز کسی کے آگے اپنی ضرورت بیان کر کے اس کی مدد کا خواہاں ہونا حضرت کے بس کی بات نہ تھی، چنانچہ آپ حضرت محبوب سبحانی قدس سرۂ العزیز کے اسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے جنگل کی طرف تشریف لے گئے تاکہ ساگ پات کھا کر ہی گذارا کر لیں لیکن وہاں بھی کچھ نہ ملا، جب آپ اُدھر سے واپس آ رہے تھے تو خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور آپ ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں، قریبی دروازے سے ایک سفید ریش بزرگ باہر نکلے، آپ کو دیکھ کر پوچھنے لگے، ارے میاں صاحبزادے! کیا طالب علم ہو؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے اپنے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کی پیشکش کی جو آپ نے قبول فرما لی، مگر چند دنوں بعد جب ایک دن آپ حسب معمول ان کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر دستک دی تو کوئی باہر نہ نکلا۔ کئی مرتبہ دستک دینے کے بعد بالآخر وہ لڑکا باہر نکلا اور آتے ہی کہنے لگا کہ ایک بار دستک دینا کافی تھا، مگر آپ تو مسلسل دروازہ کھٹکھٹانے لگے، اس نامناسب اندازِ گفتگو پر آپ اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ پھر اس طرف کا رخ نہ کیا۔ طلباء کی زبانی اس صورت حال کا علم جب حضرت الاستاذ علامۂ زمان مولانا مولوی فضل حق رامپوری پرنسپل مدرسہ ہذا کو ہوا تو انہوں نے اپنے گھر سے روزانہ دو وقت کا کھانا بھجوانے کا انتظام فرما دیا۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے کہ طلباء کیلئے حضرت محبوب سبحانی قدس سرۂ کا نمونۂ طالب علمی، موجب تسلی اور لائق اتباع ہے، آپ کا قول ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں، میں نے اتنے شدائد اور مصائب جھیلے ہیں کہ اگر وہ پہاڑ پر پڑتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ آج کل کے طلباء کرام کیلئے اس میں کمال کا درس عبرت ہے۔

"مدرسہ عالیہ رامپور میں آپ کا پہلا اعزاز"

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ رامپور میں نو وارد تھے اور آپ کا علمی مقام ابھی محجوب تھا اس لئے آپ کو آخری صف میں جگہ دی گئی۔

ان دنوں توضیح تلویح جو کہ اصول فقہ کی منتہی کتاب ہے، زیر سبق تھی، ایک دن دوران سبق حضرت الاستاذ مولانا فضل حق رامپوریؒ نے ایک مقام پر طلباء سے پوچھا کہ تلویح کی اس عبارت کا منشأ کیا ہے؟ طلباء کے جواب سے حضرت الاستاذ کما حقہ مطمئن نہ ہوئے تو نووارد طالب العلم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ارے پنجابی نوجوان! کیا تمہیں

معلوم ہے کہ منشاً کسے کہتے ہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ ''اساتذہ نے بتایا ہے کہ شارحین، شرح میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ ان تین امور میں سے کسی ایک کے تحت لکھتے ہیں۔ (۱) یا تو متن میں کوئی لغوی (لفظی) یا معنوی اغلاق (پیچیدگی) ہوتی ہے شارح اس کو دور کرتے ہیں، معنوی اغلاق میں ماتن کی زیرِ تشریح عبارت کے سیاق وسباق سے ربط میں الجھنیں بھی شامل ہیں، (۲) یا ماتن پر کوئی اعتراض وارد ہو رہا ہوتا ہے، اس کو رفع کرتے ہوئے شارح وہ عبارت درج کرتے ہیں۔ (۳) یا ماتن پر شارح خود اعتراض لگا رہے ہوتے ہیں۔ زیرِ نظر عبارت میں دوسری صورت پائی جاتی ہے یعنی صاحب توضیح پر یہ اعتراض لاگو ہو رہا تھا۔ اسلئے صاحب تلویح علامہ تفتازانیؒ نے اس کا جواب پیش فرمایا ہے، حضرت رامپوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اس جواب پر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا ''لاؤ پلاؤ والا ہاتھ''۔ خوشی کے اظہار کیلئے یہ کلمہ کہنا حضرت رامپوریؒ کی عادت تھی، اس کے بعد حضرت الاستاذ نے اپنے شاگرد کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا اور فرمایا اب تمہاری نشست گاہ یہ ہے، لہٰذا تم یہیں بیٹھا کرو۔ اس طرح حضرت الاستاذ نے آپ کو کلاس کا سرخیل اور مانیٹر مقرر کر دیا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات منظرِ عام پر آتے گئے۔ چند ہی دنوں میں حضرت رامپوریؒ کی شفقت اتنی بڑھی کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے لگے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ادب عربی، علوم بلاغت، الٰہیات، امور عامہ، اصول فقہ، اور منتہیات طبعیات کی تکمیل فرمائی، آپ نے یہاں سے مولانا جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا تھا اس پر ڈاکخانہ کی جو مہر لگی ہوئی ہے اس پر سن ۱۹۰۶ء لکھا ہوا ہے۔

''حدیث نبویؐ کی اسناد''

۱۔ اپنے وقت کے محدث اعظم حضرت العلامۃ الشیخ السید خواجہ پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ العزیز نے آپ کو حدیث پڑھائی، اس کی سند اور اجازت عطا فرمائی۔

۲۔ نیز حضرت اعلیٰ نے آپ کو حدیث ضیافۃ بالاسودین (الماء والتمر) عطا کی، اس کی سند اور اجازت بھی مرحمت فرمائی، اس سند میں حضرتِ اعلیٰ گولڑوی نے علامہ گھوٹوی

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ — ولادت اور حصولِ علم

کی شان میں تحریر فرمایا واصفت الاخ، الاعز، الفاضل، الیلمعی، اس کے علاوہ حضرت اعلیٰ نے حدیث بالمصافحہ عطا کی اور اس کی سند اور اجازت مرحمت فرمائی۔

یہ اسناد حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کے مکتوبات کے آخر میں درج ہیں۔

۳۔ محدث مدینہ منورہ الشیخ عبد الباقی الایوبی المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حدیث پڑھائی، اس کی سند اور اجازت عطا فرمائی۔

۴۔ نیز انہوں نے آپ کو اپنے اثبات مناھل السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ اور نشر الغوالی عطا فرمائے، ان کی سند اور اجازت عطا فرمائی۔

۵۔ حضرت شیخ الحدیث علامہ وزیر احمد محدث رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حدیث پڑھائی اور سند واجازت عطا فرمائی، اس سند پر تاریخ بروز خمیس ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ درج ہے، حضرت شیخ الحدیث رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اس سند میں مندرجہ ذیل القاب سے نوازا ہے، انہ قد التمس منّی أخی وتلمیذی الأدیب الاریب الحسیب اللبیب المتفطن المتوقّد الذکی الزکی البر الصالح الفالح التقیّ النقیّ الا لمعیّ المولوی غلام محمد بن چودھری عبد اللہ خان بن چودھری محمد خان عرف چوغطه، الملتانی ان اجیزہ أن یروی عنّی الصحاح الستة وغیرھا من کتب الحدیث آہ.

یہ سند حدیث حضرت سید محمد شاہ رامپوریؒ عن حضرت سید حسن شاہ رامپوریؒ عن حضرت سید عالم علی نگینویؒ کے واسطوں سے حضرت محدث اعظم حضرت الشاہ محمد اسحاق الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک جا پہنچی ہے۔

''علوم شرعیہ وعقلیہ کی اسناد''

۱۔ جامع المعقولات والمنقولات مفتی اعظم مولانا احمد حسن محدث کانپوریؒ صدر الاساتذہ مدرسہ فیض عام، کانپور نے آپ کو علوم شرعیہ وعقلیہ نیز افتاء کی سند اور اجازت عطا فرمائی۔

۲۔ برصغیر کے نامور ترین دار العلوم ''المدرسة العالية'' رامپور سے آپ کو علوم شرقیہ کے درجۂ اعلیٰ کی سند عطا کی گئی، یہ سند نیچے درج کر دی گئی ہے۔

۳۔ حضرت الشیخ العلامہ مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ پرنسپل **"المدرسۃ العالیۃ"** رامپور نے آپ کو اپنی خصوصی، ذاتی سند بھی عطا کی، اس میں انہوں نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے اسم مبارک کے ساتھ **الملتانی وطناً واللاثانی لقباً** کے القاب تحریر فرمائے۔

۴۔ حضرت علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرۂ العزیز سے پڑھیں۔

۵۔ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے فنِ تجوید وقراءت کی تکمیل حضرت قاری القراء مولانا عبد الرحمٰن جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی۔

۶۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم وزیر الحسن رحمۃ اللہ علیہ (آف رامپور) سے علم طب کی تکمیل فرمائی۔

"تفصیل سند مدرسہ عالیہ، ریاست رامپور"

حضرت والدی الکریم نائب الشیخ، مفتی اعظم شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح حیات حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسودات میں تحریر فرمایا ہے۔"مدرسہ عالیہ ریاست رامپور سے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو سند فراغ ۱۹۰۷ء میں ملی تھی، جس کی پیشانی پر ریاست رامپور کا سرکاری مونوگرام ہے جو برطانوی حکومت کے مونوگرام کے بالکل مشابہ ہے، اس کے سرے پر کلمات حمد باری تعالیٰ عربی زبان میں بخط نسخ کندہ ہیں، سب سے نیچے بھی عربی عبارت تحریر ہے۔ اس کی بائیں طرف مدرسہ عالیہ رامپور کی روئیں مہر ثبت ہے، نیچے یوں لکھا ہے:

السند المستند

من تجویز المدیر الاعلی للمدرسۃ العالیۃ الصاحبزادہ مصطفی علی خان بھادر

ہوم سیکریٹری ریاست رامپور

بسم اللہ تبارک وتعالی ولہ الحمد

نیچے چار مصرعی طرز پر سات سطروں میں چودہ اشعار کی سند ہے، آخر میں صفحہ کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے، دایاں حصہ اردو زبان میں اور بایاں حصہ انگریزی زبان میں، اندراج کوائف کیلئے مختص کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے کوائف بتفصیل ذیل درج ہیں:۔

سند مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

علوم مشرق

سالانہ امتحان منعقدہ ۱۹۰۷ء

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مولوی غلام محمد ولد چودھری عبد اللہ خان، ساکن گھوٹہ شریف، ضلع ملتان، پنجاب، ہند، طالب العلم دار العلوم مدرسہ عالیہ ریاست رامپور سیکشن اول، فنون مشرقیہ نے امتحان درجۂ علیٰ معہا جمیع درجات مندرجہ مدرسہ ہذا فرسٹ ڈویژن فرسٹ پوزیشن میں پاس کیا، اس کا نمبر ترتیبی کامیابی اول ہے۔

دستخط:	دستخط:
محمد فضل حق بقلمہ	محمد رضا طباطبائی
پرنسپل مدرسہ عالیہ۔	ڈائریکٹر مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

اس کے نیچے تاریخ درج ہے۔

"دیگر اوراد و وظائف کی اجازت وسند"

حضرت الشیخ عبد الباقی الایوبی المحدث المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو مندرجہ ذیل اوراد وظائف کی اجازت اور سند بھی عطا فرمائی تھی۔

(۱) الاحزاب الأحمدیہ (۲) الطریقۃ الأحمدیہ (۳) الاحزاب الخمسۃ

(۴) الصلوات الخمسۃ عشر (۵) الحزب السیفی.

ان اوراد و وظائف کی سند میں حضرت مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اروی الأحزاب الأحمدیۃ والطریقۃ الأحمدیۃ المشتملۃ علی التھلیل والصلوٰۃ العظیمۃ والاستغفار الکبیر والأحزاب الخمسۃ والصلوات الخمسۃ عشر عن الشیخ أبی عبد اللہ الصالح المسّاوی المکی عن الشیخ العلامۃ أحمد بن الشیخ السید ادریس العرائشی عن الخضر علیہ السلام واروی الحزب السیفی عن الشیخ السید أحمد العرائشی عن الشیخ العلامۃ المجیدری عن الشیخ الققائی قطب الجن عن سیدنا و مولانا علیٍ کرم اللّٰہ وجھہٗ".

مذکورہ بالا سند واجازت کے علاوہ بعض مغربی سلاسل طریقت کے شیوخ اور مجاز حضرات نے بھی (جو کہ اس زمانہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھے) حضرت الشیخ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اپنے سلاسلِ طریقت کی تحریری اجازت اور اسناد عطا فرمائی تھیں کیونکہ ان شیوخ کی یہ سوچ تھی کہ صرف صاحبِ علم ہی صاحبِ طریقت بن سکتا ہے اور بس!

''حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی اجازت''

حضرت اعلیٰ نور اللہ مرقدہ نے حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے تمام اوراد و وظائف کی اجازت بخشی اور آپ کو اپنی خصوصی بیعتِ ارشاد سے مالا مال فرمایا۔

''حضرت شیخ الاسلام کے وظائف کی فہرست''

حضرت کے بڑے صاحبزادے شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسودات میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد و وظائف کی جو فہرست تحریر فرمائی ہے اس میں مندرجہ ذیل وظائف شامل ہیں:۔

(۱) حمائل قرآن مجید، (۲) مجموعہ مسمیٰ بہ جواہر القرآن (۳) دلائل الخیرات (۴) مجموعہ وظائف مہریہ (۵) ورد اللہ الصمد (۶) درود شریف (۷) مناجات عبیدیہ اور مجموعہ وظائف عبیدیہ مرتبہ حضرت الاستاذ مولانا خواجہ محمد عبید اللہ صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (یہ دونوں آخری تبرکات مولانا عبید اللہ صاحب نے اپنے ہونہار شاگرد مولانا حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمائے تھے اور انہوں نے یہ دونوں تبرکات اپنے ہونہار شاگرد حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرما دیئے (۸) حصن حصین (۹) وہ تبرکات جو آپ کو حضرت محدث مدنیؒ سے ملے، (۱۰) وہ تبرکات جو آپ کو مغربی شیوخ سے ملے، (۱۱) وہ تبرکات جو آپ کو حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ سے ملے۔

☆☆☆☆

بابِ دوم

مسندِ تدریس وارشاد

''درستُ العلم حتی صرتُ قطباً''

''مسند تدریس وارشاد پر جلوہ گری''

مدرسہ انوارالعلوم رامپور

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ انوار العلوم رامپور سے کیا۔ یہ ۱۹۰۷ء کا زمانہ تھا، مولانا رامپوریؒ نے آپ کو یہاں صدر المدرسین تعینات کرا دیا۔ اس مدرسہ کے پہلے صدر مدرس مولانا مفتی محمد لطف اللہ خلف مولانا سعد اللہ مراد آبادی ثم رامپوریؒ تھے، مولانا سعد اللہ مراد آبادیؒ متوفی ۱۲۹۴ھ مفتی رامپور اور قاضی وحاکم مرافعہ ریاست ہذا بھی تھے۔ ان کے صاحبزادے مفتی محمد لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۳۱ھ اپنے والد کے جانشین بنے، ان کے بعد حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے مسند نشین مقرر ہوئے۔

کافی عرصہ بعد مولانا فضل حق رامپوری نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو جو اپنی ذاتی خصوصی سند عطا فرمائی تھی اس میں وضاحت سے تحریر فرمایا کہ ''مولانا غلام محمد ملتانی حصول علم سے فارغ ہونے کے بعد وہیں رامپور میں ٹھہر گئے اور تدریس کر کے طلباء کو مستفید کرنے لگے۔ رامپور والوں نے ان کو مدرسہ انوارا العلوم کا مدرس اول مقرر کیا۔ رامپور میں قیام کے دوران انہوں نے خلق کثیر کو اپنے علم سے مالا مال کیا، طلباء کی بہت بڑی تعداد نے ان سے شرف شاگردی حاصل کیا، ان کے کمالات علمیہ اور فتاوٰی فقہیہ لوگوں میں بہت مشہور ہو گئے۔ حتی کہ آپ اپنے ہم زمانہ فضلاء اور ہم عصر علماء سے فضیلت پا گئے۔ پھر اہل وطن کے پرزور اصرار پر آپ نے یہاں سے ترک سکونت کر کے اپنے وطن ملتان کی طرف مراجعت کی جہاں کے شائقین علم نے آپ کا بڑا احترام کیا''۔

ملک حافظ احمد بخش بھٹہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ملک محمود صاحب بھپلا رحمۃ اللہ علیہ نے رامپور حاضر ہو کر حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کے استاد صاحب کا وصیت نامہ پیش کیا تھا اور گھوٹہ کی مسند سنبھالنے کی درخواست کی تھی، چنانچہ آپ ۱۹۰۹ء میں بطور استاذ الاساتذہ، دار العلوم گھوٹہ ملتان میں جلوہ فرما ہوئے۔

جب حضرت شیخ الاسلام رامپور سے روانہ ہونے لگے تو اساتذہ کرام، طلباء، معززین شہر اور عوام الناس آپ کو الوداع کہنے کیلئے ریلوے اسٹیشن رامپور تک آئے اور نہایت اعزاز کے ساتھ آپ کو خدا حافظ کہا۔

''حضرت گھوٹوی ایک مستند شاعر بھی تھے''

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبع حساس میں شعرگوئی کا ملکہ تو پہلے سے ہی موجود تھا مزید ایں کہ اس زمانہ میں رامپور شعر وادب کی نرسری کہلاتا تھا، اسلئے جب اس کا ماحول آپ کو میسر آیا تو آپ پکے شاعر بن گئے اور باقاعدہ طور پر مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی میں آپ نے بڑی شہرت پائی۔ اپنے اساتذہ کی مدح میں بھی قصائد موزوں فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا دیوان بھی تھا جو لاعلمی میں اُدھر رامپور میں کسی کے پاس رہ گیا۔

''دار العلوم آف گھوٹہ شریف''

۱۹۰۹ء میں شیخ الکل، استاذ الاساتذہ، علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کے بعد گھوٹہ کے مدرسہ کو اللہ تعالیٰ نے قبول عام کی خلعت سے نوازا اور اس دار العلوم کی شہرت چہار اطرافِ عالم میں پھیل گئی۔ برِصغیر کے اندر اور باہر یہ بات زبان زدِ عام وخاص ہوگئی کہ ''مضافاتِ ملتان' کے ایک قصبہ محمد پور گھوٹہ میں ایک ایسا یگانۂ روزگار ذی علم وارد ہوا ہے جو قومی اور بین الاقوامی شہرت کے حامل تمام علماء وفضلاء کے جملہ شرعی اور عقلی علوم وفنون کا وارث ہے۔

جناب پروفیسر مغیث الدین صاحب نبیرہ حضرت الاستاذ مولانا مولوی حافظ علامہ جمال الدین گھوٹوی نور اللہ مرقدہ کا بیان ہے کہ شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے اس دار العلوم کو چار چاند لگ گئے، حافظ عبد الحق مرحوم سکنہ گھوٹہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اس دار العلوم کے طلباء کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب یہ طلباء تعطیلات کے مواقع پر اپنے اپنے گھروں کو جانے کیلئے گھوٹہ سے نکلتے تو یہاں سے ملتان کے ریلوے اسٹیشن تک قطار اندر قطار، طلباء ہی طلباء نظر آتے تھے۔

محدث اعظم استاذ الکل علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے منتہی تلامذہ صبح سے عشاء تک اسباق پڑھاتے رہتے، پوری مسجد شریف، احاطۂ قبور، اس کا سامنے والا وسیع سایہ دار میدان، اور اردگرد کے باغات، سب طلباء سے معمور ہو جاتے اور پوری فضا نغمہ ہائے علم سے گونجنے لگتی۔ نیز حضرت مولانا ملک محمود صاحب بھپلا رحمۃ اللہ علیہ شالی مسجد میں مفوضہ کتب کی تدریس فرماتے تھے۔

جناب مولانا منیر الدین صاحب کا بیان ہے کہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم قاسم العلوم ملتان جب کبھی گھوٹہ میں تشریف لاتے تو فلاں درخت کے نیچے کھڑے ہو کر فرماتے: ''یہ ہمارا دار الحدیث تھا جہاں ہم استاذ الاساتذہ شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث شریف پڑھا کرتے تھے''۔

گھوٹہ یونیورسٹی کے طلباء کے قیام وطعام کا مسئلہ یوں حل کیا گیا تھا کہ طلباء کی کچھ تعداد تو خود اہل گھوٹہ کے ذمہ ہوتی تھی اور باقی طلباء گھوٹہ کے اطراف میں واقع قصبوں اور بستیوں کے ذمہ لگا دیئے جاتے تھے، جہاں ان کے لئے قیام وطعام کا معقول انتظام ہوتا تھا، یہ طلباء عشاء کے وقت اُدھر چلے جاتے اور صبح نماز کے وقت واپس درس میں حاضر ہو جاتے تھے۔

شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ پیرزادہ میاں محمد یوسف بھٹہ صاحب نے بتلایا کہ ان کے والد گرامی پیرزادہ میاں حافظ احمد بخش بھٹہ صاحب رئیس گھوٹہ خود بنفس نفیس، بادام اور دیگر مغزیات سے مشروبات اور خمیرے تیار کر کے حضرت الاستاذ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتے رہتے تھے تاکہ آپؒ تدریس کے اتنے پُر مشقت دماغی کام سے باحسن طریق عہدہ برا ہو سکیں اور یہ کارخیر جاری رہے۔

جناب میاں محمد یوسف بھٹہ صاحب نے مزید بیان کیا کہ ان کے والد صاحب کے ایک دوست جو ملتان چھاؤنی کے کور کمانڈر تھے، بعض اوقات ان سے ملنے آ جاتے تھے، وہ جب بھی آتے والد صاحب مغزیات کی تیاری میں لگے ہوتے، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو والد صاحب نے انہیں بتلایا کہ ہمارے ہاں استاد صاحب ہیں جو بہت زیادہ دماغی کام کرتے ہیں، میں یہ سب ان کے لئے تیار کرتا رہتا ہوں، وہ بہت حیران ہوئے کہ وہ کتنا عظیم استاد ہوگا جس کی خدمت کرنا اس رئیس علاقہ کیلئے فخر کی بات ہے۔

حضرت الاستاذ العلامہ مولانا مولوی حافظ جمال الدین اعوان رحمۃ اللہ علیہ ساکن محمد پور گھوٹہ، علاقہ ملتان کے دو صاحبزادے تھے، بڑے حضرت مولانا حافظ حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ اور دوسرے حضرت مولانا علامہ حافظ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

بڑے صاحبزادے تو پڑھنے کیلئے قصبہ انتراں اور بعد ازاں دیگر علاقہ جات کی طرف چلے گئے تھے لیکن چھوٹے صاحبزادے حافظ رفیع الدین صاحب نے دار العلوم گھوٹہ میں تعلیم پائی تھی۔ آپ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہونہار اور چہیتے شاگردوں میں سے تھے، شاگرد کو بھی اپنے استاذ گرامی حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت اور مودت تھی۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ موسم گرما میں بھی، میں رات کو کمرے کے اندر ہی سوتا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ مجھے گرمی محسوس نہیں ہوتی تھی جبکہ یہ علاقہ گرمی کی شدت میں مشہور ہے۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ آدھی رات کو میری آنکھ کھل گئی، کیا دیکھتا ہوں کہ صاحبزادہ حافظ رفیع الدین مجھے پنکھا جھل رہے ہیں، تب مجھے معلوم ہوا کہ گرمی نہ لگنے کی یہ وجہ تھی۔

حضرت مولانا پیر امام علی شاہ صاحبؒ نے مجھے بتلایا کہ حضرت الاستاذ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو پنکھا جھلنے کا شرف مجھے بھی حاصل رہا ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

''رنگِ تدریس''

جب حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے تو آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز معقولات پڑھانے سے کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ آپ ادب عربی، علم العقائد، اور اصول تشریع کی تدریس بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ان علوم میں آپ کی شہرت چہار دانگِ عالم میں پھیل گئی۔ پہلے پہل آپ ایک معقولی، کلامی اور اصولی عالم کی حیثیت سے متعارف ہوئے، ساتھ ہی ساتھ فتویٰ نویسی، بلاغت ومعانی، عربی گرائمر اور ادب عربی میں بھی لاثانی کہلانے لگے، تمام اہل علم آپ کو بحر العلوم اور جامع المعقولات والمنقولات کے نام سے یاد کرتے تھے۔

جہاں تک آپ کے طریق تدریس اور انداز تفہیم کا سوال ہے تو عرض ہے کہ اس زمانہ میں حضرت کو سید سند، شیخ رضی، محقق دوانی اور خیرآبادی حضرات کا رنگ زیادہ پسند تھا، لہٰذا زیادہ تر شہرت ان اسباق میں رکھتے جنہیں ان حضرات نے اختیار فرمایا تھا، علوم عقلیہ سے مافوق علوم شرعیہ عربیہ اسلامیہ کی تدریس بھی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی۔

آپ کے طریقۂ تدریس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ آپ ایک ایک سطر کر کے نہیں پڑھاتے تھے بلکہ یونیورسٹی کے پروفیسر کی طرح جامع، مانع لیکچر دیتے تھے جو پورے موضوع پر پھیلا ہوا ہوتا تھا اور اس کے تمام مطالب و مشتملات پر حاوی ہوتا تھا، اس لیکچر میں تمام سوالاتِ مقدرہ اور ان کے جوابات خود بخود آ جاتے تھے، اس کے باوجود اگر کوئی سست دماغ طالب العلم کوئی سوال اٹھاتا تو آپؒ اس کا مختصر جواب دینے کی بجائے دوبارہ لیکچر دیا کرتے تھے جس میں تمام ممکنہ سوالات مع جوابات پھر سے بیان ہو جاتے تھے۔

طلباء کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ جب وہ کلاس میں عبارت پڑھیں تو ایک تو زبر، زیر وغیرہ کی غلطی بالکل نہ کریں، دوسرے یہ کہ جہاں سے مضمون شروع ہو رہا ہو وہاں سے پڑھنا شروع کریں اور جہاں پہ ختم ہو رہا ہو وہاں پہ ختم کریں، اس سے اگلی سطر یا پچھلی سطر ہرگز نہ پڑہیں۔ اتنی دردسری آپ اس لئے مول لیتے تھے تاکہ طلباء، رات کے مطالعہ سے غفلت نہ برتیں بلکہ سینئر طلباء سے مضمون کی بابت مشاورت کر کے، پوری طرح تیار ہو کر آئیں۔

آپؒ کلاس میں ڈسپلن کا بہت ہی خیال رکھتے تھے۔ اس کی خلاف ورزی ہرگز برداشت نہ کرتے تھے، اگر کوئی طالب العلم پڑھائی کے دوران، ہمہ تن گوش ہو کر، استاد کی طرف متوجہ نہ ہوتا تو خفا ہوتے تھے۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ زیادہ تر عربی زبان میں تدریس فرماتے تھے، بغیر کسی وقفہ کے سارا سارا دن عربی میں پڑھاتے رہتے۔

"سعادت عظمٰی - دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم"

محبت ایک ایسی قوتِ روحیہ اور نعمت الٰہیہ ہے کہ اس سے کرشات کا صدور ہوتا ہے۔ روح جو امرِ ربی ہے، اس کی زیبائش محبت سے ہے، محبت باعثِ آفرینش ہے، محبت موجب افزائش شئون ہے، محبت علتِ نمائش کن فیکون ہے، سب سے بڑھ کر محبت وہ ہے جو خالق محبت نے کی ہے۔ اس نے اپنی محبت اپنی پہلی تخلیق صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور فرمائی۔ پھر وہ محبت ذرے ذرے میں پھیل گئی، کل کائنات محبت کا عرش قرار پائی، سب نے اپنے ظرف، محبت سے بھر لئے، خالق محبت شادمان ہوا۔

اہل محبت کے طفیل مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بحرِ حب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غریق ہو کر مسند وراثتِ نبویہ کے لئیق قرار پائے۔

اس امر کی تقریب یوں ہوئی کہ غلامِ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بحر العلوم مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۱ء میں پہلا حج ادا کیا، بعد ازاں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ یہ قیام، باالنعام ثابت ہوا، کیونکہ اس دوران آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نصیب جاگے کہ آپ کو زیارتِ خیر الانام علیہ الف الف صلوٰۃ والف الف سلام کے عز وشرف سے بَیْنَ الْیَقْظَۃِ وَالْمَنَام مشرف فرمایا گیا۔

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کیا دیکھتے ہیں کہ آن تاجدار اقلیم نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ گر ہیں، جملہ سلاسل کے اولیاء کرام آپ کی بارگاہ عرش جاہ میں دست بستہ حاضر بحضور ہیں، محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے مرشد کی معیت میں گریہ کناں، طالب رحمت ہیں، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابر رحمت موسلا دھار برس رہا ہے۔ سرور کونین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ لطف وکرم سے علامہ گھوٹوی مالا مال ہوتے ہیں۔ تدریس حدیث پر مأمور کئے جاتے ہیں اور سعادتِ دارین کا مژدہ پاتے ہیں، اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آل سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم۔

چنانچہ آپ نے "تدریس حدیث" کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ حتیٰ کہ محدث اعظم کے لقب سے ملقب ہوئے۔گھوٹہ شریف اور بہاولپور کا کل عرصہ ملا کر آپ نے چھتیس سال حدیث پڑھائی۔

بڑے بڑے علماء وفضلاء گھوٹہ شریف میں پیلو کے جال اور شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ سے صحاح ستہ کی تکمیل کرتے رہے۔ ان میں حضرت مولانا مہر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا پیر امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، اور دیگر بے شمار علماء وفضلاء شامل ہیں۔

جامعہ عباسیہ بہاول پور میں تشریف آوری کے بعد بھی حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر اسباق کے ساتھ ساتھ خاص طور پر تدریس بخاری شریف کو اپنے اوپر لازم کئے رکھا اور اول دن سے آخری دن تک سارا عرصہ بخاری شریف کا سبق خود پڑھاتے رہے۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، کتاب بخاری شریف شروع کرانے سے پہلے حجیتِ حدیث، اصطلاحاتِ فنِ حدیث، روایت اور درایت کے اصول وضوابط، عدل، ضبط اور ثقاہت کے مباحث، اسماء الرجال، طبقات و مراتبِ حدیث، صحاح ستہ میں سے بخاری شریف کی اہمیت، حدیث کی دیگر کتابوں کا صحاح ستہ سے تقابل، کتبِ اصول حدیث اور کتبِ علم الجرح و التعدیل کے تفصیلی تعارف پر مہینوں ایسی گفتگو فرماتے کہ طلباء تو طلباء بڑے بڑے علماء کرام بھی آپ کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، تحقیق و تدقیق اور یادداشت پر دنگ رہ جاتے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۷ء سے ۱۹۴۸ء تک مسلسل چالیس سال تدریس فرمائی۔

اسی طرح آپ کے بڑے صاحبزادے نائب الشیخ مفتی اعظم شیخ الحدیث علامۃ الزمان استاذ العلماء قطب الاقطاب الحافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری قدس سرہٗ العزیز کا عرصہ تدریس بھی چالیس سال پر محیط ہے۔

راقم الحروف (پروفیسر نصیرالدین شبلی) کو بھی چالیس سالہ تدریس کا شرف حاصل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم کی سعادت چار مرتبہ حاصل کی، (۱) پہلی مرتبہ ۱۹۱۱ء میں (۲) دوسری مرتبہ ۱۹۲۸ء میں (۳) تیسری مرتبہ ۱۹۳۵ء میں، (۴) چوتھی مرتبہ ۱۹۴۵ء میں۔

''وطن مألوف کی زیارت''

جب آپ گھوٹہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہاں چند ایام گذارنے کے بعد آپ نے اپنے وطن قصبہ گمرالی کلاں نزد منگووال ضلع گجرات جانے کا ارادہ فرمایا تاکہ دس سال سے بچھڑے ہوئے اعزہ واقارب سے ملاقات کرسکیں۔ بوقت نماز عصر، آپ اپنے گاؤں میں اپنے رقبہ پر پہنچے۔ سب سے پہلے آپ نے رہٹ پر بنی مسجد میں نماز باجماعت ادا فرمائی، اعزہ نے پہچان لیا اور فرط محبت سے اشک بار ہوگئے۔ اتنے میں آپ کی آمد کی اطلاع چہار اطراف میں پہنچ گئی اہل دیہہ جوق در جوق آپ کو ملنے کیلئے آنے لگے، مسجد سے گھر تک جاتے ہوئے ایک جم غفیر جمع ہوگیا، تمام لوگ آپ

کے آنے پر جشن منا رہے تھے، آپ تین دن گمرالی میں رہے، آباء وامہات نے مزید روکنا چاہا مگر آپ نے ضیاع وقت کو مناسب خیال نہ فرمایا اور واپس گھوٹہ پہنچ کر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

''بے لوث خدمتِ تدریس''

یہ امر نہایت قابل غور ہے کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی درویشی، للّٰہیت، اخلاص اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اہل گھوٹہ سے نہ کوئی مشاہرہ طے کیا، نہ کوئی مراعات طلب کیں اور نہ ہی کسی قسم کی سہولیات کے متمنی ہوئے، ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کی طرف سے قلبی اعزاز واکرام بڑھ چڑھ کر نچھاور ہوا نیز پیرزادہ ملک حافظ احمد بخش بھٹہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ کی معاشی ضروریات بہم پہنچانے پر ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے۔

یہ سچ ہے کہ اہل اللہ اسباب ظاہرہ سے امیدیں وابستہ کرنے کی بجائے اپنی ساری توجہ اپنے رب کریم کی طرف مرکوز رکھتے ہیں، چنانچہ ان کیلئے از غیب راستے کھول دیئے جاتے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾. ترجمہ ''اہل تقویٰ کیلئے خود اللہ تعالیٰ راہ نکالتا ہے اور انہیں خود روزی دیتا ہے جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوتا''۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلب قانع، روپے پیسے کی محبت سے یکسر پاک اور مبرا تھا، محبت دنیا اور تمنائے جاہ وحشم سے بے نیازی آپ کی فطرت میں سمائی ہوئی تھی، آپ کو صرف ایک چیز سے شغف تھا اور وہ تھی تدریس۔

آپ نے اپنے علم کو کبھی بھی روپیہ کمانے کا وسیلہ نہ بنایا بلکہ قناعت اور درویشی ہی آپ کو مرغوب تھی، آپ مشاہرات اور مراعات کی خواہش سے بالکل معرا تھے، سادگی اور فقیری آپ کی طبیعت میں رچی بسی ہوئی تھی، للّٰہیت اور اخلاص آپ کی طبیعت کا جزو لاینفک تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جب اطراف واکناف سے آپ کو بھاری تنخواہوں اور سہولیات کی پیش کش کی جاتی تھی تو آپ ان کی طرف لپکنے کی بجائے بلا تنخواہ کم کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ ایک سرکاری ادارہ تھا جو براہ راست برٹش گورنمنٹ کے زیر انتظام تھا، اس کے پرنسپل حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب تھے جنہیں فالج کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ وہاں سے ریٹائر ہو گئے تو حکام نے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کیا اور گیارہ سو روپے ماہوار کی پیشکش کی مگر حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبول نہ فرمایا، اسی طرح شاہ پور ضلع سرگودھا کے ایک رئیس ملا خان محمد صاحب آرائیں خواہاں ہوئے کہ حضرت محدث گھوٹویؒ کو اپنے ہاں لے جا کر مسند تدریس قائم کریں، معقول مشاہرہ اور دیگر کافی سہولیات کی پیشکش کی مگر حضرت آمادہ نہ ہوئے۔

نیز چودھری اللہ داد صاحب جن کا جہانیاں منڈی کے قریب چک نمبر ۹۹ میں ایک وسیع ڈیری فارم تھا، اپنے علاقے میں درس قائم کرنا چاہتے تھے، پانچ سو روپیہ ماہوار اور دو مربعہ اراضی ملکیت میں دینے کی پیشکش کی لیکن شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ گھوٹہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔

زر دنیا سے استغناء کا یہ عالم تھا کہ جب کہیں پہ اختتام بیان کے بعد آپ کی خدمت میں کچھ نذرانہ وغیرہ پیش کیا جاتا تو آپ اسے ہرگز قبول نہ کرتے بلکہ اگر کوئی اصرار کرتا تو آپ خفگی کا اظہار فرماتے، اس زُہد و بے غرضی کی نظیر آج کل کے دور میں مشکل ہی سے ملے گی۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَن یَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾۔

"جناب الحاج حافظ ملک احمد بخش بھٹہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق خاطر"

جناب ملک صاحب موصوف نے حضرت الاستاذ علامہ حافظ جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم پائی تھی اس لحاظ سے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھائی تھے نیز انہوں نے محدث گھوٹوی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ ان دونوں میں بڑے مضبوط برادرانہ اور دوستانہ تعلقات قائم تھے، حضرت گھوٹویؒ نے اپنی تحریر میں اس تعلق کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:۔

"وقفت هذا الكتاب فى سبيل الله تعالىٰ ووهبت ثواب استعماله للروح المقدس الأمين روح الحافظ رفيع الدين رحمهُ الله تعالىٰ والتولية إلى ولدى وفلذة كبدى الحافظ احمد بخش بهٹه طول عمره.

وقف كننده راقم غلام محمد عفى عنه.

ترجمہ: "میں نے اس کتاب (تفسیر کشاف) کو اللہ کی راہ میں وقف کیا اور اس کے پڑھنے کا ثواب حافظ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۱۱ء) کی پاک روح کو بخشا، اس کتاب کی تولیت (یعنی تولیت وقف) اپنے قلبی اور روحانی لخت جگر حافظ احمد بخش بھٹہ طول عمرہ کو عطا کی"۔ تفسیر کشاف کی تدریس کے دوران حضرت گھوٹوی، مذہب اعتزال پر دلائل کی روشنی میں تنقید بھی فرمایا کرتے تھے۔

"شادی خانہ آبادی"

حافظ حاجی ملک احمد بخش بھٹہ صاحب، خان غلام سرور خان صاحب ساکن حماد پور، حکیم غلام رسول گاذر صاحب اور مولانا مولوی فیض بخش خان صاحب بلوچ اور دیگر احباب نے حضرت الاستاذ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے کیلئے مختلف خاندانوں میں سلسلہ جنبانی کا آغاز کیا، کافی دیکھ بھال کے بعد ان لوگوں نے حضرت مولانا خان خدا بخش خان صاحب بلوچ رحمۃ اللہ علیہ ولد مولانا عبد الرحمٰن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ولد حضرت علامہ مولانا محمد پیارا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کا انتخاب کیا اور وسط ۱۹۱۸ء میں آپ کی شادی ہوگئی۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبد الحیٔ چشتی قدس سرہ العزیز نے اپنے والد گرامی حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ کی سوانح حیات میں تحریر فرمایا ہے:

"حضرت مولانا محمد پیارا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مثالی اور نادرۂ روزگار پایہ کے عالم تھے۔ آپ حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس، مستفیض اور خلیفہ تھے، مشکوٰۃ شریف، سراجی، سلم العلوم اور شیخ الاسلام حاشیہ تلویح پر ان کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے حواشی میرے پاس موجود ہیں، ان کا کتب خانہ بہت وسیع تھا لیکن محفوظ نہ رہ سکا۔ چند تبرکات محفوظ ہیں، ان میں اوقافِ قرآن پر ایک نادر رسالہ ہے۔ عد بالصابع (انگلیوں سے گننا) جو عربوں کا ایک خاص فن ہے، جسے اصطلاح میں عقود بھی کہتے ہیں، اس موضوع پر ان کے دو رسالے نہایت درجہ جامع، مفید اور جلیل القدر ہیں، حضرت مولانا محمد پیارا خان صاحب قدس سرہ العزیز کے جو مأثورات مجھے ملے ہیں ان میں حضرت پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف نبراس (جو شرح عقائد کی شرح ہے) کا قلمی رف مسودہ جو خود حضرت پرہارویؒ کی اپنی قلم سے لکھا ہوا ہے، وہ بھی موجود ہے، جو خصوصی

قرب کا پتہ دیتا ہے، اسی طرح ان تبرکات میں حضرت منشی حسن شہید ملتانیؒ (جو حضرت حافظ جمال رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے) کا لکھا ہوا فارسی انشائیہ بھی موجود ہے"۔

"کوائف گھوٹہ"

مولوی محمد یار صاحبؒ کھگہ قریشی مقیم خانقاہ اویسیہ کھگہ قریشی بستی دائرہ ملتان نے بتلایا کہ:

۱۔حضرت الاستاذ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر نہایت درجہ پر مغز، دقیق، عمیق اور تحقیقی ہوتی تھی، آپ کوشش کرتے کہ اپنی بات کو عام فہم انداز میں بیان فرمائیں تاکہ غبی طلباء بھی فائدہ حاصل کرسکیں، آپ کو استخراج جزئیات میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔

۲۔ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی کلاسوں میں طلباء کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ اکثر اوقات آپ کو کھڑے ہوکر تدریس کرنا پڑتی تھی تاکہ آخری صفوف کے طلباء بھی کما حقہ مستفید ہوسکیں۔

۳۔ میں ۱۹۲۱ء میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حصول علم کیلئے گھوٹہ میں حاضر ہوا، پہلے پہل تو حضرت الاستاذ مولانا ملک محمود صاحب بھپلا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنا شروع کیا مگر کچھ عرصہ کے بعد میں نے اور چند دیگر طلباء نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں اصرار کیا کہ حضور! ہمیں شرح ملا جامی خود پڑھائیں، پہلے تو آپ نے فرمایا کہ دوسرے منتہی اسباق کی وجہ سے میرے پاس فرصت نہیں ہے مگر ہمارے پرزور اصرار پر آپ نے کچھ وقت نکالنے کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ شرط رکھی کہ تم لوگ ایک دن غایۃ التحقیق پڑھو گے، دوسرے دن متوسط اور تیسرے دن شرح حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ پڑھو گے۔ مزید شرط آپ نے یہ رکھی کہ سبق کی تقریر پہلے تم لوگ کرو گے۔ اگر تقریر میں فاش غلطی کی تو سزا پاؤ گے، ان شرائط پر یہ اسباق شروع ہوئے اور بحمداللہ تکمیل پذیر ہوئے۔

۴۔ تین قاضی صاحبان میرے ہمدرس تھے، ایک قاضی محمد اکرم صاحب قطبی شاہ رحمۃ اللہ علیہ دوم قاضی اللہ بخش صاحب ساکن سیال شریف، سوم قاضی عبد الکریم صاحب سیرانی لقب، ساکن کوٹ سلطان۔

۵۔ قاضی محمد اکرمؒ مذکور (جن کا حلقہ ارادت اب جھنگ، جہلم اور سرگودھا اضلاع میں موجود ہے) قاضی قطبی شاہ کے لقب سے ملقب ہوئے کیونکہ انہیں منطق کی کتاب قطبی، عبارۃً پوری حفظ تھی، یہ کتاب وہ مختلف مدارس میں دو مرتبہ پہلے بھی پڑھ چکے تھے، اب کے تیسری مرتبہ اس کی تعلیم انہوں نے گھوٹہ میں حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، اب کہیں جا کے ان کو تسلی ہوئی اور اس کتاب کا انہیں مکمل فہم حاصل ہوا۔

۶۔ایک کم فہم طالب العلم احمد دین کو آپ نے سخت تنبیہ فرمائی تو وہ تونسہ کی طرف مولانا علی گوہر صاحب کے پاس اور پھر ڈیرہ غازی کی طرف مولانا فضل حق صاحب کے پاس چلا گیا مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد بے ذوق ہو کر گھوٹہ واپس آ گیا اور حضرت الاستاذ سے معافی کا خواستگار ہوا، حضرت نے فوراً ہی معاف کر دیا۔

۷۔ علاقہ بچہ کے زمیندار ملک نصیر بخش کھوکھر مرحوم نے بھی مدرسہ کی ضرورت کے پیش نظر اپنے خرچہ پر کچھ کمرے تعمیر کرائے تھے۔

حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ ہندوستان میں ایک عالم سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتلایا کہ حمد اللہ شرح سلم العلوم کے چند مباحث کے بارے میں مجھے کچھ ابہامات اور اشکالات لاحق تھے جو پورے برصغیر میں کہیں سے بھی حل نہ ہو سکے، بالآخر میں نے ملتان کے علامۃ الزمان حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک گھنٹہ کی تقریر میں میرے تمام عقدے حل کر دیئے اور لطف یہ ہے کہ میں نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی سوا عرض مدعیٰ کے نہ کہا، حضرت شیخ الاسلامؒ کی تقریر مسلسل تھی نہ سوال تھا نہ جواب، مگر اس تقریر سے وہ تمام اعتراضات جو مدت سے دماغ میں گردش کر رہے تھے خود بخود رفع ہوتے گئے، آپ نہایت شرح و بسط کے ساتھ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

"تحریک خلافت کی حمایت"

انگریزوں نے جب خلافت ترکیہ اسلامیہ کا رہا سہا وجود بھی ختم کرنے کی ٹھان لی تو ملت اسلامیہ کی روح تڑپ اٹھی اور مسلم قوم عالمِ اضطراب میں مہما امکن تدابیر اختیار کرنے لگی، اس زمانہ میں خلافت کمیٹی کے نام سے اسلامیان ہند کی ایک جماعت کھڑی ہوئی جس کا مقصد انگریزوں کے ترکوں کے خلاف ناپاک عزائم کی راہ میں مزاحمت کرنا

تھا۔ چنانچہ خلافت کمیٹی نے اس جنگ میں مسلمانوں کو انگریزی فوج میں بھرتی ہونے سے منع کر دیا، حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان کینٹ اور اس کے ارد گرد کے تمام علاقوں میں اس بھرتی کے خلاف خوب تقاریر کیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ تیرہ، چودہ سو رنگروٹ، ترک ملازمت پر کمر بستہ ہو گئے۔ گورنمنٹ کی طرف سے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف مقدمہ قائم کر دیا گیا اور ڈپٹی کمشنر ملتان کو آپ کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دے دیا گیا، ڈپٹی کمشنر ملتان نے گھوٹہ کے نمبر دار ملک غلام مصطفیٰ بھپلا مرحوم سے مشاورت کی، ملک صاحب کے اعزہ واقارب کے ذریعہ یہ بات اہل گھوٹہ کے گھروں تک پہنچ گئی، حضرت گھوٹویؒ کے مخلصین نے آپ کو پرزور مشورہ دیا کہ آپ اپنے مستفیدین کی خاطر اپنے حفاظتی اقدامات فرمائیں، چنانچہ رات کو نہر سکندر واہ کی تیراکی کے ذریعے آپ کو مظفر آباد ریلوے اسٹیشن پہنچا دیا گیا، جہاں سے آپ اپنے مرشد حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ العزیز کی زیارت اور رہنمائی کے لئے گولڑہ شریف پہنچ گئے۔

ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ ترکی سلطنت کو خلافت راشدہ کا درجہ نہ دیتے تھے لیکن بہرحال یہ ایک مسلم ریاست تھی، اس لئے اس کے ساتھ ہمدردی، یکجہتی اور الفت ایک فطری بات تھی، جنگ طرابلس اور جنگ بلقان میں ہمارے مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے گھر کے زیورات اور اصطبل کے گھوڑے بیچ کر ترکوں کی امداد کیلئے چندہ دیا، حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ العزیز نے تحریک خلافت میں عملی طور پر حصہ لینے والے مخلص علماء کرام کو اس سے منع نہ فرمایا بلکہ علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے ایک خصوصی تعویذ عطا فرمایا اور ساتھ ہی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: ”بحول اللّٰہ وقوتہ لا یقدر احدٌ علینا، ترجمہ: بوجہ اللہ کی طاقت اور قوت کے، کوئی شخص ہم پر غلبہ نہ پا سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب علامہ گھوٹویؒ نے ملتان واپس آ کر عظیم عوامی اجتماعات میں تقاریر کا سلسلہ دوبارہ شروع فرمایا تو فوج کا بڑے سے بڑا افسر بھی آپ کے خلاف کسی اقدام کی جسارت نہ کر سکا، اور آپ کو گرفتار کرنے سے معذرت کرلی۔

جب انگریزی حکومت نے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ العزیز کو بذریعہ کمشنر صاحب راولپنڈی یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے حلقۂ خلفاء میں موجود، ہمارے مخالفین کو ہماری مخالفت سے منع فرمائیں تو حضور نے ان کو جواباً تحریر فرمایا:

از مہر علی شاہ ۔۔۔ بجواب پیغام کمشنر صاحب راولپنڈی

آپ کا پیغام دربارہ امتناعی ہدایت بعض مخالفین حکومت برطانیہ پہنچا، اگر مجھے غیر اسلام اور غیر اہل اسلام کا طرف دار سمجھ کر مخاطب بنایا گیا ہے تو یہ خیال بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے، اگر اس وجہ سے مخاطب بنایا گیا ہوں کہ گروہ مخالفین حکومت برطانیہ سے متفق نہیں ہوں تو میرا تخالف بوجہ اصول اسلامیہ اور تجاویز جزئیہ میں ہے نہ مطلقاً اور نہ اصل مدعیٰ اور غایت ونتیجہ میں، مجھ سے مطلوبہ ہدایت اسی صورت میں متصور ہو سکتی ہے جب کہ مقامات مقدسہ مکہ، مدینہ، بغداد اور بیت المقدس پر قبضہ چھوڑا جائے، ورنہ معاذ اللہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر آپ کے پیغام کی تعمیل بالکل ناممکن ہے، والسلام علی من اتبع الہدیٰ والحمد للہ اولاً وآخراً، العبد المشتکی الی اللہ، المدعو بہ مہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ۔

ہندو نے اپنی خصلت کے مطابق، اس جذباتی فضا سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کی اور مسلمانوں کو افغانستان کی طرف ہجرت کر جانے کی ترغیب دے کر ان کی جائیدادیں اونے پونے داموں خرید کرنا شروع کر دیں۔ مگر مقام شکر ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑویؒ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ اور حضرت محدث گھوٹویؒ قدست اسرارہم جیسے اکابر دین نے بجا طور پر تحریک ہجرت اور تحریک ترک موالات کی بروقت مخالفت فرمائی اور اس طرح اہل اسلام کو مزید نقصان اٹھانے سے بچا لیا۔

افسوس صد افسوس! ترکی خلافت کے خاتمہ کے بعد جب وہاں انقلاب پسند، جدت کی دعوے دار اور سیکولر پارٹی نے برسر اقتدار آ کر اس بات کا اعلان کیا کہ ہماری حکومت کا دین ومذہب سے کوئی رشتہ نہیں، تو علماء وصلحاء کے جگر پاش پاش ہو گئے۔

برصغیر میں جب مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے نفاذ اسلام کی خاطر انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی حاصل کرنے کیلئے باقاعدہ جدوجہد شروع کی تو حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت قبلہ بابوجیؒ اور خصوصی تربیت یافتہ حضرت محدث گھوٹویؒ نے اس کی بھرپور حمایت کی اور اس تگ ودو میں دن رات ایک کر دیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو سرخرو کیا، اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو مملکت اسلامیہ پاکستان معرض وجود میں آ گئی۔

''تونسہ شریف میں تدریس''

حضرت مولانا علامہ گوہر علی تونسوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان حواشی پر اعتراضات وارد کئے تھے جو انہوں نے نحو کی کتاب متن متین پر لکھے تھے، دار العلوم محمد پور گھوٹہ کی طرف سے بقلم صاحبزادہ حافظ رفیع الدین صاحبؒ ان کا جواب لکھا گیا لیکن مولانا تونسوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان جوابات کو مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا نتیجۂ فکر اور رہینِ کاوش قرار دیا اور اپنے جواب الجواب میں حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہی مخاطب بنایا، چنانچہ حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا تونسوی صاحب کے جواب الجواب کا جواب تحریر فرمایا اور اپنے علم کے جوہر دکھائے۔ جب چہار اطراف میں حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل وکمالات کی دھوم مچی اور حضرت خواجہ محمود صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار عالیہ تونسہ شریف نے حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے چرچے سنے تو مناسب وقت آنے پر اپنے صاحبزادگان کی تعلیم کیلئے انہیں تونسہ شریف کی مسندِ تدریس پر جلوہ گر ہونے کی دعوت دی جو آپ نے حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہ کے حکم سے قبول فرمائی، حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الحدیث مفتی علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ سے بوقت ملاقات ارشاد فرمایا کہ میں آپ کے والد گرامی حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہوں۔

جامعہ عباسیہ بہاول پور

دی عریبک یونیورسٹی آف بہاولپور

The Arabic University of Bahawal Pur

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۵ جون ۱۹۲۵ء کو جامعہ ہذا کا افتتاح فرمایا، افتتاحی تقریب جامعہ کے ہال میں منعقد کی گئی۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دن کے ۱۰ بجے جامعہ میں داخل ہوئے، آپ سفید لباس، سفید دستار اور سفید بالاپوش زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ۲۵ کے قریب علماء آپ کے ساتھ تھے جو سب آپ کے شاگرد تھے۔

جامعہ کیلئے نئے تقرر یافتہ اساتذہ کرام نے جن میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب (سیداحمد صاحب) سابق صدر مدرس مدرسہ دینیات بہاولپور، حضرت مولانا احمد علی صاحب بلوچ اور حضرت مولانا فاروق احمد انصاری صاحب بھی شامل تھے، آپ کا استقبال کیا، جبکہ حضرت مولانا محمد صادق صاحب اور دیگر علماء آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔

جب آپ ہال میں پہنچے تو وہاں پہلے سے موجود وزیر تعلیم، علماء کرام، عمائدین ریاست، افسران تعلیم اور مستقبل کے معمارانِ قوم وملت نے آپ کو خوش آمدید کہا۔

اس تقریب سعید میں آپ نے تفسیر بیضاوی شریف کا ایک سبق پڑھایا، جو کہ مندرجہ ذیل آیت پر مشتمل تھا:

﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشاً وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً وَأَنتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾.

ترجمہ: اے لوگو! بندگی کرو اپنے پالنے والے کی، جس نے بنایا تم کو اور تم سے اگلوں کو، تاکہ تم تقویٰ اپنا کر دکھاؤ، جس نے تمہاری خاطر زمین کو ہموار کیا، تو آسمان کو سائبان بنایا اور برسایا اوپر سے پانی، سو نکالے اس کے ذریعہ پھل، کھاجا تمہارا، اس لئے تم نہ ٹھہراؤ اللہ جیسا کوئی، جبکہ تمہیں تو معلوم ہے ہی۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی روشنی میں مندرجہ ذیل عنوانات قائم کئے اور پھر ہر ایک کے بارے میں نہایت معقول اور جامع تفسیری نکات بیان فرمائے، وہ عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ عبادت کی تعریف کیا ہے؟ ۲۔ مستحقِ عبادت کون ہے؟

۳۔ وجہِ عبادت (الف) ربوبیت اور (ب) خالقیت

۴۔ منشأِ عبادت؟ حصولِ درجۂ تقویٰ! ۵۔ ہیئتِ ارضی کی حکمت؟

۶۔ اطوارِ سماویہ کی حکمت؟ ۷۔ بارش کا نظام کیوں؟

۸۔ رزق کا سرچشمہ کون؟ ۹۔ ند کی نفی ۱۰۔ علم، نافع ہو

حضرت کا یہ تعارفی لیکچر ڈیڑھ گھنٹہ پر محیط تھا، یہ لیکچر کیا تھا! علمِ قرآن کا ایک مواج سمندر! جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ بحرِ تفاسیر کے مبدأ سے قرآنی جواہر پاروں کی بارش ہو رہی تھی، کلام اللہ کے اسرار ورموز اور اس کے معانی وحقائق، الہامِ علام الغیوب کی برکت سے الم نشرح ہو رہے تھے۔

مولانا فاروق احمد صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شہرت سن رکھی تھی کہ آپ، امام المعقولات ہیں لیکن آج پتہ چلا کہ آپ تو امام التفسیر بھی ہیں، مولانا محمد صادق صاحب نے کہا کہ حضرت شیخ نے اس درس کے دوران علوم قرآنیہ کے ایسے ایسے نادر نکات بیان فرمائے کہ ہم لوگ اپنی ہیچ مدانی کی وجہ سے یہ سوچ رہے تھے کہ واللہ اعلم! یہ علوم پہلے بھی موجود تھے یا اب وجود پذیر ہو رہے ہیں؟

آپ کے درس سے متاثر ہو کر میر سراج الدین صاحب دہلوی جسٹس چیف کورٹ بہاولپور نے اپنی وسیع وعریض حویلی موسوم بہ ''رین بسیرا'' میں حضرت الشیخ کا ماہانہ درس قرآن شروع کرایا، خلق کثیر اس درس سے مستفید ہوتی رہی۔

''قرآن اور تفسیر قرآن''

ایک چھوٹی تقطیع والی حمائل شریف ہر وقت آپ کی جیب میں موجود رہتی تھی جونہی کچھ لمحاتِ فرصت آپ کو میسر آتے آپ فوراً جیب سے حمائل نکال کر تلاوت شروع کر دیتے۔

یہی وجہ ہے کہ قیام گھوٹہ کے دوران جب ایک مرتبہ تراویح میں قرآن سنانے والا کوئی حافظ دستیاب نہ ہوا تو حضرت روزانہ ایک پارہ یاد کر کے رات کو تراویح میں سنا دیتے۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بالرائے کو سخت ناپسند کرتے تھے، کیونکہ یہ تحریفِ معنوی ہے جو کہ یہودیوں کا مشغلہ تھا۔

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس چیز کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے کہ حق تفسیر کس کس کو حاصل ہے؟ مثلاً:۔

۱۔ قرآن کو اپنی تفسیر خود کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، کیونکہ یہ متفق علیہ کلیہ اور ضابطہ ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً۔

۲۔ حدیث کو تفسیر قرآن کا منصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کیا گیا ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾۔ ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف اس ذکر کو اتارا تا کہ آپ لوگوں کیلئے اسے کھول کھول کر بیان کریں۔

۳۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بوقتِ استنباطِ احکام از قرآن، تفسیری حق استعمال کرنا بالکل روا ہے، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے میں سے اصحاب امر کی۔ یہاں اُولی الأمر سے مراد ارجح قول کے مطابق فقہاء کرام ہیں جن کی اطاعت (اگرچہ وہ غیر مستقلہ ہے) کا حکم دیا جا رہا ہے، بشرطیکہ قرآن وحدیث سے تصادم واقع نہ ہو رہا ہو، وجہ یہ ہے کہ متعدد اقوالِ اجتہادیہ کی صورت میں، اس قولِ اجتہادی کو اختیار کرنا ممنوع ہے جو قرآن و حدیث سے متصادم ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾۔ ترجمہ: تنازع کی صورت میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسئلہ کو پھیر دو۔ (لہٰذا اس قول کو قبول کیا جائے گا جو اقرب إلی القرآن والحدیث ہوگا)۔

۴۔ معتمد مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اصولِ دین کی روشنی میں تفاسیر مرتب کرنا ضرورت دینی ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾۔ ترجمہ: پس تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ اگر تمہیں کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو۔

اس آیت میں اہل الذکر کا نرالا لفظ وارد ہوا ہے یعنی جن کو مسئلہ یاد ہو اور جن کو خدا یاد ہو، اول الذکر اہل علم اور ثانی الذکر اہل تقویٰ ہیں۔

لہٰذا معتمد مفسرین صرف وہ ہوں گے جو اہل علم ہوں اور ساتھ ہی اہل تقویٰ بھی ہوں، اور بس۔

اللہ تعالیٰ نے تحریف کرنے والوں کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی ہے۔

''تلاوتِ قرآن کا شغف''

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ تلاوتِ قرآن کے ساتھ گہرا شغف رکھتے تھے۔ اس کی دو وجوہات تھیں اول اینکہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس

سرہ نے بطور وظیفہ اس کی تلاوت کا حکم فرمایا تھا، کیونکہ تلاوت ذریعۂ تفکر وتدبر ہے، دوئم اینکہ ''ادلۂ اربعہ شرعیہ'' برائے استنباطِ احکام ومسائل میں سے دلیل اول قرآن مجید ہے، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ استدلال یہی تھا کہ خصم کو دلیلِ قرآنی کے ساتھ قائل کیا کرتے تھے۔ حدیث کا منصب بھی شرح قرآن ہی ہے، اسی طرح اجماع کو قرآن یا شرحِ قرآن سے سند حاصل ہوتی ہے جبکہ قیاس کیلئے شرط ہے کہ مقیس علیہ جو کہ منبعِ علتِ شرعیہ ہے، قرآن یا حدیث میں منصوص ہو، یہی وجہ ہے کہ آپ تلاوتِ قرآن کو بہت اہمیت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں جب بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہوں مجھے تازہ معانی کی طرف رہنمائی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت کی عادت مبارک تھی کہ جب کبھی آپ کسی وعظ ونصیحت کی محفل میں بغرضِ خطاب مدعو کئے جاتے تو آپ قرآن مجید کی کوئی آیت تلاوت کرتے اور اس کا ترجمہ سناتے، اگر محفل میں اصحابِ علم موجود ہوتے تو تفسیری نکات بیان فرماتے اور اگر عام لوگ بیٹھے ہوتے تو عام فہم مسائل سمجھاتے۔

تلاوت کلام اللہ سے آپ کو بڑا شغف تھا، جب بھی کچھ فرصت میسر آتی، آپ قرآن کی تلاوت شروع کر دیتے، کثرتِ تلاوت نے آپ کو استنباطِ مسائل از قرآن پر قادر کر دیا تھا، آپ بیشتر اوقات قرآن ہی سے استشہاد اور استدلال کیا کرتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کو جوازِ تقلید کے موضوع پر آپ نے درج ذیل آیت قرآنیہ کے حوالہ سے لاجواب کر دیا تھا، وہ آیت حسب ذیل ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾۔ ترجمہ: اور بولے اگر ہم ہوتے سنتے، یا بوجھتے، نہ ہوتے دوزخ والوں میں، اس کی تفسیر یہ ہے کہ دوزخ سے نجات کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) کسی کی سننا اور اس کی تقلید کرنا (۲) خود صاحب قوت اجتہادیہ ہونا۔

''نئے مکان میں آمد پر محفل میلاد شریف کا انعقاد''

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جب بہاولپور میں تشریف فرما ہوئے تو پہلے پہل کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہوئے پھر مولانا محمد صادق صاحب کی نگرانی میں مکانات تعمیر کرائے، جب حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نئے مکانات میں منتقل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے وہاں محفل میلاد کا انعقاد کرایا، نعت خوانی ہوئی جس میں

صوفی محبوب علی صاحب ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ العزیز کی شہرۂ آفاق نعت اج سک متراں دی ودھیری اے سنائی۔ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت مبارکہ نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر روشنی ڈالی، صلوۃ وسلام مع القیام، بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کیا گیا، ازاں بعد لنگر تقسیم ہوا۔

صحیح روایات کی رو سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی منانا پسندیدہ امر ہے (خوشی منانے کا احسن طریقہ محافل بینیہ کا انعقاد کرکے دین کی اشاعت کرنا اور غرباء کی مدد کرکے انکے دکھوں کو کم کرنا ہے) ایک روایتِ مبارکہ درج ذیل ہے:

وقد رؤى أبو لهب بعد موته في النوم فقيل لهُ ما حالك؟ فقال في النار إلاّ أنه خُفِفَ عني كل اثنين، وامصّ من بين اصبعيّ هاتين ماءً . واشار برأس اصبعه وإنّ ذلك باعتاقي ثويبة عندما بَشَّرَتْنِيْ بولادة النبي صلى الله عليه وسلم وَبِارْضَاعِهَا لَهُ. قال ابن الجوزي: فإذا كان هذا أبو لهب الكافر الذى نزل القرآن بذمه جُوْزِيَ بِفَرْحِهِ ليلة مولد النبي صلى الله عليه وسلم به فما حال المسلم الموحد من امته صلى الله عليه وسلم يُسَرُّ بمولده؟ (مختصر سیرت الرسول از عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب النجدی)

ترجمہ: ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا اور اس سے حال پوچھا گیا تو اس نے کہا جہنم میں ہوں، لیکن ہر سوموار کو مجھے ان دو انگلیوں سے پانی چوسنے کو ملتا ہے، کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوش خبری سنانے والی اپنی کنیز کو اسی خوشی میں آزاد کر دیا تھا، ابن الجوزی کہتے ہیں کہ جب ابولہب کا یہ حال ہے کہ اس کو اس کی خوشی کی جزاء دی گئی، تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا؟ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی مناتا ہے؟

''طلباء حضرت شیخ الجامعہ صاحبؒ سے پڑھنے کے متمنی ہوتے تھے''

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو خاص طور پر تدریس کیلئے پیدا فرمایا تھا، طلباء کے قلوب و اذہان میں حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کا اشتیاق ہمہ وقت موجزن رہتا تھا، ایک سال یوں اتفاق ہوا کہ حضرت کے بڑے صاحبزادے نائب الشیخ مفتی اعظم علامۃ الزمان حافظ محمد عبد الحئی چشتی قدس سرہ العزیز کی

کلاس میں پیرزادگان اور استاد زادگان کی ایک معتد بہ تعداد اکٹھی ہوگئی، ان طلباء کرام کی فطری خواہش تھی کہ وہ کم از کم قطبی کا سبق تو حضرت الشیخ الاعظم جناب شیخ الجامعہ صاحب قدس سرہ العزیز سے پڑھنے کا اعزاز پالیں، لیکن اس کی سبیل کیسے نکالی جائے؟ اس مشکل کو حل کرنے کا بیڑا ایک نابینا طالب العلم حافظ محمد شریف نے اٹھا لیا۔

حضرت شیخ الاسلام کے آستانہ عالیہ پر ایک دن حافظ صاحب مذکور نے موقع پا کر آپ کی خدمت اقدس میں اپنی درخواست گوش گذار کر دی۔ حضرت کی طرف سے سببِ محرک دریافت فرمانے پر، مغالطۂ عامۃ الورود قسم کا عذر لنگ پیش کیا گیا (جیسا کہ عام طور پر طلباء کا طریقۂ واردات ہوتا ہے) کہ حضور! سمجھ نہیں آتی! حضرت نے ارشاد فرمایا، اچھا! میں خود کل ہی ان کی تدریس چیک کروں گا۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلاس روم کے باہر پوشیدہ طور پر استماعِ سبق کیلئے تشریف لے گئے۔ سبق شروع ہوا، اس دن مُعرِّف کی بحث تھی اور تصورات ختم ہو رہے تھے۔ ایک طالب العلم نے عبارت پڑھی، علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تقریر فرمائی اور حسب عادت بطور تکیۂ کلام فرمایا، سبق سمجھ آیا؟ اچانک خلافِ توقع حافظ صاحب مذکور نے کہہ دیا کہ سمجھ نہیں آیا، آپ حیران ہوئے دوبارہ مزید شرح وبسط کے ساتھ تقریر کی۔ اس کے بعد خاص طور پر پوچھا کہ سبق سمجھ میں آ گیا؟ حافظ نے اونچی آواز سے کہا، جناب سبق سمجھ نہیں آیا، حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ششدر رہ گئے لیکن تقاضائے کلاس کے پیش نظر تیسری مرتبہ تقریر فرمائی، اب کے نہایت مفصل اور مطوّل تقریر کی۔ اس مقام سے متعلق جملہ شروح اور حواشی کے حوالہ جات سے اپنی تقریر کو مزین فرمایا، اس کے سیاق وسباق کو خوب واضح کیا، اشکالات مقدرہ وارد کرکے ان کے جوابات بیان فرمائے۔ اب اس طالب کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا، حافظا! کچھ سمجھ آیا؟ حافظ نے جواب دیا ککھ سمجھ نہیں آیا، (یعنی ایک تنکے کے برابر بھی سمجھ نہیں آیا)۔

حضرت الاستاذ علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، حافظ مذکور کو اس کے نامناسب رویے پر تأدیب کے ارادے سے آپ جونہی اپنی کرسی سے اٹھنے لگے تو اچانک دیکھا کہ حضور شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کمرے کے اندر داخل ہو رہے ہیں، بس پھر یہ ہوا کہ جلالِ شیخ کی تاب نہ لا کر حضرت الاستاذ علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

لڑکھڑائے اور زمین پر گر گئے، کرسی آپ کے اوپر ہی آن گری، حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کو اٹھایا اور بنچ پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، اور خود کرسی پر جلوہ گر ہوئے، اس قضیے کا فیصلہ آپ نے یہ سنایا کہ ارشاد ہوا، ''میں نے چشتی کی تینوں تقریریں سنی ہیں، پہلی تقریر اس جماعت کے لحاظ سے بالکل درست تھی، دوسری تقریر، معیار کے لحاظ سے اعلیٰ جماعت کے مطابق تھی، جبکہ تیسری تقریر وہ تھی کہ اس مقام کی اس سے بہتر تقریر شاید ہی کوئی استاذ کر سکے۔ میرے خیال میں حافظ محمد شریف کو شرح تہذیب دوبارہ پڑھنی چاہئے، اس لئے میں اسے پچھلی کلاس میں واپس بھیجتا ہوں''۔

یہ فیصلہ صادر فرما کر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دفتر کی طرف تشریف لے گئے۔ اب حافظ صاحب پریشان اور پیرزادگان پشیمان، ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، چنانچہ انہوں نے سینئر اساتذہ کرام کے وسیلے سے معافی کی استدعا کی جو از راہ ترحُّم منظور کر لی گئی۔ اس طرح یہ معاملہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حسنِ تدبیر سے بخیر وخوبی انجام پذیر ہوگیا، اور آئندہ کیلئے کسی طالب العلم کو جامعہ میں بدنظمی پھیلانے کا حوصلہ نہ ہوا۔

''بگو آں نازنیں شمشاد مارا''

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کو مندرجہ ذیل رباعی یاد کرائی جو کہ فریاد ہے بحضور سرورِ کونین، صاحب قاب قوسین، جد الحسن والحسین، مولانا ومولیٰ الثقلین حضرت محمد سُرورِ عینین صلی اللہ علیہ وسلم:

نسیما جانبِ کویش گذر کن　　بگو آں نازنیں شمشاد مارا
بتشریفِ قدوم یک زمانے　　مشرف کن خراب آباد مارا
کہ بے پا بوسیت اسباب شادی　　نہ شاید خاطر ناشاد مارا

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تصور کو یک سو کرکے، توجہ کو مرتکز کرکے، آرزو کو بااخلاص کرکے، امید کو پختہ کرکے اور یقین کو بلا ریب کرکے ان اشعار کو بدرگاہ عرش جاہ، سرور کائنات علیہ افضل السلام واکمل الصلوات عرض کیا جائے تو حضور اکرم وانور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فیض بشارت، بطریق خواب حاصل ہو جاتی ہے، جو بفضلہٖ تعالیٰ نصیب ہوتی رہی، فالحمد للہ القدیر علی کل شئ۔

"تالیفات"

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شب وروز تدریس میں گذرتے تھے، ہاں البتہ بسا اوقات مواعظ و تقاریر بھی فرماتے تھے اور بعض اوقات بے راہ فرقوں کے ساتھ مناظرات بھی کرتے تھے، اس قدر مصروفیت ومشغولیت کے باوجود آپ کی چند تالیفات کا زیبِ قلم وقرطاس ہونا بسا غنیمت ہے، ان میں سے چند تبرکات جو معلوم ہو سکے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ سوانحِ حیات حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز (قلمی)۔

۲۔ معائنہ بلا شیب درمسئلہ علم غیب (آپ کی یہ تصنیف، باب ہشتم میں درج کر دی گئی ہے۔

۳۔ ظفر الحق والصداقۃ علی من اجاب العلم بالسفاھۃ.

یہ کتاب شرحِ مواقف کی بحثِ امور عامہ کے موضوع پر ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا فضل حق رامپوری نے مذکورہ موضوع پر ایک حاشیہ تالیف کیا تھا جس پر ہم عصر علماء نے کچھ اعتراضات وارد کئے جن کی جواب دہی کیلئے مولانا رامپوری نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو ارشاد فرمایا چنانچہ آپ نے بدلائل قطعیہ وبراہین یقینیہ ثابت کیا کہ معترض حضرات نے اقوالِ مردودہ کا سہارا لیا ہے، جبکہ مولانا رامپوری کا موقف اقوال مقبولہ پر قائم ہے۔

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ مولانا فضل کریم صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ چکوال نے مولانا حمید الدین صاحب مانسہروی کی خدمت میں بھجوایا، انہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان توصیفی وتحسینی الفاظ سے یاد فرمایا، لکھتے ہیں:۔

"الشیخ العلامۃ، المولوی، المَجید المُجید، محمود الاسم، جلیل المفاخر، العالم الربانی، مقنن قوانین الادب والمعانی، المحمود بألسنةِ إلا قاصی والاوانی، فائق الاقران المولوی المحدث غلام محمد الملتانی، اَدَامَہٗ اللہ باقیاً مع ازدیاد کمالہٖ نامیاً بدیمۃ اَفضالہٖ آہ".

حضرت مولانا محمد علی ظفر صاحبؒ افضل گڑھی جو کہ حضرت مولانا صاحبزادہ محمد عبدالحق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (آپ مدرسہ عالیہ رامپور کے سابقہ پرنسپل تھے اور

حضرت الاستاذ العلامہ مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے) کے شاگرد اور مدرسہ انوار العلوم رامپور میں مدرس اول رہے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مذکور کی تقریظ میں آپ کا ذکر خیر ان توصیفی وتحسینی الفاظ سے کرتے ہیں: "المتفرد فی الزمان والمغبوط فی الاقران، العالم الجلیل والفاضل النبیل، المتفرج بلسان الادب والحاذق فی لسان العرب، مؤسس أساس البیان والمعانی الشیخ العلامۃ المولوی غلام محمد الملتانی أدامهُ اللہ تعالیٰ فی حفظہٖ آہ".

حضرت مولانا لطافت الرحمٰن سواتی رحمۃ اللہ علیہ استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ رسالہ کو اپنی ایک نظم میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، یہ نظم کتاب ہذا کے اولین صفحات کی زینت بنائی گئی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ رسالہ حضرت الاستاذ مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ کے کتب خانہ میں موجود ہوگا۔

۴۔ فوائد رفیعیہ یعنی شرح فارسی منثور مائۃ عامل منظوم حضرت الاستاذ مولانا مولوی جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمائی، اس کا تکملہ جو عوامل قیاسیہ و معنویہ کی شرح پر مشتمل ہے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۹ھ میں تالیف فرمایا۔ اس تکملہ کو بابِ ہفتم کے آخر میں شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے۔

مشہور غیر مقلد مولانا عبد التواب صاحب ملتانی کے فرزندان مولوی حافظ عبد السلام اور مولوی عبد الاحد نے اس کتاب یعنی فوائد رفیعیہ کو ۱۳۳۳ھ میں طبع کرایا، ان لوگوں نے عوامل قیاسیہ ومعنویہ مؤلفہ حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث کے شروع میں تعارفاً تحریر کیا۔

تکملہ در شرح عوامل قیاسیہ و معنویہ

از تصنیفات فاضل امجد علامۃ الزمان مولوی غلام محمد گجراتی ثم ملتانی دامت افاداتہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین

میگوید حضرت استاذی ومولائی وسیدی وسندی المشتہر بغلام محمد گجراتی ثم ملتانی قدس سرہٗ العزیز

نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علی رسولہ الکریم

نوٹ: یہ عبارات اس لئے نقل کی ہیں تاکہ پتہ چلے کہ والفضل ما شہدت بہ الاغیار۔

۵۔ نحو کی مشہور کتاب متن متین کے حواشی پر اعتراضات کے جواب الجواب ۔ مذکورہ حواشی بھی حضرت مولانا جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائے تھے، جبکہ ان پر اعتراضات حضرت مولانا علی گوہر تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے وارد کئے تھے، جن کے جواب الجواب کیلئے مولانا جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ غلام محمد گھوٹویؒ کو ارشاد فرمایا تھا، سو آپ نے یہ جوابات تالیف فرمائے۔

۶۔ مولانا افضال الحق رامپوری نے اپنے ایک خط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا تالیف کردہ ایک عظیم تحقیقی وتدقیقی رسالہ انہیں موصول ہوا ہے جس کو کما حقہ سمجھنے کیلئے انتہائی دقت نظری درکار ہے، کیونکہ آخر یہ رسالہ اپنے وقت کے چوٹی کے علامہ کا تحریر کردہ ہے، ایک ایک جملہ میں معانی کا دریا موجزن ہے، جن تک رسائی حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہے، یہ تحریر ایجاز کا شاہکار ہے۔

۷۔ مولانا مولوی غلام محمد صاحب خطیبِ اعظم جامع مسجد چیچہ وطنی کے پاس حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی قلم سے لکھا ہوا ایک رسالہ تھا جس میں حضرت محدث گھوٹویؒ نے حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ان اعتراضات کے جوابات دیئے تھے جو مولانا پرہارویؒ نے ڈیروی علماء سے تحریری مناظرے میں ان علماء پر وارد فرمائے تھے۔

۸۔ حمد اللہ شرح سلّم پر آپ کے افاضات یومیہ جو آپ نے حضرت بڑے لالہ جی سید غلام معین الدین شاہ صاحبؒ کو خاص طور پر املاء کرائے تھے۔

۹۔ حمد اللہ پر مبسوط درسی تقاریر جو مولانا عبد الحمید رضوانی نے قلمبند کی تھیں۔

۱۰۔ اشارات لابن سیناؒ کی درسی تقریریں جو آپ نے حضرت بڑے لالہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو املاء کرائی تھیں۔

۱۱۔ احمد پور شرقیہ میں جب مسئلہ تراویح پر مباحثے شروع ہوئے تو حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس رکعات کے ثبوت میں ایک رسالہ مرتب فرمایا تھا جو بہت مؤثر ثابت ہوا۔

۱۲۔ آپ نے گورنمنٹ آف بہاولپور اسٹیٹ کے کہنے پر آئین پاکستان کیلئے اسلامی دفعات قلمبند کرکے گورنمنٹ کو بھجوائیں، جو آئین کی زینت بنائی گئیں۔

۱۳۔ ''طلاق ایکٹ'' کے بارے میں تفصیلی مدلل رپورٹ، جو قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں حضرت شیخ الاسلام نے مرتب کرکے وزیر اعلیٰ ریاست بہاولپور کو

ارسال فرمائی تھی، جس کی بناء پر ایکٹ میں تصحیح کی گئی۔(یہ سفارشات، بابِ ہفتم میں شاملِ اشاعت کر دی گئی ہیں۔

۱۴۔ صحیح بخاری کے تشریحی افاضات جو حضرت الشیخ نے حضرت مولانا مہر محمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور کو املاء کرائے۔

۱۵۔ تفسیر بیضاوی کے تفسیری افاضات جو آپ نے حضرت شیخ التفسیر مفتی حافظ محمد شفیع صاحب ملتانی کو املاء کرائے۔

۱۶۔ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تصوف کے بعض اہم موضوعات پر افاضات جو آپ نے حضرت مولانا محمد ذاکر صاحبؒ بانی ومہتمم جامع محمدی شریف (جھنگ چنیوٹ روڈ) کو املاء کرائے۔

۱۷۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایک بین الاقوامی اور بین الجامعاتی کانفرنس منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ الاسلام، بحر العلوم علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بحیثیت شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) جامعہ عباسیہ بہاولپور وہاں مدعو کیا گیا۔ آپ نے عربی زبان کی وسعت، گیرائی اور گہرائی کے بارے میں جو مقالہ پیش فرمایا اسے بابِ ہفتم کی زینت بنا دیا گیا ہے۔

''سوانح حیات حضرت اعلیٰ گولڑویؒ''

کسی عظیم شخصیت کی سوانحِ حیات وہی شخص بہتر طور پر لکھ سکتا ہے جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہوں:۔

۱۔ اس شخصیت کی زندگی میں، ان کے ساتھ مؤلف کا قریبی رابطہ، طویل رفاقت اور قدیمی تعلق رہا ہو، مؤلف نے ان کی زندگی کے سارے پہلوؤں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہو اور اس کے تمام گوشے اپنی نظر سے دیکھے بھالے ہوں۔

۲۔ مؤلف ایسی علمی وسعت، فکری اصابت، نظری ثقاہت، عملی صلابت اور ایسی روحانی بالیدگی و نورانیت کا پیکر ہو کہ اس عظیم شخصیت کی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور قوتوں کا ادراک کر سکے۔

۳۔ فنِ تحریر کے اسرار ورموز سے بخوبی آگاہ ہو، جس زبان میں تالیف کر رہا ہو، وہ اس نے اہلِ زبان میں رہ کر، ان سے سیکھی ہو، اس زبان کے قواعدِ صرف ونحو، اصولِ معانی وبلاغت، اس کا وسیع وعریض ذخیرۂ الفاظ اور مختلف النوع انداز ہائے بیان پر عبور رکھتا ہو۔

اس تمہید کے بعد جب ہم شیخ الاسلام حضرت گھوٹویؒ کے کمالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مؤلف ومصنف کی مذکورہ بالا خصوصیات بدرجۂ اتم تو حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے اندر پائی جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت گھوٹوی نے حضرت اعلیٰ نور اللہ مرقدہٗ کی سوانحِ حیات مرتب کرنے کو اپنی ذمہ داری سمجھا، اور وصال سے قبل، رات دن ایک کرکے اس کی تکمیل فرمائی اور اسے حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا، جو اس وقت گولڑہ شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

حضرت اعلیٰ نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی مبارک پر جو کوئی کتاب تالیف کی گئی اس کی تمام تر اساس وہی سوانح حیات تھی جو شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ مرتب فرما گئے تھے، گل چین کو گلستان کا احسان ماننا چاہیے۔

”مہر منیر کی سند۔۔ حضرت گھوٹویؒ“

برادرم الشیخ پوتا علامہ جی اے حق محمد صاحب کا بیان ہے کہ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ازہری علامہ جامعہ عباسیہ بہاولپور(سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) نے مہر منیر کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کتاب میں اکثر وبیشتر مقامات پر حضرت الشیخ العلامہ استاذ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی مستند اور معتبر شخصیت کے حوالہ جات مذکور ہیں، وہ معتبر روایات جن میں دینی، علمی اور روحانی مسائل کو موضوع سخن بنایا گیا ہے، وہ حضرت الاستاذ المکرّم والشیخ المعظم علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے معتبر ہونے کی مرہونِ منت ہیں، حضرت اعلیٰ گولڑوی نور اللہ مرقدہٗ جیسی علمی شخصیت پر لب کشائی کرنا یا ان کے روحانی مقام کی بابت قلم اٹھانا حضرت شیخ الاسلام استاذ گھوٹوی قدس سرہٗ ہی کو زیب دیتا ہے، کوئی دوسرا مؤلف اس پایہ کا نظر نہیں آتا، کلاثم کلا۔

میرے رفیق کار پروفیسر محمد اجمل چشتی صدر شعبہ اردو گورنمنٹ ایس اے کالج ڈیرہ نواب صاحب نے تبصرہ کیا کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباسات سے حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وروحانی عظمتوں کا پتا چلتا ہے، کیونکہ وہی حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کے مقام کو سمجھنے کی کما حقہ صلاحیت رکھتے تھے۔

جامعہ کے علامہ اور مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ کے پرنسپل مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے تبصرہ کیا کہ پورے عالم اسلام میں عام طور پر اور برصغیر میں خاص طور پر

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات نہایت ہی محترم، معزز اور ذی وقار گردانی جاتی تھی۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء جو جامعہ کے اساتذہ تھے یا آپ کے ہم عصر تھے، آپ کا نام نامی اسم گرامی بغیر القابِ اعزاز کے نہ تو بولتے تھے اور نہ ہی لکھتے تھے، کوئی شخص جو آپؒ کا شاگرد ہو یا شاگرد کا شاگرد ہو، آپ کا اسم مبارک بغیر اعزازی القاب کے نہیں لکھ سکتا، اللہ تعالیٰ، اساتذہ کے ادب کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ الدین کلہ ادب۔

ے از خدا جوئیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم ماند از لطف رب

ڈاکٹر مولانا پروفیسر محمد حسین آزاد شعبہ اسلامیات گورنمنٹ ایمرسن کالج بوسن روڈ ملتان سے جب بھی ملاقات ہوتی، وہ بروایت اساتذہ خود اس امر کا ضرور تذکرہ کرتے کہ شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اتنی مستند اور معتبر گردانی جاتی تھی کہ آپ کا فرمان، سنی حنفی علماء کرام کے نزدیک سند اور حوالہ کا درجہ رکھتا تھا، اور تمام سنی، حنفی حضرات، بلاچوں چرا اس کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتے تھے۔

”مولانا افضال الحق رامپوری کا خط“

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا افضال الحق رامپوری ولد حضرت الاستاذ مولانا فضل حق رامپوری پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور نے اپنے استاذ مکرم حضرت محدث گھوٹویؒ کی خدمت میں اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا:۔

”قریباً پندرہ بیس روز ہوئے کہ آپ کا تحریر کردہ ایک مفصل رسالہ در مسئلہ امتناع نظیر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مسائل بدست محبی مولانا عبد الوہاب صاحب موصول ہوا، میں نے کئی مرتبہ اس کا مطالعہ کیا، کیا عرض کروں؟ جو نکات دقیقہ آپ نے اس رسالہ میں بھر دیئے ہیں اس کی تعریف میرے امکان سے باہر ہے، کیوں نہ ہو؟ یہ تحریر آپ کی تحریر ہے، آپ کون ہیں؟ آپ میرے استاذ مکرم! ایک یکتائے روز گار عالم!“۔ یہ خط اس خط کے علاوہ ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

واضح رہے کہ نظیر، صاحبِ نظیر کے ساتھ اس کے اوضاعِ ظاہرہ اور اقدارِ باطنہ میں کلی مشارکت رکھتا ہے جبکہ مِثل اپنے ممثل لہ کے ساتھ صرف جزوی مشارکت کا حامل ہوتا ہے اسی لیئے قُلْ اِنما انا بشر مثلکم فرمایا نہ کہ نظیر کم۔

''حضرت شیخ الاسلام کا توحید وجودی کے بارے میں ایک خط''

حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔
حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ توحید وجودی کے علم برداروں میں سے تھے، چنانچہ آپ حضرت الاستاذ مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔ (حضرت الشیخ کا یہ جوابی خط مورخہ ۳ نومبر ۱۹۰۶ء کو ملتان پہونچا)

''جس مردُود نے توحید وجودی (اللّٰھم ثبتنی علیہ) کو کفر بتایا ہے، میں اس کے رد کے واسطے ہر وقت تیار ہوں، خصوصاً جب آپ کا فرمان ہو جو میرے لئے سعادت دارین کا ذریعہ ہے، البتہ صوفیاء واصلین راسخین کاملین کی توحید وجودی، ''ہمہ نیست اوست'' ہے، ﴿کُلُّ شَیٍٔ ھَالِکٌ اِلاَّ وَجْھَہٗ﴾، ترجمہ: ہر چیز نیست ہے صرف اس کی ذات ہست ہے، اہل حق، حقائق الاشیاء کے منکر نہیں ہیں، ان کے ہاں مظاہر، تعینات، تنزلات اور تجلیات، مرتبۂ تعین میں برحق ہیں، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

ہاں جب یہ مظاہر اپنا تعین، مُوَحِد کی نگاہ میں کھو بیٹھیں اور ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی، کا مقام طاری ہو جائے تو یہ فناء فی اللہ، بقاء باللہ کا مقام ہے۔ (ھو الباقی)۔

مظاہر کو، تعیّنِ مظہر میں متعین ہونے کی صورت میں عین ''الظاہر'' قرار دینا ہمارے مشائخ کا مشرب نہیں ہے، صوفیاء کرام، جن کے ترجمان حضرت الشیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، توحید وجودی کے ساتھ متکیف ہیں، عبدالرحمٰن لکھنوی صاحب کا نظریۂ ''ہمہ اوست'' قابلِ اختلاف ہے۔ ہمارے مشائخ اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں، اسی لئے سجدہ چاہے جس نیت سے بھی ہو، غیر کو کرنا شریعت میں ممنوع ہے، ہمارے بزرگان، طالبانِ حق کے سامنے توحید کو تین اطوار میں تدریجاً پیش کرتے ہیں، پہلا۔ توحید شرعی، جو کہ کلمہ طیبہ لا الہٰ اِلا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا مدلول ہے، ہر مسلمان اس کا مکلّف ہے، اس پر ایمان لانا سب پر لازم ہے، دوسرا۔ توحید شہودی (جو سلوک کا اعلیٰ درجہ ہے) اور تیسرا۔ توحید وجودی (جو منتہائے مقام اور منزلِ سالکین ہے) مؤخر الذکر ہر دو کا ہر مسلمان مکلّف نہیں ہے۔ (یہ سلوک سے متعلق ہیں)۔

چونکہ توحید وجودی حال، کیف اور وجدان ہے نہ کہ قال اسلئے فرمایا:۔

اے بُروں از وہم وقال وقیلِ من خاک بر فرقِ من وتمثیلِ من

من شاء الحق فلیراجع اِلٰی ما ترشح من نوابغ منابیع اَہل الحق، الحق، الحق، الحق۔ ھو، ھو، ھو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آف گھوٹہ شریف) توحید وجودی کے سالک تھے، کسی منکر نے آپ کو چیلنج کیا تو آپ نے اپنے شاگرد رشید ولئیق مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو جو رامپور میں تھے، ایک خط کے ذریعہ اس امر کی اطلاع دی، حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے جو جوابی خط ارسال کیا وہ اوپر درج کر دیا گیا ہے۔

''کثرتِ تلامذہ''

حضرت مولانا محمد صادق صاحب شیخ الفقہ جامعہ بہاولپور اکثر وبیشتر اس بات کا تذکرہ فرماتے تھے کہ حضرت الشیخ الجامع علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی نمایاں خصوصیت کثرت تلامذۃ تھی، پیر امام شاہ صاحب کے سامنے جب حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس خصوصیت کا ذکر ہوا تو فرمایا آپ کی دو نمایاں خصوصیات تھیں، ایک کثرتِ تلامذہ اور دوسری کثرتِ کرامات۔

؎ این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

''جامعہ عباسیہ بہاولپور کا نصاب تعلیم''

جامعہ ہٰذا کی پہلی عربی جماعت میں داخلہ، پرائمری پاس لڑکے کو دیا جاتا تھا، اس کے بعد اسے دس سالہ تعلیم مکمل کرنے پر ''علامہ'' کی ڈگری ملتی تھی۔ بعد ازاں اگر کوئی چاہتا تو پی ایچ ڈی کر سکتا تھا۔

جامعہ ہٰذا میں مندرجہ ذیل دس درجات تھے، ان درجات میں دینی اور عصری تمام علوم پڑھائے جاتے تھے، جامعہ کا فارغ التحصیل دینی اسکالر ہونے کے ساتھ ساتھ سرٹیفائید، ریگولر گریجویٹ بھی ہوتا تھا، دس درجات حسب ذیل تھے:۔

(۱) اولیٰ عالم (۲) ثانیہ عالم (۳) ثالثہ عالم (۴) رابعہ عالم (۵) اولیٰ فاضل (۶) ثانیہ فاضل (۷) ثالثہ فاضل (۸) اولیٰ علامہ (۹) ثانیہ علامہ (۱۰) ثالثہ علامہ۔

ان دس سالوں کے بعد پی ایچ ڈی موسوم بہ الشیخ فی التشریع الاسلامی ہوتی تھی، جامعہ ہذا کا مکمل نصاب تعلیم، ''مسافر چند روزہ'' مؤلفہ برادرم الشیخ پوتا علامہ حافظ جی اے حق محمد، میں شائع ہو چکا ہے۔

پہلے پہل، طب بھی ان درجات میں ہی پڑھائی جاتی تھی، مگر بعد میں اس کا الگ شعبہ قائم کر دیا گیا۔ اب یہ طبیہ کالج بہاولپور کے نام سے مستقل ادارے کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہے۔

جامعہ عباسیہ بہاولپور، جامع ازہر مصر کے بعد، عالم اسلام کی دوسری بڑی درس گاہ تھی جس میں برصغیر پاک وہند کے علاوہ افغانستان، ترکستان، تاجکستان، ماوراء النہر، ہزارہ، بخارا، تاشقند، سوات، کشمیر، گلگت، بلتستان، جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، ملائیشا، بہار، بنگال اور دیگر ممالک سے کثیر تعداد میں طالبانِ علم، حصول تعلیم کی غرض سے آتے تھے۔

''تلامذہ کرام''

؎ دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسنِ تو بسیار

۱۔ مولانا حافظ مہر محمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور ۲۔ مولانا خدا بخش صاحب شیخ الحدیث جامعہ امینیہ دہلی ۳۔ مولانا محمد امیر صاحب خوشابی، صدر مدرس جامعہ معینیہ اجمیر شریف سجادہ نشین چپڑ شریف (سون سکیسر)۔ ۴۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدرس خیر المدارس ملتان۔ ۵۔ مولانا فیض الحسن صاحب صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان۔ ۶۔ مولانا حمد اللہ صاحب خانیوال۔ ۷۔ مولانا فیض اللہ صاحب ٹبہ سلطان پور۔ ۸۔ قاضی محمد اکرم قطبی شاہ صاحب ملتان آل مخدوم رشید حقانیؒ۔ ۹۔ مولانا غلام محمد صاحب چیچہ وطنی۔ ۱۰۔ مولانا دین محمد شاہ صاحب مظفر گڑھ۔ ۱۱۔ مولانا محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۲۔ مولانا غلام قادر چیمہ صاحب کراچی۔ ۱۳۔ مولانا محمد موسیٰ صاحب مہاجر مدنی۔ ۱۴۔ مولانا محمد رمضان صاحب مدرس مدرسہ صادقیہ منچن آباد۔ ۱۵۔ مولانا پیر امام علی شاہ صاحب مہر آباد نزد گوگڑاں تحصیل لودھراں۔ ۱۶۔ مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب سجادہ نشین غازی پور علاقہ جلال پور پیروالہ۔ ۱۷۔ مولانا عبد الحکیم صاحب خاص قصبہ گوگڑاں (مفتی محمود صاحب ان کے شاگرد ہیں) ۱۸۔ مولانا فیض احمد صاحب، سورج میانی، ملتان۔ ۱۹۔ مولانا حسن منیر صاحب۔

۲۰۔ مولانا فقیر گل احمد صاحب بارک ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔ ۲۱۔ مولانا نور احمد صاحب داجل، علاقہ بھکر، ۲۲۔ مولانا محمد امیر صاحب کندیاں۔ ۲۳۔ مولانا محمد ذکریا صاحب، بانی مہتمم جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ۔ ۲۴۔ مولانا عبد الحمید صاحب مانسہرہ۔ ۲۵۔ مولانا مفتی عطا محمد صاحب، رتہ شریف ضلع چکوال، جو کہ سلسلہ اللہ شریف کے وارث علم وفضل تھے۔ ۲۶۔ مولانا رحیم بخش صاحب، علاقہ ریتڑا، ضلع ڈیرہ غازی خان۔ ۲۷۔ مولانا صاحبزادہ غلام مصطفیٰ صاحب خانقاہ شادنہ شہید، ملتان شہر۔ ۲۸۔ مولانا صاحبزادہ خواجہ دلدار بخش صاحب ابن مولانا خواجہ حسین بخش صاحب حسین آگاہی ملتان۔ ۲۹۔ مولانا رفیع الدین صاحب ولد الاستاذ المکرّم حضرت مولانا جمال الدین گھوٹوی صاحب۔ ۳۰۔ مولانا محمد یار صاحب کھگہ قریشی مقیم دربار اویسیہ کھگہ قریشی، بستی دارا ملتان۔ ۳۱۔ مولانا محمد علی صاحب مدرسہ انوار العلوم، رامپور۔ ۳۲۔ مولوی محمد یوسف صاحب مدرسہ عالیہ رامپور۔ ۳۳۔ مولانا اشفاق احمد صاحب مدرسہ عالیہ رامپور۔ ۳۴۔ مولانا عبد الوہاب خان صاحب رامپور۔ ۳۵۔ مولانا صاحبزادہ افضال الحق صاحب، مدرسہ عالیہ رامپور ابن الاستاذ المکرّم مولانا فضل حق صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور۔ ۳۶۔ علامہ حافظ عبد الرحمٰن جامعی صاحب احمد پور شرقیہ، ناظم محکمہ امور مذہبیہ ریاست بہاولپور۔ ۳۷۔ علامہ رحمت اللہ ارشد صاحب، قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی، لاہور۔ ۳۸۔ مولانا عبد الحمید رضوانی صاحب۔ ۳۹۔ مولانا شیخ کلیم اللہ صاحب، مدرس جامعہ عباسیہ۔ ۴۰۔ علامہ مفتی حافظ غلام فرید صاحب، مدرس جامعہ عباسیہ۔ ۴۱۔ مولانا محمد احمد صاحب، مرکزی امیر تبلیغی جماعت، مدرس جامعہ عباسیہ۔ ۴۲۔ مولانا اللہ بخش صاحب ازہری، پروفیسر گورنمنٹ کالج رحیم یار خاں، مراقب المساجد والمعابد، ابوظہبی پیلس رحیم یار خاں۔ ۴۳۔ مولانا میر محمد صاحب ربانی رکنپور نزد ظاہر پیر۔ ۴۴۔ مولانا محمد نواز صاحب، مہتمم مدرسہ رحیم یار خاں۔ ۴۵۔ مولانا عبد الحق صاحب چاچڑانی۔ ۴۶۔ مولانا ملک عبد اللہ صاحب مسن نزد ظاہر پیر۔ ۴۷۔ مولانا عبد الغفور صاحب ترنڈہ مولویاں۔ ۴۸۔ مولانا عبد الواحد صاحب ترنڈہ مولویاں، ریاست بہاولپور۔ ۴۹۔ مولانا ڈاکٹر عبد الرشید جالندھری صاحب۔ ۵۰۔ مولانا منظور الٰہی صاحب، پڑوچڑاں۔ ۵۱۔ قاضی غلام حیدر صاحب پرنسپل نارمل کالج خانپور۔ ۵۲۔ مولانا احمد دین صاحب نواں شہر۔ ۵۳۔ مولانا نور احمد صاحب شیدانی شریف۔ ۵۴۔ مولانا محمد علی شاہ صاحب پلی راجن۔ ۵۵۔ مولانا یار محمد صاحب ارائیں نور پور نورنگہ۔ ۵۶۔ مولانا قاضی عظیم الدین علوی صاحب خطیب اعظم مرکزی جامع مسجد بہاولپور۔ ۵۷۔ قاضی رشید

احمد صاحب خطیب جامع مسجد مچھی ہٹہ بہاولپور۔ ۵۸۔ مولانا قاضی نظام الدین صاحب، ڈی سی آفس بہاولپور۔ ۵۹، مولانا خان محمد صاحب خطیب جامع مسجد کوچہ گل حسن بہاولپور۔ ۶۰۔ مولانا سعید الرحمٰن صاحب، خطیب مسجد اقصیٰ بہاولپور۔ ۶۱۔ مولانا عبد الرحمٰن صاحب، جامع مسجد بہاولپور، ۶۲۔ مولانا عبد العزیز صاحب صحافی بہاولپور۔ ۶۳۔ جناب امجد قریشی صاحب معروف صحافی بہاولپور۔ ۶۴۔ مولانا حافظ محمد امیر صاحب، چیلاواہن مدرس مدرسہ عربیہ مہار شریف، جو حضرت خواجہ نور جہانیاں صاحبؒ سجادہ نشین دربار قبلہ عالمؒ چشتیاں شریف کے استاد ہیں۔ ۶۵۔ مولانا حافظ نصیر الدین صاحب، چیلاواہن، معلم جامعہ عباسیہ۔ ۶۶۔ مولانا حافظ محمد امین صاحب، چیلاواہن، مفتی جامعہ عباسیہ۔ ۶۷۔ مولانا حافظ غلام محی الدین صاحب، چیلاواہن۔ ۶۸۔ مولانا حافظ عبد الستار صاحب سجادہ نشین دربار چیلاواہن۔ ۶۹۔ مولانا حافظ عبد الغفار صاحب، چیلاواہن۔ ۷۰۔ مولانا حافظ غلام حسین صاحب سجادہ نشین بھنڈی شریف علاقہ خیر پور ٹامیوالی۔ ۷۱۔ مولانا حافظ محمد رشید صاحب سجادہ نشین بھنڈی شریف علاقہ خیر پور ٹامیوالی۔ ۷۲۔ مولانا حافظ حسام الدین صاحب، چیلاواہن۔ ۷۳۔ مولانا حافظ نور محمد صاحب، جماپوری۔ ۷۴۔ مولانا حافظ الٰہی بخش صاحب شہر فرید۔ ۷۵۔ مولانا نور احمد صاحب مہار شریف۔ ۷۶۔ مولانا سید شہسوار شاہ صاحب، منچن آباد۔ ۷۷۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب تلہ گنگ۔ ۷۸۔ مولانا قطب الدین صاحب کالاباغ۔ ۷۹۔ مولانا خدا بخش صاحب مٹھیالوی۔ ۸۰۔ مولانا عبد الرشید صاحب مکنا ماروی، ڈیرہ اسماعیل خان۔ ۸۱۔ مولانا خواجہ محمد اسماعیل صاحب سجادہ نشین دربار عالیہ موسیٰ زئی شریف۔ ۸۲۔ مولانا علاء الدین صاحب شہر ڈیرہ اسماعیل خان۔ ۸۳۔ مولانا احمد گل صاحب علاقہ پشاور۔ ۸۴۔ حضرت علامہ مولانا محمد صادق صاحب معلم اعلیٰ جامعہ عباسیہ بہاولپور ۸۵۔ مولانا محمد شاکر صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج بہاولپور ۸۶۔ مولانا قاضی منظور احمد صاحب، واعظ جامع مسجد انچارج لائبریری جامعہ عباسیہ ۸۷۔ مشہور غیر مقلد مولانا عبد الحق صاحب احمد پوری مہاجر مکی ۸۸۔ مولانا عبد القادر صاحب سکنہ محلّہ گنج بہاولپور ۸۹۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب پرنسپل مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ۔ ۹۰۔ مولانا علامہ فتح محمد صاحب، (جوکہ حضرت پیر نصیر الدین نصیر گیلانی گولڑوی کے استاد ہیں نیز حضرت دیوان غلام قطب الدین آف پاکپتن شریف کے بھی استاد ہیں) ۹۱۔ مولانا تیراہی صاحب وادی تیراہ (خیبر ایجنسی) ۹۲۔ مولانا فقیر غلام احمد صاحب، سجادہ نشین علاقہ قیصرانی تونسہ شریف۔ ۹۳۔ مولانا غلام حیدر شاہ

صاحب سجادہ نشین بلوٹ شریف ڈیرہ اسماعیل خان۔ ۹۴۔ مولانا فقیر احمد نور صاحب سجادہ نشین بارک تحصیل ڈیرہ اسماعیل خان، ۹۵۔ مولانا احمد حسن صاحب ٹبہ سلطان، وہاڑی روڈ ملتان ۹۶۔ حضرت علامہ مولانا محمد امین صاحب ولد الاستاذ المکرّم مولانا سلطان محمود صاحب تلہیری والے (جن کو حضرت محدث گھوٹوی نے اپنے بعد شیخ الجامعہ کے عہدہ کیلئے تجویز فرمایا تھا۔ لیکن ان کا جلد وصال ہوگیا) ۹۷۔ مولانا محمد ظریف صاحب فیضی (جو کہ مولانا منظور احمد صاحب فیضی کے والد تھے) ۹۸۔ مولانا فقیر غلام محمد صاحب (جو کہ مولوی فیض احمد صاحب کے والد تھے) ۹۹۔ مولانا فقیر اللہ بخش صاحب (جو کہ مولوی فیض احمد صاحب کے چچا تھے) ۱۰۰۔ علامہ نور محمد منظر صاحبؒ ۱۰۱۔ قاضی عبیداللہ علوی صاحب مفتی ڈیرہ غازیخان ۱۰۲۔ مولانا نور احمد فریدی صاحب، خطیب مرکزی جامع مسجد، مخدوم رشید (ملتان) ۱۰۳۔ مشہور غیر مقلد مولانا عبدالتواب صاحب ملتانی کے عزیزان مولانا عبدالسلام صاحب اور مولانا عبد الاحد صاحب ۱۰۴۔ مولانا غلام رسول صاحب پونٹوی ۱۰۵۔ مولانا محمد عارف صاحب موسیٰ زئی شریف ۱۰۶۔ مولانا محمد جان صاحب موسیٰ زئی شریف ۱۰۷۔ مولانا ولی اللہ اوحد صاحب مدیر ”کائنات“ بہاولپور ۱۰۸۔ مولانا منظور احمد رحمت صاحب مدیر ”مدینہ“ بہاولپور ۱۰۹۔ مولانا محمد عباس صاحب ولد مولانا محمد صادق صاحب ۱۱۰۔ مولانا علامہ حافظ غلام احمد قادری صاحب فرزند شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ ۱۱۱۔ حضرت نائب الشیخ مفتی اعظم شیخ الحدیث استاذ العلماء قطب الاقطاب الحافظ محمد عبد الحیَ الچشتی القادریؒ، نائب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی کثرت تلامذہ میں مشہور تھے، آپ کے شاگردوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ لاتعد ولاتحصٰی، یعنی جو شمار اور احاطہ سے ماوراء ہے۔

”شاہزادگان دربار غوثیہ مہریہ“

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کے اکلوتے فرزند حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے دونوں صاحبزادوں سید غلام معین الدین شاہ صاحب المعروف بڑے لالہ جی اور شاہ عبد الحق صاحب کو بغرض تعلیم وتربیت حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا تھا، چنانچہ یہ دونوں حضرات بہاولپور میں حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سات سال از اوائل ۱۹۳۸ء تا اواخر ۱۹۴۴ء زیر تعلیم وتربیت رہے، ان دونوں حضرات کا قیام بہاولپور میں حضرت گھوٹویؒ کے ڈیرہ پر ہوتا تھا، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ دن رات ان کی

تعلیم وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ بڑے لالہ جی سید غلام معین الدین شاہ صاحب نے مولوی فاضل علامہ اور شیخ کے امتحانات پاس کئے۔ اور اس طرح جامعہ عباسیہ بہاولپور سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ یہ ۱۹۴۴ء کا زمانہ تھا اس وقت تک چھوٹے لالہ جی شاہ عبد الحق صاحب کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، چنانچہ حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کی دلی تمنا کے پیش نظر حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے گولڑہ شریف میں قیام کرکے ان کتابوں کی تدریس مکمل کرائی۔ ان میں سلم العلوم، مقامات حریری، اقلیدس مقالہ اولیٰ اور میبذی کے علاوہ بخاری شریف اور بیضاوی شریف شامل تھیں۔ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں اپنے بڑے صاحبزادے نائب الشیخ حضرت علامہ چشتی صاحب قدس سرہٗ العزیز کوتحریر فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت بابوجی کی رضا جوئی مطلوب ہے اسلئے میں گولڑہ شریف میں مقیم ہوں اور ایک عرصہ تک بہاولپور نہیں آ سکوں گا، اسلئے آپ خود ہی گھر کے جملہ امور سرانجام دیا کریں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرزادگان کا اس قدر احترام فرماتے تھے کہ انہیں اپنی زبان مبارک سے سرزنش کرنے کی بجائے ان کی کاپیوں پر یہ تنبیہ تحریر فرما دیتے تھے کہ ''طالب العلم کا کام کما حقہٗ تسلی بخش نہیں ہے''۔ تمام طلباء کرام کے ساتھ آپ کا سلوک عادلانہ اور مساویانہ ہوتا تھا چاہے وہ طلباء آپ کے صاحبزادے ہی کیوں نہ ہوں۔ مارکنگ میں کسی بھی طالب العلم سے رعایت نہیں برتی جاتی تھی جو حق کسی کا بنتا ہی اس کو مل کر رہتا۔ سب کو سونے کا نوالہ کھلاتے اور شیر کی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ حضرت بابوجیؒ اپنے ایک خط میں اپنے صاحبزادگان کو لکھتے ہیں:۔ ''تمہیں اپنے استاذ صاحب (حضرت شیخ الجامعہ صاحبؒ) کی رضا کا بھی ہر وقت خیال رکھنا ضروری ہے، استاد گرامی کی رضا اور دعاء میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ رکھا ہوا ہے، ایسے زمانہ میں ایسے سچے، مخلص استاد کا ملنا ناممکن ہے، یہ تمہارے فقط استاد ہی نہیں بلکہ ہرقسم کے سچے خیر خواہ، وفادار اور جاں نثار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تمہارے اور ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے اور کوئی ایسا فعل ہم سے سرزد نہ ہو کہ جس کی وجہ سے ان کی ناراضگی کے ہم محل بنیں، ہم ان کے احسانات قیامت تک نہیں اتار سکتے، ان کی اطاعت ہر طرح کی تم پر ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ان کو تم پر خوش وخرم رکھے اور تم ان کی رضائیں لے کر بامراد ہو کر اپنے غریب خانہ میں واپس آؤ، میری طرف سے ان کی خدمت اقدس میں السلام علیکم عرض کرنا، چشتی صاحب اور صاحبزادہ صاحب موہڑے شریف والوں کی خدمت میں نیاز اور دعاء۔

''جامعہ عباسیہ میں پی ایچ ڈی''

جامعہ عباسیہ بہاولپور میں پی ایچ ڈی کلاس کا اجراء بنام شیخ التشریع الاسلامی ہوا، اس کلاس کے اولین طلباء میں سید محمد علی شاہ، میر محمد الرائی اور قاضی عظیم الدین شامل تھے۔

اس کلاس کے طلباء کے بارے میں حضرت شیخ الجامعۃ العباسیہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے صادق الاخبار بہاولپور میں یہ نوٹیفیکیشن شائع کرایا کہ جو شخص چاہے ان طلباء کی طرف علمی، شرعی، استفسارات ارسال کرسکتا ہے، جن کا مدلل جواب دینا ان طلباء کی ذمہ داری ہوگی۔

''طب کی کلاس کا اجراء''

جامعہ عباسیہ میں شعبہ طب کا بھی اجراء ہوا، اس شعبہ میں ریاست کے ماہرین طب (یونانی + ایلوپیتھی) تدریس کیلئے مقرر کئے گئے، اس شعبہ میں مشہور سرجن ڈاکٹر محمد یعقوب بطور صدر شعبہ تعینات کئے گئے۔ اب یہ شعبہ طبیہ کالج بہاولپور کی حیثیت سے مستقل طور پر کام کر رہا ہے۔

''نادیۃ الادب کے اجلاسوں میں تقاریر''

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ عباسیہ بہاولپور میں طلباء کی ایک ادبی انجمن تشکیل دی، ہر جمعرات کو اس کا ادبی، علمی اور دینی اجلاس منعقد ہوتا تھا، اساتذہ کرام اور ہونہار طلباء مختلف النوع موضوعات پر عربی زبان میں تقریریں کرتے تھے، اکثر وبیشتر اوقات اس کی صدارت حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات ریاست کے وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم کو بھی بلوایا جاتا۔ وزیر تعلیم نے اس انجمن کی کارروائی سے متأثر ہو کر ریاست کے دیگر کالجوں اور ہائی اسکولوں میں بھی اس نوع کی انجمنیں قائم کرنے کا حکم نامہ جاری کیا۔ وہاں بھی حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کرکے لیکچر عطا کرنے کی استدعا کی جاتی تاکہ ان کالجوں اور اسکولوں کے اساتذہ اور طلباء بھی آپ سے مستفید ہوسکیں۔ یوں حضرت کا فیض تمام تعلیمی اداروں میں جاری وساری ہوگیا۔ اولین ادوار میں جامعہ عباسیہ کی نادیۃ الادب میں صرف عربی زبان میں تقریریں ہوتی تھیں، لیکن بعد میں طلباء کو اردو زبان میں بھی بولنے کی اجازت دیدی گئی۔ اگرچہ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی

رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ عربی زبان میں ہی تقاریر فرماتے رہے، کلاس میں بھی حضرت عربی زبان میں ہی پڑھاتے تھے۔ گویا کہ آپ کے نزدیک اصل ذریعہ تعلیم عربی زبان تھی۔ ان کالجوں اور اسکولوں کی انجمنوں میں مرزائیوں، بدعتیوں اور ملحدوں نے اپنے قدم جمانے کی کوشش کی، لیکن حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے وہاں تشریف لے جانے کی برکت سے ان بے دینوں اور لادینوں کو نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔

ان اجلاسات میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر کے موضوعات ہمہ نوع ہوتے تھے۔ ان میں سے چند ایک ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ فضیلتِ علم اور ضرورتِ تعلیم۔ ۲۔ احترامِ استاد۔ ۳۔ اہمیتِ عمل۔ ۴۔ نظم وضبط کی تلقین۔ ۵۔ رفقاءِ درس کے ساتھ نیک برتاؤ۔ ۶۔ تکریمِ کتاب۔ ۷۔ مطالعہ کی اہمیت۔ ۸۔ علومِ شرعیہ کی برتری اور علومِ معقولیہ کی ناگزیری۔ ۹۔ خصائلِ حمیدہ کی ترغیب۔ ۱۰۔ وقت کی قدر دانی۔ ۱۱۔ سوالات پیش کرنے کی افادیت۔ ۱۲۔ کھلے دماغ سے مباحثہ۔ ۱۳۔ بقاءِ ملت میں تعلیم کا کردار۔ ۱۴۔ تعلیم، ترقی کا واحد زینہ ہے۔ ۱۵۔ نامکمل تعلیم مہلک ہے۔ ۱۶۔ جہلِ مرکب تو لاعلاج مرض ہے۔ ۱۷۔ ہم توحیدِ شرعی ہی کے مکلّف ہیں جو کہ مدلول ہے کلمہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا۔ ۱۸۔ ایمان بالرسالت ہی اساسِ جملہ ایمانیات ہے جو کہ مدلول ہے کلمہ محمد رسول اللہ کا۔ ۱۹۔ ایمان کی کاملیت توحیدِ شہودی ہے جبکہ ایمان کی اکملیت توحیدِ وجودی ہے۔ ۲۰۔ ایمان کیلئے اقرارِ ایمان ضروری ہے۔ ۲۱۔ ثبوتِ ایمان تو ارکان اسلام ہیں۔ ۲۲۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے بغیر مسلمانی کا کوئی تصور نہیں۔ ۲۳۔ معاملات کا سدھار ہی اصل مقصودِ شریعت ہے۔ ۲۴۔ شریعت تو مدارِ طریقت ہے۔ ۲۵۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ ما کان وما یکون ہیں۔ ۲۶۔ حیاتِ نبویہ، حقیقی اور بدنی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ ۲۷۔ تذکیر بایام النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲۸۔ امیرِ شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، دیگر تمام انبیاء کرام، تمام اہل بیت، تمام صحابہ اور تمام مشائخ آپ کے پیروکار ہیں۔ ۲۹۔ تذکیر بایام الخلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم۔ ۳۰۔ تذکیر بایام سلاطین اسلام۔ ۳۱۔ ضرورتِ حدیث۔ ۳۲۔ وسعتِ زبان عربی۔ ۳۳۔ تعدُّدِ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصالح۔ ۳۴۔ نیم ملا خطرۂ ایمان۔ ۳۵۔ نیم طبیب خطرۂ جان۔ ۳۶۔ اثباتِ وجودِ ملائکہ۔ ۳۷۔ اثبات وجود جنات۔ ۳۸۔ مسلمانوں کا درخشاں ماضی۔ ۳۹۔ مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ تعلیم سے دوری ہے۔ ۴۰۔ گمراہی سے بچنے کا واحد راستہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

''علماء کا خراجِ تحسین''

ہنگری کا ایک اعلیٰ سرکاری مطالعتی وفد دنیا بھر کے تعلیمی اداروں کا معائنہ کرتے کرتے برصغیر میں وارد ہوا، جامعہ عباسیہ بہاولپور کی شہرت اس وقت عروج پر تھی چنانچہ وہ لوگ خاص طور پر اس عظیم الشان تعلیمی مرکز کی زیارت اور استفادے کیلئے یہاں تشریف لائے۔ انہوں نے ریاستی وزیرِ تعلیم کی معیت میں کلاسوں کا دورہ کیا۔ حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اصول فقہ کی معروف کتاب توضیح تلویح پڑھا رہے تھے۔ ان لوگوں نے فصیح و بلیغ عربی میں آپ کی تدریس سماعت فرمائی تو الشیخ افصح العرب، الشیخ افصح الناس کے الفاظ سے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ پھر مزید اظہار خیال کرتے ہوئے کہنے لگے، اتنے بڑے عالم ہوکر اتنے چھوٹے شہر میں! اتنے قلیل مشاہرہ پر!

سرسید احمد خاں نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ قائم کی تا کہ مسلمان انگریزی بھی سیکھ سکیں، اس یونیورسٹی کے لوگ سائنسی علوم، انگریزی سوچ اور جدید انداز کے لوگ تھے، گورنمنٹ آف بہاولپور نے سوچا کہ جامعہ عباسیہ کو بھی جدیدیت کا رنگ دیا جائے اور پرانے ٹھیٹھ افکار کو صیقل کیا جائے، چنانچہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا ایک اعلیٰ سطحی وفد بہاولپور تشریف لایا اور جامعہ ہذا کے نصاب تعلیم لائبریری، کلاس رومز اور طرز تدریس کا معائنہ کیا، وہ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جامعہ عباسیہ تو قدیم وجدید کا ایک نہایت ہی حسین امتزاج ہے اور یہاں کے اساتذہ کرام تو علوم عربیہ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ اور عقلیہ میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے، جس وقت یہ حضرات، حضرت شیخ الجامعہ فخر العلماء بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی کلاس میں آئے تو اس وقت آپ بخاری شریف پڑھا رہے تھے، آپ کی تدریس سن کر کہنے لگے ''سبحان اللہ''۔ اسلامی عربی اور عصری عقلی علوم وفنون آپ کے سامنے دست بستہ ایستادہ نظر آتے ہیں۔ انگریزی دینا کا کوئی بڑے سے بڑا اسکالر بھی آپ کے مقابلے میں محض طفلِ مکتب ہے۔ ہم نے دنیا کے مفکرین اور محققین کو خوب پرکھا ہے، مگر ہم نے یہاں جو درس بخاری سماعت کیا ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ حدیث سے نکات ومعانی اور مفاہیم ومسائل کا استنباط، حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ پر ختم ہے، آپ بلا ریب غواصِ حدیث ہیں''۔ یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں خاتم المحدثین کے منصب پر فائز تھے۔

''تدریس کے قطب مینار''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو تدریس کیلئے پیدا فرمایا تھا، تدریس آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ آپ مادرزاد مدرس تھے، شب و روز آپ کا کام صرف تدریس ہوتا تھا۔ لوگ آپ کو امام المدرسین بھی کہتے تھے، تدریس آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، تدریس کے حوالے سے آپ حضرت محبوب سبحانی قدس سرہٗ کے وارث تھے، آپ فرماتے تھے:۔

درستُ العلمَ حتی صِرتُ قطباً　　وَنِلتُ السعدَ من مولیٰ الموالی

ترجمہ: میں نے علوم وفنون کی تدریس کی حتی کہ قطبیت کے مقام پر فائز ہوا اور مولی الموالی کی جناب سے سعادت سے بہرہ مند ہوا۔

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے ملفوظات سے بھی یہی مضمون حاصل ہوتا ہے کہ تعلیم وتعلم کی بدولت ہی انسان روحی معراج سے مشرف ہوتا ہے۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے عین طالب علمی کے زمانہ سے ہی تدریس شروع کر دی تھی، دینی مدارس میں رواج تھا کہ ہونہار طلباء بھی جونیئر طلباء کو پڑھاتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی دار العلوم گھوٹہ شریف) نے (علامہ) غلام محمد (محدث گھوٹوی) کو مسند تدریس پر بٹھاتے ہوئے جونیئر طلباء کو پڑھانے کا منصب سپرد فرما دیا تھا جسے آپ نے باحسن طریق انجام دیا۔ اس طرح مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر تلامذہ کو علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ مثال کے طور پر حضرت مفتی عطاء محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف رتہ شریف (چکوال)۔ اور مولانا نور احمد صاحب مفتی علاقہ کچہ (بھکر)۔ نیز دیگر بے شمار علماء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ۔

''کلاسوں کا معائنہ''

والدی الکریم شیخ الحدیث مفتی اعظم حضرت چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الاسلام کی سوانح حیات کے مسودات میں تحریر فرماتے ہیں:۔ ''میرے استاد زادہ حافظ محمد کریم صاحب خلف حافظ اللہ رکھا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ پورا ہفتہ

کلاس سے غیر حاضر رہا، حضرت الشیخؒ کا دستور تھا کہ آپ روزانہ ہر کلاس کا معائنہ فرماتے، استاذ کی تدریس کو نوٹ کرتے اور ساتھ ہی ساتھ طلباء کی حاضری کو بھی اپنے ذہن رسا میں نقش کر لیتے، چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد جب میں کلاس میں حاضر ہوا تو حضرت الشیخ نے دورانِ معائنہ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تم ہفتہ بھر کہاں رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حضور! کل نہیں آ سکا تھا، آپ نے رجسٹر حاضری برائے طلباء سے مجھے دکھلایا کہ میں واقعی پورا ہفتہ غائب رہا تھا، اب میرے لئے سوائے معافی مانگنے کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا۔ آپ نے معافی عطا فرماتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ معافی نہیں ملے گی، حدیث ہے:۔ اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله، ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

''فراست کی ایک اور مثال''

یہی حافظ محمد کریم صاحب (جو بعد میں جامعہ عباسیہ میں مدرس تعینات ہوئے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران طالب العلمی، میں ملتان جانے کے لئے بلا رخصت، بہاولپور اسٹیشن پر پہونچا، اتفاق سے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی ملتان جانے کیلئے اسٹیشن پر تشریف لے آئے، اسٹیشن پر بھیڑ بھاڑ بہت تھی، میں نے دور ہی سے حضرت کو دیکھ لیا اور جلدی سے روپوش ہوگیا۔ مگر جب آپ واپس آ کر جامعہ میں تشریف لائے تو مجھے طلب فرمایا اور بلا اجازت ملتان جانے پر باز پرس فرمائی۔ میں حیران رہ گیا کہ کس طرح آپ نے اس اژدہام میں میری روپوشی کے باوجود مجھے دیکھ لیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اسی انتھک کاوش اور پرخلوص تربیت نے خلق کثیر کو راہ راست پر گامزن کر دیا۔ ایک جہان نے آپ کے فیض سے صراط مستقیم کو پا لیا، اور کتنے ہی لوگ بے راہ روی سے نجات پاکر رہ نمائی کے منصب پر فائز ہوگئے۔

''پرچہ سوالات کیسا ہونا چاہیے؟''

ایک مرتبہ بخاری شریف کا پرچۂ سوالات برائے سالانہ امتحان مولانا محمد رسول خان صاحب مدرس اورنٹیل کالج لاہور نے مرتب کیا، طلباء امتحان دے کر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت الشیخؒ نے پرچہ سوالات ملاحظہ فرما کر وہاں پر موجود اساتذہ کرام سے استفسار فرمایا کہ اس سوال کی عبارت، مقصود سوال پر

دلالت کرتی ہے؟ مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت! عبارتِ سوال کچھ ہے اور مقصودِ سوال کچھ اور ہے؟ حضرت الشیخ ؒ نے فرمایا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں کیونکہ یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ پرچہ مرتب کرنے والا ایسی عبارت ترتیب دے جس سے مطلوبہ سوال بغیر کسی ابہام کے اخذ ہو رہا ہو، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ عبارتِ سوال اور مقصودِ سوال میں مطابقت مشکل ہو، سوال میں الفاظِ سوال کا چناؤ بہت اہم ہوتا ہے۔

''جلالِ علمی سے جمالِ روحانی کی طرف''

حضرت علامہ ملا جلال الدوانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ تفتازانی ؒ کی کتاب التہذیب کی شرح تصنیف فرمائی، اسے شرح ملا جلال کہا جاتا ہے، اس پر سید میر زاہد الہروی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل حواشی تصنیف فرمائے، ان کو میر زاہد ملا جلال کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں تصانیف، جامعہ عباسیہ بہاولپور کے درسی نصاب میں شامل تھیں، حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ خود یہ مجموعہ (شرح اور حواشی) پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت علامہ سعد الدین التفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التہذیب کے موضوع کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:۔ فهذا غاية تهذيب الكلام في تحرير المنطق والكلام وتقريب المرام من تقرير عقائد الإسلام، جعلتهُ تبصرةً لِمَن حَاوَلَ التبصُّر لَدَى الافْهَامِ وتذكرةً لِمَنْ اراد ان يتذكَّر من أُولِى الأفْهَام.

علامہ مفتی حافظ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد میں جامعہ عباسیہ میں مدرس تعینات ہوئے) کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت الاستاذ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''میر زاہد'' پڑھاتے ہوئے اس کے بعض مباحث کے بارے میں بڑے پُر جلال لہجہ میں تحفظات کا اظہار فرمایا، ان پر بڑی تفصیل سے اشکالات اور اعتراضات وارد فرمائے اور مبسوط استدلالات ارشاد فرما کر اپنے مُدّعیٰ کو مُؤیّد فرمایا۔اس دن آپ پر علمی جلال کا غلبہ تھا۔

بعد از اختتامِ سبق، آپ حسبِ معمول اپنے دفتر کے سامنے والے برآمدہ میں اپنی کرسی پر رونق افروز ہوئے، تھوڑی ہی دیر گزری کہ جامعہ کے مرکزی گیٹ سے ایک طالب العلم اندر داخل ہوا، میرے اوپر اس کی سزاء کے تصور سے ایک خوف سا طاری ہو گیا، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جلالی لہجہ میں اس سے پوچھا: تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: گولڑہ شریف سے!

میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کیونکہ میں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ انور پر بہار آ گئی، جلال، جمال میں منقلب ہوا، انبساط اور شادمانی، رخِ اقدس پر جلوہ ریز ہو گئی۔ جبینِ مبارک سے نورانی شعاعیں نمودار ہوئیں، ایک عالمِ وارفتگی آپ پر چھا گیا، بے خودی کی کیفیات آپ کے روئیں روئیں سے پھوٹنے لگیں، آپ نے الفت اور رأفت بھرے لہجے میں اسے فرمایا: ''اپنی جماعت میں جاؤ''۔

''جامعہ کے ہوسٹلز''

جامعہ عباسیہ کے طلباء کی کثرت کے پیش نظر دو ہوسٹل بنائے گئے تھے، ایک چوک موری دروازہ کے قریب، جس کے نگران مولانا حافظ محمد امیر صاحب چیلاوہنی مقرر کئے گئے تھے اور دوسرا دار الاطفال کے قریب، بی وی ہسپتال روڈ پر، اس کے نگراں مولانا حافظ محمد امین صاحب چیلاوہنی مقرر کئے گئے تھے۔ ان دونوں ہوسٹلز کے نگران اعلیٰ مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

''حضرت محدث گھوٹوی ؒ کی تقاریر کے موضوعات''

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ تقریر کے آغاز میں کسی آیت یا حدیث کی تلاوت فرماتے پھر اس کی روشنی میں بات کو آگے بڑھاتے اور نکات بیان فرماتے، مندرجہ ذیل آیات، احادیث اور عنوانات آپ کا موضوعِ سخن بنے:۔

آیات: (۱) ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ ..آه﴾ (۲) ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (۳) ﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (۴) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُمْ﴾ (۵) ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۶) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ (۷) ﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (۸) ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً﴾ (۹) ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِى ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ (۱۰) ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ. رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُو صُحُفاً مُّطَهَّرَةً. فِيْهَا كُتُبٌ

قَیِّمَة﴾ (۱۱) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِینَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَیْنَهُمْ﴾
(۱۲) ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَیْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم
بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً﴾ (۱۳) ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (۱۴) ﴿وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیعاً وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (۱۵) ﴿إِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (۱۶)
﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ یُصَلُّونَ عَلَى النَّبِیِّ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا
تَسْلِیماً﴾. (۱۷) ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (۱۸) ﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا
أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّینَ﴾ (۱۹) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ...... آه﴾
(۲۰) ﴿إِنَّا أَعْطَیْنَاكَ الْكَوْثَرَ......آه﴾ (۲۱) ﴿عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلَى غَیْبِهِ أَحَداً.
إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ﴾ (۲۲) ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِی أَصْحَابِ
السَّعِیرِ﴾ (۲۳) إِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾ (۲۴) ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهِ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیعُ
الْبَصِیرُ﴾ (۲۵) ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ. الَّذِینَ آمَنُوا
وَكَانُوا یَتَّقُونَ﴾ (۲۶) ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِی عِلْماً. وَأَلْحِقْنِی بِالصَّالِحِینَ﴾ (۲۷) ﴿قَالَ
الَّذِی عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِیكَ بِهِ قَبْلَ أَن یَرْتَدَّ إِلَیْكَ طَرْفُكَ﴾ (۲۸) ﴿إِنَّ
الَّذِینَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةُ ...... آه﴾ (۲۹) ﴿وَمَن یَتَّقِ
اللّٰهَ یَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً. وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَن یَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ
إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْراً﴾ (۳۰) ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِینَ﴾.

(۳۱) حدیث قال صلی الله علیه وسلم: قل آمنت باللّٰه، ثم استقم (مسلم) (۳۲) حدیث قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانهٖ ویدهٖ (بخاری) (۳۳) حدیث قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والدهٖ وولدهٖ والناس أجمعین (متفق علیه) (۳۴) حدیث قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: افضل الأعمال الحب فی اللّٰه والبغض فی اللّٰه (أبوداوٗد) (۳۵) حدیث قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول الله وماهن قال الشرک باللّٰه والسحر وقتل النفس التی حرم الله إلا بالحق وأکل الربا وأکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات (متفق علیه).
ترجمہ:۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہلاک کر دینے والے کاموں سے بچو! صحابہ کرام نے عرض کیا وہ کونسے ہیں؟ فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲)

جادو کرنا (۳) ناحق کسی شخص کو قتل کرنا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھا جانا (۶) بوقت جہاد پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہونا (۷) پاکدامن مؤمن بے خبر خواتین پر الزام تراشی کرنا۔ (۳۶) حدیث قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إن الشیطن یجری من الإنسان مجریٰ الدم (متفق علیه) (۳۷) حدیث قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: مَن أحدَث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو ردٌ (متفق علیه) (۳۸) حدیث قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا أُلفِیَنَّ أحدکم متکئا علیٰ اریکتهٖ یأتِیهِ الامر من امری مما امرتُ بهٖ أو نهیتُ عنه فیقول لا أدری ما وجدنا فی کتاب اللّٰه اتبعناه (احمد، أبوداوٗد، ترمذی، ابن ماجه، بیهقی، مشکوٰة باب الاعتصام بالکتاب والسنة) (۳۹) حدیث قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: اتبعوا السواد الاعظم فإنّه من شَذَّ شُذَّ فی النار (ابن ماجه) ترجمہ:۔ جمہور مسلمین کے شانہ بشانہ چلو، جو شخص ان سے الگ ہوا وہ جہنم میں گرا، (۴۰) حدیث قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلثةٍ إلا من صدقة جاریةٍ، أو علم ینتفع بهٖ أو ولدٍ صالحٍ یدعو لهٗ (مسلم) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے کے بعد انسان کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ سوائے تین صورتوں کے، (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو۔ (۳) نیک اولاد، جو اس کیلئے دعائیں مانگ رہی ہو۔ (۴۱) حدیث قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اللّٰه وملائکتهٗ وأهل السموات والأرض حتی النملة فی حجرها وحتی الحوتِ لیصلون علی معلم الناس الخیر (ترمذی، دارمی) ترجمہ: اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، آسمان اور زمین میں بسنے والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور یہاں تک کہ مچھلی، اس معلم کیلئے دعائیں مانگتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔ (۴۲) حدیث قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا أراد احدکم أن یبول فَلْیَرْتَدْ لِبَولِهٖ. (أبو داوٗد) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، قضاء حاجت کے وقت تم پردہ دار جگہ کو تلاش کیا کرو۔ (یعنی ایسی حالت میں تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے)۔ (۴۳) قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ اَنْفِقْ یا ابن آدم اُنفِقْ علیک (متفق علیه). ترجمہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے ابن آدم! تو (لوگوں پر) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (۴۴) قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: بادروا بالصدقة فانّ البلاء لا یتخطاها

(مشکوۃ) ترجمہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات دینے میں پہل کیا کرو، کیونکہ مصیبت خیرات کو پھلانگ نہیں سکتی۔ (۴۵) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إن الذی لیس فی جوفه شیٌ من القرآن کالبیت الخرب (ترمذی، دارمی) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو قرآن کا کچھ حصہ بھی یاد نہ ہو، وہ ویران گھر کی مانند ہے۔ (۴۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من سرهٗ أن یستجیب اللہ لهٗ عند الشدائد فلیُکثر الدعاء فی الرخاء (ترمذی) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت اس کی دعاء کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے تو اسے چاہئے کہ وہ آسودہ لمحات میں کثرت سے دعائیں مانگے۔ (۴۷) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إذا سألتم اللہ فاسئلوه ببطون أکفکم (أبو داوٗد) ترجمہ: جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے مانگو۔ (۴۸) عن عمر رضی اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجههٗ. (ترمذی) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو انہیں نیچے نہ چھوڑتے جب تک کہ انہیں اپنے چہرۂ اقدس پر نہ مل لیتے۔ (۴۹) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب اللہ علیه (متفق علیه) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بندہ اپنی خطا مان لے اور پشیمان ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ (۵۰) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إذا سئلتَ فاسئل اللہ وإذا استعنت فاستعن باللہ (مشکوٰۃ باب التوکل، ترمذی مسند أحمد) ترجمہ: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مدد مانگو۔ (۵۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لهٗ الدعاء (أبوداوٗد، ابن ماجه مشکوٰۃ) ترجمہ: جب تم نماز جنازہ پڑھ لو تو خالص میت کیلئے دعا کرو۔ (۵۲) عن مسلم بن أبی بکرة رضی اللہ عنهما قال کان أبی یقول فی دبر الصلوٰۃ اللهم إنی أعوذبک من الکفر والفقر وعذاب القبر، فکنت أقولهن فقال ای بُنَیَّ عمَّن اخذت هذا قلتُ عنک قال إن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یقولهن فی دبر الصلوٰۃ (ترمذی، نسائی، أحمد، مشکوٰۃ باب الاستعاذہ) ترجمہ: حضرت مسلم بن أبی بکرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے والد، نماز کے بعد یہ دعاء مانگا کرتے تھے ''اے اللہ میں کفر سے، محتاجی سے اور عذاب قبر تیری پناہ چاہتا

ہوں'' چنانچہ میں بھی یہ دعا مانگا کرتا تھا، ایک مرتبہ میرے والد مجھ سے پوچھنے لگے اے میرے بیٹے تم نے یہ دعاء کس سے سیکھی ہے؟ میں نے عرض کیا، آپ سے! کہنے لگے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعاء مانگا کرتے تھے۔ (۵۳) عن عثمان بن حُنَیفٍ قال إن رجلاً ضریر البصر اتیٰ النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال اُدعُ اللہ اَنْ یُعافِینی فقال أن شئت دَعوتُ وإن شئتَ صَبرتَ فهو خیرٌ لک قال فادعُهٗ قال فأمرهٗ أن یتوضأ فَیُحسِن الوُضُوءَ ویدعو بهذا الدعاء اللهم إنی اسألکَ وَاَتوَجَّهُ إلیک بنبیک محمدٍ نبیِّ الرحمة، إنّی تَوَجَّهتُ بکَ إلیٰ ربی لِیَقْضِیَ لِیْ فی حاجتی هذهٖ اللهم فَشَفِّعْهُ فِیَّ (ترمذی) ترجمہ: حضرت عثمان ابن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے (نابینائی سے) عافیت دیدے، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں دعا کر لیتا ہوں اور اگر تم چاہو تو صبر کرلو وہ تیرے لئے بہتر ہے، اس نے عرض کیا حضور! آپ دعا کر دیں آپ نے اسے وضوء کرکے یہ دعا مانگنے کا حکم فرمایا: ''یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ نبی رحمت ہیں، (اے رسول خدا) میں آپ کے وسیلے سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری یہ حاجت پوری فرما دے، یا اللہ! تو ان کی سفارش میرے حق میں منظور ومقبول فرما۔ (۵۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: مَنْ کَذِبَ عَلَیَّ متعمِّداً فَلْیَتَبَوَّءْ مَقعَدَهٗ من النار (بخاری) ترجمہ: جس شخص نے عمداً جھوٹی حدیث گھڑی، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (۵۵) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إنّ اللہ سمّی المدینة طابة (مسلم) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ کا نام طاہر (پاکیزہ) رکھا ہے۔ (۵۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة (بیهقی) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا حلال کی کمائی ڈھونڈنا فرض در فرض ہے۔ (۵۷) عن قیس بن سعد قال اتیتُ الحیرة فرأیتُهم یسجدون لِمَر زبان لهم فقلتُ لَرَسُولُ اللہ صلی اللہ علیه وسلم اَحَقّ اَنْ یُسجَدَ لَهٗ فأتیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلتُ اتیتُ الحیرة فرأیتُهم یسجدون لِمَرزُبَان لهم فَاَنْتَ احق بِأَن یُسجَدَ لکَ فقال لی أرأیتَ لو مررتَ بقبری أکنتَ تسجد لهٗ فقلتُ لا فقال لا تفعلوا لو کنتُ آمُرُ اَحَداً إن یسجد لاحدٍ لَاَمَرتُ

النساء أن يسجدن لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جعل الله لهم عليهن من حقٍ، رواه أبوداؤد ورواه أحمد بن معاذ بن جبل (مشكوٰة باب عشرة النساء) ترجمہ: حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حیرہ (مضافاتِ کوفہ) میں آیا، میں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے تھے، میں نے سوچا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو سجدہ کے زیادہ حقدار ہیں، سو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری بات آپ کے گوش گذار کی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے کہ جب کبھی تم میری قبر کے قریب سے گذرو گے تو کیا اس کو بھی سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا نہیں! آپ نے ارشاد فرمایا تو پھر (مجھے بھی) سجدہ نہ کرو، اگر میں کسی کیلئے سجدہ کی اجازت دیتا تو عورتوں کو کہتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کرو'۔ (۵۸) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رغم انفهٔ رغم انفهٔ قيل مَن يارسول الله؟ قال من ادرک والديه عند الكِبَر احدهما أو كلاهما ثم لم يدخل الجنة. (مسلم) ترجمہ: فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ناک، خاک آلودہ ہوگئی، اس کی ناک، خاک آلودہ ہوگئی، اس کی ناک، خاک آلودہ ہوگئی، عرض کیا گیا کس کی؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا جس نے والدین میں سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا مگر اس نے (ان کی خدمت کر کے) جنت حاصل نہ کی۔ (۵۹) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَن تَشَبَّهَ بقومٍ فهو منهم (أبوداؤد، أحمد) ترجمہ: جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔ (۶۰) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: للانصار قوموا إلىٰ سيدكم (متفق عليه، مشكوٰة باب القيام) ترجمہ: جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو فرمایا اپنے سردار (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ (۶۱) میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۶۲) معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۶۳) ختم نبوت (۶۴) اسوۂ محمدیہ (۶۵) معجزات نبویہ (۶۶) ضرورتِ تعلیم (۶۷) عدل ومساوات (۶۸) فرضیتِ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ فرائض (۶۹) حقوقِ والدین وغیرہ (۷۰) مناقبِ حضرت اُم المؤمنین خدیجہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ اور دیگر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن (۷۱) مناقبِ امام حسن، امام حسین اور خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم (۷۲) مناقبِ خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (۷۳) کراماتِ اَولیاء (۷۴) سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ چشتیہ، سلسلۂ نقشبندیہ، سلسلۂ سہروردیہ اور دیگر سلاسلِ تصوف کے مشائخ کا

تذکرہ۔ (۷۵) خلافتِ اسلامیہ ترکیہ (۷۶) سیاسی معاملات میں اتباعِ سنت کا لحاظ (۷۷) اعراس میں اتباعِ شریعت کا لحاظ (۷۸) اعراس کے مواقع پر اور خطبہ ہائے جمعہ میں تفہیمِ مسائلِ دینیہ (۷۹) تحریکِ پاکستان کیلئے شب وروز کام کیا، جلسے منعقد کئے، خطابات کے ذریعے اس تحریک کو پروان چڑھایا اور بعون اللہ تعالیٰ اسے فتح وکامرانی سے ہمکنار کیا۔ (۸۰) گولڑہ شریف میں روزانہ محفل سماع سے قبل درس مثنوی سے فیض یاب فرماتے، آپ کے صاحبزادے شیخ الحدیث مفتی علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومی کا شعر ترنم سے پڑھتے اور آپ اس کی تشریح فرماتے، اس سے پیشتر جب ابھی آپ کے صاحبزادے خورد سال تھے تو اس درس مثنوی میں شعر پڑھنے کا شرف مولانا مولوی مولیٰ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطیب مرکزی جامع مسجد راولپنڈی حاصل فرماتے۔ (۸۱) خاکسار تحریک کے مقابلے میں حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت الاسلام بنائی، اس کے صدر حضرت چن پیر گولڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقرر ہوئے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ہری پور، حسن ابدال، ایبٹ آباد، اٹک، راولپنڈی، چکوال، جہلم، لالہ موسیٰ، گجرات، فتح جنگ، حافظ آباد، لاہور اور میانوالی وغیرہ میں جلسوں سے خطاب فرماتے۔ (۸۲) خواجہ خدا بخش صاحب ملتانی ولد خواجہ منظور حسین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ملتان میں ہماری قریبی مسجد کے امام صاحب (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) مغالطۂ ذہنی میں مبتلا ہو کر ''کراماتِ اَولیاء'' کے منکر ہو گئے اور انہوں نے اپنی چکنی چپڑی مگر پر خطر باتوں سے قلیل المطالعہ نوجوانوں کو اولیاء کرام سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا۔ مجھے حسنِ اتفاق سے گولڑہ شریف میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا درس سننے کا موقع میسر آ گیا جس میں مولانا مولوی مولیٰ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل شعر ترنم سے پڑھا:۔

؎ اَولیاء را ہست قدرت از اِلٰہ — تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اس کی تشریح میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی قصص وواقعات کی روشنی میں بندگانِ خدا کی کرامات کو موضوعِ سخن بنایا، آپ نے آیات قرآنیہ سے ایسے ایسے دلائل پیش فرمائے کہ:۔

؎ فلک گفت احسنت، مہ گفت زہ

آپ کی اس تقریر سے دل و دماغ ایسے منور ہوئے کہ ہم لوگوں کے سارے شبہات کلی طور پر رفع ہو گئے اور ہم پورے انشراحِ صدر کے ساتھ کرامات اولیاء کے علم بردار بن گئے، سبحان اللہ، الحمد للہ، والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔ (۸۳) بہاولپور میں یہ وباء چل نکلی کہ نوجوان لڑکے اپنے ماں باپ کے نافرمان ہونے لگے، بوڑھے والدین نے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنی تکالیف کا اظہار کیا تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اس گھریلو اورمعاشرتی خرابی کے تدارک کیلئے آپ نے اپنی تقاریر میں والدین کی اطاعت وخدمت پر زور دینا شروع کیا، آپ کی زبان مبارک کی تاثیر اور سچے جذبے نے کام کر دکھایا اور نوجوان نسل اپنے ماں باپ کی محبت، اطاعت اور خدمت گذاری کی طرف پلٹ آئی، جزاہ اللہ تعالیٰ عن المسلمین خیراً۔ (۸۴) مرزائیوں، دھریوں، اشتراکیوں، لادینوں، بدعتیوں، شیعوں ملحدوں غیر مقلدوں اور وہابیوں کے خلاف آپ ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے اور بغیر خوفِ لومۃ لائم اور بغیر طمعِ پارۂ ناں، ان کو دعوتِ حق دیتے رہتے تھے۔ اکثر وبیشتر آپ کی تقاریر کا موضوع یہی فرقہ ہائے ضالہ، باطلہ ہوتے تھے۔ (۸۵) آپ کے رہائشی محلّہ گنج شریف بہاولپور میں دو ہمسایوں کے درمیان کوئی تنازعہ کھڑا ہو گیا جس نے سنگین صورت اختیار کر لی، اہل محلّہ اس کو سلجھانے کے لئے بغرضِ مشورہ واصلاحِ احوال حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اس کی یہ تدبیر نکالی کہ اپنے آستانہ عالیہ پر محفلِ میلاد شریف کا اہتمام فرمایا تاکہ اسکی برکت سے خیر وشادمانی حاصل ہو، اس محفل میں اہل شہر کی کثیر تعداد نے شرکت کی، آپؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمسائیگی کے حقوق اور فرائض کو بھی جزوِ خطاب بنایا، آپ کی تقریر دلپذیر نے اپنا پورا پورا اثر دکھایا جس کے نتیجہ میں دونوں متنازع فریقوں نے آپ کے آستانہ پر ہی آپس میں مصالحت کرلی، لاریب حضرت الشیخؒ اس شعر کی تعبیر تھے:۔

؎ تو برائے وصل کردن آمدی　　نے برائے فصل کردن آمدی

اس میں وصال مع اللہ اور وصل مابین عباد اللہ دونوں شامل ہیں۔

☆☆☆☆

باب سوم

مشائخ اور علماء کے ساتھ قریبی روابط

(جس کی نظر محض جیب پر ہو وہ اہل اللہ میں سے کیونکر ہوا؟)

”حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی کرم نوازی“

حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضور اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز کا قلبی تعلق نرالی شان رکھتا تھا۔ مرشد کامل اپنے مرید کامل کا اکرام کرتے ہوئے ان کی تحسین کرتے ہوئے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جب کبھی حضور اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز کہیں تشریف لے جا رہے ہوتے اور سر راہ دیکھ لیتے کہ مولوی غلام محمد صاحب گھوٹہ والے آ رہے ہیں تو وہیں رک جاتے اور ان کا کھڑے کھڑے انتظار فرماتے، جب حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ قریب آتے تو نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے، خیریت دریافت فرماتے، حال احوال پوچھتے اور پھر آگے تشریف لے جاتے۔ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ عرض کرتے رہتے کہ حضور! آپ میرا انتظار نہ فرمایا کریں مگر حضور اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز ان کے اکرام کو ترک نہ فرماتے۔

جب بھی علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ حضور اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز کی محفل میں حاضر ہوتے تو حضور اعلیٰ ان کو دیکھتے ہی لوگوں سے فرماتے:۔ ”سنگیو! مولوی صاحب آ رہے ہیں اِن کیلئے جگہ بناؤ“۔ حضور اعلیٰ ہمیشہ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قریب دائیں طرف بٹھاتے تھے، اور اپنا رخ مبارک ان کی طرف متوجہ کئے رکھتے۔

حضور اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز ہر علمی، ادبی اور دینی مسئلہ میں علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشاورت فرماتے اور ان کے علم پر مکمل اعتماد کا اظہار فرماتے، اکثر اوقات معرکۃ الآراء مباحث کی تحقیق مزید کیلئے علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو مأمور فرماتے۔

بعض اوقات مناظرات کے لئے بھی حضور اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز نے اپنے قائم مقام کے طور پر علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا ہے۔

”حضرتِ اعلیٰ کا سلام ۔۔ گراں قدر انعام“

بہاولپور کے مشہور واعظ مولانا مولوی محمد حیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مچھلی بازار میں حکمت اور پنسار کی دوکان کرتے تھے، گولڑہ شریف سے واپس آئے اور حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت پیر صاحب کے سلام پیش کئے۔ حضرت صاحب کا نام لے کر کہا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب آپ کو سلام فرما رہے

تھے، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے حُبِ شیخ سے مغلوب ہو کر ان سے فرمایا کہ کیا میرے شیخ کا نام لیتے وقت آپ باوضو ہیں؟ مولانا محمد حیات صاحب نے عرض کیا نہیں حضور! ۔ اس پر آپ نے بہت افسوس کا اظہار فرمایا۔

بعد ازیں جامعہ کے اساتذہ میں سے ایک صاحب نے آپ سے استفسار کیا کہ کیا کسی ولی کا نام لیتے وقت باوضو ہونا ضروری ہے؟ اب آپؒ کو مغلوب الحُب ہونے کا احساس ہوا، چنانچہ آپ مولانا مولوی محمد حیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ان سے بغلگیر ہو کر معذرت خواہ ہوئے۔

؎ خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

”حضرت اعلیٰ کے مکاتیب عالیہ“

عشق، اول، در دلِ معشوق، پیدا می شود

۱۔ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز نے دار العلوم چکوڑی شریف (مضافات گجرات) کے معائنہ کے دوران طالب العلم غلام محمد بن چوہدری عبد اللہ سکنہ گمرالی کلاں (مضافات گجرات) کو جو بعد میں مولانا غلام محمد گھوٹویؒ کے نام سے مشہور ہوئے، ان کی ذکاءِ عقلی اور حاضر جوابی کی بدولت محبت بھری توجہ سے نوازا، چنانچہ آپؒ اپنے استاذ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر حضرت اعلیٰ گولڑوی سے فوری طور پر بیعت سے مشرف ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ جب بھی حضرت مولانا محمد چراغ صاحب کو خط لکھتے تو آخر میں تحریر فرماتے:۔

”غلام محمد را سلام“ ”احمد دین وغلام محمد وغیرھما را سلام“ ”مکاتیب غلام محمد زاد شوقہٗ می رسند“ ”مضمون غلام محمد رسید، اللہ تعالیٰ محظوظ ومحفوظ دارد“ ”غلام محمد و اکبر شاہ را سلام“۔

ان مکاتیب میں سے ایک پر مورخہ ۲۳ صفر ۱۳۱۷ھ اور دوسرے پر ۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ درج ہے، یہ تواریخ بمطابق ۲ جولائی ۱۸۹۹ء اور ۹ آگست ۱۸۹۹ء ہیں۔

حضور اعلیٰؒ نے علامہ گھوٹویؒ کو ان کے نعم البدل فرزند کے تولد کی خوش خبری دیتے ہوئے لکھا:

مخلصی فی اللہ مولوی غلام محمد صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس خط سے پہلے بھی مجھے اس کا خیال ہے اور دست بدعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے، اور دوسرے امر میں بھی حسب منشاء کامیابی بخشے، آمین، والسلام۔

مخلصی فی اللہ مولوی غلام محمد صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

الحمد شریف معہ بسم اللہ شریف، سات دفعہ، اول آخر درود شریف تین دفعہ پڑھ کر ''دم'' کیا کریں، والسلام دعاگو، از گولڑہ۔

''حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ کے خطوط''

حضرت بابوجی قدس سرہٗ اپنے اخلاق کریمانہ کے باعث جتنی تعظیم ومحبت سے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آتے تھے، اس کی نظیر ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی، بمصداق مشتے نمونہ از خروارے، ذیل میں صرف چند ایک خطوط کے مختصر ترین اقتباسات ہدیۂ ناظرین کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت بابوجی ہر خط میں لکھتے تھے ''میرے نہایت ہی مکرم ومعظم حضرت شیخ الجامعہ صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ۔

۲۔ میرے انتہائی واجب التعظیم حضرت شیخ الجامعہ صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ۔

۳۔ اے میرے وہ جو کہ دل میں ہو، شالہ ہمیشہ سلامت باکرامت رہو آمین ثم آمین۔

۴۔ اے میرے دل کے سرور، خدا آپ کا حافظ وناصر ہو، آمین۔

۵۔ میرے دل کو اخلاص کا نشان بنانے والے! شالہ ہمیشہ سلامت رہو، آمین۔

۶۔ میرے حضرت کے وفادار! سراپا اخلاص! دامت عنایاتکم۔

۷۔ جب میں نے حضرت اعلیٰ مدظلہم العالی کی خدمت میں آپ کا سلام ونیاز پیش کیا تو حضرت اعلیٰ مدظلہم العالی نے آپ کے حق میں ایسے ایسے کلمات خیر اور کلماتِ دعائیہ

ارشاد فرمائے کہ جن کی سماعت سے جو لذت مجھے حاصل ہوئی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں، ہزار شکر کہ حضرت اعلیٰ نے آپ پر ایسی مہربانی فرمائی، آپ بہت خوش نصیب ہیں، آپ پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔

۸۔ بخاروں کی کثرت ہے، احتیاط نہایت ضروری ہے، الحمد للہ آپ کا بخار اتر گیا، خدا کرے کہ پھر نہ آئے، آپ کی صحت کی مجھے سخت فکر رہتی ہے، یہ خوشامد نہیں واقعیت ہے۔ مخلصی نواب محمد حیات صاحب کی بھی فکر رہتی ہے، آپ ان کیلئے دعاء کریں، جناب سید نجیب علی شاہ صاحب تشریف لائے تھے، پرسوں روانہ ہوگئے۔ آپ یہاں درس جاری کریں، اللہ تعالیٰ شرِ اعداء سے محفوظ رکھے، چشتی وقادری کو سلام ودعاء زیادہ نیاز والسلام۔

۹۔ میں مع عزیزان کے بفضلہ تعالیٰ نیاز مند ہیں اور رہیں گے۔

۱۰۔ حضرت قبلہ بابوجی صاحب قدس سرہٗ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ آپ کے شیوۂ وفا سے مجھے درسِ وفا حاصل ہوا ہے۔

۱۱۔ حضرت ثانی لاثانی قبلہ بابوجی صاحب نے آپ کو لکھا کہ اگر کوئی شخص بغرض دعاء یا تلقین ذکر کے لئے حاضر ہو تو اس کی رہنمائی، دلجوئی اور مقصد برآری کر دیا کریں، کوئی شخص از خود نہیں آتا بلکہ کوئی اسے بھیجتا ہے، حلم اور محبت سے اس کی تمنا پوری کر دیا کریں۔

''حضرت قبلہ بابوجیؒ کی طرف سے عزت افزائی''

حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص جناب جرنیل محمد حیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے بارہا حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ کو حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آنے پر کھڑے ہوتے دیکھا ہے، حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا نہ کرنے کی استدعا کی تو آپ نے فرمایا مولوی صاحب! میں تہاڈے آگے ناں کھڑا ہوندا بلکہ میں تہاڈے علم دے آگے کھڑا ہونداں۔

اسی طرح حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کو ملتے تو نہایت انکساری اختیار فرماتے، اسی طرح حضرت قبلہ بابوجی بھی ان کے ساتھ ویسی ہی انکساری اپناتے تھے اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے منع کرنے کے باوجود بھی

اپنے ادبی اور تعظیمی رویے کو ترک نہ کرتے تھے۔ الدین کلۂ ادب۔ ترجمہ: ادب ہی کل دین ہے۔

؎ از خدا جوئیم توفیقِ ادب، بے ادب محروم ماند از لطف رب

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح حیات (قلمی) میں تحریر فرمایا ہے کہ والد گرامی حضرت الشیخ الجامع رحمۃ اللہ علیہ، اعراس میں شرکت کیلئے بہاولپور سے بذریعہ ٹرین گولڑہ شریف ریلوے اسٹیشن پر پہونچتے تو حضرت قبلہ وکعبہ بابوجی صاحب قدس سرہٗ العزیز مع اپنے ساتھیوں کے حضرت الشیخ الجامع رحمۃ اللہ علیہ کی عزت افزائی کیلئے ریلوے اسٹیشن پر جلوہ فرما ہوتے تھے۔

خواجہ خدابخش ملتانیؒ ولد خواجہ منظور حسین ملتانیؒ کا (بہ روایت خواجہ محمد اشرف ولد خواجہ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ) بیان ہے کہ حضرت محدث گھوٹویؒ کی تشریف آوری پر حضرت قبلہ بابوجیؒ وظائف پڑھنا ملتوی فرما دیتے تھے، جب تک حضرت گھوٹویؒ بیٹھے رہتے آپؒ ان کے ساتھ ہم کلام رہتے، جب حضرت گھوٹویؒ واپس تشریف لے جاتے تب حضرت قبلہ بابوجیؒ وظائف کی تلاوت دوبارہ شروع [illegible]۔

”حضرتِ محدث گھوٹویؒ، حضورِ اعلیٰؒ کی نشانی تھے“

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط میں لکھا کہ ”حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے وصال پُر ملال کے بعد حضرت قبلہ بابوجی صاحب بہت ملول اور غمگین رہتے ہیں، ان کی دلجوئی اور تسلی کیلئے میرا گولڑہ شریف میں رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہم لوگ جو حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی نشانیاں ہیں، ہمیں دیکھ کر اور اپنے قریب پاکر حضرت بابوجی صاحب کو قدرے سکون اور ڈھارس ملتی ہے، آپ کا غم غلط ہوتا ہے اور آپ کا دل بہلتا ہے۔ اس لئے میں حضرت بابوجی صاحب کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا، انہوں نے جو مکتوب آپ کی طرف ارسال کیا ہے اس سے بھی ان کے دلی جذبہ کی آئینہ داری ہو رہی ہے“۔

مذکورہ بالا خط ۱۹۳۷ء کے زمانے کا ہے، اس کے بہت عرصہ بعد یعنی ۴۶_۱۹۴۵ء میں لکھا گیا ایک خط درج ذیل ہے۔

”حضرت شاہ عبدالحق صاحب مدظلہٗ کی تعلیم کی خاطر حضرت قبلہ بابوجی صاحب مجھے واپس بہاولپور نہیں جانے دے رہے، اس لئے آپ اس امر کا انتظام کریں کہ آپ کا چھوٹا بھائی عزیزی حافظ غلام احمد طولعمرہٗ ایک ختم قرآن شریف کا حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پُر انوار پر ضرور سنائے“۔

”ثانی اثنین“

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کے دور میں مہمان خانہ نمبر ایک تعمیر ہوا، یہ چوکور، وسیع اور خوبصورت عمارت ہے۔ اس کی مغربی سمت میں جو کمرہ جات ہیں ان کے اوپر کتب خانہ اور حضرت اعلیٰ کی نشست گاہ اور آرام گاہ بنائی گئیں، اس کے عین نیچے مہمان خانے کا کمرہ نمبر ۱۳ بھی ہے جس میں سے سیڑھی نکل کر حضور اعلیٰ تک پہونچاتی تھی، یہ کمرہ نمبر ۱۳ حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے مخصوص تھا، آپ ہمہ وقت، رات ہو یا دن، جب بھی صدائے دل آتی، بڑی آسانی سے حضور اعلیٰ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ یہ سہولت کسی اور کو حاصل نہیں تھی، یہ مقام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے مخصوص تھا چنانچہ اب یہ سیڑھی بند کر دی گئی ہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوتا تھا کہ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ اور بعض اوقات اکیلا بھی ان سیڑھیوں کے راستے اوپر جاکر حضرت اعلیٰ کی زیارت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ جب آپ عالم صحو میں تھے تو حضرت مولانا محبوب عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعارفاً کہہ دیا کہ حضرت مولوی صاحب گھوٹہ والوں کا صاحبزادہ آیا ہے، اسے کوئی وظیفہ بتلائیں، اس پر آپ نے استفسار فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا حفظ قرآن کے بعد اسے مزید ازبر کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا: ”تمہیں کسی اور وظیفے کی کیا ضرورت ہے؟ تلاوتِ قرآن ہی تمہارے لئے وظیفہ ہے“۔

''اہل خانہ کیساتھ گولڑہ شریف میں پہلی حاضری''

۱۹۳۳ء کی تعطیلات گرما میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے کنبہ کو پہلی بار گولڑہ شریف لے گئے۔ جب آپ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے تو حضرت اعلیٰ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا گھوٹہ والے مولوی صاحب آ گئے ہیں۔ دوستو! ان کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو!

حضرت گھوٹویؒ کے صاحبزادے علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک اس وقت گیارہ سال تھی، حضرت اعلیٰؒ اگرچہ خورد سالگان کو بیعت نہ فرماتے تھے مگر علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خاطر داری فرماتے ہوئے ان کے صاحبزادے کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا، اس موقع پر آپ کے صاحبزادے حضرت علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پانچ روپے بطور ہدیہ پیش کیے، حضرت اعلیٰ، متاع دنیاوی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے لیکن علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کے پیش کردہ ہدیہ کو اپنے دست مبارک سے قبول فرما کر مولانا محبوب عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا، اس پر حضرت گھوٹویؒ اتنے شاداں و فرحاں ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔ آپ بار بار اپنے بیٹے کو فرماتے عبو! تو بڑا خوش نصیب اور مبارک بچہ ہے کہ حضور اعلیٰ نے تیری اتنی عزت افزائی فرمائی ہے۔

انہی دنوں علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز سے ''کریما'' کے متعدد اسباق پڑھ کر اپنی درسی تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دست مبارک سے نہایت درجہ خوش خطی میں اپنے صاحبزادے کو کریما کے ابتدائی اشعار لکھ دیتے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا آپ کو وہ اشعار از بر اور رواں کراتی رہتی تھیں تاکہ پڑھانے میں حضرت اعلیٰ کو دقت نہ ہو، اس طرح علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اعلیٰ کی شاگردی کا فخر عظیم بھی حاصل ہے، والحمد للہ علی ذلک۔

''مرشد کے خلاف کوئی بات برداشت نہ تھی''

مولانا برکت علی ہوشیار پوری مرحوم، حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹویؒ کے قدیمی شاگرد تھے، تکمیل تعلیم کے بعد سیدی وسندی حضرت شیخ الجامعہ قدس سرہٗ العزیز نے انہیں جامعہ عباسیہ میں معلم کی آسامی پر تعینات کرا دیا۔ ایک دن ایک شخص نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں اطلاع دی کہ مولانا برکت علی صاحبؒ پیروں فقیروں کے خلاف باتیں کر

رہے ہیں، آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مولانا برکت علی صاحبؒ کے پاس جا کر دریافت فرمایا کہ آیا آپ پیروں کے خلاف گفتگو کر رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا جی حضور! حضرت الشیخؒ نے دوبارہ دریافت فرمایا کہ کیا میرے شیخ کے بارے میں بھی، آپ مخالفانہ کلام کر رہے تھے؟ عرض کیا جی حضور! یہ سن کر آپ کے رنج کی انتہاء نہ رہی، آپ نے انہیں اپنے عصا سے اتنا زدوکوب کیا کہ عصا شکستہ ہو کر دولخت ہو گیا۔ غَفَرَ اللہُ لَنَا وَلَھُم اَجْمَعِین۔

''مشائخ ومخادیم کی طرف سے اعزاز واکرام''

۱۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت خواجہ غلام معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی عزت افزائی فرماتے تھے، اس کا تذکرہ، دیگر مقام پر ہو چکا ہے۔

۲۔ حضرت خواجہ ہوت محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین شیدانی شریف حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے قدر دان تھے، ان دونوں کے درمیان محبت بھری ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

۳۔ حضرت سید غلام میراں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے، اکثر اوقات انہیں اپنے ہاں جمال دین والی مدعو کرتے، اپنے مدرسے واقع جمال دین والی کا معائنہ کراتے اور مدرسین کے بارے میں آپ کی رائے دریافت فرماتے اور اس کے مطابق عملدرآمد کرتے۔ (یہ، مخدوم زادہ سید حسن محمود صاحب وزیر اعلیٰ ریاست ہذا کے والد تھے)۔

انہوں نے بیعت کے بارے میں استخارہ کیا، خواب میں حضرت گھوٹویؒ کی شکل دکھائی گئی، چنانچہ اس بارہ میں آپ سے بات چیت کی مگر آپ انہیں گولڑہ شریف لے گئے اور حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ سے بیعت کرایا، انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا نماز جنازہ حضرت شیخ الجامعہ علامہ گھوٹوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں۔

۴۔ حضرت خواجہ امام بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار اویسیہ سیرانیہ خانقاہ شریف حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیدائی تھے، عرس کے موقع پر آپ کی آمد اور آپ کے بیان کو ناگزیر سمجھتے تھے، آپ کے علم وتقویٰ کے بہت

بڑے مداح تھے۔

۵۔ حضرت، خواجہ خواجگان خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے سے بوقت ملاقات فرمایا کہ میں آپ کے والد گرامی کا شاگرد ہوں۔

۶۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف پُی شریف کی عقیدت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ نور احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ مولانا گھوٹویؒ کو بحر العلوم اور اعظم الشان کے القاب سے یاد فرماتے تھے۔

۷۔ حضرت خواجہ در محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف گڑھی اختیار خان حضرت گھوٹویؒ کے مخلص احباب میں سے تھے۔

۸۔ چیلاواہن شریف اور بھنڈی شریف کے مشائخ آپ کے عقیدت مند تھے، انہیں آپ سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا۔

۹۔ اوچ بخاری کے سجادہ نشین مخدوم نوبہار شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت گھوٹویؒ کے شاگرد تھے۔

۱۰۔ حضرت خواجہ نور جہانیاں صاحبؒ سجادہ نشین چشتیاں شریف حضرت گھوٹویؒ کے شاگرد حضرت مولانا حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

۱۱۔ سلسلہ للہ شریف کے وارثِ علم وفضل حضرت مفتی عطاء محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف رتہ شریف (چکوال) حضرت گھوٹوی کے ارادت مند اور خصوصی شاگرد تھے۔

۱۲۔ حضرت دیوان غلام قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین پاکپتن شریف حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت علامہ فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

۱۳۔ حضرت خواجہ غلام مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دربار شادنہ شہید اندرون دہلی گیٹ ملتان آپ کے شاگرد تھے۔

۱۴۔ حضرت خواجہ دلدار بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ولد حضرت خواجہ حسین بخش صاحب

رحمۃ اللہ علیہ حسین آگاہی والے حضرت شیخ الاسلامؒ کے شاگرد تھے۔

۱۵۔ حضرت، پیر امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہر آباد نزد گوگڑاں تحصیل لودھراں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جاں نثار شاگردوں میں سے تھے۔

۱۶۔ حضرت خواجہ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار نقشبندیہ بگھار شریف (تحصیل کہوٹہ) حضرت الشیخ کی شاگردی اور خدمت گذاری پر فخر کرتے تھے۔

۱۷۔ حضرت خواجہ محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار نقشبندیہ موسیٰ زئی شریف، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سراپا ارادت شاگرد تھے۔

۱۸۔ حضرت سید ارشد سعید کاظمی صاحب شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان جو کہ غزالیٔ زمان سید احمد سعید کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر ہیں، حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے کے شاگرد مولانا مشتاق احمد چشتی صاحب کے شاگرد ہیں۔

۱۹۔ حضرت مولانا محمد یار صاحب کھگہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ مقیم دربار اویسیہ کھگہ قریشی بستی دائرہ ملتان، حضرت شیخ الاسلام کے فدا کار شاگرد تھے۔

۲۰۔ حضرت مولانا قاضی منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقیم دربار اویسیہ سیرانیہ خانقاہ شریف سمہ سٹہ حضرت الشیخؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔

۲۱۔ حضرت مولانا پیر قاضی محمد اکرم صاحب المعروف قطبی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آل مخدوم رشید حقانی رحمۃ اللہ علیہ) حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے فدا کار شاگرد تھے۔

۲۲۔ حضرت قبلہ سید غلام معین الدین شاہ صاحب (بڑے لالہ جی) آف گولڑہ شریف حضرت قبلہ شاہ عبد الحق صاحب (چھوٹے لالہ جی) آف گولڑہ شریف حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

۲۳۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ آف موسیٰ زئی شریف کے تین صاحبزادگان، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی علامہ حافظ محمد عبد الحیَ چشتیؒ نے لکھا ہے کہ میں مدرسہ سلیمانیہ قمر الاسلام پنجاب کالونی کراچی کی تاسیس کے لئے وہاں مقیم تھا تو عید میلاد النبیؐ کی ایک محفل میں حضرت سید فضل شاہ صاحب آف جلال پور شریف خلیفہ حضرت سید پیر حیدر شاہ صاحب (جلال پور شریف) خلیفۂ اول حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ

علیہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ نے مجھے دیکھتے ہی میرے چہرے مہرے سے اندازہ لگا لیا کہ میں حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی قدس سرہٗ العزیز کے نسب سے ہوں، دریافت فرمانے پر جب انہیں میرے احباب نے بتلایا کہ میں حضرت محدث گھوٹویؒ کا فرزند ہوں تو نہایت خوش ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ ہی اپنی مسند پر بٹھلایا اور نہایت اعزاز واکرام سے خاطر تواضع فرمائی۔ رحمۃُ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اس ملاقات کے موقعہ پر حضرت سید فضل شاہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا: ؎ اے گل بتو خورسندم ، تو بوئے کسے داری!

اس محفل میلاد شریف میں حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر فرمائی، جبکہ سید صاحب موصوف کرسئ صدارت پر رونق افروز ہوئے۔

”حضرت خواجہ ثانی، لاثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت“

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ گرامی مولانا مولوی حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجۂ خواجگان، شیخ المشائخ مولانا علامہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف رکھتے تھے، حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد دین المعروف خواجہ ثانی لاثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ان کی تعزیت کیلئے قصبہ گھوٹہ تشریف لائے تو حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت عزت افزائی فرمائی نہایت محبت وشفقت سے پیش آئے، اور سیال شریف آنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ آپ جیسے اہل علم ہمارے لئے باعث فخر اور لائق تعظیم ہیں، آپ تو ہمارے وارث ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہر سال خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر مجھے سیال شریف کی طرف ایسی کشش محسوس ہوتی کہ میں بلا اختیار عرس میں شرکت کیلئے روانہ ہو جاتا، ایسے معلوم ہوتا کہ کوئی غیبی قوت مجھے سیال شریف کی طرف کھینچ رہی ہے۔ یہ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی واضح

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ — مشائخ اور علماء کے ساتھ قریبی روابط

کرامت تھی۔ خواجۂ خواجگان حضرت ثانی سیالویؒ نے حضرت گھوٹویؒ کو تبرکات اور ایک خرقہ بھی عطا فرمایا تھا۔

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ثالث دربار سیال شریف کی حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھرپور محبت اور قدردانی کی ایک جھلک دکھلانے کیلئے عرض کرتا ہوں کہ حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب نمبر ۷۶ (مطبوعہ مسافر چند روزہ) میں تحریر فرمایا ہے کہ ”میں سیال شریف بھی حاضر ہوا، حضرت سجادہ نشین صاحب نے ایک رسالہ عربی جو ان کا اپنا تصنیف شدہ ہے مجھے دیا کہ حضرت شیخ الجامعہ صاحب کو پہنچا دوں۔ چنانچہ اسی لفافہ میں بند کرکے روانہ کرتا ہوں، حضرت شیخ الجامعہ صاحب کو دے دینا“۔

جب حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا تو وہ بھی اپنی تصانیف میں سے کوئی کوئی اہم رسالہ حضرت نائب الشیخ مفتی حافظ محمد عبدالحئ الچشتی قدس سرہٗ العزیز کی طرف بطور تحفہ ارسال فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علامۃ الزمان پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری سجادہ نشین دربار بھیرہ شریف اور حضرت گھوٹویؒ کے خلف الرشید شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبدالحئ الچشتی قدس سرہٗ العزیز کے مابین احترام، قلبی مودت اور روحانی قرابت کا تعلق تھا، دونوں بزرگ باہمی ملاقات پر بہت مسرت اور اکرام کا اظہار فرماتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ العزیز کے صاحبزادے الشیخ پوتا علامہ حافظ جی اے حق محمد صاحب بھی حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے ساتھ نہایت ہی قریبی، دلی ربط رکھتے ہیں۔

”حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ کا حضرت گھوٹویؒ سے تعلق“

جناب مکرم حضرت خواجہ محمود تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام حضرت غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان تحریری مباحثِ علمیہ سے بہت متاثر ہوئے تھے جو حضرت گھوٹویؒ اور حضرت مولانا علی گوہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ دربار تونسہ شریف کے مابین کچھ عرصہ چلتے رہے تھے، اس تاثر نے محبت کا روپ دھار لیا، چنانچہ بعد میں ایک

زمانہ آیا کہ حضرت خواجہ محمود تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف گولڑہ شریف کے توسط سے شیخ الاسلام حضرت گھوٹویؒ کو تونسہ شریف کے مدرسہ سلیمانیہ کی صدارت سنبھالنے پر آمادہ کر لیا، چنانچہ جن دنوں حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ یہاں منصبِ تدریس پر فائز رہے، ان دنوں حضرات صاحبزادگان آف تونسہ شریف دامت برکاتہم العالیہ بھی آپ کے پاس زیرِ تعلیم رہے۔

میرے والد گرامی نائب الشیخ شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبدالحیّ الچشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسودات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ جب تونسہ شریف میں حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا میں آپ کے والد ماجد حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی نور اللہ مرقدہ کا شاگرد ہوں۔

’’حضرت سجادہ نشین خانقاہ فریدیہ کی شفقت وعقیدت‘‘

۱۹۲۱ء میں حضرت شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور سجادہ نشین حضرت علامہ خواجہ غلام معین الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ معین الاسلام واقع واہی علی ارائیں عرف نکے ارائیں نزد گوگڑاں تحصیل لودھراں کے افتتاح کیلئے اس علاقے میں تشریف لائے، مدرسہ ہذا کے اعزازی مہتمم حضرت شیخ الاسلام مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بنائے گئے۔ جبکہ حضرت مولانا علامہ مولوی محمد امیر دامانی رحمۃ اللہ علیہ مدرس اول اور حضرت مولانا علامہ مولوی پیر امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس دوم مقرر ہوئے۔ اس مدرسہ کے بانی ملک سلطان بخش مرحوم ومغفور نے اس مدرسہ کیلئے چار مربع زرعی اراضی وقف کی تھی۔

اس موقع پر حضرت خواجہ غلام معین الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذات وصفات، وحدۃ الوجود، تشبیہ وتنزیہ اور خاص طور پر ’’صفات اللہ کے لاعین ولاغیر ہونے‘‘ کے موضوعات پر ایسی عارفانہ اور عالمانہ تقریر دل پذیر فرمائی اور ایسے ایسے دقائق اور حقائق بیان فرمائے کہ حضرت خواجہ علامہ غلام معین الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ عش عش کر اٹھے، بہت زیادہ تحسین فرمائی، آپ کو بار بار علامۃ الزمان کہہ کر عقیدت کا اظہار فرماتے رہے، نیز فرمایا، قد وی قد اے، تے علم دی علم اے،

یعنی حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بسطۃً فی العلم والجسم کا مصداق ہیں، کیپٹن واحد بخش سیال مرحوم ومغفور نے بھی مقابیس المجالس (اردو ترجمہ، اشارات فریدی) میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ فرمایا ’’میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے علاقے میں ایک بہت بڑا دارالعلوم بنوا کر آپ کی سرپرستی میں دے دوں، تاکہ ہمارا علاقہ بھی آپ کی روحانی اور علمی ضیاء پاشیوں سے جگمگانے لگے‘‘۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے نائب الشیخ مفتی اعظم شیخ الحدیث علامہ العصر، استاذ العلماء حافظ محمد عبدالحیّ الچشتی رحمۃ اللہ علیہ اس مدرسہ (معین الاسلام واہی علی ارائیں) کے اعزازی مہتمم بنائے گئے، آپ نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں راقم الحروف (پروفیسر غلام نصیر الدین چشتی) کو اس مدرسہ کے طلباء کیلئے ممتحن مقرر فرمایا، چنانچہ میں بھی چند سال واہی علی آرائیں جا کر مدرسہ معین الاسلام کے طلباء کا سالانہ امتحان لیتا رہا، الحمد للہ علی ذلک العز والشرف والخَلْفِیَۃِ والوراثۃ۔

’’شرح عقائد اور خیالی کا درس‘‘

حضرت مولانا علامہ خواجہ غلام معین الدین صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ونبیرہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چاچڑاں شریف میں ملاقات کے موقع پر حضرت بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے درس کی فرمائش کی اور مولوی محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ شرح عقائد اور اس کی شرح ’’خیالی‘‘ لے آؤ، صفات اللہ کے لاعین ولا غیر ہونے پر ہم حضرت علامۃ الزمان کی تحقیق سے متمتع ہونا چاہتے ہیں، جب حضرت علامۃ الزمان محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تو حضرت سجادہ نشین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تحقیق سے بہت ہی مطمئن اور مسرور ہوئے۔

مولانا علامہ غلام جہانیاں معینی قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ’’تحفت اقطاب‘‘ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت بحر العلوم علامۃ الزمان مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جامع معقولات ومنقولات تھے، آپ نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ اپنی تقریر کو مدلل اور مبرھن صورت میں پیش فرمایا، حضرت خواجہ علامۃ الزمان غلام معین

الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بیان کو بغور سنتے رہے، اور موقع بموقع دادِ تحسین دیتے رہے اور بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے، اختتام تقریر پر آپ نے فرمایا: قد ای قد اے، اَتے علم ای علم اے۔ (ایک روایت میں ہے کہ یہ ملاقات موضع واہی علی آرائیں المعروف موضع نکے ارائیں نزد گوگڑاں تحصیل لودھراں میں ہوئی، صحیح یہ ہے کہ دونوں جگہوں پر متعدد ملاقتیں واقع ہوئیں)۔

”غزالی زمان علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کی محبت“

جناب غلام اللہ خان صاحب اور حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین، حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی یہ کہ آنحضور کو حیاتِ حقیقی، بدنی، برزخی حاصل ہے) کے موضوع پر مناظرہ طے ہو گیا۔ مقامِ مناظرہ، مسجد مبارک دربار مہریہ گولڑہ شریف مقرر ہوئی، لیکن جناب خان صاحب نے وعدہ وفاء نہ کیا اور گولڑہ شریف نہ پہنچے، چونکہ مناظرے کا اعلان عام ہو چکا تھا، لوگوں کی کثیر تعداد مسجد شریف میں پہنچ چکی تھی اس لئے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت گھوٹوی اور دیگر علماء اہل سنت جزاھم اللہ خیر الجزاء نے اہل اسلام کی تربیت کی خاطر مسئلہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، پُرمغز اور سیر حاصل تقاریر فرمائیں اور اس مسئلہ کو ان کے اذہان میں راسخ کیا۔

ازاں بعد، جب حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس ملتان کی طرف مراجعت فرمائی تو غزالی زمان علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ بھی ریل گاڑی میں ہمراہ تھے، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے حسن سلوک، شفقت اور تکریم سے بھرپور طرزعمل سے حضرت کاظمی نور اللہ مرقدہٗ بہت متاثر ہوئے، اور حضرت گھوٹویؒ سے فرمانے لگے کہ آپ بزرگ ہیں، عالم ہیں استاد ہیں آپ کی فروتنی سے مجھے شرمندگی ہو رہی ہے، آپ اتنی تکلیف نہ فرمائیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں اصحاب علم، ایک دوسرے کی کتنی قدر کرتے تھے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں جناب غنی کاشمیری نے فرمایا ہے:۔

فروتنی ست دلیل رسیدہ گانِ کمال　　　کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

حضرتِ شیخ الا سلام تواضع، انکساری اور فروتنی کا مجسم نمونہ تھے اور ساری زندگی شخصیت پرستی اور خبطِ عظمت کے رویوں کے خلاف عملی تربیت دیتے رہے۔

”پیر صاحبان کی تشریف آوری، مزار شیخ الاسلامؒ پر“

حضرت اعلیٰ گولڑوی نور اللہ مرقدہٗ کے جانشین حضرت قبلہ بابوجی نور اللہ مرقدہٗ اپنے صاحبزادگان کے استاذ گرامی شیخ الاسلام محدث اعظم حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کا بے حد احترام فرماتے، نیز ان کی اولاد در اولاد پر بھی بے حد شفقت فرماتے۔

بہاولپور کے لوگ کتنے خوش نصیب ہیں کہ حضراتِ گولڑہ شریف کی پر محبت توجہات عالیہ کے مستحق ٹھہرے۔ حضرت شیخ الاسلام قطب الاقطاب استاذ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے وہ سارا علاقہ خاص سلوک اور خاص دعاؤں سے نوازا جاتا ہے، اگر بہاولپور کا کوئی آدمی ملنے آتا ہے تو اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے بلکہ وہ سارا خطہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے قابل احترام ہو گیا ہے۔

آفرین صد آفرین حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی پر کہ آپ کی شخصیت، کمال کی شخصیت تھی، یہ بات آپ کے کمالات وکرامات میں سے ہے کہ جب کبھی بھی آپ ملتان آتے تو ضرور بالضرور بہاولپور تشریف لے جاتے اور حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر جا کر فاتحہ پڑھتے، ایصال ثواب کرتے اور دعاء فرماتے۔ اس معاملہ میں آپ نے کبھی ناغہ نہ فرمایا، حالانکہ بہاولپور، ملتان سے ایک سو کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، اور باوجود کمزوری اور ناسازئ طبع کے آپ نے اپنے لختہائے جگر کے استاد اور مربی کی تربت پر تشریف ارزانی کو موقوف نہ فرمایا۔

برادرم مولانا ممتاز احمد چشتی صاحب استاذ انوار العلوم ملتان نے راقم الحروف کو یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ بڑے لالہ جی حضرت سید پیر غلام معین الدین صاحب اور چھوٹے لالہ جی حضرت سید پیر شاہ عبدالحق صاحب ملتان تا بہاولپور روڈ پر ایک پیر بھائی کے ہاں مدعو تھے، بعد از فراغت، جب آپ کا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے امید ہے کہ بڑی سڑک پر پہنچ کر حضرت لالہ جی صاحبان کی گاڑی کا رخ بجائے ملتان کے بہاولپور کی طرف ہو جائے گا۔ میرے ساتھی کہنے لگے کہ بہاولپور تو یہاں سے بہت دور ہے، اور آپ

کی طبیعت بھی کمزور اور ناساز ہے، اس لئے آپ ملتان ہی تشریف لے جائیں گے، چنانچہ ہوا یہ کہ حضرات کی کار ملتان شہر کی طرف مڑ گئی۔ میرے ساتھیوں نے کہا دیکھو! آپ کی گاڑی ملتان کی طرف مڑ گئی ہے، لیکن ان لوگوں کی حیرت کی انتہاء نہ رہی، جب اگلے ہی لمحے آپ کی گاڑی رک گئی، اور اس وجہ سے پیچھے والی گاڑیاں بھی رک گئیں، پھر ہم سب نے یہ منظر دیکھا کہ حضرات کی گاڑی نے موڑ کاٹا اور بہاولپور کی طرف رواں دواں ہوگئی۔ اب سارا قافلہ مڑا اور ہم سب لوگ بہاولپور ہی کی طرف جا رہے تھے۔ حضرت لالہ جی صاحبان اور باقی سارے احباب، حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر پہنچے، فاتحہ پڑھی، ایصال ثواب کیا، دعاء مانگی اور پھر وہاں سے عازمِ ملتان ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کاملۃً۔

''پیر خانہ کا تصور حسیں''

مولانا ڈاکٹر پروفیسر ساجد الرحمٰن ڈائریکٹر دعوہ اکیڈمی اسلام آباد کے والد گرامی حضرت مولانا راجہ محمد یعقوب صاحب نقشبندی سجادہ نشین بگھار شریف علاقہ نارا مٹور تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی کا بیان ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم جامع المعقولات والمنقولات استاذ الکل علامہ غلام محمد گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کی علمی وتدریسی عظمتوں کا بہت شہرہ تھا، میں بھی آپ سے فیض یاب ہونے کیلئے جامعہ عباسیہ بہاولپور جا پہنچا۔ گیٹ میں داخل ہوا تو سامنے ہی برآمدے میں حضور شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک کرسی پر رونق افروز تھے، میں نے آداب بجا لاکر مدعا عرض کیا تو فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا راولپنڈی سے، معاً میں نے دیکھا کہ ایک عجب روشنی کی کرن آپ کے منور چہرے پر لہرائی، میرا پختہ یقین ہے کہ اپنے پیر خانہ گولڑہ شریف کے تصورِ حسیں نے آپ کو جذب وسرور کی دنیا میں پہنچا دیا،

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

چنانچہ راولپنڈی کی وجہ سے مجھے بڑی اہمیت حاصل ہوگئی، جامعہ میں داخلہ بھی مل گیا اور حضور شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہاتِ عالیہ اور اعانتہائے غالیہ کا حقدار بھی بن گیا، فللّٰہ الحمد والمنۃ ۔ آپ نے مزید بیان فرمایا کہ حضرت الاستاذ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ سے علی الصبح آپ کی کتابیں اور فائلیں وغیرہ لے کر جامعہ عباسیہ تک لے جانا اور پھر سہ پہر کو جامعہ سے آستانہ تک انہیں واپس پہونچانا، میں نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔

میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے کرم بالائے کرم کا احسان مند ہوں اور ہر وقت ان کیلئے دست بدعاء رہتا ہوں۔ موقع کی مناسبت سے درج ذیل واقعہ ہدیۂ ناظرین ہے:

حضرت خواجۂ خواجگان مولانا محمد فخر الدین فخرِ جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی نامور مدرس تھے، ساری زندگی تدریس ہی کرتے رہے، لیکن ضعیف العمری میں یہ فریضہ اپنے تلامذہ اور خلفاء کے سپرد کر دیا، جب حضرت قبلۂ عالم نور محمد مہارویؒ آف چشتیاں شریف، زمانہ طالب علمی میں ان سے پڑھنے کیلئے دہلی میں ان کی حویلی میں حاضر ہوئے تو پہلے پہل آپؒ نے معذرت چاہی مگر پھر پوچھ لیا کہ کہاں سے آئے ہو؟ حضرت مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا، مضافاتِ پاکپتن سے! یہ سننا تھا کہ حضرت فخر جہاں دہلویؒ اپنے تخت پوش سے نیچے اترے، حضرت مہارویؒ کو گلے لگایا اور بتکرار فرمانے لگے، تم مضافات پاکپتن سے آئے ہو! میں تمہیں تو ضرور ہی پڑھاؤں گا۔

''شیخ کی محبت کا ایک واقعہ''

برادرم پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن ڈائریکٹر دعوہ اکیڈمی، فیصل مسجد اسلام آباد نے مجھے مزید بتلایا کہ ان کے والد گرامی حضرت علامہ مولانا پیر محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین بگھار شریف تحصیل کہوٹہ، (راولپنڈی) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف نے بذریعہ ٹرین، ریلوے اسٹیشن بہاولپور سے گذرنا تھا، سخت سردی کا موسم تھا، گاڑی کا وقت تقریباً نصف شب کا تھا، حضرت الاستاذ شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے صاحبزادگان اور چند تلامذہ جن میں، میں بھی شامل تھا آپ کے ساتھ ہو لئے۔ گاڑی آئی تو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک عالم وارفتگی طاری ہوگیا، سرشاریِ محبت وبے خودی میں آپ نے سیکنڈ کلاس کے ڈبے کو بوسے دینے شروع کر دیئے کہ شاید اس میں حضرت صاحب گولڑوی آرام فرما رہے ہوں قیس عامریؒ نے کیا خوب کہا ہے:-

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی	اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَ ذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ	وَلٰکِنْ حُبَّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَا

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ نیاز، تواضع اور انکساری واصلین، کاملین کا شیوہ ہے، حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب علم کے سامنے نہایت نیاز کا

اظہار فرمایا، لوگوں نے اس امر کے بارے میں استفسار کیا تو فرمایا: تمام لوگ، اوصافِ حمیدہ میں مجھ سے آگے ہیں لیکن یاد رکھو! میں صفتِ نیاز میں کسی کو آگے نہ بڑھنے دوں گا، سبحان اللہ!

اُولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ دوسروں کو حقیر نہیں جانتے بلکہ عاجزی کو شعار بناتے ہیں، گویا کہ ان کو بے کس ونادار مخلوقِ خدا یہ کہتی دکھائی دیتی ہے:۔

؎ عندلیبِ یک گلستانیم از ما رخ متاب　　گرچہ الطافش ترا گل کرد، مارا خار ساخت

ہم سب ایک باغ کے بلبل ہیں، ہم سے بے رخی نہ کر اگرچہ اس کے الطاف نے تجھے گل اور ہمیں خار کی صورت میں ڈھال دیا ہے۔

”اج سک متراں دی ودھیری اے“

حضرت مولانا پیرزادہ محمد اقبال فاروقی صاحب گجراتی، مالک مکتبہ نبویہ، حضرت گنج بخشؒ روڈ لاہور نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ہارون آباد ضلع بہاولنگر ریاست بہاولپور کے علاقے میں کسی مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھا، اساتذہ کرام کی زبانی حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی سنا، آپ کے تبحر علمی کے چرچے اس زمانے میں زبان زد خاص وعام تھے، چنانچہ چند احباب کے ساتھ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر جامعہ عباسیہ بہاولپور میں داخلے کی درخواست پیش کی، آپ نے میری تعلیمی استعداد جانچنے کیلئے چند سوالات پوچھے، اچانک میرے ایک رفیق نے کہہ دیا کہ حضور! یہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی نعت شریف بڑی سریلی آواز میں پڑھتا ہے، آپ نے فرمایا سناؤ! جب میں نے نعت ”اج سک متراں دی ودھیری اے“ سنائی تو نہایت محظوظ اور مسرور ہوئے اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: مبارک ہو! تمہیں جامعہ میں داخلہ مل گیا ہے۔

”مرشد کا فراق --- سانحۂ فاجعہ“

۱۱ مئی ۱۹۳۷ء یعنی ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ بروز منگل حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کا وصال ہوگیا، حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے یہ سانحہ فاجعہ

ثابت ہوا، غم واندوہ کی وجہ سے آپ کی حالت غیر ہوگئی، شب وروز گریہ کناں رہتے، ساری دنیا آپ کی آنکھوں کے سامنے تاریک ہوگئی، ہر چیز سے دل اچاٹ ہوگیا، معمولات ومشاغل کے تسلسل میں فرق پڑ گیا، دل بے قرار، روح بے چین اور دماغ مضطرب رہنے لگے۔ زندگی بے حظ ہوگئی اور پورا عالم بے نور، نظر آنے لگا، صرف تدریس ایک ایسا عمل تھا جس میں آپ سکون محسوس فرماتے، لیکن اگر دورانِ تدریس بھی کوئی شخص حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی یاد دلا دیتا تو ایسا گریہ طاری ہوتا کہ گویا برکھا برس رہی ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا بیان ہے کہ ”ایک مرتبہ میں حضرت شیخ الجامعہ علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے جامعہ عباسیہ چلا گیا، آپ بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، دار الحدیث طلباء کرام سے معمور تھا، ان میں گولڑہ شریف کے صاحبزادے سید غلام معین الدین شاہ صاحب المعروف بڑے لالہ جی اور حضرت گھوٹوی کے بڑے صاحبزادے علامہ چشتی صاحب بھی موجود تھے درس ختم ہوگیا تو میں نے عرض کیا کہ میں تو ان آنکھوں کی زیارت کیلئے حاضر ہوا ہوں جنہوں نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا دیدار کیا ہوا ہے۔ حضرت پیر صاحب قدس سرہٗ کا نام سن کر حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے اشک ہائے فراق کا ایسا سیلِ رواں شروع ہوا جو تھمنے کا نام ہی نہ لیتا تھا، چنانچہ میں سلام عرض کرکے واپس چلا آیا۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے کہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی یاد میں آپؒ فراقیہ اشعار پڑھا کرتے تھے چند ایک ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

مَا رَاقَنِی مَنْ لَا قَنِی بَعْدَ بُعْدِهٖ　　وَلَا شَاقَنِی مَنْ سَاقَنِی لِوِصَالِهٖ
وَلَا لَاحَ لِی مُذْ نَدَّ نِدٌّ لِفَضْلِهٖ　　وَلَا ذُوْ خِلَالٍ حَازَ مِثْلَ خِلَالِهٖ

(حریری)

؎ ہوا ختم ہستی کا اپنی فسانہ　　بدلتا رہے کروٹیں اب زمانہ

”استاد کی طرف سے خراجِ تحسین“

راقم الحروف ایک مرتبہ چند احباب کے ساتھ چاہ حیدر والا نزد مظفر گڑھ، سید نور محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کیلئے حاضر ہوا، آپ سید غلام حیدر شاہ صاحبؒ

(عرف گونگے شاہ) کے فرزند اور حضرت الاستاذ المعظم سید غلام حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تابیری والے کے پوتے تھے۔

سید نور محمد شاہ صاحب نے ہم لوگوں سے بیان کیا کہ ان کی جدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا بیان فرماتی تھیں کہ جب کبھی حضرت مولانا غلام محمد گھوٹویؒ اپنے استاد سید غلام حسین شاہ صاحب کی زیارت کیلئے ادھر تشریف لاتے تو حضرت شاہ صاحب، حضرت گھوٹوی قدس سرہٗ کی اتنی عزت افزائی فرماتے اور ان کی مہمان نوازی میں اتنا اہتمام فرماتے کہ گمان ہوتا کہ شاید ان کے استاد تشریف لائے ہوئے ہیں۔

انہوں نے اپنی جدہ ماجدہ کے حوالے سے مزید بیان کیا کہ ہمارے علاقے میں اس وقت عام طور پر ''جو'' کی روٹی کھائی جاتی تھی لیکن جب کبھی حضرت محدث گھوٹوی قدس سرہٗ ہمارے ہاں تشریف فرما ہوتے تو حضرت شاہ صاحب ان کے لئے خاص طور پر گندم تلاش کر کے روٹی تیار کرواتے تھے، اس کے علاوہ مختلف فواکہ اور اطعمہ کا بھی اہتمام فرماتے۔

اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ سید غلام حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی پر فخر کرتے تھے۔ ان کے علم سے محبت کرتے تھے اور اپنے طرزِ عمل سے ان کی ملی، دینی اور تعلیمی خدمات اور کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کرتے تھے۔

سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔ ''مہمان کی عزت افزائی ایمان کی نشانی ہے''۔ من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فیکرم ضیفہٗ.

''دیوان صاحب پاکپتن کے ساتھ تعلق''

امام الواصلین، سلطان الزاہدین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ معلی کے سجادہ نشین حضرت دیوان سید محمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے دیوان غلام قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب میٹرک کا امتحان پاس کر لیا اور انہیں لاہور کے چیفس کالج میں داخل کرا دیا گیا تو ان کے لئے ایک قابل، فاضل اور معتمد اتالیق کی ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ مذکورہ خانقاہ شریف کے اکابرین نے حضرت قبلہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اتالیق کیلئے استدعاء کی، حضرت قبلہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ

الاسلام محدث گھوٹویؒ کی ذات پر بھرپور اعتماد کرتے تھے اور جملہ تعلیمی امور میں حضرت گھوٹویؒ کی رائے کو حرفِ آخر سمجھتے تھے، چنانچہ آپ نے حضرت علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے تلامذہ میں سے کسی ایسے فاضل اور کامل عالم کی فرمائش کی جو ہر لحاظ سے دیوان صاحب کا اتالیق اور استاد بن سکے۔

شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے جس شاگرد رشید کو بطور اتالیق منتخب کیا ان کا نام نامی اسم گرامی حضرت علامہ مولانا مولوی فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ تھا، حضرت علامہ مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اولین جماعت میں شامل تھے جس نے جامعہ عباسیہ بہاولپور سے ''علامہ'' کا امتحان پاس کیا تھا، اس اولین جماعت میں جناب علامہ رحمت اللہ ارشد مرحوم و مغفور بھی تھے جو پنجاب اسمبلی میں حزبِ اختلاف کے قائد ہوا کرتے تھے۔

حضرت استاذ العلماء علامہ فتح محمد صاحب اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی وطن تو سون سیکسر کی وادی تھا لیکن ان کے والد صاحب نے ریاست بہاولپور کے علاقے ہارون آباد میں کچھ زرعی رقبہ لیا ہوا تھا جسے آپ خود کاشت کرتے تھے، جامعہ عباسیہ بہاولپور سے ''علامہ'' کا امتحان پاس کرنے کے بعد حضرت استاذ العلماء مولانا فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے والد گرامی کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا موصوفؒ کے بڑے فرزند برادرم مولوی عبد الغفار صاحبؒ نے بیان کیا کہ ایک دن حسب معمول ان کے والد مکرم اپنے ابا جی کے ساتھ کھیت میں ہل چلانے میں مشغول تھے کہ ڈاکیئے نے آپ کو ایک کارڈ پکڑایا جس کی عبارت کچھ یوں تھی:

از بہاول پور

عزیزی مولوی فتح محمد سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

''اگر تم بیٹھے ہو تو کھڑے ہو جاؤ اور اگر کھڑے ہو تو چل پڑو''۔

غلام محمد گھوٹوی، حال بہاولپور

جناب مولوی عبد الغفار صاحبؒ مذکور بیان کرتے تھے کہ خط پڑھتے ہی آپ نے بیلوں کو خیر باد کہا اور بلا تاخیر بہاولپور کی طرف روانہ ہو گئے، ادھر حضرت الشیخ قدس سرہٗ

اپنا سفری بیگ تیار کرا کے ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، جونہی مولانا فتح محمد صاحبؒ در دولت پر پہنچے آپ انہیں ساتھ لے کر گولڑہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے اور حضرت قبلہ وکعبہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت اقدس میں حضرت مولانا فتح محمدؒ کو پیش کر دیا۔

حضرت علامہ فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز کا گرامی نامہ وصول کر کے پاکپتن شریف پہنچے اور وہاں سے جناب صاحبزادہ غلام قطب الدین صاحب کو ساتھ لے کر عازم لاہور ہو گئے۔ وہاں جناب صاحبزادہ صاحب نے حضرت مولانا موصوف سے علوم اسلامیہ کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت الشیخ الجامع وبرہان اللہ اللامع علامہ گھوٹوی قدس سرہٗ العزیز کی سخت تربیت میں پروان چڑھے تھے اس لئے احکام شرعیہ پر عمل درآمد میں سختی برتتے تھے اور نماز پنجگانہ پر سمجھوتا نہ کر سکتے تھے۔

صد آفرین ہے حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز کی ذات والا صفات پر جو کہ اعلیٰ درجہ کے ''جوہر شناس'' تھے کہ جب اپنے پوتے حضرت سید پیر نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ کیلئے استاد اور مربی کی ضرورت پیش آئی تو نظر انتخاب اس قدر سخت گیر استاد، علامہ مولانا مولوی فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ پر ہی پڑی، چنانچہ حضرت پیر نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ علوم شرعیہ وعقلیہ انہی سے پڑھے، نیز فارسی زبان وادب کی مکمل تعلیم بھی ان ہی سے حاصل کی۔ دن رات انہی کی معیت میں بسر ہوتے اور وہاں افاضۂ واستفاضہ کا عمل برابر جاری وساری رہتا۔

حضرت سید پیر نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ شام کو اپنے استاد صاحب کے ساتھ ہی ان کے گھر چلے جاتے جو راولپنڈی شہر میں واقع تھا اور صبح کو ان کے ساتھ ہی واپس گولڑہ شریف آ جاتے، اس طرح گویا چوبیس گھنٹے اپنے استاد صاحب کی رفاقت اور نگرانی میں بسر فرماتے۔

''خواجہ غلام قطب الدین فریدیؒ سے تعلق''

راقم الحروف، علامہ عبد الغفور منصور صاحب ڈائریکٹر مرکز تعلیمات اسلامیہ، الفہد ٹاؤن وہاڑی روڈ ملتان شہر کی معیت میں کوٹ مٹھن شریف حاضر ہوا، حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ، نیز آپ کے آباء واجداد اور آپ کی اولادِ امجاد کی مزارات کی زیارت، ایصال ثواب اور دعاء کی سعادت نصیب ہوئی بعد ازاں ڈاکٹر قاضی عبد

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ — مشائخ اور علماء کے ساتھ قریبی روابط

الواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی قاضی عطاء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے دولت خانہ پر ہماری ضیافت کا اہتمام کیا، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ سے نسبت رکھتے تھے اور حضرت خواجہ غلام معین الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، اس موقع پر قاضی عطاء اللہ صاحبؒ نے ہمیں بتلایا کہ حضرت خواجہ غلام معین الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار فریدی کوٹ مٹھن شریف کو حضرت شیخ الاسلام قطب الاقطاب محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی، چنانچہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کا اہتمام فرمایا، حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تشریف لائے تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ میرے بیٹے خواجہ غلام قطب الدین صاحب کا امتحان لیں تاکہ ان کے تعلیمی مقام کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت الشیخ الجامع رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ غلام قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لے کر ان کے والد گرامی کی خدمت میں جو رپورٹ پیش کی اس میں فرمایا کہ ''خواجہ غلام قطب الدین نے سمندر علم کو اس طرح اپنے سینے کے نیچے دبا لیا ہے جس طرح کہ بطخ کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی دریا کو اپنے سینے کے نیچے دبا لیتا ہے''۔

جناب محترم قاضی عطاء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ریمارکس بہت مشہور ہوئے، خانقاہ فریدیہ کے تمام متعلقین اس فقرہ کو دہراتے اور مسرت سے جھوم جھوم جاتے۔

''حضرت پیر امام شاہ صاحبؒ کی کامل اور پختہ نسبت''

برادرم جناب عنایت اللہ شاہ صاحب نبیرہ حضرت پیر امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے جد امجد اپنے استاذ مکرم حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور استفاضہ کیلئے اکثر اوقات ان کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے، چنانچہ اس مقصد کے تحت ایک مرتبہ آپ عازمِ بہاول پور ہوئے، سخت سردی کا موسم تھا، مولوی رسول بخش صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے، اتفاق یہ ہوا کہ ریل گاڑی

اتنی لیٹ ہوگئی کہ جب آپ بہاولپور اسٹیشن پر پہونچے تو آدھی رات ہو چکی تھی اسٹیشن پر کوئی تانگہ وغیرہ بھی دستیاب نہ ہو سکا، لہٰذا آپ پا پیادہ ہی حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ تک پہونچے، آپ نے بپاسِ ادب، حضرت شیخ الاسلام کو بے وقت زحمت دینا گوارا نہ کیا، چنانچہ ان دونوں حضرات نے بقیہ رات، قریبی مسجد میں بسر کی، لطف یہ کہ آپ نے اپنی گرم چادر بھی مولوی رسول بخش مرحوم کو دیدی اور خود سردی میں ٹھٹھرتے رہے۔

نماز فجر کیلئے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لائے اور سارا احوال معلوم ہوا تو انتہائی رنج اور خفگی کا اظہار فرمایا اور تنبیہ فرمائی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ان سب پر اللہ کی رحمت ہو، آمین۔

”سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی عقیدت“

مولانا مولوی محمد عبد اللہ صاحب پرنسپل مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ نے بیان کیا کہ حضرت مولانا مولوی محمد صادق صاحب معلم اعلیٰ جامعہ عباسیہ بہاولپور نے فرمایا کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بہاولپور آئے۔ میں ان سے ملنے چلا گیا، دورانِ ملاقات جناب بخاری صاحب نے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ آپ کے استاذ اور میرے مکرم حضرت غلام محمد گھوٹویؒ کی زیارت کروں، آپ ان سے ملاقات کا وقت طے کرا دیں تاکہ بے وقت کی حاضری سے ان کے دینی وعلمی اوقات کا ضیاع نہ ہو۔

مولانا محمد صادق صاحب نے حامی بھر لی اور ملاقات کا وقت طے کرنے کیلئے حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے ڈیرہ اقدس پر پہنچے، حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا اور معذرت پیش کی مگر مولانا محمد صادق صاحب نے آنحضور شافعِ یوم نشور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ جلیلہ پیش کر کے حضرت کو آبدیدہ کر دیا۔ حضرت الشیخؒ اتنے جذباتی ہوئے کہ فرمایا سواری منگواؤ خود چلتے ہیں، جب مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے گیٹ پر آپ کی سواری دیکھی تو خود باہر آکر حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال کیا اور اندر لے گئے۔

جناب بخاری صاحب نے مولانا محمد صادق سے فرمایا ”میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا آپ نے انہیں کیوں تکلیف دی؟ مولانا نے جب ساری تفصیل

بتائی تو جناب بخاری صاحب نے فرمایا کہ ”حضرت! آپ یہاں توجہ نہیں فرماتے، حالانکہ ہم نے تو آخرت میں بھی آپ سے امید لگا رکھی ہے“۔

جناب مکرم محمد حسن چغتائی صاحب صدر مجلسِ احرار بہاولپور نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت نائب الشیخ علامہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو مندرجہ ذیل واقعہ اور اشعار تحریر کر کے بھیجے۔

”فروری ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں سفر کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم سفر سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری [illegible] کو دعوتِ طعام دیتے ہوئے فرمایا کہ ”نانِ جویں حاضر ہے“ تو مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

یک نانِ جویں از خوانِ شاہی خوشتر　　از چنگ ورباب، آہِ صبحگاہی خوشتر
از تیرِ نگاہ زخمِ کاری دارم　　خونِ جگرم، زمرغ وماہی خوشتر
یک لحظہ بزیر سایۂ ”قدِ یار“　　واللہ ز ہزار چترِ شاہی خوشتر

سواطع الالہام ص ۹۷، ۹۸

”حضرت مولانا مہر محمد رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق“

برادر مکرم مولانا مولوی مفتی ہدایت اللہ پسروری صاحب بانی ومہتمم مدرسہ غوثیہ ممتاز آباد ملتان نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ان کے استاذ حضرت مولانا مولوی غلام رسول رضوی صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ (آف فیصل آباد) نے بیان فرمایا کہ میں حضرت شیخ الحدیث استاذ العلماء علامہ مہر محمد صاحبؒ زیبِ تدریس جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور کے ہاں پڑھتا تھا کہ ایک دن ایک دراز قامت، نہایت وجیہہ اور بارعب بزرگ وہاں وارد ہوئے، آتے ہی انہوں نے دریافت فرمایا مہر محمد کہاں ہے؟؟

ہم سب لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہاں تو حضرت الاستاذ شیخ الحدیث علامۃ العصر مولانا مہر محمد صاحب کی اتنی تعظیم وتوقیر کی جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی ہستی بھی ان کے آگے اونچی آواز میں بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی، تو پھر یہ بزرگ شخصیت کون ہے؟ جو اس طرح ہمارے استاذ گرامی کا نام پکار رہے ہیں؟

بہرحال حضرت الاستاذ مولانا مہر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اطلاع بھجوائی

گئی، آپ باہر تشریف لائے اور ان بزرگ شخصیت کو دیکھتے ہی والہانہ انداز میں ان کی طرف بڑھے اور سیدھے ان کے قدموں کی طرف جھک گئے۔

مارے حیرت کے ہم لوگ گنگ ہو کر رہ گئے کہ یا للعجب! یہ کون سی ایسی ہستی ہے؟ جس کی شان یہ ہے کہ حضرت استاذ العلماء بھی ان کے قدموں کی طرف جھک گئے ہیں؟

بالآخر ہمیں بتایا گیا کہ یہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد ہیں اور ان کا نام نامی اسم گرامی شیخ الکل، بحر العلوم قطب الاقطاب مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

برادر مکرم مولانا ہدایت اللہ پسروری صاحب نے مجھے بتلایا کہ ان کے استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں آج تک استاذ الاساتذہ شیخ الجھابذہ حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت کے سحر سے باہر نہیں نکل سکا۔

؎ دل جیتنا کسی کا، اک فن سے کم نہیں
یہ فن خدا نے تیری اداؤں میں رکھ دیا

مولانا فیض احمد صاحب اور مولانا عطاء محمد بندیالوی صاحب بھی حضرت شیخ الحدیث استاذ العلماء مولانا مولوی مہر محمد اچھروی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اس طرح شیخ الاسلام حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں مولوی صاحبان کے دادا استاد قرار پائے، حضرت مولانا مہر محمد اچھروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد شیخ الکل حضرت گھوٹویؒ سے بہت زیادہ اثر قبول کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ علامہ اچھروی بھی فروعی اختلافی مسائل میں شدت پسند نہ تھے بلکہ ان فروعی اختلافات کو ذوق کی سلامتی اور عدم آں، مطالعہ کی وسعت اور عدم آں اور تنوع عرف کے فہم اور عدم آں کا نتیجہ قرار دیتے تھے، ان کے استاد حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں اپنے استاد اور مرشد حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تھے۔

البتہ جہاں تک گستاخیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موجبِ خروج عن الایمان ہونے کا تعلق ہے تو ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور پُرنور شافع یوم نشور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام، آپ کی تعظیم وتوقیر اور آپ کی مودت ومحبت سرچشمۂ ایمان

ہے، اس لئے آپ کی شان میں ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی بھی تمام نیکیوں کو بھسم کر دیتی ہے۔ ارشاد قرآنی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾.

ترجمہ: اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اور نہ بے جھجک گفتگو کرو ان سے جس طرح بے جھجک گفتگو کرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔ بے شک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اپنی آوازوں کو نیچا کرتے ہیں، یہ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ (ایمان) کیلئے پرکھ لیا ہے، ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

؎ اَدب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نَفَس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

"مولانا محمد صادق صاحب، حضرت گھوٹویؒ کے جاں نثار تھے"

حضرت علامہ مولانا مولوی محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ معلم اعلیٰ جامعہ عباسیہ بہاولپور، ریاست کی نامور شخصیت تھے، آپ دینی رہنما اور سماجی مصلح ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی شعور کے بھی مالک تھے، آپ جب بھی اپنے استاذ مکرم حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے تو پاؤں چھوئے بغیر نہ رہتے، حالانکہ حضرتؒ انہیں منع کرتے رہتے اور خفگی کا اظہار کرتے رہتے مگر وہ باز نہ آتے تھے۔

حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کونسبی شرافت اور خاندانی وجاہت بھی حاصل تھی ان کے مورث اعلیٰ حافظ لعل دین رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ وجد وحال بزرگوں میں سے تھے، حضرت محکم الدین سیرانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا تھا، ان کے فرزند مولوی نور محمد مرحوم بھی عالم اور صوفی تھے۔ وہ حضرت خواجہ عاقل محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے، مولوی نور محمد صاحب کے فرزند مولوی محمد عبد اللہ جامی مرحوم تھے،

جنہوں نے قدوری کی شرح، تعویذ بہاولخوانی اور شرحِ قصیدۂ محبوبِ سبحانی قدس سرۂ العزیز تالیف فرمائیں، ان کے صاحبزادے علامہ مولانا مولوی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ تھے جو اپنے بزرگوں کے وارث اور جانشین بنے، آپ نے گھوٹہ میں حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم پائی اور فیض روحانی حاصل کیا، آپؒ اپنے استاذ مکرمؒ محدث گھوٹویؒ سے والہانہ محبت کرتے تھے اور ساری زندگی ان کی خدمت گذاری میں لگے رہے، جامعہ عباسیہ کے معاملات میں بڑی تندہی اور سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، مقدمہ مرزائیہ بہاولپور میں حضرت الشیخ العلامہ مولانا گھوٹویؒ کا خوب جاں فشانی سے ہاتھ بٹایا اور عدالت سے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ حاصل کرکے دم لیا، اپنے استاذ مکرم حضرت شیخ الاسلامؒ کو گھوٹہ سے بہاولپور منتقل کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

ریاست بہاولپور کے اصحاب حل وعقد کی مساعی جمیلہ سے جب جامعہ عباسیہ بہاولپور کا قیام عمل میں آیا تو شیخ الجامعہ کے انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوا، ریاستی عمائدین اور علماء جن کی قیادت وزیر تعلیم جناب مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کر رہے تھے، کی خواہش تھی کہ حضرت بحر العلوم استاذ الکل مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کسی طرح اس منصب کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں، چنانچہ یہ حضرات، گھوٹہ کے چکر لگانے لگے اور حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کو راضی کرنے کیلئے ہر دفعہ نئی سے نئی دلیل پیش کرنے لگے۔ آخر کار ان کی جو دلیل کارگر ہوئی وہ یہ تھی کہ جامعہ میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ جتنے طلباء کو بھی داخلہ دیں گے، چاہے ان کی تعداد ہزاروں تک ہی کیوں نہ جا پہنچے، ان سب کے قیام وطعام کے جملہ اخراجات حکومتِ بہاولپور ہی ادا کرے گی۔ اس دلیل نے حضرت کو قائل کر دیا اور آپ نے زیادہ سے زیادہ طلباء کو فیض پہنچانے کی نیت سے جامعہ میں آنے کی دعوت قبول فرما لی۔

یہی مولانا مولوی محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ میں پانچ اوصاف بہت نمایاں تھے، (۱) علم وسیع (۲) عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) عمل بالشریعۃ (۴) فنا فی التدریس (۵) کثرتِ تلامذہ، اس کے بعد مولانا فرماتے۔

تلک خمسۃ کاملۃ.

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہاولپور لے کر آنے میں ریاست ہذا کے

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ
مشائخ اور علماء کے ساتھ قریبی روابط

وزیر تعلیم جناب مولانا غلام حسین مرحوم ومغفور نے بھی خاصی تگ ودو کی، ان کی زیر صدارت ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں شیخ الجامعہ کے انتخاب پر مشاورت ہوئی، جناب وزیر تعلیم نے شرکاء مجلس علماء کرام پر زور دیا کہ آپ لوگ پوری کوشش کریں کہ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ عباسیہ کی سربراہی قبول فرما لیں، ان علماء کرام نے حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف سے بھی درخواست کی کہ آپ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہاولپور جانے کی اجازت عطا فرمائیں، ان پُر اصرار مساعی کی وجہ سے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ عرصہ انکار پر قائم نہ رہ سکے۔ اور بالآخر خلقِ خدا کی آواز کو نقارۂ خدا سمجھتے ہوئے عازم بہاولپور ہوئے۔

''تیرے والد کے ہیں استاد، حضرت گھوٹویؒ''

جناب مکرم سید عظمت علی شاہ صاحب ہمدانی بانی ومہتمم دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی، میرے والد ماجد حضرت نائب الشیخ مفتی اعظم شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری نور اللہ مرقدہٗ کے قابل فخر شاگرد ہیں، اور میرے برادر خورد الشیخ پوتا علامہ حافظ جی اے حق محمد صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ کے ہم درس ہیں، انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ:

''ہم لوگ اپنے دار العلوم میں اہم شخصیات کو مدعو کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں ہم نے سید پیر نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمائی اور دار العلوم میں تشریف لے آئے۔

ہم لوگوں نے ان کی آمد پر ایک پروقار محفل ترتیب دی جس سے پیر نصیر صاحبؒ نے بھی خطاب فرمایا۔ اس موقع پر میری طرف سے پیر صاحبؒ کی خدمت میں جو استقبالیہ پیش کیا گیا اس میں میں نے اپنا تازہ منظوم کلام بھی شامل کیا تھا، اس کلام میں حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر بھی کیا، کیونکہ حضرت گھوٹویؒ دربار گولڑہ شریف کی تابناک اور درخشندہ دلیل تھے۔ اور اس دَربار دُربار کے گوہر نایاب تھے، صاحبزادہ نصیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں میں نے عرض کیا تھا:

تیرے والد کے ہیں استاد، حضرتِ گھوٹویؒ
میرے استاد کے والد ماجد، حضرتِ گھوٹویؒ

طاب ثراہ، وجعل اللہ الجنۃ مثواہ.

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ والدی الکریم حضرت نائب الشیخ مفتی حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی رحمۃ اللہ علیہ تعطیلات گرما، سرما، بہار اور اتفاقیہ گولڑہ شریف میں گذارتے تھے، ان ایام میں سید پیر نصیر الدین نصیؔر علیہ الرحمۃ کا معمول ہوتا تھا کہ اکثر وبیشتر کوئی درسی کتاب ساتھ لے کر حضرت نائب الشیخ علامہ چشتی صاحبؒ کے پاس مہمان خانہ نمبر ۲ کمرہ نمبر ۲۲ میں تشریف لے آتے تھے اور یومیہ سبق کے بارے میں استفسار اور استفہام کرتے تھے۔ آپؒ حضرت نائب الشیخؒ کی تدریس وتفہیم پر بہت مسرت اور طمانیت کا اظہار فرماتے تھے۔

''مولوی محمد یوسف رام پوری کا بیان''

حضرت شیخ الاسلامؒ کے شاگرد مولانا مولوی فیض الحق مرحوم سکنہ گھوٹہ کے بڑے بیٹے حافظ عبد الحق مرحوم گولڑہ شریف میں، رام پور سے آئے ہوئے جناب مولانا مولوی محمد یوسف صاحب سے ملاقات کرانے کیلئے مجھے ان کے پاس لے گئے۔ جناب مولوی صاحب موصوف بھی حضرت شیخ الاسلامؒ کے قدیمی تلامذہ میں سے تھے، انہوں نے بتلایا کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹویؒ فارغ التحصیل ہونے کے بعد تین سال تک بطور باقاعدہ مدرس کے، مدرسہ انوار العلوم رام پور میں پڑھاتے رہے، اس علاقے میں حضرتؒ کے شاگرد نسل درنسل، بڑی تعداد میں، اب تک مختلف مدارس کے اندر تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، خود مدرسہ عالیہ کے موجودہ پرنسپل بھی حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، رام پور کے علمی حلقوں میں حضرت الشیخ العلامہ مولانا گھوٹوی قدس سرہٗ العزیز بحر العلوم کے لقب سے معروف تھے جبکہ عوامی حلقوں میں ملک الشعراء اور شہنشاہ خطابت کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے، کیونکہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ شاعر بھی تھے، کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جس میں آپ کو اپنا تازہ کلام سنانے کی دعوت نہ دی جاتی ہو، آپ کا ایک دیوان بھی تھا لیکن افسوس کہ بعد میں وہ کہیں مفقود ہوگیا، اسی طرح آپؒ فنِ تقریر میں لاثانی تھے، آپ کے خطبات نہایت مؤثر ہوتے تھے جو جہری، پرزور اور جوشیلے اسلوب کے حوالے سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ مولوی محمد یوسف رامپوری نے مزید بتلایا کہ مولوی کا لفظ ان کے نام کا حصہ ہے، نیز یہ کہ وہ بھی مدرسہ عالیہ میں مدرس رہ چکے ہیں۔ البتہ پرنسپل کے منصب پر فائز نہیں ہو سکے۔

☆☆☆☆

باب چہارم

تعلیمی اور سماجی خدمات

(معلّم اور مربّی)

"مدارس دینیہ کی اصلاح"

حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سراپا مدرس تھے، تدریس آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی، دور دور تک آپ کے علم کے چرچے تھے، کثرتِ تلامذہ آپ کی نمایاں صفت تھی، جہاں کہیں آپ کا کوئی تلمیذ رشید پہنچتا، وہاں وہاں آپ کی تعلیمی خدمات کا شہرہ ہو جاتا۔ زبانِ خلق، نقارۂ خدا، کے مصداق آپ کی عظمت کی دھوم مچی ہوئی تھی، کتاب کے ساتھ آپ کی وابستگی، مدارس کے ساتھ آپ کی شیفتگی، اہلِ درس کے ساتھ آپ کی محبت اور علماء کے ساتھ آپ کی عقیدت، آپ کا سرمایۂ حیات تھی۔

برصغیر کے بہت سارے مدارس نے آپ کو اپنا اعزازی مہتمم اور ممتحن بنا رکھا تھا، درسِ نظامی کے بارے میں آپ کی رائے حرفِ آخر سمجھی جاتی تھی، نصابِ تعلیم اور طرزِ تفہیم میں آپ کے مشورے بڑے ہی قابلِ قدر، مفید اور دور رس ہوتے تھے۔

دیگر مقامات کی طرح، خانقاہِ معلّٰی حضرت خواجۂ بزرگ، خواجۂ خواجگان، غریب نواز، سید معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کاملۃً کے مدرسہ معینیہ اجمیر شریف کے امتحانات بھی نظامِ دکن کی طرف سے آپ کے سپرد تھے، اس عظیم ذمہ داری کو آپ باحسن طریق انجام دیتے رہے۔

مدرسہ معینیہ اجمیر شریف جو کہ گورنمنٹ آف حیدر آباد دکن کے سرکاری مصارف سے قائم ہوا اور اس کے جملہ اخراجات بھی گورنمنٹ مذکور ہی برداشت کرتی تھی، اس کے صدر المدرسین حضرت علامہ مولانا غلام معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مدرسہ ہذا کے معائنہ اور امتحانات کیلئے گورنمنٹ آف رام پور، نظام دکن کی خواہش پر، حضرت علامہ مولانا فضل حق پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور کو بھیجا کرتی تھی، بعد ازاں حضرت متولی صاحب درگاہ معلّٰی اجمیر شریف اور حضرت قبلہ پیر صاحب گولڑہ شریف کے فرمان پر حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان بھر کے علماء کرام میں سے مدرسہ معینیہ اجمیر شریف کے تعلیمی امور کی جانچ پرکھ کیلئے منتخب کیا گیا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی نہایت جانفشانی، انتہائی لگن اور بڑے احسن طریقہ سے اس ذمہ داری کو نبھایا، حضرت مولانا غلام معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مدرسہ ہذا کے صدر المدرسین مولانا محمد امیر صاحب خوشابی مقرر ہوئے جو حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم

محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہونہار شاگرد تھے۔

مدارس دینیہ کی ترقی اور اصلاح میں آپ کا کردار نہایت مثبت اور تعمیری رہا، آپ کی مساعی جمیلہ کی بدولت قال اللہ اور قال الرسولؐ کا پودا پھلتا پھولتا رہا، اور طالبانِ دینِ متین ان چشمہ ہائے شرعِ مبین سے فیض یاب ہوتے رہے۔

جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا

مولانا مولوی علامہ خدا بخش مٹھیالوی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے پاس جامعہ عباسیہ بہاولپور میں پڑھتے تھے، وہ بعض اوقات گولڑہ شریف سے بہاولپور تک آپ کے ساتھ ریل گاڑی میں ہمراہی کا شرف حاصل کرتے رہتے تھے، ان کا بیان ہے کہ حضرت الاستاد علامہ گھوٹویؒ گاڑی میں بھی حضرت پیر صاحبان آف گولڑہ شریف کو سبق پڑھاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ موسم گرما میں گرمی سے تنگ آ کر آپ گاڑی کے اندر ہی چوکڑی لگا کے بیٹھ جاتے اور پانی سے بھرا برتن اپنے سر پہ الٹا رکھ دیتے، جس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی آپ کے سر مبارک پر، کندھوں پر اور جسم پر ٹپکتا رہتا مگر کمال یہ تھا کہ اس حال میں بھی تدریس جاری رہتی تھی۔ سرکار بغداد قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ؔ دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْباً　　　وَنِلْتُ السعد من مولی الموالی

ترجمہ: تدریسِ علم کی بدولت میں قطب کے مقام پر فائز ہوا۔ اور مولی الموالی سے میں حصولِ سعادت سے سرفراز ہوا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ؔ تدریس وہ کارِ مسلسل ہے کہ اپنے لئے　　　ایک لمحہ بھی پس انداز نہیں کر سکتے

"تدریس میں خلل ناپسند تھا"

استاذی مولانا مولوی حافظ غلام فرید صاحب جو میرے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث مفتی علامہ چشتی صاحب کے شاگرد اور جامعہ عباسیہ میں معلم تھے، میں نے ان سے سراجی، شریفی، حسامی، ہدایہ، مؤطا، بیضاوی، قطبی، شمس بازغہ اور دیگر کتب پڑھی ہیں، انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ جامعہ کے ایک سینئر استاد، عمائدین ریاست اور افسرانِ محکمہ تعلیم کے ساتھ قریبی روابط رکھتے تھے اور بعض اوقات ان لوگوں سے ملاقات کیلئے چلے جاتے

تھے، جس کی وجہ سے طلباء کی تدریس میں خلل بھی پڑتا تھا، حضرت شیخ الاسلام استاذ گھوٹویؒ اس بات کو ناپسند کرتے تھے، آپ نہ تو خود دفتروں میں جاتے اور نہ ہی بغیر اشد ضرورت کے دوسروں کو جانے دیتے، اس سلسلہ میں سینئر اور جونیئر کا امتیاز نہ برتتے تھے، سب کو منع کرتے اور سختی سے منع کرتے۔

ہم لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ خدا پر بھروسہ کی شان دیکھئے کہ حضرتؒ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے مگر کوئی بڑے سے بڑا افسر یا وزیر دشمیر آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ ۔ حضرت مفتی صاحب نے مزید فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ ایک مدرسہ کے اعزازی مہتمم تھے جس میں اس علاقہ کے ایک عالم اور پیر، مدرس کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔ جب حضرت گھوٹویؒ اس مدرسہ کے معائنہ کیلئے یا سالانہ امتحانات کیلئے تشریف لے جاتے تو بعض طلباء کی تعلیمی حالت، کما حقہٗ نہ پا کر ان عالم صاحب کو سمجھاتے اور بعض اوقات تنبیہ سے بھی کام لیتے، آپؒ اس معاملہ میں کسی کے بااثر ہونے یا کسی کے ناراض ہونے کی پرواہ نہ کرتے تھے:۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

”ہر کس وناکس مدرس نہیں ہوسکتا“

ایک مولانا صاحب، ہندوستان کے ایک مشہور دار العلوم سے فارغ التحصیل ہو کر آئے، ان کے ایک قریبی عزیز نواب آف بہاولپور کے وزیر بھی تھے، ان مولانا صاحب کو حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بغیر ہی جامعہ عباسیہ میں مدرس تعینات کر دیا گیا، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفویضِ اسباق کے سلسلہ میں ان کو طلب فرمایا اور ان سے اعزازاً دریافت کیا کہ تفسیر بیضاوی، صحاح ستہ، مؤطا امام مالکؒ، ہدایہ، مطوّل، خیالی، حمد اللہ، قاضی مبارک، شرح چغمینی اور شمس بازغہ میں سے کونسا سبق پڑھانا آپ قبول کریں گے؟ لیکن مولانا صاحب تو ان اسباق سے گھبرا گئے، اب حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے نچلے درجے کے اسباق کے نام گنوائے لیکن ان کی گھبراہٹ برقرار رہی، شدہ شدہ نوبت بایںجا رسید کہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، میاں! کیا تم ایسا غوجی، قدوری، صرف گھوٹوی، ہدایۃ النحو، اور معلم الانشاء پڑھا لوگے؟ اس

پر انہوں نے کہا کہ پہلے میں ان کتابوں کو دیکھوں گا اور پھر بتلاؤں گا۔

اس گفتگو کے بعد حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حکومتی وزیر کی پرواہ کئے بغیر حکامِ تعلیم کو لکھ دیا کہ یہ شخص جامعہ عباسیہ کے کسی کام کا نہیں ہے، اگر ہر حال میں اسے جامعہ کے بجٹ میں سے تنخواہ دینا ہی مقصود ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر اسے کوئی سبق سپرد کرنا ممکن نہیں کیونکہ ہم طلباء کا تعلیمی نقصان ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔

چنانچہ اسے ایس ڈی ہائی سکول بہاولپور میں بھیج دیا گیا اور وہاں سے مولانا حافظ محمد امین صاحب چیلاوہنی کو جامعہ عباسیہ میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔

”تعلیم کا مقصد ۔۔ کردار سازی“

چشتیاں شریف کا رہائشی عبد الستار نامی ایک طالب علم جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شعبۂ طب میں پڑھتا تھا، ایک رات وہ سینما دیکھنے چلا گیا، مولانا مولوی محمد صادق صاحب سپرنٹنڈنٹ ہوسٹلز نے حضرت شیخ الجامعہ صاحب قبلہ کی خدمت میں اس کی اطلاع پہنچائی، اس وقت رات کے دس بجے تھے، آپ نے اپنے بیٹے، والدی الکریم حضرت حافظ محمد عبدالحیَ الچشتیؒ اور حضرت مولانا مولوی حافظ نصیر الدین صاحب چیلاوہنی جو جامعہ میں استاد تھے اور آپ کے ڈیرہ پر رہائش رکھتے تھے، ان دونوں کو حکم فرمایا کہ سینما سے جو کہ احمد پوری گیٹ کے قریب واقع تھا، اس طالب علم کو پکڑ کر لے آئیں، چنانچہ جب اس لڑکے کو پکڑ کر آپ کے روبرو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں جامعہ سے خارج کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا تم ہوسٹل سے اپنا بوریا بستر اٹھالو اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔

اس زمانے میں سینما دیکھنا ناقابل معافی جرم تصور کیا جاتا تھا، اس کی سزا بہت سخت تھی، اس کردار کے حامل افراد کو دینی مدارس میں ہرگز ہرگز برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ تعلیم کا مقصدِ وحید، کردار سازی ہے نہ کہ جاہ ومنال۔

”طلباء کو سیاست میں عملی حصہ لینے سے منع کرتے تھے“

بعض کانگریسی سوچ رکھنے والے اساتذہ نے طلباء کو آلۂ کار بناتے ہوئے خود

در پردہ رہ کر، یہ نعرہ لگوایا اور یہ شوشہ چھوڑا کہ وزیر اعلیٰ ریاست بہاولپور جناب نبی بخش خان ولد محمد حسین خان سندھی کی بجائے وہ شخص وزیر اعلیٰ ہو جسے اسمبلی منتخب کرے، لہٰذا اس مقصد کیلئے اسمبلی قائم کی جائے اور عام انتخابات کا انتظام کیا جائے۔ ان لوگوں نے طلباء کو اس تحریک کیلئے فعال کیا، چنانچہ اس گروہ نے ایک مولانا صاحب کو بلوا کر مرکزی جامع مسجد بہاولپور میں تقریر کرائی اور اس مطالبہ کو وہاں پیش کیا۔ یہ لوگ اس طرح جامعہ عباسیہ کو سیاسی آماجگاہ ظاہر کرکے انتشار پھیلانا چاہتے تھے، مگر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مضبوط شخصیت کے مقابلے میں ان کی ایک نہ چلی۔ چنانچہ حضرت الشیخؒ کو جب یہ رپورٹ پیش کی گئی تو آپ نے فوری کارروائی فرما کر اسی دن ان سیاسی اور انتشار پسند طلباء کو جامعہ اور ہوسٹل سے بیک بینی ودوگوش خارج فرما کر بہاولپور سے نکل جانے کے احکامات جاری فرما دیئے، آپ کے ان احکامات پر مِن وعَن عملدرآمد ہوا اور کسی کو بھی ان احکامات کے خلاف چوں چرا کی جسارت نہ ہوئی۔

”طالبانِ علم کی ضروریات کا خیال رکھنا“

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ علم کے طلبگاروں کو اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے، ان کی تعلیم وتربیت کا تو اہتمام کرتے ہی تھے، ان کے کھانے پینے، لباس، علاج اور سردی وگرمی سے بچاؤ کا بھی خوب خیال رکھتے تھے، شیخ کلیم اللہ صاحب اور دوسرے ہندوؤں نے نوجوانی میں ہندومت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا اور علم دین کی تحصیل کے لئے جامعہ عباسیہ میں داخلہ لے لیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت الشیخؒ دیگر طلباء کی طرح ان نومسلم طلباء کی ضروریات کا بھی بہت خیال رکھتے تھے، شیخ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محنتی طالب علم ثابت ہوئے، اپنی خدا داد صلاحیتوں کی بدولت جامعہ میں ہی استاد تعینات ہوگئے۔ میں نے ان سے سلّم العلوم کے چند اسباق پڑھے تھے، جبکہ انہوں نے یہ کتاب حضرت گھوٹویؒ سے پڑھی تھی، انہیں سلم العلوم اور اس کے ادق مباحث ازبر تھے، وہ بیان کیا کرتے تھے کہ سردی کا موسم تھا اور میرے پاس گرم کپڑے نہیں تھے۔ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے میری حالت دیکھی تو اپنا قیمتی گرم لمبا کوٹ جو آپ نے چند دن پہلے سعودی عرب سے منگوایا تھا مجھے پہنا دیا، اسی طرح بہاولپور کے مشہور صحافی جناب امجد قریشی صاحب کا ایک مضمون عزیزم قاضی محمد غوث کے رسالے زم زم بہاولپور میں شائع

ہوا جس میں جناب قریشی صاحب نے لکھا کہ میرے والد گرامی نے حضرت شیخ الاسلام کے علم وفضل سے متاثر ہو کر مجھے اسکول سے اٹھا کر جامعہ عباسیہ میں داخل کرا دیا۔ میں ننگے سر ہی جامعہ میں چلا گیا۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میرے اوپر پڑ گئی، آپ نے اپنا نہایت قیمتی رومال میرے سر پہ باندھ دیا، میں گھر جا کر بڑا جزبز ہوا، مگر میرے والد صاحب نے مجھے سمجھایا کہ حضرتؒ کا یہ رومال میں تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھ لیتا ہوں اور تمہیں بازار سے خوبصورت ٹوپی لے کر دیتا ہوں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور دوسرے دن حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جاکر عرض کیا کہ میں نے جناب کا رومال از راہ تبرک اپنے پاس رکھ لیا ہے تو حضرت الشیخؒ نے تواضعاً فرمایا کہ تبرک کیلئے نہیں بلکہ استعمال کیلئے اپنے پاس رکھیں۔

حدیث شریف ہے:۔ ”مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ“۔ ترجمہ: جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر انکساری کرے گا، اللہ اس کو بلندی عطاء فرمائے گا۔

”طلباء کی کفالت کی ترغیب دلانا“

جامعہ عباسیہ کے بلند معیارِ تعلیم اور مضبوط ڈسپلن کی وجہ سے اس کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیل گئی، ملکی اور غیر ملکی طالبانِ علم نے ادھر کا رخ کر لیا، طلباء کی تعداد منظور شدہ تعداد سے بہت بڑھ گئی اس لئے یہ طلباء سرکاری خرچہ سے محروم رہ جاتے تھے، دینی تعلیم کے ساتھ حضرت الشیخؒ کے قلبی شغف کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ان طلباء کو اپنی ذمہ داری پر جامعہ میں داخلہ دے دیا کرتے تھے، اپنی جیب سے بھی ان پر خرچ کرتے اور اہلِ خیر کو بھی ترغیب دیتے تھے، کاروباری لوگوں اور زمینداروں پر آپ نے ان طلباء کی اعانت لازم کی ہوئی تھی، کاروباری لوگ ان غریب طلباء کو ماہانہ وظیفہ دیتے تھے جبکہ زمیندار لوگ ان کیلئے غلہ فراہم کرتے تھے۔

”موقع کی مناسبت سے آیات کا انتخاب سکھایا“

ریاست بہاولپور کے وزیر تعلیم عالیجناب مولوی غلام حسین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہیڈ اسلام پلہ ماڑی کا افتتاح حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کرایا تھا، اس موقع پر آغاز تقریب کے سلسلہ میں تلاوت کلام پاک کیلئے آپ اپنے

ساتھ خیر پور ٹامے والی کے ایک جید قاری حافظ عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لے گئے تھے اور موقع ومحل کی مناسبت سے آیات قرآنیہ کے انتخاب میں ان کی رہنمائی بھی فرمائی تھی، چنانچہ وہ آیت تلاوت کرتے اور حضرت اس کا ترجمہ اور تفسیر بیان فرماتے اس سے ایسا سماں بندھا کہ تمام شرکاء جن میں انگریز انجینیئر بھی شامل تھے نہایت مستفید اور مسرور ہوئے۔

''انفاق فی سبیل اللہ''

عبادت کے دو انواع ہیں (۱) بدنی (۲) مالی، اللہ تعالیٰ نے مالی عبادت کو بہت اہم قرار دیا ہے، ارشاد ہے: ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾. ترجمہ: تم لوگ نیکی کو نہیں پا سکو گے جب تک کہ تم اپنے پیارے مال ومتاع میں سے (راہ خدا میں) خرچ نہ کرو۔

یہی وجہ ہے کہ غرباء اور طلباء کو کھانا کھلانا، انہیں لباس عطا کرنا اور ان کی مالی اعانت کرنا نیز مسافروں کے قیام وطعام کا بندوبست کرنا، حضرت گھوٹویؒ کا روز مرہ کا معمول تھا، آدھی آدھی رات کو دس دس، پندرہ پندرہ مہمان آ جاتے، آپ ان سب کو اپنے ہاں ٹھہراتے اور انہیں کھانا کھلاتے، غریب محلّہ داروں اور شہر داروں کی بڑی فراخ دلی سے خیر گیری فرماتے، آپ کا آستانہ، طلباء اور مسافروں سے بھرا رہتا تھا، مرکزی جامع مسجد بہاولپور کے مؤذن، مولوی احمد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں غریب مسافروں کو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کی طرف بھیج دیا کرتا تھا کہ جاؤ! وہاں تم لوگوں کو ظاہری اور باطنی دونوں نعمتیں ملیں گی۔

سردیوں کے موسم میں اگر کسی مستحق طالب العلم کو بغیر کوٹ کے دیکھتے تو اپنا کوٹ اتار کر اسے پہنا دیتے، جب یکم تاریخ کو تنخواہ قبول فرماتے تو جامعہ سے لے کر اپنے دولت خانہ تک سارا راستہ مستحق سائلین کی مراد برآری کرتے کرتے گھر تک پہونچتے۔ مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم قاسم العلوم ملتان، مولانا محمد صادق صاحب، مولانا فاروق احمد انصاری صاحب، مولانا عبید اللہ صاحب، علامہ حافظ عبد الرحمٰن جامعی صاحب احمد پوری، علامہ ارشد صاحب، مفتی حافظ غلام فرید صاحب اور شیخ کلیم اللہ صاحب لوگوں کو آپ کی سخاوت کے قصے سنا سنا کر انہیں انفاق فی سبیل اللہ کا شوق دلاتے رہتے تھے۔

قیام گھوٹہ کے دوران بھی آپ کے گھر سے متعدد طلباء کیلئے طعام بھجوایا جاتا تھا۔

''کتابیں خریدنے کا شوق''

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو کتابیں خرید کرنے کا بے حد شوق تھا جو بھی معیاری اور مستند کتاب منظر عام پر آتی، آپ اس کے اولین خریدار ہوتے، اس شوق کے نتیجہ میں آپ کا کتب خانہ بہت زیادہ وسعت اختیار کر گیا۔ آپ برصغیر کے علاوہ مصر، شام، ترکی، اردن، عراق، لبنان اور یمن سے بھی کتابیں منگواتے، جب آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جاتے تو بازار کا دورہ ضرور کرتے۔ وہاں کتب فروشوں کے پاس بیٹھ کر تمام دستیاب کتابوں کا نہایت باریک بینی اور انہماک سے مطالعہ کرتے اور بعض کتب خرید بھی کر لیتے، چنانچہ آپ کے پاس قاہرہ، دمشق، قسطنطنیہ، بیروت، استنبول، حمص، قرطبہ، فسطاط، بغداد، دہلی، بمبئی حیدر آباد دکن اور دوسرے امصار کی مطبوعہ کتب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

یہی شوق اور لگن آپ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم استاذ العلماء علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کو وراثۃً منتقل ہوا۔

علاوہ ازیں آپ دینی، علمی اور ادبی جرائد اور مجلات کے بھی بہت شائق تھے، عالمِ اسلام کے چیدہ چیدہ رسائل آپ کے زیر مطالعہ رہتے تھے، کافی سارے رسائل کے تو آپ باقاعدہ خریدار بھی تھے اور کچھ رسائل ایسے تھے جو جامعہ کی لائبریری کیلئے منگوائے جاتے تھے مثلاً العدل گوجرانوالہ، المنادی دہلی، النجم لکھنؤ، الہلال کلکتہ، البلاغ کلکتہ، پیام اسلام جالندھر، مُسلِمۃ جالندھر، ان کے علاوہ روز نامے بھی آپ کے زیر مطالعہ رہتے تھے، روزنامہ نوائے وقت کو آپ بہت پسند فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں غیر ملکی رسائل بھی آپ کے پاس آتے رہتے تھے، اس طرح آپ عالمِ اسلام میں برپا ہونے والی جملہ تحریکات سے پوری طرح آگاہ رہتے تھے۔

''حضرت گھوٹویؒ کا کمال ۔۔ قوتِ حافظہ بے مثال''

جب حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ گھوٹہ میں قیام پذیر تھے۔ ان دنوں کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک میں مسجد شریف کے لئے تراویح میں قرآن پاک سنانے کا مسئلہ درپیش ہوا، جبکہ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے کو تھا، اہل علاقہ نے

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس سلسلہ میں استفسار کیا تو حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ لوگ فکر نہ کریں، میں نے قرآن پاک کی ناظرہ تعلیم، مھکیریاں شریف سے پائی ہے، مزید اینکہ ساری طالب علمانہ زندگی میں علوم قرآنیہ کی تعلیم حاصل کرتے وقت، عبارتِ کلام پاک سے خوب واسطہ رہا ہے۔ مزید در مزید اینکہ تلاوتِ کتاب اللہ تو میرے شیخ کا بتلایا ہوا وظیفہ ہے، اس لئے باقاعدہ حفظِ قرآن میرے لئے کوئی لاینحل مسئلہ نہیں ہے۔ میں روزانہ ایک پارہ زبانی یاد کرکے تراویح میں آپ کو سنا دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ سارا دن قرآن پاک کا ایک پارہ یاد کرتے رہتے اور رات کو وہ تراویح میں سنا دیتے۔

آپ فرماتے تھے کہ اللہ کے پاک کلام کی کرامت ہے کہ توجہ کرنے سے زبانوں پر رواں ہو جاتا ہے، اس کی شیرینیٔ الفاظ، اس کا ترنمِ تراکیب اور اس کی جاذبیتِ معانی، حافظ کیلئے مددگار بن جاتے ہیں۔

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی قوتِ حافظہ مثالی تھی، جس کے بل بوتے پر آپ علوم وفنون شرعیہ وعقلیہ کے سمندر بن گئے، آپ جو کتاب ایک مرتبہ توجہ سے پڑھ لیتے وہ آپ کو یاد ہو جاتی، جب آپ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں کلاسوں کا راؤنڈ لگاتے تو کسی کتاب کی جو عبارت طالب علم پڑھ رہا ہوتا۔ آپ دروازے میں کھڑے کھڑے اس کا پورا صفحہ زبانی سنا دیتے، تاکہ طلباء میں ان کتابوں کو زبانی یاد کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہو، یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں درسی کتب کو حفظ کرنے کا خوب رواج چلا اور طلباء اس معاملہ میں ایک دوسرے سے مسابقت اور مفاخرت کرنے لگے۔

جامعہ کے اساتذہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدانخواستہ لائبریری کو آگ لگ جائے تو حضور شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تمام کتابیں مِن وعَن لکھوا سکتے ہیں۔ این سعادت بزور بازو نیست، تانہ بخشد خدائے بخشندہ،

مدرسہ میں عاشقوں کے جسکی بسم اللہ ہو
اس کا پہلا ہی سبق یارو فنا فی اللہ ہو

مولانا محمد صادق صاحب بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مقدمہ مرزائیہ کے دوران ہمیں برصغیر کے علماء کرام کی زیارت کا موقع ملا، وہ لوگ واقعی اصحاب علم تھے،

مگر جب ہم حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا ان سے موازنہ کرتے تو قوتِ حافظہ میں آپؒ کو فائق الاقران پاتے، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ کی پوری لائبریری ازبر تھی، ہم لوگ اس بات کا تذکرہ کیا کرتے تھے کہ اگر خدانخواستہ اس ذخیرۂ کتب کو آگ لگ جائے تو بلا شک وشبہ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام کتابوں کو مِن وعَن دوبارہ املاء کرا سکتے ہیں۔ آپؒ نہ صرف مطلوبہ اور متعلقہ کتاب کا نام بلکہ اس مسئلہ کا صفحہ اندراج اور سطر تک بتلا دیا کرتے تھے، آپؒ سے ہم نے سنا تھا کہ صرف اور صرف حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کا حافظہ مجھ سے قوی تر ہے۔

"کتاب سے رشتہ"

حضرت شیخ الاسلام استاذ الکل علامہ غلام محمد گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد مولانا مولوی عبد الحمید رضوانی معلم جامعہ عباسیہ کا بیان ہے کہ حکومتِ بہاولپور کی دعوت پر، نصابِ تعلیم برائے دینی مدارس کے بارے میں مشاورت کیلئے، جناب مولانا سید سلیمان ندوی صاحب اور دیگر چند علماء بہاولپور آئے، حضرت بحر العلوم استاذ گھوٹویؒ نے جب ان سے ملاقات فرمائی، اس وقت آپ کے ساتھ مولانا مولوی محمد صادق صاحب اور یہ ناچیز (رضوانی صاحب) بھی شامل تھے، پہلے پہل ان حضرات کے رویہ میں کسی قدر بے اعتنائی محسوس ہوئی لیکن جب حضرت استاذ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتبِ اسلامیہ عربیہ فارسیہ قدیمہ وجدیدہ پر لب کشائی فرمائی اور اپنے علمِ بے کران کی جھلک دکھلائی تو وہ لوگ بے ساختہ جبلِ علم، جبلِ علم پکار اٹھے، جب مجلس برخواست ہوئی تو وہ قدر دانانِ علم اور شیفتگان کتاب، حضرت استاذ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہوئے سراپا انکسار نظر آئے۔

"پروفیسر شجاع ناموس کی مشکل کشائی"

گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور میں ریاضی کے پروفیسر جناب شجاع ناموس (مرحوم ومغفور) حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں رہائش رکھتے تھے اور ریاضی میں پی ایچ ڈی کر رہے تھے، انہیں ریسرچ کے دوران، اُسطُرلاب اور رُبعِ مُجَیَّب کے استعمال اور ان سے حسابی نتائج اخذ کرنے کے بارے میں مشکلات پیش آ گئیں،

جس کے حل کیلئے انہوں نے برصغیر کے طول وعرض میں سفر بھی اختیار کئے لیکن عقدہ کشائی نہ ہوئی۔ اسی تگ ودَو میں وہ ایک مرتبہ لاہور جا رہے تھے کہ ریل گاڑی میں حضرت بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی۔ (حضرتؒ اس وقت بہاولپور سے ملتان جا رہے تھے) حضرت الشیخ نے بعد از سلام ودعاء ان سے سفر کی غرض وغایت دریافت فرمائی تو ان کی علمی الجھن کا احوال معلوم ہوا۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں فرمایا کہ ذرا مسئلہ معہُودہ ایک کاغذ پر لکھ کر دکھائیں۔ پہلے تو پروفیسر صاحب متامل ہوئے کہ ایک دینی عالم کے سامنے ریاضی کا اتنا ادق مسئلہ پیش کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ مگر جب حضرت کے اصرار پر انہوں نے وہ مسئلہ لکھ کر پیش کیا تو آپ نے اسی وقت اس کو حل کرکے ان کے سامنے رکھ دیا، پروفیسر صاحب یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے، اشک ہائے مسرت وامتنان سے آنکھیں بھر آئیں۔ بے ساختہ کہنے لگے، آپ جیسا انمول جوہر ہمارے جوار میں اور ہمیں خبر تک نہیں!

بعد ازاں ان کا معمول بن گیا کہ آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوکر مسائلِ دقیقہ، عمیقہ کے بارے میں استفادہ کرتے اور بعض اوقات تو آپ کے درِ اقدس پر کھڑے ہوکر آپ کا انتظار کرتے، جب حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نماز کیلئے باہر تشریف لاتے تو مسجد شریف تک جاتے جاتے علم کے موتی سمیٹتے جاتے اور یوں اپنے اشکالات کو حل کرنے کا بندوبست کرتے جاتے۔

جناب پروفیسر موصوف ریٹائرمنٹ کے بعد اسلامیہ کالج چیچہ وطنی کے بانی پرنسپل کے طور پر بھی خدمات انجام دیتے رہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ریاضی وسیع الانواع مضمون ہے اسکی چند ایک اقسام حسب ذیل ہیں: (۱) الہندسہ (۲) الحساب (۳) الجبرا (۴) جیومیٹری (۵) ارثما طیقی، یعنی علم خواص الاعداد (۶) دیگر اقسام۔

ریاضی کی اور بھی کئی اصناف ہیں کیونکہ ریاضی، فنونِ عقلیہ کی ماں ہے، اس لئے ان کی پیدائش اور پرورش میں کارفرما نظر آتی ہے، یہی اس کے کثیر الانواع ہونے کا سبب ہے، مگر یہاں ان سب اقسام کا احصاء مقصود نہیں ہے۔ حضرت بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ریاضی کے جملہ انواع پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، اس لئے سب آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

نوٹ نمبر (۱) اسطرلاب، وہ دوربین ہے جسے متقدمین علماء، اجرام سماویہ (ستاروں وغیرہ) کی بلندیوں اور ان کی حرکات کی تعیین، نیز وقت کی پہچان اور جہات اصلیہ معلوم کرنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔ نوٹ (۲) رُبعِ مُجَیَّب: Sine Quadrant (سائن کواڈرنٹ) یہ چوتھائی دائرہ کی شکل کا وہ آلہ ہے جس کے ذریعہ ستاروں کا ارتفاع اور ان کی حرکات معلوم کی جاتی ہیں، نیز وقت کی تعیین کرکے نمازوں اور روزوں کے اوقات بھی معلوم کئے جاتے ہیں۔ نوٹ (۳): چونکہ یہ آلہ چوتھائی شکل کا ہوتا ہے اسلئے اسے رُبع کہتے ہیں اور مُجَیَّب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زاویہ کے جیب (سائن Sine) معلوم کرنے کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ نوٹ (۴): مذکورہ بالا آلات کے ذریعے سمتِ قبلہ بھی معلوم کی جاتی ہے۔ نوٹ (۵): ان کا تعلق علم الھیئت (علم الافلاک) کے ساتھ ہے۔ نوٹ (۶): ان آلات کے ذریعے، صحیح نتائج حاصل کرنے کیلئے، ریاضی میں مہارت ضروری ہے اس لئے ان کا تعلق ریاضی کے ساتھ بھی ہے۔

”تضحیکِ علماء کا سدِّ باب“

ایس ای کالج بہاولپور کے ایک پرنسپل تھے جو مسٹر ایم اے زاہدی صاحب کہلاتے تھے، وہ علمِ دین اور علماءِ دین کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ اٹھتے بیٹھتے دین کے علم کو جہل اور دین کے علماء کو جہلاء میں شمار کرتے تھکتے نہ تھے، جامعہ عباسیہ کے اساتذہ کرام نے حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ پرنسپل صاحب کے پاس جاکر ان سے وضاحت طلب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ دین اور علمِ دین کی بے حرمتی کا سدِّ باب کرنا بھی ہماری ذمہ داریوں میں شامل ہے، ان حضرات کے اصرار پر بالآخر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کی معیت میں جناب زاہدی صاحب سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

پرنسپل صاحب کے دفتر میں پہنچ کر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم لوگ اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ عصری علوم وفنون میں سے جس علم وفن پر آپ کو سب سے زیادہ ناز ہو، اس کا کوئی سوال بلیک بورڈ پر لکھ دیں، ہم لوگ اس کا حل پیش کرنے کے پابند ہوں گے۔ قدرے پس وپیش کے بعد پرنسپل صاحب نے بلیک بورڈ پر ریاضی کا ایک سوال لکھ دیا۔ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لمحے اسی بلیک بورڈ پر نہ صرف یہ کہ اس کا جواب پیش کر دیا بلکہ اپنی طرف سے ریاضی کا ہی ایک سوال لکھ کر پرنسپل صاحب کو

چیلنج کیا کہ اس کا جواب آپ پیش کریں، اب تو جناب پرنسپل صاحب کے چھکے چھوٹ گئے۔ شرمسار ہو کر معذرت کے خواہستگار ہوئے اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ آئندہ کیلئے کبھی بھی دین اور علمِ دین کی تضحیک نہ کریں گے اور نہ ہی علماءِ دینِ متین کا مذاق اڑائیں گے، اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو معاف فرما دے۔

"چیف انجنیئر اللہ بخش عباسی کی رہنمائی"

چیف انجنیئر تعمیرات میاں اللہ بخش عباسی صاحب حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہو کر اقلیدس اور علم الہیئت کے درس میں خصوصی شرکت کیا کرتے تھے۔

عباسی صاحب مذکور حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب اپنے تعمیراتی کام کی باریکیاں اور نزاکتیں پیش کرکے ان کے بارے میں رہنمائی کے خواہستگار ہوتے تو حضرت بحر العلوم اپنے علمِ بے کراں کی روشنی میں ان کو ایسی ایسی تجاویز دیتے کہ وہ عش عش کر اٹھتے، عباسی صاحب کا بیان ہے کہ انجنیئر نگ کالجوں کے ماہرینِ تعمیرات، سارے آلات اور ساری سہولیات کے باوجود اتنے مؤثر اور باکمال انداز میں صورتِ حال واضح نہیں کر پاتے تھے جتنے آسان، دل نشین اور دوٹوک طریقہ سے حضرت بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بغیر آلات اور بغیر ساز وسامان کے اپنے طلباء کو بات ذہن نشین کرا دیتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم خدمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آپ کی توجہ اس امر کی طرف دلائی گئی کہ آپ از راہ کرم، علاقے کی مساجد کی سمت ہائے قبلہ کی جانچ پڑتال فرمائیں تاکہ پتہ چلے کہ وہ درست بھی ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے فن انجنیئر نگ (اقلیدس، ہیئت، فلکیات، نجوم، اسطرلاب، الحساب، ربع مجیب وغیرہا) میں اپنی مہارت کو کام میں لاتے ہوئے مساجد کی جہات کو مقررہ زاویوں اور اصولوں کی روشنی میں پرکھا، سو، بعض مساجد کی سمت ہائے قبلہ درست نہ پائی گئیں، لہٰذا آپ نے ان کو درست کرا دیا۔ ایک مثال تو محلّہ نواباں کی جامع مسجد کی مجھے معلوم ہے کہ آپ نے اس کی جہتِ قبلہ کی اصلاح کرائی تھی۔ یہ بات مجھے استاذی علامہ حافظ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس جامعہ عباسیہ نے بتلائی تھی (مفتی صاحب تو اسے حضرت

الشیخؒ کی روحانیت کا کرشمہ بھی قرار دیتے تھے واللہ اعلم بالصوب) حضرت الشیخؒ نے سحری، افطاری اور نمازوں کے اوقات متعین کرکے عوام الناس کے فائدے کیلئے ان کے نظام الاوقات بھی شائع فرمائے تھے۔

"اندازِ سوال اور اندازِ تفہیم"

علامہ حافظ عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سکنہ احمد پور شرقیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل تھا اس لئے ریاست بہاولپور کے دینی معیاری تعلیمی اداروں کا اس کے ساتھ الحاق کر دیا گیا، ان تعلیمی اداروں کے معیارِ تعلیم کی جانچ پڑتال، وہاں کے امتحانات کے انعقاد اور دیگر تدریسی معاملات کی نگرانی جیسے امور جامعہ عباسیہ کے وائس چانسلر (شیخ الجامعہ) کے فرائض منصبی میں شامل تھے، ایسا ہی ایک تعلیمی ادارہ "مدرسہ فاضل" احمد پور شرقیہ بھی تھا۔

حضرت استاذ الاساتذہ علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے زمانے میں اس "مدرسہ فاضل" کے مہتمم مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے خلیفہ مولانا مولوی واحد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو قبل ازیں جامعہ عباسیہ میں بھی مدرس رہ چکے تھے۔

علامہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے بیان فرمایا کہ میں اس مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھا کہ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے معائنہ کیلئے تشریف لائے، ہر طالبِ علم سے مختلف قسم اور نوعیت کے سوالات پوچھے آپ کا انداز بڑا نرالا اور منفرد تھا، جب میری باری آئی تو حضرت الشیخ الجامعؒ نے اپنے بازو پھیلا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر "اتنی"، ایک من روئی ہو اور پھر آپ نے ہاتھوں کو سکیڑ کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اور "اتنا" ایک من لوہا ہو تو ان دونوں میں سے کس کا وزن زیادہ ہوگا؟ میں ہاتھوں کے اشاروں سے مغالطہ کھا گیا اور جواب دیا کہ روئی کا وزن زیادہ ہوگا، آپؒ مسکرائے اور مجھے سمجھایا کہ وزن دونوں کا برابر ہوگا کیونکہ دونوں ایک ایک من ہیں تم نے روئی کے حجم سے دھوکہ کھایا ہے، حافظ عبد الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت الشیخؒ کی شخصیت میں بڑی کشش تھی، جو شخص آپ کی گفتگو سنتا مسحور ہو جاتا، چنانچہ مجھ پر بھی آپ کی جاذبیت کا سحر وارد ہو گیا اور میں نے تھوڑے ہی دنوں میں بہاولپور حاضر ہو کر جامعہ عباسیہ میں داخلہ لے لیا۔ میں بہت خوش قسمت تھا کہ حضرت شیخ الجامعہ مولانا گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بحر العلوم سے فیض پایا۔

حافظ علامہ عبد الرحمٰن صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام استاذ مکرم مولانا گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ کے سرکاری سالانہ معائنہ کے بعد جب واپس جانے لگے تو مدرسہ اور شہر کے علماء آپ کو الوداع کہنے کیلئے ریلوے اسٹیشن ڈیرہ نواب صاحب تک آئے۔ ان میں آپ کے شاگرد اور غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا مولوی عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد میں مدرسہ صولتیہ مکہ شریف میں مدرس ہو گئے تھے) بھی شامل تھے، انہوں نے ریلوے اسٹیشن پر حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تقلید کے حق میں دلائل بیان کرنے کی درخواست پیش کی، حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے عقلی اور فقہی دلائل، تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور روایاتِ صالحین سے دلائل شرعیہ پیش فرمائے، مولوی عبد الحق صاحب اس دوران ساکت وجامد بیٹھے رہے جونہی گاڑی کی آمد کی گھنٹی بجی اور آپ کھڑے ہو گئے تو مولوی صاحب کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے دلائل تو بہت دیئے لیکن گذارش یہ ہے کہ اگر جناب والا قرآن سے کوئی دلیل پیش فرمائیں تو بندہ مطمئن ہوگا۔ حضرت الاستاذ والبحر الذخار علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعز برہانہٗ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾. ترجمہ: ''اور وہ (مکذبین) کہیں گے اگر ہم سنتے (جو تقلید ہے) یا ہم عقل سے کام لیتے (جو اجتہاد ہے) تو اصحاب جہنم میں سے نہ ہوتے''۔ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جہنم سے نجات کے دو راستے بتلائے ہیں ایک یہ کہ کسی مستند شخص کی بات سن کر اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا دوسرے یہ کہ اجتہادِ صائب کے ذریعے سے حق اور صواب تک رسائی حاصل کر لینا۔ امرِ اول تقلید ہے اس سے معلوم ہوا کہ تقلید بھی جہنم سے نجات کا موجب ہے، مولوی عبدالحق صاحب یہ سن کر دم بخود رہ گئے۔ تمام حاضر علماء کرام حضرت الاستاذ کے استدلال پر عش عش کر اٹھے، جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔

''رنگِ مناظرہ''

مولانا مولوی علامہ عبد اللہ صاحب مہتمم مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ نے بیان کیا کہ جب وہ جامعہ عباسیہ میں زیرِ تعلیم تھے تو انہوں نے مشاہدہ کیا کہ غیر مقلدوں نے اسلام کے متفق علیہ اصول واقدار کا پرچار کرنے کی بجائے تقلیدِ شخصی کو شبانہ روز طعن وتشنیع

کا نشانہ بنا رکھا ہے اور اہل السنت والجماعت کی تخفیف میں اپنی پوری قوت لگا رکھی ہے تو انہیں بہت افسوس ہوا، چنانچہ انہوں نے تقلیدِ شخصی کے منکرین کے رد میں ایک رسالہ تالیف کیا اور بغرضِ تصحیح وملاحظہ انہوں نے اپنا رسالہ حضرت شیخ الاسلام والاستاذ الفہام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضرت نے اس میں مناسب مقامات پر تصحیح اور اضافہ فرمایا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ یہ مناظرے کا رسالہ ہے اسمیں آپ نے نرم زبان استعمال کی ہے جو فنِ مناظرہ کے خلاف ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اسمیں کسی قدر شدت پیدا کر کے فنِ مناظرہ کا تقاضا پورا کیا جائے۔

''مساجد کو آباد کرنا''

جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ کے فرائض منصبی میں ریاست کے اندر واقع خانقاہوں کا معائنہ بھی شامل تھا، چنانچہ آپ ایک خانقاہ شریف کے معائنہ کیلئے تشریف لے گئے، تلاوت کلام اللہ، ایصالِ ثواب اور دعاء کے بعد جب آپ باہر تشریف لائے تو نماز کا وقت ہو چکا تھا، آپ نے قریب ہی واقع مسجد شریف کا رخ کیا، وہاں صفائی کے فقدان، وضوء کیلئے پانی نہ ہونے اور صفوں کی ابتر حالت دیکھ کر آپ نے خانقاہ کی انتظامیہ کو مسجد کے حالات بہتر بنانے اور اسے آباد کرنے کا حکم دیا۔

مساجد کو آباد کرنے کا آپ خاص خیال رکھتے تھے، جہاں کہیں کوئی مسجد خستہ حالت میں نظر آتی اس کی اصلاح کی ازحد کوشش کرتے، بہاولپور اور اس کے مضافات کی کئی مساجد کو ذاتی خرچ پر آباد کیا۔

''پاکپتن کی سجادگی دلانے میں عدالت کی رہنمائی''

دربارِ پاک پتن شریف کی سجادہ نشینی کا مقدمہ منٹگمری کی انگریز عدالت میں زیر سماعت تھا، حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ آف گولڑہ شریف نے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو نابالغ کی سجادگی کی بابت عدالت کی رہنمائی کرنے کیلئے منتخب فرمایا، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے سجادہ نشینی سے متعلقہ شرعی دلائل پیش فرمائے اور دیوان غلام قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فیصلہ صادر کروایا جبکہ ابھی وہ بالکل کم عمر تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا مولوی پروفیسر اللہ بخش ازہری مرحوم نے حیات ازہری میں اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ منٹگمری (ساہیوال) کی انگریز عدالت کے استفسار پر حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد جب منظر عام پر آئیں تو معلوم ہوا کہ حضرت الاستاذؒ تو نہ صرف برصغیر بلکہ عالمِ اسلام کی اعلیٰ اسناد کے مالک ہیں۔

"چیلاواہن کی گدی نشینی کا مسئلہ حل کر دیا"

ریاست بہاولپور میں خیر پور ٹامیوالی کے قریب چیلاواہن شریف کا قصبہ واقع ہے، اس قصبہ کی آبادی بزرگوں کی اولاد پر مشتمل ہے، اس آبادی کی تمام خواتین اور تمام حضرات قرآن مجید کے حافظ ہوتے تھے۔ یہ تمام کی تمام آبادی حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے بڑی عقیدت وارادت رکھتی ہے، حضرتؒ کے زمانے میں یہاں بھی گدی نشینی کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ تمام سربرآوردہ بزرگ حضرات نے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو فیصلے کا اختیار دیا۔ چنانچہ جب آپ نے فیصلہ فرمایا تو سب نے اسے قبول کیا، میرے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث مفتی علامہ چشتی صاحب کی وفات حسرت آیات کے موقعہ پر چیلاواہن شریف کے وہ حضرات بھی جن کے حق میں حضرت الشیخؒ نے فیصلہ صادر نہ فرمایا تھا، تعزیت کیلئے مہر منزل بہاولپور حاضر ہوئے تو بیان کیا کہ حضرت الشیخ الجامع رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اتنی زور دار، باوقار اور ہر دل عزیز تھی کہ ہم لوگوں نے آپ کا فیصلہ بخوشی قبول کیا اور ہمیں آپ کے فیصلہ پر ذرا بھی ملال محسوس نہ ہوا۔

"مسلمانوں کی دکانیں"

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا کہ بہاولپور کے بازاروں میں صرف ہندؤں کی ہی دکانیں ہیں اور سارے کاروبار پر انہوں نے قبضہ کیا ہوا ہے تو آپ کو بہت رنج ہوا، آپ نے حسنِ تدبیر سے، مسلمانوں کو کاروبار کرنے اور بازاروں میں دکانیں بنانے پر آمادہ کرنا شروع فرمایا، چنانچہ آہستہ آہستہ مسلمان اس میدان میں اترے اور بہت جلد بازاروں میں ان کی اہمیت بھی تسلیم کی جانے لگی، حاجی خلیل سبزی فروش، محمد حسین کریانہ فروش، مولوی عبد الرحمٰن کریانہ فروش، حاجی بشیر فروٹ فروش، حاجی خدا بخش کپڑا فروش، حاجی یعقوب دودھ فروش، حاجی عبد الرحمٰن گاذر کریانہ فروش، نیز

حاجی مذکور کی جوتوں کی دوکان، مولوی محمد حیات صاحبؒ کی پنسار کی دوکان حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی پنسار کی دوکان اور مولوی رحمت اللہ خوجہ کی کتابوں کی دوکان اور دیگر دوکانیں اس فہرست میں شامل ہیں۔

"سارا بازار آپکو سلام کرنے کیلئے کھڑا ہو جاتا"

پروفیسر ڈاکٹر مختار ظفر صاحب صدر شعبہ اردو گورنمنٹ سائنس کالج ملتان نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کا تعلق حاصل پور (ریاست بہاولپور) سے ہے، اسکول کے زمانے میں ان کے دو استاد جامعہ عباسیہ بہاولپور کے "علامہ" تھے اور حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، میرے یہ دونوں اساتذہ اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے محیر العقول واقعات سنایا کرتے تھے، وہ بتلایا کرتے تھے کہ ریاست بہاولپور میں دو شخصوں کیلئے پورا بازار احترام میں ایستادہ ہو جاتا تھا، ایک نواب آف بہاولپور کیلئے کیونکہ وہ حکمران تھے، اور دوسرے حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے کیونکہ آپ دلوں پر حکومت کرتے تھے۔

آپ کے شاگرد رشید مولانا مولوی محمد صادق صاحب شیخ الفقہ جامعہ عباسیہ بہاولپور سے روایت ہے کہ شاہی بازار میں ایک ہندو چھابڑی والا بھی دوسرے دکانداروں کی طرح حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کیا کرتا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس بے چارہ کی بینائی ختم ہوگئی۔ اب جبکہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کا گذر ہوا تو وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سلام نہ کر سکا۔ حضرت بھی اس کی چھابڑی سے دو چار قدم آگے بڑھ گئے مگر فوراً ہی واپس آئے اور اس سے سلام دعا کی۔ آپ کی آواز سن کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر حضرتؒ نے اس کو بٹھا دیا، اب یہ معمول بن گیا، ایک دن میں نے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! اس چھابڑی والے کو اٹھنے میں دشواری ہوتی ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ حضور اس سے سلام وکلام کئے بغیر ہی آگے بڑھ جایا کریں تو آپ نے فرمایا میں بھی یہی چاہتا ہوں اور چند قدم اس کی دوکان سے آگے چلا بھی جاتا ہوں مگر پھر میرے کانوں میں آواز آتی ہے کہ جب وہ بینا تھا تو وہ سلام کرتا تھا اب جبکہ وہ نابینا ہو چکا ہے تو کیا آپ اس سے سلام وکلام کئے بغیر ہی گذر جائیں گے؟

''سرکاری اشیاء کے مصرف میں احتیاط سکھائی''

جدی الامجد حضرت شیخ الجامعہ صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ کے ہاں لکھنے پڑھنے کے کمرے میں دو طرح کے قلم دوات اور کاغذات وغیرہ رکھے ہوتے تھے، ایک سرکاری اور دوسرے نجی، سرکاری قلم اور کاغذات صرف سرکاری کارروائی اور معاملات تحریر کرنے کیلئے استعمال فرماتے جبکہ نجی قلم اور کاغذات سے نجی امور لکھتے تھے۔

میرے والد گرامی حضرت چشتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے قلمی مسودات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اباجی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قلم طلب فرمایا، میں نے جلدی میں سرکاری قلم اٹھا کے پیش کر دیا، مگر آپ نے فرمایا بیٹے! یہ تو سرکاری قلم ہے، دوسرا قلم اٹھا کے دو!

ے قرن ہا باید کہ تا صاحب دلے پیدا شود   بایزیدؒ اندر خراسان یا اویسؒ اندر قرن

''انکساری سکھائی''

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں جب کسی سرکاری سفر کیلئے اونچے درجے کا ٹکٹ پیش کیا جاتا تو آپ وہ ٹکٹ لے تو لیتے مگر سفر تھرڈ کلاس کے ڈبہ میں کرتے۔ کسی کے استفسار پر فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اونچے درجے میں سفر کروں تو کہیں نچلے درجے والوں کو حقیر نہ جاننے لگوں!

حضرت اعلیٰ گولڑویؒ یا حضرت بابوجی صاحبؒ کی معیت میں عرس مبارک پر پاکپتن شریف کی حاضری کے موقعہ پر آپ کی خدمت میں خاص الخاص پاس پیش کیا جاتا لیکن آپ اس کو استعمال نہ کرتے بلکہ عوام الناس کے اژدہام میں شامل ہو کر مزار شریف پر حاضر ہوتے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

مقام کی مناسبت سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ جامعہ عباسیہ میں اپنے کمرے کو تزئین و آرائش سے بالکل معریٰ رکھتے تھے جبکہ شیخ الحدیث مولانا فاروق احمد صاحب کے کمرے میں ٹھاٹھ باٹھ ہوتے تھے۔

علامہ مولوی طالوت صاحبؒ جو کچھ عرصہ شرینھ والی مسجد محلہ نواباں بہاولپور میں امام رہے، بیان کرتے ہیں کہ میرے استاد حضرت مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ امام وخطیب

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ   تعلیمی اور سماجی خدمات

جامع مسجد سرگودھا نے خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آ گیا کہ اس وقت کو ضائع کرنے کے بجائے اس کا مفید استعمال کیا جائے۔ چنانچہ میں نے تقریر شروع کر دی، دوران تقریر میں نے بغیر مطالعہ اور تحقیق کے تفسیری نکات بھی بیان کرنا شروع کر دیئے حالانکہ تفسیر قرآن، ازحد احتیاط کی متقاضی ہے، کچھ دیر میں، میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ جو قرآن مجید کھولے اسکی تلاوت میں مصروف تھے، میری طرف غور سے دیکھنے لگے۔ پھر مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ مولوی صاحب! یہ قرآن شریف ہے، اس کے دوسرے پارے کا دوسرا رکوع یوں شروع ہوتا ہے، ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ آه﴾ یہاں 'البرَّ' مفتوح ہے مگر اسی پارے کے تیسرے رکوع میں ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ.. آه﴾ ہے' یہاں البرُّ مضموم ہے، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ میں لاجواب ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی ایک ریلوے اسٹیشن پر رکی، میں نے دیکھا کہ وہ بزرگ لوٹا لیکر گاڑی سے اترے اور نلکے سے لوٹے میں پانی بھرنے لگے، اس اثناء میں ان کے دو ساتھی مولوی صاحبان جلدی سے گاڑی سے اترے اور ان سے لوٹا لیکر اس میں پانی بھرا اور انکی خدمت میں پیش کیا، میں نے ان مولوی صاحبان سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحب ہیں، میرے منہ سے بے ساختہ نکلا، سبحان اللہ! اتنا بڑا علامہ! اور اس قدر انکساری!

''متعلقین کے خبر گیری سکھائی''

جامعہ عباسیہ کے ہوسٹلز کے سپرنٹنڈنٹ مولانا محمد صادق صاحب تھے، انہیں اس کام کا اعزازیہ پندرہ روپے ماہوار ملتا تھا، جب وہ حج پر گئے تو حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے سپرنٹنڈنٹ کی ذمہ داری خود بنفس نفیس اپنے اوپر ڈال لی، اب ظاہر ہے کہ مذکورہ پندرہ روپے اعزازیہ بھی آپ ہی کے نام سے منظور ہونا شروع ہوا جسے آپ ہی وصول فرماتے تھے لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ آپ وہ پندرہ روپے اپنے مصرف میں نہ لاتے بلکہ ہر ماہ یہ رقم چپکے سے مولانا کے گھر بھجوا دیتے۔

مقام کی مناسبت سے عرض ہے کہ ایک مرتبہ مولانا محمد صادق صاحب کی تجویز پر جامعہ کے اساتذۂ کرام رحمۃ اللہ علیہ ایک وسیع و عریض قدرتی تالاب پر مچھلی کے شکار کیلئے تشریف لے گئے، وہاں اچانک ایک بہت بڑی طاقتور مچھلی نے مولوی محمد شاکر

صاحب کو کھینچ لیا اور ان پر بیٹھ گئی، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ تالاب کے کنارے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فوراً پانی میں غوطہ لگا کر مولانا کو مچھلی سے رہائی دلائی سو اس طرح مولانا صاحب کی زندگی بچ گئی، آپکی یہ کرامت زبان زدِ خاص وعام ہوئی۔

”عمائدینِ ریاست کے ہاں حاضری سے پرہیز“

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ جن کی خانقاہ معلّٰی لاہور میں واقع ہے، ان کے بارے میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے حجرے شریف میں رونق افروز تھے کہ آپکی خدمتِ مبارکہ میں خدامِ لنگر شریف نے اطلاع دی کہ بادشاہِ وقت آرہا ہے! آپ پر کوئی اثر نہ ہوا، بادشاہ آیا اور آپ کے قریب کھڑا ہوگیا مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی، بادشاہ کو غصہ آیا، کہنے لگا کب سے ایسے ہوئے ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ”جب سے بے طمع ہوا ہوں“۔

حضرت اعلیٰ گولڑوی نور اللہ مرقدہٗ نے خسروانِ مملکت دنیویہ کے بلاوے پر واپسی جواب تحریر فرمایا کہ ”مجھے تو آپ سے کوئی حاجت نہیں، اگر کسی کو مجھ سے ہے، تو صاحبِ حاجت کو آنا چاہئے“۔

حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کو ایوانِ اقتدار سے دعوت آئی کہ قدم رنجہ فرما کر عزت افزائی فرمائیے، مگر آپ نے فرمایا:

نعم الأمير على باب الفقير، وبئس الفقير على باب الأمير

ترجمہ: کیا خوب ہے وہ امیر جو فقیر کے در پہ آیا، اور کتنا ناخوب ہے وہ فقیر جو امیر کے در پہ حاضری دے رہا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی قدس سرہٗ العزیز بعینہٖ مسلک مہریہ پر قائم رہے اور فقر غیور پر کبھی آنچ نہ آنے دی۔

”منت پوری کرنے کی تعلیم دی“

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کوئی منت مانی اور اسکی تعمیل میں آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبدالحیؒ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار شریف پر رمضان المبارک کی تراویح میں قرآن مجید سنانے کیلئے چشتیاں شریف بھیجا۔

”قول سے انحراف گوارا نہ کیا“

ایک مرتبہ ایک مخلص نے آپ کی خدمت میں مشورہ کے طور پر عرض کیا کہ اگر آپ گمرالی (گجرات) والا اپنا موروثی رقبہ اپنے بھائیوں سے واپس لے کر اپنا قرضہ اتارنا چاہیں تو ایسا ممکن تو ہے۔ لیکن آپ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں نے وہ رقبہ اپنے بھائیوں کو بطور عطیہ دیدیا تھا، میں اپنے قول سے منحرف نہیں ہو سکتا، اس لئے میں وہ رقبہ اپنے بھائیوں سے واپس لینے کا سوچ بھی نہیں سکتا، قرضہ جلد اتر جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

”برداشت کرنا سکھایا“

ایک مرتبہ ریل گاڑی میں آپ کے ساتھ دیگر طلباء کے علاوہ حضرات صاحبزادگان گولڑہ شریف بھی ہمراہ سفر تھے، ایک سکھ گاڑی میں سوار ہوا۔ اس نے آپ کے قدوقامت کو دیکھ کر کہا! اوئے جٹا! ذرا پرے نوں ہو چل! حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس نہ فرمایا مگر بڑے لالہ جی سید غلام معین الدین شاہ صاحبؒ اپنے استاذ گرامی کے ساتھ اس لہجہ کو برداشت نہ کر سکے، اس کو ڈانٹ پلائی اور آپ کی عظمتِ شان کا تذکرہ فرمایا، اِس پر وہ سکھ معافی کا خواستگار ہوا۔

اسی طرح بہاولپور شہر میں ایک قصائی رہتا تھا، یارا یارا نامی، وہ چونکہ علم وادب سے نابلد تھا اور اپنے خانگی ماحول کے مطابق گفتگو کرتا تھا، اس لئے جب کبھی کسی غرض سے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اپنے طبعی اور عادی لہجہ میں ہی بات کرتا تھا، حضرت اس کو برداشت فرماتے تھے مگر ایک مرتبہ مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سن لیا تو سخت ناراض ہوئے، اسے خوب ڈانٹا اور پھر اسے بولنے کا ڈھنگ سکھانے کی سعیِ لاحاصل کرنے لگے۔

”فقرِ غیور کا سبق سکھایا“

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی شہرت، عظمت اور عزت سے نوازا تھا، آپ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات اتنے مؤثر اور دلنشین ہوتے تھے کہ برصغیر

کے اطراف واکناف سے بہت ہی کثیر تعداد میں آپ کو دعوتیں موصول ہوتی تھیں، لطف کی بات یہ ہے کہ آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے، اپنے ہی خرچ پر تشریف لے جاتے تھے، کیونکہ جلسہ کے منتظمین سے آمدورفت کا کرایہ لینا آپ کو گوارا نہ ہوتا تھا۔

مقدمہ مرزائیہ بہاولپور کے دوران شہادت دینے کے لئے آنے والے علماء کرام کے اخراجات، عدالتی بیانات اور فیصلہ کی طباعت کا خرچہ، عدالتی تقاضوں کی تکمیل کے لئے کہیں آمدورفت کا خرچہ، یہ سب آپ بھی اپنی ذاتی آمدنی میں سے بحصۂ وافر ادا کرتے تھے۔

اسی طرح گولڑہ شریف کے صاحبزادگان، جب بہاولپور میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زیر تعلیم تھے تو اس دوران اگر مریدوں میں سے کوئی صاحب کچھ طعام پکوا کر صاحبزادگان کی طرف بھیجتا تو علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو اپنی میزبانی کے خلاف سمجھتے تھے۔

”ضبطِ جذبات کا درس دیا“

حضرت مولانا مولوی عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ معلم اعلیٰ جامعہ عباسیہ بہاولپور نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جامعہ کے اساتذہ دائرے کی شکل میں کھڑے تھے اور حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ بیان فرما رہے تھے، اسی اثناء میں، میں نے یہ خیال کر کے کہ میرے پیچھے کرسی پڑی ہوئی ہے، بیٹھنے کی کوشش کی، مگر اتفاق یوں ہوا کہ کسی نے وہاں سے کرسی اٹھالی تھی چنانچہ میں زمین پر گر گیا، اساتذہ کرام کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی، مگر قربان جایئے کہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ بالکل نہ ہنسے نہ ہی مسکرائے بلکہ مجھے بڑی محبت سے اٹھایا اور میری دلجوئی فرمائی۔

کچھ دنوں بعد میں نے حضرت علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ آپ اس موقعہ پر کیوں نہ ہنسے؟ حالانکہ اس قسم کی ہیئتِ کذائیہ دیکھ کر ہنسی خود بخود ہونٹوں پر آ ہی جاتی ہے، آپ نے جواباً فرمایا کہ میں ایک مرتبہ اپنے وطن شہر گجرات کے بازار سے گذر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے تھوڑے سے فاصلے پر ایک لمبا تڑنگا سکھ کیلے کے چھلکے سے پھسل کر عین سڑک کے بیچ دھڑام سے گر گیا ہے، اس کی ہیئت کذائیہ دیکھ کر مجھے ایسی ہنسی چھوٹی جو رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی، وہ سکھ سڑک سے اٹھا اور میرے پاس آ کر کہنے

لگا او لڑکے! تو کیوں ہنس رہا ہے؟ اس کا یہ کہنا تھا کہ میری ساری ہنسی کافور ہوگئی، اور مجھے افسوس ہونے لگا کہ واقعی کسی کے گرنے پہ ہنسنا سراسر نامناسب بات ہے، چنانچہ اُس دن آپکی ہیئتِ کذائیہ دیکھ کر میرے کانوں میں اس سکھ کی آواز گونجنے لگی اور میرے ہونٹوں پہ ہنسی نمودار نہ ہو سکی۔

”مولانا غلام محمد گھوٹوی ہال“

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کیلئے ایک دعائیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا، یہ ایک سیمینار تھا جس میں اہلِ علم وفضل اور اہلِ محبت وعقیدت نے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم کارناموں اور بلند پایہ خدمات کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

اس تقریب میں ریاست ہذا کے ولی عہد، وزراء، عمائدین حکومت، حکامِ تعلیم، علماء ومشائخ اور طلباء کے علاوہ کثیر تعداد میں آپ کے محبین ومخلصین نے شرکت کی، اس موقع پر آپ کے قدیمی شاگرد جناب علامہ رحمت اللہ ارشد صاحب ولد حضرت مولانا احمد علی صاحب (دونوں پر اللہ کی رحمت ہو) نے انجمن ابناء جامعہ کی متفقہ قرارداد کے مطابق یہ تحریک پیش کی کہ جامعہ عباسیہ کی جدید زیر تعمیر عمارت جب پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو اس کے عظیم الشان ہال کو حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی لائق فخر اور قابلِ قدر تعلیمی، دینی، سماجی اور قومی خدمات کی یادگار کے طور پر ”غلام محمد ہال“ کے نام سے موسوم کیا جائے۔

۱۹۵۱ء میں جب یہ عظیم الشان عمارت مکمل ہوئی تو حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے، نائب الشیخ استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک کو زندہ کیا ڈائریکٹر تعلیمات بابا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی بھرپور تائید کی، حضرت مولانا محمد صادق صاحب اور علامہ ارشد صاحب نے اس کو پروان چڑھایا، چنانچہ وزیر اعلیٰ بہاولپور کے پرنسپل سیکرٹری حضرت الشیخؒ کے سچے محب، مفتی محمد اکبر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حسنِ تدبیر سے نواب آف بہاولپور کی طرف سے اس کی منظوری ہوگئی، اس وقت کے شیخ الجامعہ مولانا محمد ناظم ندوی صاحب اور جامعہ کے قدیمی اساتذۂ کرام نے ”غلام محمد ہال“

کی سنگِ مرمر کی مبارک اور نورانی تختی نصب کی جو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی پیشانی پر جھومر کی طرح چمک رہی ہے، یہ حضرت شیخ الاسلام کی جناب میں حکومت اور عوام کی طرف سے ایک تمغۂ تحسین ہے۔

”کیپٹن واحد بخش سیال کا خراج عقیدت“

جناب سیال صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مقابیس المجالس (ترجمہ اشارات فریدی) میں لکھتے ہیں:

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کا شمار برصغیر کے چوٹی کے علماء میں ہوتا تھا، راقم الحروف (جناب سیال صاحب) سے آپ خاص شفقت سے پیش آتے تھے، جب آپ کا بہاولپور میں وصال ہوا تو لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور سب لوگ آپ کی مفارقت میں دیوانہ وار سرگرداں تھے، خواص کی زبان پر یہ کلمات تھے، موت العالِم ”موت العالَم“ عالِم کی موت، جہان کی موت ہے۔

☆☆☆☆

بابِ پنجم

کشف وکرامات

(مَن کی دنیا)

﴿یَسْأَلُونَکَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّی وَمَا أُوتِیتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِیلًا﴾

(روح تو اَمر ربی ہے تم لوگوں کو اسکے بارے میں قلیل علم دیا گیا ہے)

''بیعت خاص''

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز اپنی حیات ظاہری کے آخری ایام میں جب ایک مرتبہ عالم استغراق سے عالم صحو میں مراجعت فرما ہوئے تو مولوی محبوب عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ میرے بیٹے غلام محی الدین کہاں ہیں؟ مولوی محبوب عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ایک آدمی کو دوڑایا کہ جلدی سے جاؤ اور حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز کو بلا لاؤ، پھر حضور اعلیٰ قدس سرہٗ نے استفسار فرمایا کہ مولوی غلام محمد صاحب گھوٹہ والے استاد، کہاں ہیں؟ ایک آدمی ادھر دوڑا، سامنے دیکھا تو حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ عصر کی نماز کیلئے مسجد کی طرف جا رہے تھے اس شخص نے حضور اعلیٰ قدس سرہٗ کے حجرہ کی سیڑھیوں سے ہی آواز دی کہ حضرت مولوی صاحب! آپ کو حضور اعلیٰ یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سنتے ہی دوڑ کر واپس آ گئے اور حضور اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بعض مسائلِ شرعیہ پر گفتگو شروع ہوگئی، تھوڑی دیر میں حضرت قبلہ بابوجی صاحب بھی حضور اعلیٰ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضورِ اعلیٰ نے آپ کو تجدید بیعت کیلئے فرمایا۔ حضرت قبلہ بابوجی صاحب نے فوراً اپنا ہاتھ آپ کی طرف بڑھا دیا۔ حضور اعلیٰ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے ارشاد فرمایا کہ آپ بھی اس خاص الخاص بیعت میں شریک ہو جائیں۔ حضورِ اعلیٰ قدس سرہٗ بہت دیر تک ان دونوں کے ہاتھوں کو اپنے دست کرم میں لئے بیٹھے رہے، اس دوران آپ زیرِ لب کوئی اوراد پڑھتے رہے اور پھر ان دونوں کے ہاتھوں پر دم کرکے فرمایا اپنے اپنے منہ پر پھیرلو، ان دونوں حضرات نے ایسا ہی کیا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی محبت سے آئے تو اسے تلقینِ ذکر اللہ اور تعلیمِ سبیل اللہ، بڑے صبر اور حوصلہ سے کیا کرو۔ یہ ایک نرالی شان کی بیعت تھی کہ اس کے ذریعے حضور اعلیٰ نے ان دونوں کو فیوضاتِ روحانیہ اور دولتِ سلسلۂ مہریہ سے مالا مال فرمایا۔

''کرامتِ طیِ مکان''

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ مرشد کی طرف غیبی کشش کی تعمیل میں چکوڑی شریف سے گولڑہ شریف کی طرف دیوانہ وار پا پیادہ ہی چل پڑے، راستہ یقیناً دراز اور کٹھن تھا مگر آپ کا عزم اور جذبہ نا قابل شکست۔

راہ چلتے چلتے جب آپ کے نازک اور حسین پاؤں میں نوکدار کانٹے چبھتے تو آپ ان کی پرواہ نہ کرتے اور نہ ہی انہیں نکال پھینکنے کی زحمت گوارا کرتے، کیونکہ راہِ یار کے کانٹوں پہ بھی آپ کو پیار آتا تھا۔

رات ہوگئی مگر آپ نے اپنی دھن میں سفر جاری رکھا، نصفِ شب کے قریب ایک قدِ آدم، خونخوار کتا آپ پر اچانک حملہ آور ہوگیا، مگر آپ نے قوتِ حیدری کی برکت سے جب اس کے دونوں جبڑوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھینچا تو اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور اس نے وہاں سے بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

رات کے آخری پہر آپ نے ایک تالاب سے وضو فرمایا اور نماز تہجد ادا فرمانے کے بعد جب آپ دوبارہ بسوئے یار، روانہ ہونے لگے تو آپ کی زبانِ مبارک سے نعرۂ قلندرانہ ''ہمتِ مرداں، مددِ خدا'' بلند ہوا، اس کی گونج فضائے آسمانی میں موجزن ہوگئی، اچانک آپ نے محسوس کیا کہ رجال الغیب میں سے ایک نورانی بزرگ (غالباً حضرت خضر علیہ السلام) آپ کے سامنے جلوہ گر ہیں اور آپ کو اپنا ہاتھ پکڑنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ آپ نے بے ساختہ ان کے حکم کی تعمیل کی، ان کے قدموں کے ڈگ تاحدِ نگاہ طویل تھے، اتنے ہی لمبے ڈگ مولانا گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی ہو چکے تھے، تھوڑی دیر بعد جب انہوں نے مولانا گھوٹوی کا ہاتھ چھوڑا تو سامنے ہی آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کی آبادی چمک رہی تھی، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نکلا الحمد للہ والشکر للہ والمنۃ للہ۔

مولانا گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے نہایت محبت اور شفقت سے نوازا۔ لنگر کے خادم سے حلوہ لانے کو کہا (جسے آپ نے کشفی وجدان کے تحت پہلے سے ہی خاص طور پر تیار کرنے کا حکم دے رکھا تھا) سو، ایک بڑی تھالی میں حلوہ پیش کیا گیا، حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے پیار بھرے لہجے میں فرمایا ''حلواء کھاؤ'' حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ سارا حلوہ کھا لیا، اس طرح روحانی غذا بھرپور ملی تو جسمانی خوراک بھی وافر مل گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے چکوڑی شریف میں محمد کے غلام (رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھتے ہی قبولیت سے مشرف فرما لیا تھا۔

”کشف القبور“

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی بہاولپور میں رہائش گاہ کے قریب سلسلہ گیلانیہ کی ایک خانقاہ واقع ہے جس کے مُورثِ اعلیٰ حضرت سید گنج شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی نسبت سے یہ محلّہ گنج شریف کہلاتا ہے، راقم الحروف نے اس خانقاہ کے سجادہ نشین سید محب الدین شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے۔ گیلانی سادات کا یہ سارا خاندان حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ سے گہری عقیدت رکھتا ہے۔ سید محب الدین شاہ گیلانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ گھوٹویؒ کی مزار پُرانوار، قبولیت دعاء کیلئے تریاق ہے گیلانی صاحب موصوف، قاری قاضی محمد یٰسین مرحوم کو کہا کرتے تھے کہ حضرتِ گھوٹویؒ کے مزار پہ جاکر دعاء کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل آسان کر دے گا۔

اسی محلّہ گنج شریف کے قدیمی مولوی خاندان کے چشم وچراغ مولوی سعیدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جامعہ عباسیہ کے علامہ تھے حضرت الشیخؒ کے شاگرد تھے اور بہاولپور کی جامع مسجد اقصیٰ کے خطیب وامام تھے، ان کا بیان ہے کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد گولڑہ شریف کے سجادہ نشین حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ ان کے مزار پر تشریف لائے۔ تمام حاضرینِ مزار کو دور دور ہٹا دیا اور پھر مزار کے سرہانے آ کر حضرت الاستاذؒ کے ساتھ باتیں کیں، پھر دعا کی اور اس کے بعد حاضرین میں سے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی علامہ حافظ محمد عبد الحیٰ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرکے فرمایا: ”مولانا گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو آں ذاتِ مالک الملک نے بہت بلند مقام عطاء کیا ہے“۔

مذکورہ بالا ملاقات کو اصطلاحِ صوفیاء میں کشف القبور کہا جاتا ہے۔ یہ کشف، اولیاء کرام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ اور تحفہ ہوتا ہے، کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کے خلق اور اذن کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کی شان ان اللہ علی کل شیٔ قدیر ہے، وہ مسبب الاسباب، فعالٌ لما یرید اور مالکِ کُن فَیَکُوْنُ ہے۔

اس مقام پر یہ توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کشف القبور، نبی کیلئے معجزہ ہوتا ہے اور ولی کیلئے کرامت، یہ ان امور میں سے ہے جو خارقِ عادت (آؤٹ آف روٹین) ہیں، انہیں عادی یعنی روٹین کہنا مغالطے میں پڑنے کا سبب بن رہا ہے۔ کشف القبور کے

لئے عالمِ برزخ کے ساتھ باہمی ارتباط شرط ہے۔

کشف القبور کا ثبوت احادیث میں موجود ہے، مثلاً:

(۱) عن ابن عباسؓ قال مَرَّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقبرین فقال انھما لَیُعَذَّبَانِ وما یعذبان فی کبیر أما أحدھما فکان لا یَسْتَتِرُ من البول وفی روایۃٍ لمسلمٍ لا یَسْتَنْزِہُ من البول وأما الآخر فکَانَ یَمْشِیْ بالنمیمۃ ثم اَخَذَ جریدۃً رطبۃً فشقَّھا بِنِصْفَیْنِ ثم غَرَزَ فی کل قبرٍ واحدۃً قالوا یارسول لِمَ صَنَعْتَ ھذا فقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُخَفَّفَ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیبَسا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گذرے، فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی مشکل فعل کی وجہ سے نہیں ہو رہا بلکہ ان میں سے ایک تو پیشاب کے چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تازہ سبز چھڑی لی، اسے دو حصوں میں چیرا۔ پھر ایک ایک حصہ ایک ایک قبر پر گاڑ دیا، صحابہ کرامؓ نے اس کی توجیہہ دریافت کی تو فرمایا: امید ہے کہ ان کو عذاب میں تخفیف ملے گی جب تک کہ یہ چھڑیاں خشک نہ ہوں (مشکوٰۃ)۔

(۲) عن ابن عباسؓ قال ضَرَبَ بَعْضُ أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خِبَاءَہٗ علی قَبرٍ وھو لا یَحْسِبُ اَنَّہٗ قَبْرٌ فَاِذَا فِیْہِ اِنْسَانٌ یَقْرَأُ سُوْرَۃَ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ حتی خَتَمَھَا فَأَتَیَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَأَخْبَرَہٗ فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھِیَ الْمَانِعَۃُ ھِیَ الْمُنْجِیَۃُ تُنْجِیْہِ مِنْ عَذَابِ اللّٰہ. (رواہ الترمذی).

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا، انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے، اچانک اس قبر سے ایک انسان کی آواز آنے لگی جو سورہ تبارک الذی پڑھ رہا تھا، یہاں تک اس نے ساری سورت ختم کی، وہ صحابی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا، آپ نے فرمایا یہ سورت مانعہ اور منجیہ ہے، یعنی اللہ کے عذاب سے چھٹکارا دلاتی ہے۔ (ترمذی)۔

یہ اعلیٰ ترین کشف القبور ہے جو اللہ تعالیٰ کی دین ہے، اس کی مرضی ہے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے، اس میں افضل اور مفضول کی شرط نہیں ہے بلکہ فضیلت کا دار ومدار تو تقویٰ پر ہے۔

''حضرت گھوٹویؒ کی دو کرامات''

(ا۔ دشمن کا جہاز گرانا ۲۔ بادل کو بلانا)

مکرمی جناب امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد اور مربی حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات کے ساتھ انتہاء درجہ کی محبت اور عقیدت رکھتے تھے، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے ساتھ بھی اتنی عاجزی اور اتنے ادب سے پیش آتے کہ بیان سے قاصر ہوں، ان کے استاذ مکرم علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بھی پیر امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے، علمی اور دینی امور میں ان کی خاص رہنمائی اور تربیت فرماتے، اپنے خطوط میں انہیں عزیزی واعزی کے الفاظ سے سرفراز فرماتے اور طول عمرہٗ کے الفاظ سے انہیں دعاء دیتے۔

پیر امام شاہ صاحب آف مہر آباد تحصیل لودھراں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نہایت محیر العقل واقعہ پیش آیا، ہوا یوں کہ قیامِ گھوٹہ کے دوران، اثناءِ تدریس، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ فضاء میں کوئی ہوائی جہاز اڑا جا رہا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا گر جا، گر جا، اسی ثانئے وہ جہاز زمین بوس ہو کر پاش پاش ہو گیا، لوگ بہت حیران اور متعجب ہوئے، انہیں اس کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی، بعد ازاں اس کی توجیہہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ دشمنانِ اسلام کا جنگی جہاز تھا جو مسلمانوں پر بم برسانے کیلئے جا رہا تھا۔ آپ کی غیرتِ ایمانی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے جوشِ ایمانی کی لاج رکھ لی۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾۔ حکومت تو صرف اللہ کی ہے جو بندہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو پھر اللہ اس کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ پیر امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت الاستاذ المکرم حضور گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت مبارکہ کے مصادیق میں شامل تھے۔

؎ اولیاء را ہست قدرت از الٰہ　　تیر جستہ باز گردانند ز راہ

پیر امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سامنے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت الاستاذ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نمازِ ظہر پڑھا کر مسجد شریف سے نکلے تو فرمایا کہ مسجد کی صفیں لپیٹ لیں، بارش میں بھیگ جائیں گی، طلباء صفیں لپیٹنے میں مشغول ہو گئے، میں سخت متحیر ہو رہا تھا کہ بارش کا تو دور دور تک نام ونشان نہیں ہے پھر حضرت الاستاذ

رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات کیسے فرما دی؟ اسی اثناء میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف اپنی انگلی اٹھائی اور فرمایا: آ جا بڈھے آ، یہ فرمانا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی، حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فقرہ آ جا بڈھے آ، بہت مشہور ہوا، آج تک لوگ اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں اور آپ کے کہے ہوئے فقرے کو یاد کرتے ہیں۔ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس بندے کو چاہتا ہے اسے عزت دے دیتا ہے۔

''گمشدہ بکری بازیاب ہوگئی''

حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ خانپور میں مجھے ایک سفید ریش بزرگ اللہ بخش صاحب (غالباً ساکن مکھن بیلہ) ملے انہوں نے مجھے بتلایا کہ ایک مرتبہ آپ کے والد مکرم حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس علاقے میں تشریف لائے، میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! میری بکری گم ہو گئی ہے، دعاء فرمائیں کہ میری بکری مجھے مل جائے، آپ نے دعا فرمائی اور ساتھ ہی وظیفہ بتلایا کہ نماز پڑھنے کے بعد ایک تسبیح ''یَا هَادِی'' کی پڑھو، جب میں نے وظیفہ پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کی تلاش شروع کی تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اچانک میں نے دیکھا کہ میری بکری میرے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾۔

''حضرت گھوٹویؒ کا تعویذ''

مولوی نبی بخش مرحوم ومغفور مدرس مدرسہ موہلاں سکنہ ترنڈہ مولویاں نے حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ واقعہ سنایا کہ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ریاست کے مدارس عربیہ کے معائنہ کیلئے خانپور (ضلع رحیم یار خاں) تشریف لایا کرتے تھے، میرا معمول تھا کہ جب حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لاتے تو آپ کی خدمت گذاری کیلئے میں آپ کے ہمرکاب ہو جاتا تھا لیکن ایک مرتبہ میں حاضر نہ ہو سکا، لوگوں نے آپ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ مولوی

نبی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی خاتون کی محبت میں گرفتار ہو گئے ہیں اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں مگر دوسرا فریق رشتہ دینے پر راضی نہیں ہو رہا، جس کی وجہ سے وہ شدید ذہنی خلجان کا شکار ہو گئے ہیں اور ان کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ افسردہ ہو گئے اور مجھ سے ملنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اہل علاقہ نے مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر کے میرے لئے کوئی تعویذ وغیرہ کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے از راہِ شفقت ایک تعویذ لکھ کر مجھے عطا فرمایا، سو بحمد اللہ تعالیٰ اس خاتون سے میری شادی ہوگئی۔

’’مولانا عبد اللہ کا خواب‘‘

مولانا مولوی محمد عبد اللہ صاحب مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے، آپ جامعہ بہاولپور کے علامہ تھے اور حضرت شیخ الجامعہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چار سال تک زیر تعلیم رہے تھے، وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام والمسلمین علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی قدس سرہٗ کو نماز ظہر کا وضو میں کرایا کرتا تھا، آپؒ تخت پوش پر بیٹھ کر وضو فرماتے تھے جب پاؤں مبارک دھونے کی باری آتی تو حضرت الاستاذؒ لوٹا خود پکڑ کر اپنے پاؤں پر پانی ڈالتے اور میں آپ کے پاؤں ملتا تھا۔

ے این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا علامہ محمد عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ میں استاد مقرر ہوا تو اس وقت اس مدرسہ کے پرنسپل مولانا واحد بخش صاحب تھے، جو قبل ازیں جامعہ عباسیہ میں پڑھاتے تھے، نیز مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے خلیفۂ مجاز تھے ان کے ادب کی خاطر فاضل کلاسوں کے بیشتر مشکل اسباق میں خود پڑھاتا تھا، لیکن اُن کے بعد میں نے اصرار کیا کہ ان اسباق کو مدرسہ کے دیگر اساتذہ کرام میں تقسیم کیا جائے یعنی کچھ اسباق وہ پڑھائیں اور کچھ اسباق میں پڑھاؤں گا۔ کافی دن گذر گئے لیکن میں اپنے اصرار پہ قائم رہا۔

پھر یوں ہوا کہ ایک سہانی رات میں نے عجب دلکش خواب دیکھا، حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کرانے کا منظر میرے سامنے تھا، جب پاؤں دھونے کی باری آئی تو

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھا اور شفقت بھرے لہجہ میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ’’مولوی عبداللہ! میں نے عرض کیا جی حضور! آپ نے فرمایا میں تم سے بہت راضی، بہت خوش ہوں، میں نے عرض کیا یہ تو حضور کی کرم نوازی ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے تم یہ پوچھو ناکہ خوش ہونے کی وجہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جناب والا ارشاد فرمائیں میں ہمہ تن گوش ہوں، آپ نے فرمایا اسکی وجہ یہ ہے کہ فاضل کلاسوں کے بیشتر مشکل اسباق تم نے اپنے ذمہ لئے ہوئے تھے!

میری آنکھ کھل گئی، میں بے قرار ہوگیا کہ کب صبح ہو اور میں سب کے سامنے جاکر اعلان کروں کہ سب اسباق میں پڑھاؤں گا۔

ے ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

ے بلھے شاہؒ اساں مرنا، ناہیں، گور پیا کوئی ہور

مولانا مولوی علامہ عبداللہ صاحب نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ دورانِ ملازمت انہیں کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، ملازمت کے معاملات میں کوئی ایسی الجھن پیدا ہوئی جو دور ہی نہ ہوتی تھی۔

ایک دن مجھے حضرت الاستاذ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ بہت یاد آئے، آپ کی شفقت اور غمگساری کے تصورات رہ رہ کر میرے دماغ میں گردش کرنے لگے، رات کو بعداز نمازِ عشاء میں نے کلام اللہ کی کچھ سورتیں، کچھ تسبیحات اور درود شریف پڑھ کر حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ایصال ثواب کیا اور سوگیا، چنانچہ بفضلِ ایزدی رات کو خواب میں حضرتؒ کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے درج ذیل وظیفہ ارشاد فرمایا:

۱۔ قصیدہ بردہ شریف کا یہ درود شریف

مولای صلّ وسلّم دائماً ابداً   علی حبیبک خیر الخلق کلّھم

۲۔ درج ذیل ورد:

فسھل یا الٰھی کل صعبٍ   بحرمة سید الابرار سھل

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تک تم باوضو رہو یہ وظیفہ پڑھتے رہو، اللہ تعالیٰ تمام مشکلیں آسان کر دیگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بہت جلد میرے معاملات سلجھ

گئے اور مشکلات حل ہوگئیں، حضرت الاستاذؒ نے اس وظیفہ کی ہر کسی کو عام اجازت عطا فرمائی تھی اسلئے ہر شخص اسے پڑھ سکتا ہے۔

''حضرت گھوٹوی کی برزخی حیات کی ایک جھلک''

حضرت کے بڑے صاحبزادے نائب الشیخ، مفتی اعظم، شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں اکثر اوقات اپنے والد گرامی حضور محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پُرانوار پر حاضری دیا کرتا ہوں، مزار پاک کی صفائی اور تزئین کرتا ہوں، قرآن مجید، تسبیحات اور صلوات وتسلیمات پڑھ کر ان کا ثواب آپ کی روح پُرفتوح کو پہونچاتا ہوں، آپ کے سالانہ عرس مبارک کا اہتمام کرتا ہوں، نیز عام طور پر صدقۂ وخیرات کے ذریعہ بھی آپ کی خدمتِ اقدس میں ایصال ثواب کرتا رہتا ہوں، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جانشین ہوکر ہمہ وقت تدریس وتعلیم میں مصروف رہتا ہوں اور آپ کی طرزِ زندگی کی ہو بہو پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اس دوران ایک مرتبہ میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آیا میری اس کارگذاری کی خبر حضرتِ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ بھی پاتی ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب مجھے جلد ہی مل گیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرتِ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ ایک خوش نما تخت پوش پر تشریف فرما ہیں، غالباً آپ ابھی ابھی نوافل ادا کر کے فارغ ہوئے ہیں، میں حاضر ہوکر سلام عرض کرتا ہوں، آپ نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیتے ہیں اور ساتھ ہی ارشاد فرماتے ہیں: ''عبو! میں تمہاری کارگذاری پہ بہت خوش ہوں، (عبو، حضرت نائب الشیخ کے نام عبدالحیؒ کا مخفف ہے) پھر میری آنکھ کھل گئی، میرے لبوں پر یہ قرآنی آیت جاری تھی، ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾.
ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

''کشف قلبی''

حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پُر ملال کے چند دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ راقم الحروف حضرت قبلہ بابوجیؒ کی مزار شریف پر کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھا کہ اپنے کندھے پہ کسی کا ہاتھ محسوس کیا، نگاہ اٹھا کر دیکھا تو علامہ رحمت اللہ ارشد

بہاولپوریؒ قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی کھڑے تھے، ان کے ساتھ صاحبزادہ محمد قاسم اویسی صاحب آف دربار حضرت سیرانی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، میں نے کلام اللہ کا ثواب حضرات کی ارواح کو ایصال کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

سلام ودعاء کے بعد علامہ ارشد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم لوگ یہاں حضرت بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے فاتحہ خوانی اور تعزیت کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں، اب میں چاہتا ہوں کہ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں اپنے ہم جماعت اور ہم سبق مولانا مولوی فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ جاکر فاتحہ خوانی اور دعاء مغفرت کروں، المختصر میں انہیں حضرت علامہ فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پہ لے گیا اور ہم تینوں نے فاتحہ خوانی اور دعاء کی، اس سے فارغ ہوکر جناب علامہ رحمت اللہ ارشد صاحب نے ہمیں اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے کشف قلبی کا ایک ذاتی پیش آمدہ واقعہ سنایا، کہنے لگے کہ گورنمنٹ نے جامعہ عباسیہ کو منسٹری آف ایجوکیشن سے نکال کر ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کے کنٹرول میں دینے کا فیصلہ کیا، میں چونکہ ان دنوں ڈائریکٹر آف ایجوکیشن تھا اسلئے مجھے اس تبدیلی پر تشویش ہوئی، میں نے وزیر تعلیم سے استدعاء کی کہ جامعہ کے علماء کرام میرے اساتذہ کرام میں شامل ہیں اور میں حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا پیشوا سمجھتا ہوں اسلئے میں اس فیصلہ پر بہت پریشان ہوں لیکن میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود ان عاقبت نااندیش اور بے نصیب لوگوں نے میری ایک نہ سنی بلکہ مجھے دفتر بلا کر آرڈرز تھما دیئے۔

میں وہ آرڈرز لے کر اپنے گھر جاتے ہوئے چوک بازار میں پہنچا تو حضرت الاستاذ المکرّم جناب شیخ الجامعہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ بھی جامعہ سے واپسی پر چوک بازار سے گذر رہے تھے، میں نے سلام پیش کیا، آپ نے مجھے فرمایا کہ سامنے پھلوں والی دوکان سے ایک میٹھا تربوز منتخب کرو، میں نے کہا کہ مجھے اس کا پتا نہیں چلتا، علامہ ارشد صاحب نے ہم لوگوں کو بتلایا کہ اس وقت میرے لہجے میں ایک ڈائریکٹر کا لہجہ بھی شامل ہوگیا، پس حضرت الشیخ رحمہٗ اللہ تعالیٰ تادیب شدید رسانید۔

اس منظر کو دیکھ کر دوکاندار فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے ایک بہت بڑا تربوز حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور! یہ تربوز میٹھا ہے، آپ نے اسکی قیمت ادا کی اور آگے چل پڑے۔

اتنا بڑا اور وزنی تربوز کندھے پہ اٹھائے مجھے چوک بازار سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش گاہ تک پیدل چلنا پڑا، دوسرے دن دفتر جاکر میں نے وہ آرڈرز واپس کر دیئے بعدازاں علامہ ارشد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملازمت سے بھی استعفاء دیدیا تھا۔

علامہ رحمت اللہ ارشد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی کہ اگرچہ ساری دفتری کارروائی خفیہ تھی مگر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قلبِ انور پر حالتِ کشفی وارد ہونے سے یہ راز آپ پر عیاں ہو گیا تھا اور آپکی نگاہِ معرفت نے میری جیب میں پڑے آرڈرز کو پڑھ لیا تھا، اسی وجہ سے آپ نے میری تأدیب فرمائی۔

اس تأدیب نے میرے دل میں آپکی محبت وعقیدت کو مزید بڑھا دیا اور آپکی قدرومنزلت کو دو چند کر دیا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر یہ شعر صادق آتا ہے:

ے عارف، فقیہہ، عالمِ بے مثل، نکتہ داں — کہنے کو ایک فرد، حقیقت میں انجمن

علامہ ارشد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں بڑی عزت، دولت اور شہرت عطا فرمائی، انہوں نے بڑے ٹھاٹھ سے بقیہ زندگی بسر کی، علامہ ارشد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعزازی شان کے ساتھ صوبائی اسمبلی کا الیکشن جیتا کرتے تھے اور بڑے وقار سے قائدِ حزبِ اختلاف (پنجاب اسمبلی) کا رول نبھایا کرتے تھے۔

"قبلۂ عالم مہارویؒ کی خواب میں زیارت"

گورنمنٹ آف بہاولپور اسٹیٹ کی طرف سے ایک چٹھی حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو موصول ہوئی کہ ریاست ہذا اس وقت مالی بحران کا شکار ہے، جنگِ عظیم کی وجہ سے جو نقصان ہوا، اسکی بناء پر افراطِ زر کو روکنے کے اقدامات ناگزیر ہو چکے ہیں اور سرکاری اخراجات میں کٹوتی کرنا ضروری ہو گیا ہے، اسلئے سرکاری ملازمین کی چھانٹی کا منصوبہ بنایا گیا ہے، لہٰذا آپ بھی اپنے ماتحت ملازمین یعنی مدارس عربیہ، مساجد اور خانقاہوں کے ملازمین کی تخفیف فرمائیں اور کمزور کارکردگی دکھانے والے لوگوں کی فہرست حکام کو ارسال فرمائیں۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس چٹھی کی رو سے ریاست کے ان ملازمین کی

ایک فہرست مرتب کرائی جو اس چٹھی کی زد میں آتے
نے اپنے آفس انچارج سید مبارک شاہ صاحب کو فرما
جائے بعدازاں آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

دورانِ قیلولہ آپ نے خواب میں دیکھ
مہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ آپ
رسول (رحمۃ اللہ علیہ) کو اس فہرست میں کیوں شامل
اس منظر کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے اور فوری طور پر جا
ہیڈ کلرک مبارک شاہ صاحب کو بلوا کر دفتر کھلوا
فہرست سے حذف کرا دیا۔

"قبولیتِ د…

چاہ بھٹہ والا نزد مراد آباد ضلع مظفر گڑھ
بخش بھٹہ رحمۃ اللہ علیہ میرے والد گرامی حضرت
چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے، ان کے برادر
کے بیٹے ملک عبدالرحیم بھٹہ صاحب سلمہٗ ربہٗ
ہیں، ان کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ ہماری برادری
میں قصبہ حماد پور نزد مراد آباد ضلع مظفر گڑھ گئے ہو
معززین جمع تھے، خشک سالی اور بارش نہ ہونے
نمبردار قوم رونگھہ سکنہ مراد آباد نے بیان کیا کہ "ا
کوئی ایسا بندۂ خدا موجود ہوتا تھا کہ اگر وہ اللہ
عطا فرمائے، مجھے اپنی نوعمری کے ایام کا ایک واقعہ
سوکھے کا دور دورہ تھا، لوگ پریشان تھے، مویشی
کہ بعض لوگوں کو خیال آیا کہ کیوں نہ کسی مردِ صا
التجاء کی جائے، کسی بانصیب نے مشورہ دیا کہ قصبہ
پاس فریاد لے کر جاؤ اور ان سے دعاء کراؤ، وہ
چنانچہ بہت سارے لوگ قصبہ گھوٹہ کی طرف بھاگ

، جب فہرست مکمل ہو گئی تو آپ
کہ کل یہ فہرست اوپر ارسال کر دی
کہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد
میری مسجد کے امام حافظ غلام
لیا ہے؟ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ
کی طرف واپس تشریف لے گئے،
اور حافظ صاحب مذکور کا نام اس
ء"
ے ایک نیک سیرت زمیندار ملک کریم
الحدیث مفتی علامہ حافظ محمد عبد الحیؒ
ورد ملک محمد عبداللہ بھٹہ رحمۃ اللہ علیہ
کہ نیشنل بنک ملتان میں آفیسر رہے
کے لوگ، کسی خانگی تقریب کے سلسلے
ئے تھے، جہاں علاقے کے بزرگ اور
کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ حاجی واحد بخش
یک زمانہ تھا جبکہ روئے زمین پر کوئی نہ
سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت اسے
یاد آرہا ہے کہ اسی طرح خشک سالی اور
نک تھے اور کھیت بے رونق ہو چکے تھے
لح کی خدمت میں حاضر ہو کر دعاء کیلئے
بہ گھوٹہ کے استاد مردِ کامل ہیں، ان کے
ستجاب الدعوات ہیں، اللہ ان کی سنے گا،
ے اور حضرت استاد صاحب کی خدمت میں

سارا ماجرا کہہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، فلاں دن نماز استسقاء ادا کریں گے، انشاء اللہ بارش ہو گی، حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اعلان عام کرایا گیا کہ فلاں دن دوپہر کے وقت، دھوپ میں، ننگے سر اور ننگے پاؤں نماز پڑھی جائیگی، جو شخص ہمت اور جرأت رکھتا ہو وہی نماز میں شرکت کرے، کوئی آدمی نماز چھوڑ کر بھاگنے کی غلطی نہ کرے اور تمام لوگ پورے خلوص کے ساتھ دعاء میں شریک ہوں۔

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی اور پھر گڑا گڑا کر لمبی دعاء مانگی، جب آپ نے دعاء کے بعد منہ مبارک پر ہاتھ پھیرا تو خدا کا کرنا یوں ہوا کہ ایسی موسلا دھار بارش شروع ہوئی کہ سب لوگ شرابور ہو گئے، تالاب بھر گئے، کھیت سیراب ہو گئے، انسان اور مویشی سب خوش ہو گئے۔

برادرم ملک عبدالرحیم بھٹہ صاحب نے بیان کیا کہ جب ہم نے حاجی صاحب سے ان استاد صاحب کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا شیخ الاسلام حضرت مولوی غلام محمد گھوٹوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

ارشاد قرآنی ہے: ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾۔

ترجمہ: میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں، جب وہ مجھے پکارے، پس چاہئے کہ وہ بھی میرے پیغام کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، تاکہ راہ راست پر قائم رہیں۔

سرور عالم نورمجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعاء مانگنے کی ترغیب دی ہے:

اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ.

ترجمہ: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مدد مانگو۔(مشکوۃ باب التوکل، مسند احمد، جامع ترمذی)

''توجہِ شیخ''

میرے نانا شیخ التفسیر جامع المعقول والمنقول مفتی حافظ محمد شفیع صاحب بانی مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی قدس سرہٗ کے

قدیمی تلامذہ میں سے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے گمان ہوتا تھا کہ جمیع علوم وفنون شرعیہ وعقلیہ، حضرت الاستاذ علامہ گھوٹویؒ کی خدمت اقدس میں ہر وقت دست بستہ حاضر رہتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید بیان کیا کہ میں جن دنوں حضرت الاستاذ علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گھوٹہ میں پڑھتا تھا، ان دنوں میرا معمول تھا کہ میں ہفتہ وار تعطیل منانے کیلئے جمعرات شام کو ملتان شہر میں واقع اپنے گھر آ جاتا تھا اور ہفتہ کی صبح کو واپس گھوٹہ شریف چلا جاتا تھا، مگر جن دنوں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو عرق النّسَاء کی تکلیف لاحق ہوئی تو میں نے ہفتہ وار چھٹی منسوخ کر دی اور شبانہ روز حضرت استاذ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت گذاری میں مصروف رہنے لگا۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرق النّسَاء کی تکلیف کا ذکر سوانح حیات حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف میں بھی ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''ایک دفعہ مجھے عرق النّسَاء کی تکلیف ہوئی یہاں تک کہ چارپائی سے اٹھنا دشوار ہو گیا، انہی دنوں حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کو پاک پتن تشریف لے جاتے ہوئے ٹھٹھہ محبوب میں قیام فرمانا تھا، جہاں پر حاضری میری عادت مستمرہ تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال ہو گئی، میرے تلامذہ کی ایک جماعت آپؒ کی خدمت میں وہاں (ٹھٹھہ محبوب میں) میں حاضر ہوئی، تو حضرت پیر صاحب نے استفسار فرمایا، تمہارے استاد صاحب کہاں ہیں؟ طلبہ نے میری حالت بیان کی، آپ نے اسی وقت ایسے سوت کی سات تاندین منگوائیں جن کے کاتنے والی عورت کا باپ اور خسر دونوں زندہ ہوں۔ ان پر دم کرکے اور گانٹھیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا کہ انہیں مولوی صاحب کے گلے میں پہنا دینا۔ اتفاقاً مجھے اس شام نیند آ گئی، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت پیر صاحب گلاس اور بوتل ہاتھ میں لئے مجھے دوا پلا رہے ہیں۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا، چند منٹ بعد پھر نیند آ گئی اور دوبارہ وہی حالت دیکھی، اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں یک گونہ طاقت بھی آ گئی ہے۔ فوراً حضرت پیر صاحب کی خدمت میں حاضری کیلئے روانہ ہو گیا۔ حضرت صاحب نے دور ہی سے فرمایا، ''سنا ہے آپ بیمار ہو گئے تھے''؟ میں نے عرض کیا ''آپ نے بے توجہی جو فرمائی تھی بیمار کیوں نہ ہوتا؟

فرمایا: ''کیا توجہ نہیں کی''؟ میں نے عرض کیا ''تو پھر کیا میں حاضر نہیں ہو گیا''؟

حضرت مولانا مولوی مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مزید بیان فرمایا کہ ''ایک مرتبہ حضرت الاستاذ علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کسی دینی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے دیکھ لیا، دوسرے دن مجھ سے فرمایا محمد شفیع! تم تو بڑے مقرر ہو گئے ہو!

اسی طرح حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ملتان سے گھوٹہ پہنچنے میں مجھے کچھ دیر ہوگئی تو حضرت الاستاذ علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے میرا انتظار فرمایا، جب میں پہونچا تو آپ نے سبق پڑھانا شروع کیا۔

''کرامتِ زود نویسی''

حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرامت مشہور ہے کہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں سے لکھتے تھے، اسی طرح حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات میں سے آپ کی زود نویسی بھی بڑی شہرت کی حامل ہے، اس زمانے میں چھاپے خانے عام نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے طلباء کرام، درسیات وغیرھا کی کتابت خود ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی تھی کہ آپ نہایت قلیل وقت میں ضخیم ضخیم کتابیں لکھ لیا کرتے تھے، آپ کے بارے میں مذکور ہے کہ مولانا حسین علی صاحب ساکن وال بھچراں کے ساتھ بعض مسائلِ اعتقادیہ میں آپ کا اختلاف چل رہا تھا کیونکہ مولانا حسین علی صاحب نے سلف صالحین سے الگ سوچ اپنا لی تھی، اس لئے ایک مرتبہ جبکہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن میانوالی کے ہاں مہمان تھے، تو مولانا حسین علی صاحب کے ایک شاگرد بھی اُدھر آنکلے۔ ان کے پاس ان کے استاد کی ایک قلمی کتاب تھی جس میں انہوں نے اختلافی عقائد پر اظہار خیال کیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے ان سے وہ کتاب لے کر تھوڑے وقت میں ساری کی ساری نقل کر لی۔ اسی طرح زمانۂ طالب العلمی میں گھوٹہ میں، کانپور میں اور رامپور میں قیام کے دوران آپ نے اپنی زیرِ درس کتابیں خود ہی قلمبند کرکے اپنی تعلیم جاری رکھنے کا بندوبست کیا تھا، آپ کا رسم الخط نہایت پختہ اور خوب ترین تھا۔

ہو سکتا ہے کہ مبدأ فیاض نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو بھی باری، باری دونوں ہاتھوں سے کتابت کرنے کی صلاحیت سے فیض یاب فرما دیا ہو، کیونکہ کرامت در حقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نہ کہ بندے کا، بندہ تو 'معمولِ محض' ہوتا ہے۔ عامل تو وہ ذاتِ قدیر ہوتی ہے جس کی قدرت محیط علیٰ کل شئ ہے۔

''اگر چکی نہیں چلے گی تو پھر آٹا بھی نہیں ملے گا''

برادرم علامہ عبد الغفور منصور صاحب نے بتایا کہ مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ آف ظاہر پیر ریاستِ بہاولپور کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور حلِ مشکلات کیلئے وظیفہ کا خواستگار ہوا، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وظیفہ بتلا کر ارشاد فرمایا کہ یہ وظیفہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ میں سے کسی ایک بزرگ کی خانقاہ میں بیٹھ کر پڑھنا ہوگا، اس شخص نے کہا کہ یہ چکی مجھ سے نہیں چلائی جائے گی، یہ سن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر چکی نہیں چلے گی تو پھر آٹا بھی نہیں ملے گا''۔

☆☆☆☆

باب ششم

مقدمہ مرزائیہ بہاول پور
پہلا عدالتی فیصلہ

(عدالت نے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو فاتح قرار دیا)

''مقدمہ مرزائیہ بہاولپور''

مقدمہ مرزائیہ بہاولپور میں اجراء نبوت کے خلاف پہلا عدالتی فیصلہ صادر کرانا حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی قدس سرہٗ کا عظیم ترین علمی و دینی کارنامہ ہے۔

نو سال کی شبانہ روز کاوشوں اور انتھک جدوجہد سے حضرت الشیخ محدث گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ نے یہ مقدمہ جیتا، آپ کی بے مثال مساعیٔ جمیلہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو فتحیاب کرکے سرخرو فرمایا۔ عدالت سے تحفظِ ختم نبوت کا قانون پاس کراکے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے غلامیٔ محمد کا پروانہ حاصل کر لیا، اور خلق خدا سے فاتحِ مرزائیت کا لقب پایا۔

مقدمہ کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ عقیدۂ ختم نبوت ضروریاتِ دین میں سے ہے، اس کا ثبوت قرآن مجید، احادیثِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، اجماعِ امت اور عقلِ سلیم کی روشنی میں تسلیم شدہ ہے، اس کا انکار باعثِ انتشار فی الدین، موجبِ تفرقہ بین المسلمین اور سببِ زوالِ مؤمنین ہے کیونکہ اجراءِ نبوت کا عقیدہ، قرآن میں ترمیم کا دروازہ کھولتا ہے۔ نیز فرمانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حرفِ آخر تسلیم نہ کرنے کا پیش خیمہ بنتا ہے کیونکہ درحقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے والا شخص، دینِ محمدی کو منسوخ ٹھہرانے اور اس طرح اسے منہدم کرنے کا مجرم ہے، لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کا سپاہی بن کر تحفظِ دین، صیانتِ قرآن اور پاسداریٔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا کردار ادا کرے، یہی وہ بنیادی نکتہ تھا جس کی بناء پر حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اور اپنا تَن، مَن، دَھن لٹا کر، شریعتِ محمدیہ میں مَن مانی ترامیم کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا اور امتِ محمدیہ کو دشمنانِ اسلام کی نقب زنی سے بچا لیا۔

اس مقدمہ کا آغاز اس سوال سے ہوا کہ آیا کوئی مرد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی نہیں مانتا بلکہ کہتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی آ سکتا ہے، کیا ایسے مرد کا نکاح کسی ایسی عورت سے ہو سکتا ہے جو ختمِ نبوت پر یقین رکھتی ہے اور کہتی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کی کوئی گنجائش دینِ اسلام میں نہیں ہے؟

دلائل شرعیہ کے رو سے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے عدالتِ بہاولپور سے یہ فیصلہ صادر کروایا کہ مذکورہ بالا مرد اور عورت کا باہمی نکاح جائز نہیں اور اس صورت میں کہ بعد از نکاح وہ مرد، مرزائی ہو گیا ہے، اس کا نکاح مسلمان عورت کے ساتھ فسخ ہے اور عدالت اس فسخ کا اعلان کرتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا حاصل کردہ یہ فیصلہ، اہلِ اسلام کیلئے ایک مینارۂ نور ہے جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہنمائی اور روشنی حاصل کرتے رہیں گے، چنانچہ جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں ختم نبوت کا قانون پاس کرنے کا فیصلہ کیا تو بہاولپور سے اس مقدمہ مرزائیہ کی فائلیں منگوائی گئیں اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے ختمِ نبوت کا قانون منظور کیا گیا۔

مقدمہ بہاولپور کا عدالتی فیصلہ، نہایت اہم تاریخی حیثیت کا حامل ہے، تاریخ عدل وانصاف میں، اس کا بہت بلند مقام ہے، اس لئے جب بھی ختم نبوت کے قائلین اور منکرین کے مابین کسی متنازع امر دینی کو کسی عدالت میں چیلنج کیا جائے گا، تو عدالتِ متعلقہ میں مقدمہ بہاولپور کا حوالہ قائلینِ ختمِ نبوت کیلئے نہایت مضبوط اور مؤثر سند کے طور پر مددگار ثابت ہوگا اور تاقیامِ قیامت اس کا اجر حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے اور ان کے معاونینِ کرام کے لئے جمع ہوتا رہے گا۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس مقدمہ کی نو سالہ پیروی کے دوران، فریقِ مخالف کی طرف سے بیسیوں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور درجنوں مشکلات پیدا کی گئیں تاکہ عدالت فیصلہ تک نہ پہنچ پائے لیکن آفرین ہے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمت کو اور سلام ہے حضرت کے عزم بالجزم کو کہ کسی مشکل کو خاطر میں نہ لائے اور نہ کسی رکاوٹ کو راہ میں حائل ہونے دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین)۔

یہ مقدمہ کس طرح دائر ہوا؟ اس کی روئیداد کچھ یوں ہے:۔ قصبہ مہند تحصیل احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور کے ایک رہائشی مسمی مولوی الٰہی بخش نے اپنی بیٹی غلام عائشہ کا نکاح اپنے ایک رشتہ دار عبد الرزاق سے کر دیا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ عبدالرزاق

مرزائی ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد جب عبد الرزاق کی طرف سے رخصتی کا مطالبہ ہوا تو الٰہی بخش نے رخصتی سے انکار کر دیا۔

”تحصیل و ضلع کورٹس“

پہلے پہل یہ مقدمہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو احمد پور شرقیہ کی عدالت میں دائر ہوا کیونکہ تکفیر شخصی کیلئے عدالت سے فیصلہ لینا از روئے شرع ناگزیر ہے۔ غلام عائشہ کی طرف سے یہ موقف پیش کیا گیا کہ مرزائی چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے قائل نہیں ہیں اس لئے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، لہٰذا عبد الرزاق کے ساتھ مسماۃ غلام عائشہ کا نکاح فسخ کیا جائے۔

ایک سال تک یہ مقدمہ احمد پور شرقیہ کی عدالت میں زیر سماعت رہا۔ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی حمایت اور نگرانی کے جذبہ کے تحت وہاں بھی تشریف لے گئے تھے۔ اس کے بعد چیف کورٹ بہاولپور کے حکم مجریہ ۷ مئی ۱۹۲۷ء کی رو سے یہ مقدمہ ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور میں منتقل ہوا۔

جب یہ مقدمہ بہاولپور کی عدالت میں پہنچا تو حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی شیخ الجامعۃ العباسیۃ بہاولپور نور اللہ مرقدہٗ نے اس کی پیروی کے لئے انجمن مؤید الاسلام بہاولپور قائم کی، انجمن کے اراکین نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا سربراہ بنایا۔

ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ بہاولپور کے جج، جناب منشی محمد اکبر خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، کورٹ کے سامنے جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو کورٹ نے اس پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا کیونکہ چیف کورٹ بہاولپور (بعنوان جند وڈی بنام کریم بخش) نیز لاہور، پٹنہ اور مدراس کے ہائی کورٹس نے اپنے بعض فیصلوں میں بلاتحقیق وتدقیق، مرزائیوں کو مسلمان تصور کر لیا تھا، چنانچہ ایک سال چھ ماہ کے بعد یعنی ۲۱ نومبر ۱۹۲۸ء کو ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور نے اس مقدمہ کو خارج کر دیا، اس فیصلہ سے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو، دیگر علماء کرام کو اور مسلمان عوام کو بہت دکھ ہوا۔

”چیف کورٹ میں اپیل“

۱۹۲۸ء میں حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے تائید ایزدی اور اشارۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر ایک نئے انداز اور نرالے استدلال سے یہ مقدمہ لڑنے کا فیصلہ فرمایا، علامہ حافظ عبد الرحمٰن جامعیؒ احمد پوری کا بیان ہے کہ حضرتؒ فرماتے تھے، مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم ملا ہے کہ تم علم کتاب اللہ اور علم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کرو اور ایمان کی طاقت سے مخالفین ختم نبوت کو پس پا کر دو۔

چنانچہ چیف کورٹ بہاولپور میں اپیل دائر کی گئی، جس میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ ختم نبوت کی نزاکت، اہمیت اور اس کے دور رس دینی، ملی اور بین الاقوامی اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کا اولین منصب کلمہ گو اور صاحب ایمان کا ہے، سرکاری منصب کا درجہ اس کے بعد ہے، اس لئے آپ حضرات اپنے اولین منصب کا بھی لحاظ کریں جس کا تقاضا یہ ہے کہ قانونِ خدا جل جلالہ اور قانون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برتر سمجھیں اور کسی صورت میں اس کو پامال نہ ہونے دیں، مسئلہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے، یہ اصول اسلام میں سے ایک اصل ہے، اساسی عقائد میں سے ایک اساس ہے۔ یہ مسئلہ دین کی بقاء کا ضامن ہے، اگر حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آئے گا تو وہ قرآن میں ترمیم کر سکے گا، احادیث نبویہ پر قینچی چلا سکے گا۔ دین کی شکل تبدیل کر سکے گا، اس لئے حقیقت یہی ہے کہ ختم نبوت کے انکار میں دین کی تباہی مضمر ہے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ ”قرآن وحدیث اس قسم کے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں جن سے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختمی مرتبت ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس لئے علماء دین کے دلائل سماعت کرنے کے بعد ہی اس مسئلہ کے بارے میں حتمی فیصلہ صادر کیا جائے، قرآن وحدیث کی روشنی میں از سرنو اس مسئلہ کا جائزہ لینا ضروری ہے، اس کیس کو اس کی خصوصی حیثیت کی وجہ سے ہائی کورٹس کے نظائر سے مستثنیٰ قرار دلوانے کے لئے اسے دربارِ بہاولپور یعنی ریاست بہاولپور کی وزارتی کابینہ کے ”اجلاسِ خاص“

بحیثیت عدالت معلّٰی کی طرف منتقل کیا جائے، جسے ریاست بہاولپور میں سپریم کورٹ کی حیثیت حاصل ہے''۔

چنانچہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے قوی دلائل سے متاثر اور قائل ہو کر چیف کورٹ بہاول پور، بحمد اللہ تعالیٰ، اس مقدمہ کو دربار بہاولپور (کورٹ آف منسٹرز) کی طرف بھجوائے جانیکی تجویز، شاملِ فیصلہ کرنے پر رضامند ہو گئی، چیف کورٹ مندرجہ ذیل اراکین پر مشتمل تھی۔ (۱) چیف جسٹس جناب عبد القادر صاحب (۲) دیوان مہتہ اودھو داس صاحب ممبر چیف کورٹ (۳) مولوی فضل حسین صاحب ممبر چیف کورٹ (آخر الذکر کا سلسلۂ تلمذ بیک واسطہ، حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹویؒ تک جا پہونچتا ہے)۔

مئی ۱۹۳۲ء میں جس وقت اس کیس کی دربار بہاول پور میں منتقلی کی تجویز شاملِ فیصلہ کر کے اس کیس کو خارج کیا گیا، اس وقت دوپہر ہو چکی تھی، سخت گرمی کا موسم تھا، گرمی اور تھکن کی وجہ سے کچھ رفقاء چاہتے تھے کہ آج نہیں بلکہ کل صبح ریاست کے وزیر اعلیٰ جناب سردار نبی بخش صاحب ولد محمد حسین سندھی مرحوم ومغفور سے ملاقات کی جائے اور ان سے دربارِ بہاولپور کا اجلاسِ خاص بطورِ عدالتِ معلّٰی طلب کرنے کی استدعاء کی جائے مگر حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ابھی اور اسی وقت ہی وزیر اعلیٰ سے ملاقات کروں گا اور جب تک انہیں قائل نہ کر لوں، گھر کا رخ نہیں کروں گا، حضرت نے تانگہ منگوانے کا حکم فرمایا اور اپنے چند شاگرد علماء اور رفقاء کے ساتھ وزیر اعلیٰ کی قیام گاہ کی طرف تشریف لے گئے، اگرچہ یہ چیز آپ کی طبع مبارک کے خلاف تھی، امراء کے دروازوں پر جانا آپ کو کبھی پسند نہ رہا لیکن یہ تو ناموسِ رسالت کا معاملہ تھا اس لئے آپ والہانہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وزیر اعلیٰ صاحب آرام کر رہے ہیں۔ آپ نے ملاقات پر اصرار فرمایا اور وزیر اعلیٰ صاحب کے ملازمین سے ارشاد فرمایا کہ ان تک میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ مولوی غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعۃ العباسیہ آپ کو بہشت بریں کا سرٹیفکیٹ دینے آئے ہیں، چار وناچار وزیر اعلیٰ تک یہ پیغام پہنچا دیا گیا کہ حضرت الشیخ بغیر ملاقات واپس جانے پر آمادہ نہیں ہو رہے بلکہ فرماتے ہیں کہ وہ آپ کو بہشت بریں کا سرٹیفکیٹ دینے آئے ہیں۔ الغرض وزیر اعلیٰ صاحب مہمان خانہ میں تشریف لائے اور آتے ہی کہا کہ حضور! کیا آپ نے یوں فرمایا ہے کہ آپ مجھے بہشت کا سرٹیفکیٹ دینے کیلئے آئے

ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک میں نے یہ کہا ہے کیونکہ اگر آپ ناموسِ رسالت کا تحفظ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بفضلِ خدا ضرور بہشت کے حقدار ہوں گے۔

وزیر اعلیٰ، حضرت الشیخ قدس سرہٗ العزیز کی گفتگو سن کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا کہ حضرت! یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے تحفظ ناموس رسالت کی خدمت کیلئے منتخب فرما لیا ہے، اس کرم پر میں اس ذات کریم کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے، وزیر اعلیٰ کی اس ایمان افروز بات پہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی مسرور ہوئے اور انہیں دعاء سے نوازا، خلاصۃ المرام اینکہ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ نے دربارِ بہاول پور (کورٹ آف منسٹرز) میں اپیل ثانی برائے اجلاس خاص دائر کر دی۔

''دربارِ بہاولپور کا اجلاسِ خاص''

عالیجناب وزیر اعلیٰ صاحب (اللہ کی ان پر رحمت ہو) کی جانب سے دربار بہاولپور کا اجلاسِ خاص بطور عدالت معلّٰی فوری طور پر طلب کر لیا گیا، تمام وزراء کو پابند کیا گیا کہ اس ''اجلاسِ خاص'' میں حاضر ہوں، کسی بھی وزیر کو کسی بھی عذر پر اجلاس ہذا میں شرکت سے مستثنٰی نہ کیا جائے گا، تاکہ اس کی حیثیت بطور ''سپریم کورٹ'' متاثر اور مجروح نہ ہو۔

اب فریقِ مخالف کی جماعت نے سر توڑ کوششیں شروع کر دیں کہ کسی طرح یہ ''اجلاسِ خاص'' منسوخ یا کم از کم فی الحال ملتوی ہو جائے تاکہ وہ لوگ اپنی بااثر احمدی شخصیات اور اپنی انگیریز دوستی کے ذریعہ نواب آف بہاولپور تک رسائی حاصل کر سکیں جو ان دنوں تعطیلات گرما گذارنے کیلئے برطانیہ گئے ہوئے تھے۔ ان دنوں نواب عمر حیات ٹوانہ (والد خضر حیات ٹوانہ) بھی برطانیہ گئے ہوئے تھے۔ دونوں کی باہم ملاقات میں نواب آف بہاولپور نے ان سے تذکرہ کیا کہ انگریز گورنمنٹ کا مجھ پر دباؤ ہے کہ آپ ریاست بہاولپور میں دائر مقدمہ مرزائیہ کو ختم کرا دیں اور حضرت شیخ الجامعۃ العباسیہ کو اس مقدمہ کی پیروی سے منع کر دیں۔ اس پر ٹوانہ صاحب نے کہا کہ ہم انگریز کے وفادار ضرور ہیں مگر اپنا دین، ایمان اور عشق ومحبت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ان سے سودا نہیں کر سکتے، اس لئے آپ ڈٹ جائیں اور ان سے کہیں کہ عدالت جو چاہے فیصلہ کرے میں حق وانصاف کے سلسلہ میں اس پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا، المختصر نواب آف بہاولپور نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دینی اور عدالتی امور میں مداخلت سے صاف انکار کر

دیا۔ یہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عیاں کرامت تھی۔

علامہ حافظ عبد الرحمٰن جامعی احمد پوری کا بیان ہے کہ ایک وزیر بے تدبیر نے بعض خفیہ وجوہ کی بناء پر ''اجلاسِ خاص'' کے دن کیلئے رخصت اتفاقیہ مانگ لی، لیکن صد آفرین ہے وزیر اعلیٰ سردار نبی بخش محمد حسین مرحوم ومغفور کیلئے کہ انہوں نے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان افروز اور روح پرور گفتگو کو اپنے دل ودماغ کی گہرائیوں میں محفوظ کر لیا تھا اور خلوص نیت اور صداقت باطنی سے حفاظتِ دین اور دفاعِ ناموسِ رسالت پر کمر بستہ ہو گئے تھے، چنانچہ انہوں نے اس وزیر کی درخواست برائے رخصت نامنظور کر دی اور حکم صادر کیا کہ ''اجلاسِ خاص'' سے غیر حاضری کی صورت میں اسے وزارت سے سبکدوش ہونا پڑے گا۔

اسی طرح کابینہ کے ایک انگریز وزیر کی درخواست وزیر اعلیٰ کے سیکریٹریٹ میں موصول ہوئی جس میں اس نے استدعا کی تھی کہ برطانیہ سے میرے مہمان آئے ہوئے ہیں اور میں نے اس دن ان کے ساتھ ڈیرہ بکھا کی جھیل اور ملحقہ جنگل میں شکار کھیلنے اور سیر وتفریح منانے کا پروگرام بنا رکھا ہے، اس لئے مہربانی کر کے مجھے ''اجلاسِ خاص'' میں حاضر ہونے سے معذور تصور کیا جائے، مگر جناب وزیر اعلیٰ نے فوری طور پر ایک سرکاری حکمنامہ جاری کیا کہ فلاں فلاں دو تواریخ کو مذکورہ جھیل اور ملحقہ جنگل میں داخلہ ممنوع قرار دیا جاتا ہے، اسلئے کوئی شخص اُدھر جانے کی کوشش نہ کرے۔ سردار محمد امیر خاں جلوانہ ہوم منسٹر ریاست بہاولپور آپ کے ارادت مند تھے اور مقدمہ مرزائیہ کے سلسلہ میں در پردہ خوب کام کیا۔

الغرض یہ مقدمہ لڑنا جان جوکھم میں ڈالنے کے مترادف تھا، وہ شخصیت صرف حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جو بڑے سے بڑے خطرے کو خاطر میں نہ لائے اور بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکراتے ہوئے مسلسل آگے ہی آگے بڑھتے رہے، وہ صرف اللہ کی رضا کے طلبگار تھے، اخلاص کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، سرور عالم، حضور پُرنور، نبی آخر الزمان، امام الأنبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی حفاظت ان کی منزل مقصود تھی، چنانچہ دنیاوی وجاہتوں اور سرکاری تمغوں کو ٹھوکر مار کر اخروی فلاح کیلئے سرگرم عمل رہے اور بالآخر سعادت اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔

جس کو راکھے سائیاں، مار سکے نہ کوئی

بال نہ بیکا کر سکے، جو دو جگ بیری ہوئے

پروفیسر اللہ بخش قادری ازہری نے اپنی کتاب ''حیات ازہری'' میں لکھا ہے:۔

''سب سے پہلے نام نامی اسم گرامی لیتا ہوں استاذ الاساتذہ، فخر العلماء، قدوۃ الصلحاء، فیضِ مجسم، حضور علامہ مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی طاب ثراہ وجعل اللہ الجنۃ مثواہ کا جو شیخ الاسلام، شیخ الجامعہ، شیخ الشیوخ اور شیخ المشائخ تھے، حضور کے علم کا لوہا پورے عالم اسلام میں مانا جاتا تھا، کوئی آپ کو بحر العلوم کہتا، کوئی امام المعقولات والمنقولات اور کوئی امام الہند، کوئی آپ کی شان بسطۃً فی العلم والجسم کے الفاظ سے بیان کرتا، کوئی آپ کو فاتح قادیانیت کہتا تو کوئی آپ کو ضیغمِ اسلام کے لقب سے یاد کرتا، آپ کی اور آپ کے عزیز شاگرد حضرت مولانا مولوی محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ معلم جامعہ عباسیہ بہاولپور کی کاوشوں سے ''مقدمہ مرزائیہ بہاولپور'' میں اہلِ اسلام کو فتح نصیب ہوئی''۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دربارِ بہاولپور'' (عدالت معلّٰی) کے مذکورہ ''اجلاسِ خاص'' کیلئے قرآن، احادیث، تفاسیر، شروحِ حدیث، کتب فقہ، علم الکلام، اقوال آئمہ، کتبِ لغتِ عربیہ اور کتب مرزا قادیانی کے حوالہ جات پر مشتمل ایک مفصل، مدلل، اور پرمغز مضمون تیار کیا جو تقریباً ایک سو صفحات پر پھیلا ہوا تھا، اس میں عقیدۂ ختم نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر مکمل اور سیر حاصل بحث کی گئی اور سید الأنبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے یعنی اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہونے پر جامع تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوتِ اصلی، ظلی، بروزی، تشریعی وغیر تشریعی، طفیلی وغیر طفیلی وغیرہ سب کا ممتنع شرعی ہونا ثابت کیا۔

ریاست ہذا کے وزراء کی تعداد آٹھ تھی، اس لئے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے اس مضمون کی آٹھ کاپیاں تیار کرائیں تاکہ ہر وزیر کے سامنے ایک کاپی برائے ملاحظہ موجود رہے، علامہ مولانا محمد صادق صاحب (بہاولپور) علامہ حافظ صاحبزادہ نصیر الدین صاحب چیلاوہنی (خیر پور ٹامیوالی) علامہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب جامعی (احمد پور شرقیہ) علامہ حافظ صاحبزادہ محمد امیر صاحب چیلاوہنی، علامہ مولانا ملک عبد اللہ

مسن صاحب (ضلع رحیمیار خان) علامہ رحمت اللہ ارشد صاحب، مولانا برکت علی صاحب، علامہ حافظ صاحبزادہ محمد امین چیلاوہنی اور آپ کے دیگر شاگرد علماء اس مضمون کی کاپیاں تیار کرنے والوں میں شامل تھے۔ علامہ عبدالرحمٰن مرحوم کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ دن رات بیٹھ کر اس مضمون کی کاپیاں تیار کرتے تھے۔ مولانا محمد صادق صاحب اس سارے کام کے نگران تھے، علامہ ارشد مرحوم جو کہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، ان دنوں بڑے متحرک تھے اور اپنے اساتذۂ کرام کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

فریق مخالف کی ریشہ دوانیوں کے علی الرغم، ''دربار بہاولپور'' (عدالت معلّٰی) کا اجلاس خاص شروع ہوا، وزیر اعلیٰ سردار نبی بخش ولد محمد حسین مرحوم ومغفور صدارت کر رہے تھے، (جبکہ نواب آف بہاولپور ان دنوں موسم گرما کی وجہ سے برطانیہ میں مقیم تھے)۔ باقی تمام وزراء بھی حاضر تھے، احمدیوں کی طرف سے بھی نمائندگی کرنے کیلئے دو آدمی موجود تھے، ایک جلال الدین شمس اور دوسرا بیرسٹر اسد اللہ خان (برادر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان) جبکہ اہلِ اسلام کی نمائندگی حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے، آپ کے پیچھے حضرت مولانا علامہ محمد حسین کولو تارڑویؒ (گوجرانوالہ) مولانا فاروق احمد انصاریؒ (شیخ الحدیث، جامعہ عباسیہ بہاولپور) مولانا محمد صادقؒ (شیخ الفقہ جامعہ عباسیہ بہاولپور) اور مولانا عبیداللہؒ (معلم اعلیٰ جامعہ عباسیہ بہاولپور) موجود تھے۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان کے بیان کی کاپیاں تمام وزراء میں تقسیم کر دی گئیں۔ یہ بیان چونکہ بہت زیادہ تفصیلی اور ضخیم تھا اور اس کے مکمل مطالعہ کیلئے کافی وقت درکار تھا، جبکہ اجلاس کا دورانیہ اتنے وقت کا متحمل نہ ہو سکتا تھا، مزید برآں، وزیر اعلیٰ کی خواہش تھی کہ اسی اجلاس میں فیصلہ سنا دیا جائے تاکہ فریق مخالف مزید پیچیدگیاں پیدا نہ کر سکے، اس لئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ حضرت! یہ سارا مضمون تو اس مختصر وقت میں ہم نہیں پڑھ سکتے، البتہ ہم نے جستہ جستہ اس کا مطالعہ کر لیا ہے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ زبانی بیان بھی پیش کریں، کیا آپ قرآن مجید سے کوئی ایسی دوٹوک دلیل پیش کر سکتے ہیں جو ختم نبوت بر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کر دے؟ اس پر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قرآن پاک کا ہر ہر ورق ناطق ہے کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سلسلۂ نبوت اور سلسلۂ وحی ختم ہو چکا ہے، یہ سن کر وزیر اعلیٰ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ حضرت! اگر ایسا ہے تو آپ

براہ کرم، قرآن کے ''ورق اول'' سے ختم نبوت کا مسئلہ ثابت کر دیں، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جیب خاص سے حمائل شریف یعنی قرآن پاک کا چھوٹی تقطیع والا نسخہ نکالا، تمام شرکاء اجلاس بپاسِ ادب، ایستادہ ہوگئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کے ورق اول کی تلاوت شروع فرمائی: ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. الٓمّٓ. ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾۔ ترجمہ: الف، لام، میم، یہ کتاب، اس میں کوئی کھٹکا نہیں، یہ اصحاب تقویٰ کیلئے راہ نمائی ہے، جو کہ ایمان بالغیب رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور ہماری عطا میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جو کہ اس وحی پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی، اور اس وحی پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہوئی، نیز دارِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی دو قسموں پر ایمان لانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (۱) ایک وہ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ (۲) دوسری وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہوئی، اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بیان فرماتا اور اس پر ایمان لانے کا ذکر ضرور کرتا، لہٰذا اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ بعثتِ محمدی کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم اور نزول وحی کا باب بند ہو چکا ہے، اب کسی کو نبوت عطا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تمام شرکاء اجلاس اس پر عش عش کر اٹھے، وزیر اعلیٰ اتنے متاثر ہوئے کہ کہنے لگے یہ زبردست استدلال ہے، یہ نہایت معقول اور راست طرز اثبات ہے، انگریز وزیر کہنے لگا، It is logic یہ ہے حکیمانہ استدلال!

مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس موقعہ پر میں بھی حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اجلاس خاص میں حاضر تھا، حضرت کے ایمان افروز اور پر اثر طرز تفہیم پر میرا سر فخر سے بلند ہو گیا اور مجھے ایسی مسرت اور شادمانی حاصل ہوئی جسے بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔

فریق مخالف کی طرف سے اس اجلاس میں دو آدمی حاضر ہوئے ایک جلال الدین شمس اور دوسرا بیرسٹر اسد اللہ خان (برادر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان)۔

یہ دونوں اشخاص حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسکت بیان سے ایسے سرگرداں ہوئے کہ جب وزیر اعلیٰ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟ تو ان میں سے وہ نوجوان جو بیرسٹر تھا کہنے لگا کہ، ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾. (ترجمہ: اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں) میں جو آخرت کا لفظ ہے اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب ہیں، اجلاس خاص کے تمام تعلیم یافتہ اور جہاں دیدہ وزراء اس بچگانہ اور مضحکہ خیز دلیل پر حیرت زدہ اور انگشت بدنداں رہ گئے، وزیر اعلیٰ نے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ انداز استدلال، تحریف معنوی کا عجیب وغریب شاہکار ہے، کیونکہ قانون، اِنَّ الْقُرآنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضاً یعنی قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے، کی رو سے آخرت سے مراد، دارِ آخرت یعنی اخروی جہاں ہے، نہ کہ مرزائی نبوت، چنانچہ آیت قرآنیہ: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾. ترجمہ: یہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) ہم ان لوگوں کے نام کرتے ہیں جو زمین میں گھمنڈ نہیں چاہتے اور نہ ہی فساد، اور عاقبت تو ہے ہی اہل تقویٰ کیلئے، اور آیت قرآنیہ: ﴿اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾. ترجمہ: بے شک آخرت کا گھر ہی سچی زندگی ہے، نیز آیۃ: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾. ترجمہ: اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کر، الختصر اینکہ قرآن نے الآخرۃ کا موصوف یعنی الدار خود ہی بیان کر دیا ہے، اس لئے وہ از روئے قرآن تعین شدہ ہے، کوئی شخص اسمیں تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح مفسرین نے بھی الآخرۃ سے الدار الآخرۃ مراد لیا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے والآخرۃ تانیث الآخر صفۃ الدار، ترجمہ: آخرۃ تانیث ہے آخر کی اور صفت ہے دار کی، جس طرح کہ الدنیا سے الدار الدنیا مراد ہوتا ہے جس کا مطلب ہے قریب کا جہان، موجودہ جہان۔ تفسیر الخازن میں ہے "وبالآخرۃ یعنی بالدار الآخرۃ". تفسیر روح المعانی میں ہے، "المعنی هنا الدار الآخرۃ". ابن کثیر نے اس آیت کے ضمن میں "والایقان بالدار الآخرۃ" فرمایا ہے، نیز قرآن پاک کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے والے علماء کرام نے آخرت کے مفہوم کو "یعنی دار آخرت" کے الفاظ سے واضح کیا ہے، ان تمام حوالہ جات سے ہمارا موقف بالکل واضح ہو گیا ہے کہ آخرت سے مراد اخروی جہان ہے نہ کہ مرزائی نبوت۔

حضرت الشیخ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیان میں مزید فرمایا کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی آمد سے یہ نتیجہ برآمد ہو گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی، ثانوی درجہ پر آ جائے گی اور نئے نبی کی وحی اب اولین درجہ پر براجمان ہو جائے گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی پر عملدرآمد مرزا صاحب کی صوابدید پر موقوف قرار پائے گا۔ اب نئے نبی کی وحی کو حرفِ آخر کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب کی وحی، حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں ترمیم بھی کر سکے گی، اس طرح قرآن مجید اب جدید نبی کے رحم وکرم پر ہوگا۔ نیز دین محمدی، مقام کمال سے محروم ہو جائے گا۔ بلکہ اب اسمیں حذف واضافے کی مشق شروع ہو جائے گی۔ چنانچہ حضور پرنور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں رہیں گے بلکہ مرزا صاحب خاتم النبیین تصور کئے جائیں گے، حلال وحرام اور جائز وناجائز امور کی اب نئی فہرست مرتب ہوگی اور اس طرح دین کا سارا حلیہ بگڑ کر رہ جائے گا۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی اور مدلل بیان سن کر تمام وزراء کرام نہایت مطمئن ہوئے، وزیر اعلیٰ نے فریق مخالف کے وکیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے آخرت سے مرزائی نبوت مراد لے کر نہ صرف قرآن پاک کی بے حرمتی کی ہے بلکہ توہین عدالت کے مرتکب بھی ہوئے ہو، تمہاری سزا تو بہت سخت ہے، مگر سرِ دست تمہیں باہر پلاٹ میں، تادمِ تحریرِ فیصلہ بٹھانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ازاں بعد اجلاسِ خاص، عدالتِ معلّٰے ریاست بہاولپور کے مؤقر اراکین نے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریری بیان کے ضروری اور خاص خاص مقامات کا بارے دیگر معائنہ اور مطالعہ کیا پھر باہم تبادلۂ خیالات کے بعد متفقہ فیصلہ صادر کیا کہ ان ہائی کورٹس کے سابقہ فیصلوں میں کماحقہ تنقیحات اور تحقیقات سے کام نہیں لیا گیا۔ فریقین کے پیش کردہ شواہد، اسناد اور دلائل پر سیر حاصل بحث نہیں کی گئی، بلکہ غیر متعلقہ سوالات زیر بحث رہے، اسلام کے بنیادی اصولوں اور ضروریات دین کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا اور نہ ہی اس امر میں غور وفکر کیا گیا کہ کیا اصولِ دین سے انحراف موجبِ ارتداد ہے یا نہ؟ اور اسلامی عقائد سے روگردانی اور انکار، خروج عن الدین کا باعث ہے یا نہ؟ سو، ان ہائی کورٹس کے یہ سابقہ فیصلہ جات، اس خاص مسئلہ کے بارے میں مکمل وضاحت اور قطعیت کے حامل نہیں ہیں، لہٰذا ان کی پیروی ضروری نہیں

ہے۔ چنانچہ اب اس قرار داد کے ساتھ یہ مقدمہ اس ہدایت کے ساتھ واپس ہو کہ حضرت مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الجامعۃ العباسیۃ کے بیان سے یہ مسئلہ بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آ گیا ہے اور اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ایسا شخص چونکہ ختم نبوت بر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے جبکہ ختم نبوت کا عقیدہ ضروریاتِ دین اور اساس ہائے ایمان میں سے ہے لہٰذا وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔
اس لئے اجلاسِ خاص اس مقدمہ کو اس کی خصوصی حیثیت کی بناء پر، پٹنہ، لاہور، مدراس اور بہاولپور کے ہائی کورٹس کے سابقہ فیصلوں سے مستثنیٰ کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور کو مجاز بناتا ہے کہ وہ حضرت مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی، شیخ الجامعۃ العباسیۃ اور ملک کے دیگر علماء کرام کے دلائل کی روشنی میں اس مقدمہ کی از سرِ نو تنقیح اور تحقیق کرنے اور حضرت علامہ شیخ الجامعۃ العباسیۃ کے بالمقابل فریقِ مخالف کو بھی موقع دے تاکہ وہ لوگ بھی اپنا مؤقف پیش کر سکیں۔

اجلاس خاص، عدالتِ معلّٰی بہاولپور کے اس فیصلے سے حق کو فتح نصیب ہوئی، خواص وعوام نے اطمینان کا سانس لیا، حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے سرخرو فرمایا، بقول حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل بہاولپور نے جشن منایا۔

"ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ بہاولپور"

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بلا امتیاز اور بلا تعصب، بریلوی اور دیوبندی دونوں مسالک کے علماء کرام کو بہاولپور آنے کی دعوت دی تاکہ وہ یہاں آ کر عدالت میں اپنے اپنے بیانات ریکارڈ کرائیں، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں جو خطوط لکھے ان میں آپ نے مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور مقدمہ بہاولپور کے دُور رس اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی، آپ نے انہیں بہاولپور آنے کی ترغیب دی تاکہ نہ صرف رسمِ عدالت اور رسمِ شہادت کے ظاہری تقاضے پورے کئے جائیں بلکہ مرزائیوں کے اس پروپیگنڈے کی تردید بھی ہو جائے کہ حضرت محدث گھوٹویؒ کے علاوہ کوئی دوسرا عالم، مسئلہ ختم نبوت کے بارے میں پرجوش اور فعال نہیں ہے۔

ان خطوط کو مکتوب الیہم تک پہنچانے کا کام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگایا، جنہوں نے اسے باحسن طریق انجام دیا۔

آپ کے خطوط نے پورے برصغیر میں اس مسئلہ کو اجاگر کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا، خواص وعوام کے قلوب واذہان میں تحفظ ناموسِ رسالت کا تازہ ولولہ اور نیا جذبہ پیدا ہوا اور علماء کرام کے ذریعہ ان کے معتقدین میں دفاعِ دین کی زبردست تحریک نمودار ہوئی، چنانچہ صیانتِ قرآن وسنت کا مسئلہ عوام کیلئے جاذبِ توجہ بن گیا، پورے ہندوستان میں ایک ایسا ہیجان ظہور پذیر ہوا جس کی بنیاد حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور غیرتِ ایمانی پر استوار تھی۔

بہاولپور اور دور ونزدیک کے تمام علاقہ جات میں اس مسئلہ کے ساتھ اتنی دلچسپی بڑھی کہ مذہبی جوش وخروش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر عدالتی پیشی کے موقعہ پر حفظِ امن وامان کی خاطر پولیس کی امداد کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ عدالت کے حکم پر کمشنر پولیس کی طرف سے ہر تاریخ پیشی پر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا رہا۔

جناب مسعود حسن شہاب دہلویؒ اپنی کتاب مشاہیر بہاولپور میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ مرزائیہ بہاولپور کی پیروی میں پیش پیش تھے اور جب تک عدالت سے فریق مخالف کے خلاف فیصلہ صادر نہ کرا لیا، چین سے نہ بیٹھے، حضرت الشیخ محدث گھوٹویؒ کا دولت خانہ سرفروشانِ ختم نبوت کا گڑھ بنا ہوا تھا، بیانات ریکارڈ کرانے کیلئے آنے والے علماء کرام کا رات رات بھر یہیں اجتماع رہتا، کتابیں کھلی رہتیں، تحقیق وتفحص کا سلسلہ جاری رہتا اور حضرت الشیخ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے علم لدنی کی ضیاء پاشیوں سے سب کے دلوں کو منور کرتے رہتے، رات بھر یہ دور چلتا اور صبح ہوتی تو علماء کرام کا یہ کارواں حضرت گھوٹویؒ کی زیر سرپرستی، نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں عدالت کی طرف روانہ ہوتا۔

مہمان نوازی حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، یہ آپ کا آبائی وصف تھا جو آپکی طبیعت میں وراثۃً منتقل ہوا تھا، آپ ایک ایسے زمیندار خانوادے کے چشم وچراغ تھے جو مہمان نوازی میں شہرت رکھتا تھا، حضرت گھوٹویؒ کے جد امجد کے ڈیرہ پر مسافروں کیلئے وسیع لنگر کا انتظام ہوتا تھا، چنانچہ وسط

۱۹۳۲ء میں جب مقدمہ مرزائیہ کے سلسلہ میں ذی احترام علماء دین آپ کے ہاں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے انکی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، ہر طرح سے ان کے آرام وآسائش کا خیال رکھا، ان کے قیام وطعام میں نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ فرمایا اور انکی خوب خاطر مدارات فرمائی، انکی آمد ورفت کے اخراجات بھی انکی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیے گئے، انجمن مؤید الاسلام بہاولپور کے صدر حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت مولانا فاروق احمد انصاری صاحب شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ، حضرت مولانا محمد صادق صاحب شیخ الفقہ جامعہ عباسیہ نیز شہر کے اہلِ خیر اور اہلِ ثروت حضرات اس کے اراکین تھے، ان سب نے اس سلسلہ میں گراں قدر ثواب کمایا، تین ماہ کے عرصہ میں یہ تمام علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ، عدالت میں بیانات قلمبند کرانے کا فریضہ باحسن طریق انجام دے کر اپنے اپنے اوطانِ مألوفہ کی طرف مراجعت فرما ہو گئے، لیکن حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس مقدمہ کی پیروی میں مسلسل کوشاں رہے اور مؤرخہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء تک یعنی اس مقدمہ کا فیصلہ سنائے جانے تک ایک پل چین سے نہ بیٹھے۔

فریقِ مخالف کی طرف سے اس مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں دو اصحاب پیش ہوتے رہے (۱) جناب جلال الدین شمس اور (۲) جناب غلام احمد مجاہد۔

جبکہ اہل اسلام کی طرف سے چھ علماء کرام نے بیانات ریکارڈ کرائے، ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور عدالت میں آپ کا بیان ۲۱ جون ۱۹۳۲ء کو ہوا۔

(۲) حضرت مولانا ابو قاسم محمد حسین صاحب کولو تارڑوی (گوجرانوالہ) مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی لاہور، عدالت میں آپکا بیان ۱۴ جولائی ۱۹۳۲ء کو ہوا۔

(۳) حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی مدرسہ دیوبند، بھارت آپ کا بیان ۲۱ اگست ۱۹۳۲ء کو ہوا۔

(۴) حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، انڈیا آپ کا بیان ۲۱ اگست ۱۹۳۲ء سے لیکر ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء تک ہوا۔

(۵) حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، ساکن ڈابھیل، ضلع سورت آپ کا بیان ۲۵ اگست سے ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء تک ہوا۔

(۶) حضرت مولانا نجم الدین صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور آپ کا بیان ۳۰، ۳۱ اگست ۱۹۳۲ء کو ہوا۔

مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ عدالتِ بہاولپور میں علماء کرام کے بیانات کے دوران حضرت الاستاذ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ، ہمہ وقت، وہاں موجود رہتے اور بھول چوک پر یاد دہانی، معاونت اور نگرانی کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے۔ راقم الحروف نے مولانا محمد صادق اور مولانا عبدالرحمٰن احمد پوری کے حوالے سے اس بارے میں متعدد مثالیں سنی ہیں، ایک مثال یاد آ رہی ہے کہ ایک مفتی صاحب کے بھولنے پر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا ''کیا آپ نے تفسیر مدارک کی فلاں عبارت کا مطالعہ نہیں کیا؟''

حضرت الشیخ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعیِ جمیلہ کی بدولت، علماءِ کرام کے عدالتی بیانات اور فیصلہ مقدمہ مرزائیہ بہاولپور، زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آگئے، ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور میں سب سے پہلا بیان حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، اس موقعہ پر مدعا علیہ عبدالرزاق اور اس کے وکلاء موجود تھے، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے متوقع جواب الجواب سے ذہنی طور پر مرعوب اور خوف زدہ ہونے کے سبب، انہیں آپ کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی اور انہوں نے آپ کے بیان پر جرح کرنے سے اجتناب کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

مولانا محمد صادق صاحب کی تحریر کے مطابق، شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان دراصل اُس بیان کا اختصار تھا جو آپ نے عدالتِ معلّٰی کے ''اجلاس خاص'' میں پیش فرمایا تھا، وہ بیان بڑا مفصل اور مطوّل تھا، اس کے چیدہ چیدہ دلائل حسب ذیل ہیں:

قرآنی دلائل:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾.

ترجمہ: محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور ذریعۂ ختم انبیاء ہیں (آپ کے ذریعۂ سلسلہ انبیاء کا اختتام ہوا)۔

نوٹ: خاتم اسم آلہ ہے اسلئے اس کا ترجمہ "ذریعۂ ختم" کیا گیا ہے۔

تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں: ﴿وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ فَلَا يَكُوْنَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْنٌ رَجُلٌ بَعْدَهٗ يَكُوْنُ نَبِيًّا. وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ التَّاءِ كَاٰلَةِ الْخَتْمِ اَىْ بِهٖ صلى الله عليه وسم خُتِمُوْا.

ترجمہ: لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے نبی بنتے اسلئے زندہ نہ رہے۔ حضرت عاصمؒ کی قرأت میں خاتَم تا کی زبر کے ساتھ ہے، جس کا معنی آلۂ ختم ہے، اس قرأت کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتَم یعنی "بمنزلۂ آلۂ ختم" ہیں، جن کے ذریعے سلسلۂ انبیاء کو ختم کیا گیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے: هٰذِهِ الْاٰيَةُ نَصٌّ فِيْ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَ اِذْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ فَلَا رَسُوْلَ، بِالطَّرِيْقِ الْاَوْلٰى وَالْاَحْرٰى، لِاَنَّ مَقَامَ الرِّسَالَةِ اَخَصُّ مِنْ مَقَامِ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جب نبی نہیں ہوگا تو رسول بھی بطریق اولیٰ نہیں ہوگا، کیونکہ مقامِ رسالت اخص ہے بنسبت مقامِ نبوت کے۔

(جب عام کی نفی ہوگئی تو خاص بطریق اولیٰ منفی ہو جائے گا، مثلاً جب کوئی شخص پاکستانی ہی نہیں تو وہ ملتانی بھی نہیں ہوگا)۔

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ میں ہے: وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، خَتَمَ اللّٰهُ بِهِ النَّبِيّٖنَ قَبْلَهٗ فَلَا يَكُوْنُ نَبِيٌّ بَعْدَهٗ.

ترجمہ: وخاتم النبیین، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے انبیاء کرام کا سلسلہ ختم کر دیا، چنانچہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

تفسیر الخازن میں ہے: خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، خَتَمَ اللّٰهُ بِهِ النُّبُوَّةَ فَلَا نُبُوَّةَ بَعْدَهٗ اَىْ وَلَا مَعَهٗ، قَالَ ابن عباس يُرِيْدُ لَوْ لَمْ اَخْتِمْ بِهِ النَّبِيّٖنَ لَجَعَلْتُ لَهٗ اِبْنًا وَ يَكُوْنُ بَعْدَهٗ نَبِيًّا، وَ فِي الْخَازِنِ اَيْضًا اَنَّ عِيْسٰى عليه السلام مِمَّنْ نُبِّئَ قَبْلَهٗ وَحِيْنَ يَنْزِلُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ يَنْزِلُ عَامِلًا بِشَرِيْعَةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَمُصَلِّيًا اِلٰى قِبْلَتِهٖ كَاَنَّهٗ بَعْضُ اُمَّتِهٖ.

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سلسلۂ نبوت کو ختم فرمایا، چنانچہ نہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی آپ کے زمانہ میں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ آیت ماکان محمد آہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی سلسلۂ انبیاء کا اختتام نہ کر دیا ہوتا تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو زندگی عطا کرتا اور وہ نبی ہوتے، اسی طرح تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن انبیاء میں سے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل نبوت عطا فرمائی تھی اور جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں، آسمان سے نزول فرمائیں گے تو شریعتِ محمدیہ پر ہی عمل کریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ المسجد الحرام کی طرف ہی منہ کر کے نماز ادا فرمائیں گے (نہ کہ اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف) گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک فرد ہوں گے۔

تفسیر المدارک میں ہے، خاتم النبیین، أی آخر النبیین ترجمہ: خاتم النبیین یعنی آخر النبیین، اسی طرح تفسیر ابن جریر میں ہے کہ خاتم النبیین کے معروف معنی آخری نبی کے ہیں، نیز تفسیر ابو سعود حاشیہ تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۴۴۹ میں بھی خاتم النبیین کے معنی آخری نبی لکھے ہیں، اسی طرح خود تفسیر کبیر جلد ٦ ص ۵۸۱ میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی بیان کئے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ بحسبِ لغت اورعرف، خاتم کا معنی آخری ہوتا ہے، لہٰذا لغت اورعرف دونوں سے ختمِ نبوتِ زمانی کی تصدیق ہوگئی ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے: وخاتم النبیین آخرهُمْ الَّذِیْ خَتَمَهُمْ اَوْ خُتِمُوْا بِهٖ المراد اَنَّهٗ آخِرُ مَنْ نُبِّیءَ وَكَانَ اللّٰه بكل شیءٍ علماً. فَیَعْلَمُ من یلیق بان یختم به النبوة وكیف ینبغی شانه.

ترجمہ: وخاتم النبیین، آخر النبیین جنہوں نے سلسلۂ انبیاء کا اختتام فرمایا یا جنکے ذریعہ سلسلۂ انبیاء کا اختتام کیا گیا، مراد یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کے آخری فرد ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، پس وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ کونسی ہستی اس لائق ہے کہ اس کے ذریعہ سلسلۂ نبوت کا اختتام کرے اور یہ کہ اس ہستی کی شان کیسی ہونی چاہیے؟

تفسیر روح المعانی میں ہے: وَالْخَاتَمُ اِسْمُ آلَةٍ لِمَا یُخْتَمُ بِهٖ كَا الطَّابَعِ لِمَا یُطْبَعُ

بِهٖ فَمَعْنیٰ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ الَّذِیْ خُتِمَ النَّبِيُّوْنَ بِهٖ وَ مآ لُهٗ آخر النبيين وَقَرَأ الجمهورُ وَخَاتِمَ بكسر التاء علیٰ اَنَّهٗ اِسْمُ فاعلٍ اِیْ "اَلَّذِیْ خَتَمَ النَّبِيِّيْنَ" وَالْمُرادُ بِهٖ آخِرُهُمْ.

ترجمہ: خاتَم، تا کی زبر (فتح) کے مطابق، اسم آلہ ہے، جو ذریعۂ ختم کے معنی میں بولا جاتا ہے، پس خاتَم النبیین کا معنی ہے، سلسلۂ انبیاء کوختم کرنے کا ذریعہ۔ مآلِ کار، اس کا معنیٰ معروف، آخری نبی ہے۔ جمہور کی قرأت خاتِم، تا کی زیر (کسرہ) کے مطابق، یہ اسم فاعل ہے، یعنی "سلسلۂ انبیاء کوختم کرنے والے" اور اس سے مراد آخری نبی ہیں، مذکور بالا حوالہ میں لغت اور عرف دونوں کے مفاہیم درج ہو گئے ہیں۔

التفسیرات الاحمدیہ از علامہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ میں ہے: "وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" اَیْ لَمْ يُبْعَثْ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ قَطُّ وَاِذَا نَزَلَ بَعْدَهٗ عيسى عليه السلام فَقَدْ يَعْمَلُ بِشَرِيْعَتِهٖ وَيَكُوْنُ خَلِيْفَةً لَهٗ وَلَمْ يَحْكُمْ بِشَطْرٍ مِنْ شَرِيْعَةِ نَفْسِهٖ وَاِنْ كَانَ نَبِيًّا قَبْلَهٗ وَلَوْ كَانَ لَهٗ اِبْنٌ بَالِغٌ كَانَ مَنْصَبُهٗ اَنْ يَكُوْنَ نَبِيًّا كَمَا قال النبیُّ صلى الله عليه وسلم لِاِبْرَاهِيْمَ حِيْنَ تُوُفِّیَ "لَوْ عَاشَ لَكَانَ نَبِيًّا". وَالْمَقْصُوْدُ اَنَّهٗ يُفْهَمُ مِنَ الآيَةِ خَتْمُ النُّبُوَّةِ على نبينا محمدٍ صلى الله عليه وسلم، لِاَنَّ الْخَاتَمَ بفتح التاءِ هُوَ مِنَ الخِتَامِ الَّذِیْ يُخْتَمُ بِهِ الْبَابُ، وَاِنَّمَا يُطْلَقُ هٰهُنَا على النبی صلى الله عليه وسلم لِاَنَّهٗ يُخْتَمُ بِهٖ اَبْوَابُ النُّبُوَّةِ وَيُغْلَقُ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالْخَاتِمُ بكسر التاء مَعْنَاهُ اَنَّهٗ صلى الله عليه وسلم يَخْتِمُ النَّبِيِّيْنَ وَيَفْعَلُ الْخَتْمَ. وأيضاً مَعْنَى الخَاتَمِ الآخِرُ فَثَبَتَ الْمُدَّعٰی.

ترجمہ: "وَ خَاتَم النَّبِیّین" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا، اور جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو وہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے، اور آپ ہی کے خلیفہ ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی شریعت کے ایک لفظ پر بھی عملدرآمد نہیں کریں گے، اگرچہ یقیناً آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل نبی بنائے گئے تھے، اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بیٹے زندہ رہتے تو نبوت ان کا منصب ہوتا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے" اس آیت مبارکہ ما کان محمد آہ سے مقصود یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کوختم کرنے کا اعلان کر دیا جائے، کیونکہ خاتَم (تا کی زبر یعنی فتح کے ساتھ بطور اسم آلہ) ختام سے ہے جس کے ذریعہ دروازہ بند کیا جاتا ہے، اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اطلاق

اس لئے کیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے، نبوت کے دروازے، تا قیامِ قیامت، بند کر دئے گئے، اسی طرح خاتِم (تا کی زیر یعنی کسرہ کے ساتھ بطور اسم فاعل) کا معنی یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم، "سلسلۂ نبوت کا اختتام کرنے والے" ہیں۔ نیز خاتَم کا معنیٰ معروف (بحسبِ عرف) آخری ہے، جس سے بھی ختمِ نبوتِ زمانی کا مدعیٰ، خوب ثابت ہے۔

مُہر بھی اسی لئے خاتَم یعنی آلۂ ختم کہلاتی ہے کیونکہ وہ تحریر کا اختتام کرتی ہے اور آخر میں لگائی جاتی ہے، اسی طرح سیل Seal کو بھی مہر کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی آخر میں لگتی ہے۔ انگوٹھی کو اسلئے خاتَم کہا جانے لگا کیونکہ وہ بھی بطور مہر استعمال ہوتی تھی، اور اس کی ضرورت آخر میں پڑتی تھی، مہر اس امر کی علامت ہوتی ہے کہ تحریر اختتام کو پہنچ گئی ہے۔

(۲) ارشاد قرآنی ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَیْکَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِکَ﴾.

ترجمہ: اور جو کہ اس وحی پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور اس وحی پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہوئی۔

آیت بالا کی تفسیر گذشتہ صفحات کی زینت بن چکی ہے، اس لئے اس کا تکرار، تحصیلِ حاصل ہے۔

(۳) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ جل جلالہٗ نے عالَم ارواح میں جمع کیا اور ان سے پختہ عہد لیا کہ میں جو تم لوگوں کو کتاب وحکمت میں سے حصہ دوں (اور اس طرح تم لوگ اپنی باری پر منصب نبوت پر فائز ہو جاؤ) تو پھر تم سب کے بعد ایک رسول آئیں جنکی شان یہ ہو کہ تمہاری نبوت، تمہاری کتابوں اور تمہاری جملہ تعلیمات کی تصدیق Verification ان کا منصب ہو، تو تم لوگ (اور تمہارے ذریعے تمہاری امتیں) ان پر ضرور بالضرور ایمان لانا اور ان کے معاون کے طور پر کام کرنا، ارشاد قرآنی ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ لَمَا آتَیْتُکُم مِّن کِتَابٍ وَحِکْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنصُرُنَّهٗ﴾. (آل عمران، آیت ۸۱)۔

اس آیت مبارکہ میں دو لفظ قابل غور ہیں، ایک "میثاق النبیین" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس خطاب میں شامل کیا گیا ہے، کیونکہ صیغۂ جمع جب معرَّف بہ لام استغراق ہو تو تمام افراد کو محیط ہوتا ہے۔ اور دوسرا لفظ ﴿ثُمَّ

جاءَ کُمْ﴾ ہے، چونکہ ثم، تراخی کیلئے ہوتا ہے، جس کا اردو زبان میں ترجمہ پھر، اور فارسی میں بعدازاں ہے، لہٰذا اس لفظ ثم کے استعمال سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کے بعد ہی ایک رسول تشریف لائیں گے جو کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت، انکی کتابوں اور انکی تعلیمات کی تصدیق Verification کریں گے۔

حسبِ تصریحاتِ مفسرین، ''رسولِ مصدِّق'' سے مراد، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، لہٰذا اس آیت مبارکہ کی روشنی میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ، سب انبیاء کے زمانہ کے بعد ثابت ہوا۔

اب اگر مرزا غلام احمد قادیانی بھی نبی ہوں، تو پھر حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا زمانہ، سب انبیاء کے زمانے کے بعد قرار نہ پائے گا، جس سے آیتِ مذکورہ کی تکذیب لازم آئے گی۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے: قال علی بن أبی طالب وابن عمہٖ ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما مَا بَعَثَ اللّٰہُ نبیاً مِنَ الاَنْبِیَاءِ اِلَّا اَخَذَ عَلَیْہِ الْمِیْثَاقَ لَئِنْ بَعَثَ اللّٰہُ مُحَمَّداً وَھُوَ حَیٌّ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ وَلَیَنْصُرَنَّہٗ وَاَمَرَہٗ اَنْ یَاخُذَ الْمِیْثَاقَ عَلٰی اُمَّتِہٖ لَئِنْ بُعِثَ مُحَمَّدٌ وَھُمْ اَحْیَاءٌ لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَیَنْصُرُنَّہٗ، فَالرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ خَاتَمُ الاَنْبِیَاءِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دَائِماً اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گروہ انبیاء کے ہر فرد سے یہ عہد لیا کہ بہ صورت اینکہ وہ حضرت محمد رسول اللہ کا زمانہ پائے، تو آپ پر ایمان لے آئیگا اور آپ کی معاونت کریگا، نیز اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو پابند فرمایا کہ اپنی اپنی امتوں سے اس بات کا عہد لیں کہ بہ صورت اینکہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں، تو آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی معاونت پر کمر بستہ ہو جائیں گے، پس معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے ظہور کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت عطا نہ کی جائے گی۔

تفسیر جلالین میں ہے: ثُمَّ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ وھو محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم، یعنی رسول مصدق سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ، اِنْ اَدْرَکْتُمُوْہُ وَاُمَمُھُمْ تَبَعٌ لَھُمْ فِیْ ذٰلِکَ.

یعنی اے انبیاء! آپ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آنا اور انکی معاونت کرنا، بہ صورت اینکہ تم لوگوں کو ان کا زمانہ نصیب ہو (جیسا کہ نزول من السماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کا زمانہ نبوت پائیں گے) ان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیں اس معاملہ میں انکی تابع ہیں۔

چونکہ سابقہ امتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و معاونت کی مکلّف بنائی گئیں، اس لئے اب وہ اپنی سابقہ تعلیمات کا پرچار کرنے کی مجاز نہیں رہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کتاب کامل نے عالمِ انسانیت کو کتبِ سابقہ سے یکسر بے نیاز کر دیا ہے، سو اب وہ زائد المیعاد Expired مجموعۂ احکام کا درجہ رکھتی ہیں، کوئی قانون جب منسوخ ہو جائے تو اس پر عملدرآمد ممنوع ہو جاتا ہے۔

مقام غور ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد سابقہ کتب الٰہیہ ساویہ کی، قرآن کے سامنے یہ حیثیت ہے تو اس صورت حال میں کسی نئے نبی کو خوش آمدید کہنے کا ہمارے پاس آخر کیا جواز ہے؟

دراصل، اعداءِ اسلام کے نزدیک، مرزائی نبوت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ خود قرآن کو ہی زائد المیعاد Expired اور منسوخ قرار دلوا کر نئے خود ساختہ نبی سے اپنی من پسند قسم کی وحی نازل کرا لی جائے، یہی وہ نکتہ ہے جو حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر مندی اور حساسیت کا سبب رہا۔

(۴) میدانِ عرفات میں، عرفہ کے مبارک دن (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو) بروز جمعۃ المبارک، خطبۂ حجۃ الوداع کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہٗ ان اعتصمتم بہٖ، کتاب اللہ، انتم تسئلون عنی فما انتم قائلون؟ قالو نشھد انک قد بلغت واڈیت ونصحت، فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم باصبعہٖ السبابۃ یرفعھا إلیٰ السماء وینکسھا إلیٰ الناس، اللھم اشھد، اللھم اشھد، اللھم اشھد.

ترجمہ: میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم لوگ اس پر، ڈٹ کر، عمل پیرا رہے تو سیدھی راہ سے ہرگز نہ بھٹکو گے، تم لوگوں سے میری بابت پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ سب لوگوں نے کہا، ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا، ذمۂ نبوت کا حق اچھی طرح ادا کر دیا، اور انسانیت کی خوب خوب خیر خواہی فرمائی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک آسمان کی طرف بلند کی اور پھر

اسے لوگوں کیطرف پلٹاتے ہوئے ارشاد فرمایا اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔(مختصر سیرۃ الرسولؐ)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی گواہی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کی صورت میں نازل فرمائی: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾۔ (المائدہ، آیت ۳)۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے دستور حیات (قرآن) کو مکمل کر دیا، اپنی خاص نعمت (نبوت) کو تم لوگوں پر تمام کر دیا اور اسلام (کے نقشہ محمدیؐ) کو تمہارے لئے پسندیدہ لائحہ عمل قرار دیدیا۔

اس آیۂ مبارکہ میں تین احسانات کا تذکرہ ہے (۱) اکمالِ قرآن (۲) اتمامِ نعمتِ نبوت (۳) تحسینِ شریعت اسلامیہ محمدیہ۔

اس آیت نے شاندار اور بلند ترین آہنگ میں خدائی فیصلہ سنا دیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے، تنزیل احکام کا عمل، تکمیل کی آخری حد تک رسائی پاکر، عروج کی تمام منازل طے کر چکا ہے، سو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو حاملِ وحی ماننے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کامل نہیں۔ اللہ کی نعمت تمام نہیں اور شریعت اسلامیہ پسندیدہ نہیں۔

مرزائی موہومات و مزعوماتِ نفسانیہ کے پیروکاران کی طرف سے بے دانشی وبے قدری کا مظاہرہ تو صحت بخش ثمروگل کو ٹھکرا کر چھلکے اور پھوک سے بھری Waste Bin میں منہ ڈالنے کے مترادف ہے، مرزائی لوگوں کی طرف سے خیر الرسل اور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ظلی نبی Shadow "Prophet" کا انتخاب کرنا، حقیقت پسندی، دانشوری اور روشن دماغی کا منہ چڑانا ہے۔

یہ انگریز دوست مذہب، انگریزی وحی کا بھی قائل ہے جس سے انگریزی زبان کے ساتھ انکی محبت کا پتا چلتا ہے سو، ان کیلئے مناسب مشورہ ہے کہ ذرا کسی انگلش ڈکشنری میں ظلی Shadow کا ترجمہ تو ملاحظہ کر لیں، انکی تسکین کیلئے اتنا لکھنا کافی ہے کہ اس کا ترجمہ، چھلاوہ، دھوکا، وہم، آسیب، غیر حقیقی، تاریک حصہ، روشنی کی روک، اندھیرا، بے روشن، خلافِ اصل، مشتبہ، سیاہ، بے نور اور تاریک سایہ کے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اکمال، تکمیل، کامل اور اکمل جیسے الفاظ کا آخر کیا مفہوم ہے؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے تو اعلان اَکْمَلْتُ نازل ہو چکا، اب کس بات کا انتظار ہے جو نئی نبوت اور نئی وحی کا سدباب کر دے؟ مقامِ غور ہے کہ اگر اس اعلان کے بعد بھی لوگ باگ، نبوت اور وحی کے دعووں سے باز نہیں آتے تو پھر یہ آیت کیسے بامعنی قرار پائے گی؟

حافظ ابن کثیر، "تفسیر القرآن العظیم" میں تحریر فرماتے ہیں: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آہ﴾ ھٰذہ اَکْبَرُ نِعَمِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ (۱) حَیْثُ اَکْمَلَ تَعَالٰی لَھُمْ دِیْنَھُمْ فَلَا یَحْتَاجُوْنَ اِلٰی دِیْنٍ غَیْرِہٖ (۲) وَلَا اِلٰی نَبِیٍّ غَیْرِ نَبِیِّھِمْ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وَلِھٰذَا جَعَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ وَبَعَثَہٗ اِلَی الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (۳) فَلَا حَلَالَ اِلَّا مَا اَحَلَّہٗ وَلَا حَرَامَ اِلَّا مَا حَرَّمَہٗ۔

ترجمہ: یہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اِس امت پر، سب سے بڑا انعام ہے (۱) کہ اس نے ان کے واسطے، ان کے ضابطۂ حیات کو کامل کر دیا، پس اب وہ اس کے علاوہ کسی اور ضابطۂ حیات کے ضرورت مند نہ ہوں گے۔ (۲) اور نہ انکو اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے علاوہ کسی اور نبی کے حاجت پڑے گی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بنایا اور تمام انسانوں اور جنوں کی طرف آپکو مبعوث فرمایا (۳) پس اب کوئی چیز حلال نہیں مگر وہ جس کو آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال قرار دیا اور کوئی چیز حرام نہیں مگر وہ جس کو آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرایا۔

قرآن کی کاملیت کا مآل یہ ہے کہ اس کے نزول کے بعد اب کسی صحیفے، کسی وحی اور کسی نبی کی حاجت نہیں رہی، کیونکہ سابقہ کتب میں ایسے ذہن کو ملحوظ رکھ کر احکام بیان کئے گئے تھے جو ابھی ارتقاء پذیر تھا، ایسی طبائع پیش نظر تھیں جو ابھی ناپختہ تھیں، ایسا مزاج سامنے تھا جو فی الحال غیر معتدل تھا لیکن نزولِ قرآن کے وقت، ذہن انسانی مکمل طور پر ترقی پا چکا تھا، انسانی طبائع مستحکم ہو چکی تھیں۔ انسانی مزاج اعتدال پر آچکا تھا اور بالغ نظری ولیاقتِ فکری اپنے عہد شباب میں قدم رکھ چکے تھے، اس لئے ٹھوس، قطعی، ناقابل ترمیم، پائیدار اور مستقل احکام شرعیہ کو نازل کر دینے کا وقت آن پہنچا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے شریعتِ محمدیہ کو نازل فرمایا جو رہتی دنیا تک منبعِ رشد وہدایت ہے۔

ضروری وضاحت: آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح ہیں، قرآن کے

معانی کی تبیین احادیث نبویہ ہی کرتی ہیں، اسی لئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إني تركتُ فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة نبيه. (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالكتاب و السنه)

ترجمہ: میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہوگے جب تک تم ان کو تھامے رہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری اللہ کے نبی کی سنت۔

اکمالِ دین ایسا عظیم اعزاز اور اتنا گراں قدر تحفہ ہے کہ دوسری امتوں کیلئے باعث صدہزار رشک بن گیا، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: "قال كعب لو ان غير هذه الأمة نزلت عليهم هذه الآية لنظروا اليوم الذى انزلت فيه عليهم فاتخذوه عيداً يجتمعون فيه فقال عمر أيُّ آيةٍ يا كعب؟ فقال اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آه فقال عمر قد علمتُ اليوم الذى انزلتْ والمكان الذى انزلتْ فيه، نزلتْ فى يوم الجمعة ويوم عرفة و كلاهما بحمد الله لنا عيدٌ".

ترجمہ: کعب الاحبار نے کہا کہ اگر یہ آیت کسی دوسری امت پر نازل ہوتی تو وہ اس موقع کو عید بنا لیتے اور اس دن میں جشن منایا کرتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کونسی آیت؟ تو انہوں نے کہا ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ..آه﴾ تو آپ نے فرمایا اس آیت کے نزول کے دن اور جگہ کو میں بخوبی جانتا ہوں، یہ آیت بروز جمعہ اور بروز عرفہ (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بموقع حجۃ الوداع) نازل ہوئی ہے، الحمد للہ! یہ دونوں دن ہمارے ہاں عید کے دن ہیں (جمعہ، ہفتہ وارعید ہے اور یوم عرفہ سالانہ عید ہے)

افسوس صد افسوس! کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکی پارٹی نہ تو اس آیت پر ایمان لائی اور نہ ہی اس کا فہم حاصل کرسکی۔

ادنیٰ سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان پر بھی یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مرزا قادیانی کو صاحب وحی ماننا آیت قرآنیہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ کے انکار کومستلزم ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً﴾. (پ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۵۸)۔

ترجمہ: اے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! فرما دیجئے اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

النّاس کا عموم اور جمیعاً کی تاکید مزید صاف بتلا رہے ہے کہ حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لیکر قیامت تک، تمام لوگوں کیلئے، رسولؐ من اللہ، وہ ذات گرامی ہے جن کا اسم مبارک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

پس جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قیامت کے درمیان کسی دوسرے کو نبی تسلیم کرے وہ اس آیت کو جھٹلاتا ہے، حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يقول تعالىٰ لنبيه ورسوله محمدٍ صلى الله عليه وسلم (قُلْ) يا محمد (يا اَيُّها النَّاسُ) وهذا خطاب للاحمر والاسود والعربى والعجمى (اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً) أى جميعكم وهذا من شرفه وعظمه صلى الله عليه وسلم انه خاتم النبيين وأنه مبعوث إلى الناس كافة.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے (آپ کہہ دیجئے) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اے لوگو!) یہ خطاب ہے ہر انسان کو چاہے وہ گورا ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی (یقیناً میں تم تمام کی طرف، اللہ کا رسول ہوں) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف وعظمت میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور تمام کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں۔

(۶) حضرت حق پاک جل جلالہٗ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول اللہ کی، اور اپنے اولی الامر کی، اگر تمہارا، اولی الامر کے ساتھ اختلاف ہو جائے تو مسئلہ کو خدا ورسول کی طرف راجع کرو (بذریعہ قیاس) ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾. (پ ۵، سورہ نساء، آیت ۵۹)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف یہی ایک جماعت یعنی اولی الامر قابل اطاعت ہوگی، اس آیت نے اولی الامر کی حیثیت بھی واضح کر دی کہ وہ اصحاب نبوت نہیں ہونگے کیونکہ نبی کے ساتھ امتی اختلاف نہیں کر سکتا، ''مُطاعِ مطلق'' صرف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں ان کے ساتھ تنازع کی گنجائش نہیں ہوتی، لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس آیت کی رو سے جو لوگ، اولی الامر ہوں گے وہ نبی نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے ساتھ اختلاف ممکن ہوگا بے شک وہ صدیق ہوں گے، شہید ہوں گے، صالح ہوں گے، امام ہوں گے، غوث

ہوں گے، قطب ہوں گے مگر نبی نہیں ہوں گے کیونکہ امتی اپنے نبی کے ساتھ اختلاف نہیں کر سکتا، جبکہ مجدّد حضرات کے ساتھ اختلاف ہو سکتا ہے، کیونکہ مجدّد دین اولوا الامر میں شامل ہیں۔

اس مقام پر محمد علی لاہوری کی تفسیر جلد اول صفحہ ۵۲۶ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

''چونکہ قرآن نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس امت کے اندر ہمیشہ کیلئے حقیقی مُطاع صرف ایک مُطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی موجود ہوں گے۔ اس لئے اس امت کے اندر کوئی نبی آپ کے بعد نہیں آیگا، کیونکہ اگر کوئی نبی آیگا تو وہ مُطاع ہو گا، پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مُطاع نہیں رہیں گے اور یہ خلاف قرآن ہے، پس ختم نبوت پر یہ آیت فیصلہ کن ہے، جب اس کو ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے، ثابت ہوا کہ اب تا قیامِ قیامت کوئی رسول یا نبی قطعاً نہیں آ سکتا۔

(۷) حضرت حق پاک جلّ شانہٗ وعزّ برھانہٗ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾۔ (پ ۱۴، سورہ الحجر، آیت ۹)۔ ترجمہ: بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور بے شک ہم اس (کے لفظ اور معنی) کی حفاظت کرنے والے ہیں، حافظ ابن کثیر اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ثُمَّ قَرَّرَ تَعَالَى أَنَّهُ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرَ وَهُوَ الْقُرْآنُ، وَهُوَ الْحَافِظُ مِنَ التَّغْيِيرِ وَالتَّبْدِيلِ'' ترجمہ: پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اسی نے ہی اس ذکر یعنی قرآن کو نازل فرمایا اور وہ ہی اس کو ہر قسم کی تغییر اور تبدیلی سے محفوظ رکھے گا، (حفاظتِ معنی، حفاظتِ لفظ کا لازمہ ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سابقہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا وعدہ نہیں فرمایا اور نہ ہی انکی سلامتی کے اسباب پیدا فرمائے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے بعد ایک اور نئی کتاب نے نازل ہونا تھا لیکن قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کے بعد کسی دوسری کتاب، کسی اور وحی اور کسی نئے نبی کا آنا، خدا کو منظور نہیں تھا، اسلئے قرآن کی بقاء وحفاظت تاظہورِ قیامت کا وعدہ فرمایا اور اپنے اس وعدے کو نبھانے کا خوب خوب اہتمام بھی فرمایا۔

یہ امر بالکل واضح ہے کہ اگر خاتم الکتب یعنی قرآن مجید کے بعد کسی وحی یا نبی نے آنا ہوتا تو پھر قرآن کی حفاظت کا عظیم الشان بندوبست کرنے کی ضرورت

کبھی پیش نہ آتی، مالکِ ارض وسماء جلّ شانہٗ نے چونکہ سلسلۂ نبوت کو مختوم اور بابِ وحی کو مسدود کرنا تھا اس لئے قرآن کی حفاظت پورے زور وشور کے ساتھ عمل میں لائی گئی۔

اب تمام بنی نوعِ جن وانس کیلئے (بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یہی کتابِ عظیم وصحیفۂ کریم واحد ذریعۂ رہنمائی ہے۔

قدرتِ الٰہی اور توفیقِ خدائی سے ایسے ایسے حیرت انگیز اسباب وعوامل کار فرما ہوئے جنکی بدولت، اللہ کی آخری کتاب میں آج تک ایک حرف یا زبر، زیر کی تبدیلی بھی واقع نہیں ہو سکی، الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معانی بھی احادیث نبویہ کی روشنی میں محفوظ ہیں۔

مُنزّلِ کتاب جلّ شانہٗ نے اپنے اس شاہکار کو دوام بخشنے کیلئے نہایت قوی بواعث کو جامۂ وجود عطا فرمایا، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن پاک، کی عبارات میں حلاوت ومنظومیت، اس کے الفاظ میں ہم آہنگی و موزونیت، اس کے معانی میں حکمت وندرت اور اس کے جملوں میں تناسب ومربوطیت جیسے اوصاف رکھ دیئے جنکی بدولت اتنی ضخیم کتاب کو مِن وعَن یاد کر لینا نہایت آسان ہو گیا ہے۔

۲۔ اس کتابِ اکمل کو مأخذ قانون بنانا بھی اسکو محفوظ کرنے کا موجب بنا۔

۳۔ ہر نماز میں اسکی تلاوت کو ضروری ٹھہرایا، اس امر نے بھی اس کے حفظ میں اہم کردار ادا کیا۔

۴۔ بامرِ الٰہی اسے ضبط تحریر میں لانا بھی اس کے سالم وباقی رہنے میں بہت معاون ثابت ہوا۔

وسائل کی کمیابی کے باوجود اس نسخۂ کیمیا کے ایک ایک حرف اور شوشہ کو سپردِ کتابت کرنا، اس کے ناگزیر ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

کاغذ کی عدم دستیابی کے وجہ سے، کلام اللہ کو مندرجہ ذیل چیزوں پر لکھا گیا۔

الف۔ ادیم، دباغت شدہ باریک کھال۔

ب۔ لخاف، سفید رنگ کی پتلی پتلی، چوڑی چوڑی، پتھر کی سلیٹیں۔

ج۔ کتف، اونٹ کے کندھے کی چوڑی ہڈی، جسے تراش خراش کے بعد لکھنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔

د۔ عسیب، کھجور، تاڑ اور ناریل کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے اور خاصا چوڑا ہوتا ہے، اسے کاٹ کر خشک کر لیا جاتا اور پھر لکھنے کیلئے استعمال کیا جاتا۔

ھ۔ اقتاب، اونٹ کے کجاوے کی لکڑی سے بنی ہوئی چھوٹی تختیاں، جو لکھنے کے کام آتی تھیں۔

کسی نئے نبی کے آنے سے قرآن پاک کی محفوظیت پر یہ منفی اثر پڑے گا کہ لا محالہ طور پر نئے نبی کی وحی قرآن کے کسی حکم کو لفظاً یا معناً منسوخ کر سکے گی، قرآنِ کامل واکمل کی تعلیمات میں لفظاً یا معناً ردو بدل کی مرتکب ہو سکے گی، اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب پر من مانی ترمیم و تغییر مسلط کر سکے گی، چنانچہ مرزا قادیانی اور اسکی امت، آیاتِ جہاد، آیاتِ رفع ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام آیاتِ نفخِ صُور، آیاتِ معجزات آیات ختم نبوت اور آیات افضلیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نیز دیگر آیات کے بارے میں اس خود ساختہ حقِ تنسیخ معنوی کو استعمال کر چکے ہیں مزید بھی جہاں چاہیں گے اس خانہ زاد تنسیخی فارمولے کو چالو کر دیں گے، اور بلاتامل شریعتِ محمدیہ پر تاویل کی قینچی چلا دیں گے، فتاویٰ احمدیہ وغیرہا میں اسکی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

مرزا اور مرزائیوں کا یہ ہی نقطۂ نظر اور لائحہ عمل ہے جو آیت مذکورۃ الصدر ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ترجمہ اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں، کی تکذیب کرتا ہے، جبکہ فرمانِ الٰہی کی تکذیب صراحۃً خروج عن الدین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن میں کچھ حذف کرنا خروج عن الدین ہے اسی طرح قرآن میں کچھ اضافہ کرنا بھی خروج عن الدین ہے، مرزا قادیانی نے فرائض، ایمانیات اور اوامر ونواہی میں اضافہ کر کے دو طرفہ خروج عن الدین کا ارتکاب کیا ہے، مثلاً (۱) مرزا قادیانی نے اپنے اوپر ایمان لانے کو فرض اور جزو ایمان قرار دیا۔ (۲) ماہوار چندہ دینا فرض اور جزو ایمان قرار دیا (۳) احمدی لڑکی کو مسلمان کے عقد میں دینا حرام اور منہی عنہ قرار دیا، وغیرہ وغیرہ واضح ہو کہ تحریف خواہ لفظی ہو یا معنوی موجبِ کفر ہے۔

(۸) حضرت حق پاک جَلَّ شانہٗ وعَزَّ برھانہٗ فرماتے ہیں: ﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً﴾. (پ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۸)۔

ترجمہ: فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن اس کتاب (قرآن) کی مثل لانا چاہیں تو ہرگز اسکی مثل نہیں لاسکیں گے، اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

۱۔ عام طور پر نبی کو جو معجزہ عطا ہوتا ہے وہ اس نبی کے اہل زمانہ کی ذہنیت اور طرز فکر کا عکاس اور نمائندہ ہوتا ہے یعنی جس فن، شعبہ اور میدان میں اُس زمانہ کے لوگ مہارت رکھتے ہوں اور اپنی اس مہارت پر فخر کرتے ہوں، اسی فن، شعبہ اور میدان میں نہایت بلند درجہ کی مہارت، برتری اور کاملیت کا شاہکار معجزہ، نبی وقت کو دیا جاتا ہے، تاکہ جب وہ لوگ خود اپنے فن میں، اس نبی کے سامنے اپنے آپ کو عاجز اور درماندہ پائیں تو اس نبی کی عظمت ان کے دل ودماغ پر نقش ہو جائے اور وہ اسکی مافوق البشری نسبت کے قائل ہو کر اسکی نبوت پر ایمان لے آئیں، بشرطیکہ خوش نصیب ہوں۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''معجزۂ عصا'' عطا فرمایا کیونکہ ان کے دور میں جادوگری کا بہت رواج تھا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزۂ شفاء دیا کیونکہ ان کے دور میں جھاڑ پھونک سے علاج معالجے کا مشغلہ عام تھا، جبکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم وحکمت، تدبر وتفکر اور تحقیق وتدقیق کی راہ دکھلانے والی کتاب، بطور معجزہ، مرحمت فرمائی کیونکہ اب سائنسی ایجادات اور علمی ترقیات کا زمانہ شروع ہو رہا تھا۔

لہٰذا حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ''معجزۂ کتاب'' ایک ایسے دور کی عکاسی کرتا ہے جو تعلیم، سائنس، غور وفکر، مشاہدہ ومعائنہ اور خزائن قدرت کی تفتیش وتصقیل کا دور کہلاتا ہے، یہ دور حضور محمد مکی ومدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک سے قیامِ قیامت تک پھیلا ہوا ہے، اس لئے آپ کے معجزے یعنی قرآن مجید کا دورِ مسعود بھی روزِ قیامت تک وسیع، ممتد اور محیط ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دائمی ہے تو پتہ چلا کہ آپ کا دور بھی رہتی دنیا تک دائم وقائم اور پائندہ وتابندہ رہے گا۔

۲۔ آیت مذکورہ بالا نے یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ قرآن مجید، تمام ہدایات سے بڑھ کر ہے اور اس کے بعد کسی ہدایت کی، کسی وحی کی، کسی نبی کی اور کسی کتاب کی کوئی ضرورت

نہیں ہے، کیونکہ قرآن کی مثل کوئی ہے ہی نہیں۔

۳۔ نیز آیت مذکورہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب مثلِ قرآن ممتنع ہے تو پھر مثلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدرجۂ اولیٰ ممتنع ہوگا۔ لہٰذا مرزا قادیانی کا دعوائے بروزیت وظلیت باطل ہے۔

(۹) حضرت حق پاک جَلّ جلالہٗ وعَمّ نوالہٗ نے حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر کے لقب سے یاد فرمایا، ارشاد قرآنی ہے: ﴿یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِیراً. وَدَاعِیاً إِلَی اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِیراً﴾۔ (پارہ ۲۲ سورہ الاحزاب، آیت ۴۵، ۴۶)۔

ترجمہ: اے میرے ذی شان نبی! ہم نے آپ کو اس منصب کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہی دینے والے ہیں اور آپ مؤمنوں کو بشارت دینے والے ہیں اور آپ کافروں کو ڈر سنانے والے ہیں اور آپ اللہ کے اذن سے اسکی طرف دعوت دینے والے ہیں اور آپ سراجِ منیر یعنی آفتابِ عالمتاب ہیں۔

قرآن مجید نے بتصریح، سورج کو سراج کہا ہے ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقاً. وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیهِنَّ نُوراً وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجاً﴾۔ (پ ۲۹، سورہ نوح، آیت ۱۵، ۱۶)۔

ترجمہ: کیا آپ لوگوں نے غور نہیں کیا! کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو اوپر تلے تخلیق فرمایا اور ان میں چاند کو ''نور'' اور سورج کو ''سراج'' بنایا۔ (سورج اور سراج میں لفظی مشابہت بھی بہت پُر لطف ہے)۔

اس مشاہدہ سے انکار ممکن نہیں کہ سورج کی تو یہ شان ہے کہ اس کے سامنے چاند، ستارے بھی بے نور ہو جاتے ہیں نیز سورج ہی وہ کارنامہ کر دکھاتا ہے جو لاکھوں ستارے اور چاند مل کر بھی سرانجام نہیں دے سکتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ لاکھوں ستارے ہر طرف، ظلمتِ شب جہاں جہاں
ایک طلوعِ آفتاب، دشت وچمن سحر، سحر

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''سراجاً منیراً'' قرار دینے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جیسے سورج کی روشنی کے بعد کسی ستارے یا کسی اور منیر کی روشنی کی ضرورت نہیں

رہتی، اسی طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انور واکمل واعلیٰ ذات پاک ایسی ہے کہ اس کے بعد کسی اور نبی یا ہادی کی ضرورت نہیں رہی اور نبوت ورسالت ان پر ختم ہو کر رہ گئی۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی اور نبی کی کیا ضرورت ہے؟ کیا سورج کے طلوع ہو جانے کے بعد کسی لالٹین کی، کسی موم بتی کی یا کسی چراغ کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ سورج تو روشنی کے تمام دیگر ذرائع سے دنیا کو بے نیاز کر دیتا ہے، سورج کے ہوتے ہوئے کسی اور ذریعۂ روشنی کا اہتمام کرنا سوائے کم عقلی کے اور کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہوسکتی ہے کہ سورج کی موجودگی میں کوئی شخص موم بتی جلا کر بیٹھا ہوا ہو؟

(۱۰) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِینَ﴾۔ (پ ۱۷، سورہ الانبیاء، آیت ۱۰۷) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۱) حضرت حق پاک جل جلالہٗ وعم نوالہٗ فرماتے ہیں: ﴿أَوَلَمْ یَکْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ یُتْلَی عَلَیْهِمْ إِنَّ فِی ذَلِکَ لَرَحْمَةً وَذِکْرَی لِقَوْمٍ یُؤْمِنُونَ﴾۔ (پ ۲۱، سورۃ العنکبوت، آیت ۵۱) ترجمہ: کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرما دی ہے جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے، بلاشبہ اس کتاب میں، مؤمنوں کیلئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔

(۱۲) ارشاد قرآنی ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾۔ (پ ۲۲، سورۃ السبا، آیت ۲۸) ترجمہ: اور ہم نے تو آپ کو ایسا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جو تمام لوگوں کے واسطے کافی ہے۔

(۱۳) حق پاک فرماتے ہیں: ﴿تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَی عَبْدِهِ لِیَکُونَ لِلْعَالَمِینَ نَذِیراً﴾۔ (پ ۱۸، سورۃ الفرقان، آیت ۱) ترجمہ: بڑی عالیشان ذات ہے جس نے فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر اتاری تاکہ وہ تمام دنیا جہان والوں کیلئے خبردار کرنے والا ہو۔

(۱۴) ارشاد ربانی ہے: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ آمِنُواْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْکِتَابِ الَّذِی نَزَّلَ عَلَی رَسُولِهِ وَالْکِتَابِ الَّذِیَ أَنزَلَ مِن قَبْلُ﴾۔ (پ ۵، سورۃ النساء، آیت ۱۳۶) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر

جو نازل کی ہے اس نے اپنے پیارے رسول پر اور اس کتاب پر بھی جو نازل کی اس سے پہلے۔ (وحی محمدی کے بعد کسی قسم کی وحی کا کوئی ذکر ہی نہیں)۔

(۱۵) ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ﴾. (پ ۲۴، سورۃ الزمر، آیت ۶۵) ترجمہ: اور البتہ تحقیق! وحی نازل کی گئی آپ کی طرف، اور ان انبیاء کی طرف جو آپ سے پہلے گذرے۔

(اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا نزول نہ ہوگا)۔

ختم نبوت احادیث کی روشنی میں:

۱۔ عن أبی ھریرۃؓ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال اِنّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِی کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتاً فَأَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فِیْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیُعْجَبُوْنَ لَهٗ یَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ الْبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. (صحیح بخاری: باب خاتم النبیین ج اول ص ۵۰۱)۔

ترجمہ: سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری اور گذشتہ انبیاء کرام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے ایک محل تعمیر کیا، اسے نہایت ہی خوبصورت اور جاذبِ نظر بنایا مگر اس کے ایک اہم حصہ میں ایک ضروری اور مہتم بالشان اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، لوگ اس محل کے گرد چکر لگاتے، اس پر شیفتہ اور فریفتہ ہوتے، ساتھ ہی تمنا کرتے، کاش یہ اینٹ بھی (ہماری حیات میں) نصب ہو جاتی!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ہی وہ تکمیلی اینٹ ہوں اور میں ہی انبیاء کرامؑ کے سلسلہ کا اختتام کرنے والا ہوں''۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح البخاری میں لکھتے ہیں:
''فالمراد هنا النظر إلی الاكمل بالنسبة إلی الشريعة المحمدية مع ما خص به من الشرائع، وفيه ضَرْبُ الامثال للتقريب للافهام وفضل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی سائر الأنبياء وان اللّٰه ختم به المرسلين وأكمل به شرائع الدين. (کتاب مذکور، جزء ۱۶، ص ۹۸)۔

ترجمہ: اس حدیث میں شریعت محمدیہ کے اکمل ہونے کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس میں پائے جانے والے خصائصِ احکام کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے، اس تمثیل کا مقصد، بات کو ذہن نشین کرانا ہے، ور یہ سمجھانا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام پر برتری حاصل ہے، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین کے شرائع (اوامر ونواہی) پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں۔

علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح البخاری میں لکھتے ہیں:
''ظاهر السياق ان تكون اللبنة فی مكانٍ يظهر عدم الكمال فی الدار بفقدها''۔ (کتاب مذکور، ج ۶، ص ۵۵۹)۔

ترجمہ: ''سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اینٹ ایک ایسی جگہ کی تھی کہ اس کے مفقود ہونے سے محل کا سارا حسن وکمال ہی معدوم ہو رہا تھا''۔

۲۔ عن أبی هريرة رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم كانت بنو اسرائيل تَسُوْسُهُمُ الاَنْبِيَاءُ كلما هَلَكَ نبیٌّ خَلَفَهٗ نبیٌّ وانه لا نبی بعدی وسيكون خلفاء فيكثرون. (بخاری، جلد اول، ص ۴۹۱)۔

ترجمہ: ''حبیب خدا، اشرفِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے زمانہ میں انبیاء کرامؑ ہی ان کی سیاسی قیادت، سماجی رہنمائی اور اخلاقی اصلاح فرمایا کرتے تھے، جب ایک نبی وفات پا جاتے تو دوسرے نبی ان کے قائم مقام بن جاتے (مگر اب صورت حال یہ ہے کہ) بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی ہی نہیں ہے، ہاں! خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے، (واضح رہے کہ ان خلفاء کو قرآن مجید نے ''اولو الامر'' کے لقب سے یاد فرمایا ہے جس سے مراد صالح امراء اور علماء ہیں)۔

۳۔ عن سعد بن أبی وقاصؓ قال خَلَّفَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیؓ بن أبی طالب فی غزوة تبوک فقال يارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تخلّفنی فی النساء والصبيان فقال صلی اللّٰه علیه وسلم اَمَا تَرْضٰی اَنْ تكون منی بمنزلة هارون من موسیٰ غَيْرَ اَنَّهٗ لانبی بعدی. (صحیح مسلم، باب فضائل علیؓ، جلد دوم، ص ۲۷۸)۔ وَفِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰی ''اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ''. (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۳۳)۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے مدینہ میں چھوڑا، تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تمہاری، میرے ساتھ وہی نسبت ہو جو ہارونؑ کی موسیٰؑ کے ساتھ تھی؟ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

۴۔ عن أبی هریرةؓ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال فُضِّلتُ علی الانبیاء بِستٍّ، أُعطیتُ جوامع الکلم ونُصِرتُ بالرعب وأُحلّتْ لِیَ المغانم وَجُعلَتْ لِیَ الأرضُ مسجداً وطهوراً وأُرسِلْتُ إلی الخلقِ کَافَّةً وَخُتِمَ بِیَ النبیون. (مسلم جلد اول، ص ۱۱۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ (۱) مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔ (۲) میرا رعب، میرا مددگار بنایا گیا۔ (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال قرار دیا گیا۔ (۴) ساری روئے زمین میرے لئے مسجد اور ذریعۂ طہارت بنائی گئی۔ (۵) مجھے ساری مخلوق خدا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ (۶) میرے ذریعہ سلسلۂ انبیاء کا اختتام کیا گیا۔

۵۔ عن محمد بن جبیر بن مطعمؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لِیْ خَمْسَةُ اَسْمَاءَ، أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحی الَّذی یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْکُفْرَ، وأنا الحاشر الذی یُحْشَرُ الناسُ علیٰ قَدَمَیَّ وأنا العاقب. (بخاری جلد اول، ص ۵۰۱)

قال الترمذیؒ: اَلْعَاقِبُ الذی لیس بعدهٗ نبیٌّ (شمائل ترمذی، ص ۲۶)۔

ترجمہ: حضور پرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں: (۱) میں محمد (بہت تعریف کیا ہوا) ہوں۔ (۲) میں احمد (بہت تعریف کرنے والا) ہوں۔ (۳) میں ماحی (مٹانے والا) ہوں، میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ (۴) میں حاشر (اکٹھا کرنے والا) ہوں، میرے قدموں پر لوگوں کو (محشر میں) اکٹھا کیا جائے گا۔ (۵) میں عاقب (آخری) ہوں، ترمذی نے فرمایا: عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

۶۔ عن جابرؓ قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَیْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰی کَاَنَّهٗ مُنْذِرُ جَیْشٍ یقول صَبَّحَکُمْ وَمَسَّاکُمْ ویقول بعثتُ أنا والساعة کهاتین وَیُقْرِن بین اصابعه اَلسَّبَّابَةَ والوسطیٰ. (مسلم جلد اول، ص ۲۸۴)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ نے کہا کہ سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرماتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخی مائل ہو جاتی تھیں، آپ کی آواز بلند ہو جاتی تھی اور آپ کے جلال میں اضافہ ہو جاتا تھا، گویا کہ آپ کسی لشکر سے خبردار فرما رہے ہیں، آپ فرماتے وہ صبح آیا کہ شام آیا، آپ اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ ہیں جس طرح کہ یہ انگلیاں، اور آپ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھایا کرتے تھے۔

۷۔ عن أبی هریرةؓ فی قصة العرض علی اللّٰه تعالیٰ یوم القیامة، وفَزْعِ الناس إلی الانبیاء قال صلی اللّٰه علیه وسلم أنا سید ولد آدم، فیقول عیسیٰ اذهبوا إلی غیری، اذهبوا إلی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم فیأتون محمداً صلی اللّٰه علیه وسلم یقولون یامحمد! انت رسول اللّٰه وخاتم النبیین. (بخاری جلد دوم، ص ۱۷۴، مسلم جلد اول، ص ۱۹۴)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ سے اس قصہ کے ضمن میں جس میں، قیامت کے دن، اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہونے کا اور انبیاء کی طرف لوگوں کے لپکنے کا تذکرہ ہے، یہ مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اولاد آدمؑ کا سردار ہوں، چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ تم لوگ کسی اور کی طرف جاؤ، (بلکہ) تم لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، تو لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں (سو ہماری شفاعت فرمایئے)۔

۸۔ عن أبی هریرةؓ اَنَّهٗ سمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول نحن الآخرون السابقون. (بخاری جلد اول، ص ۴۱۵)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرماتے تھے، ہم آخر میں آنے والے ہیں، اور سب سے آگے نکل جانے والے ہیں۔

۹۔ عن أبی هریرةؓ قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فَإِنِّیْ آخر الانبیاء وان مسجدی آخر المساجد. (مسلم جلد اول، ص ۴۴۶)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد نبوی ہے۔

۱۰۔ عن جابرؓ عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال وأنا اللبنة جئتُ فختمتُ الأنبیاء.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں ہی ''وہ اینٹ'' ہوں، میں آیا، پس میں نے سلسلۂ انبیاء کا اختتام کیا۔

۱۱۔ عقبة بن عامرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان بعدى نبىٌّ لكان عمرؓ بن الخطاب. (ترمذی، جلد دوم، ص ۲۰۹)۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ بن خطاب ہوتے''۔

۱۲۔ عن انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثتُ انا والساعة كهاتين واشار ابوداؤد بالسبّابة والوسطىٰ. (ترمذی، جلد دوم، ص ۴۴)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری بعثت اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ ہیں، ابو داؤد نے شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھلایا۔

۱۳۔ عن أبى هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قد كان فيمن قبلكم من بنى اسرائيل رجالٌ يُكَلَّمُونَ من غير ان يكونوا انبياء فان يك فى امتى منهم اَحَدٌ فعُمَرُ. (بخاری، ج ۱، ص ۵۲۱) وفى روايةٍ اُخرىٰ يُحَدَّثُوْنَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرةؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں سے پہلے بنو اسرائیل میں ایسے اشخاص گزرے ہیں جن سے الہام وکلام کیا جاتا تھا، بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں، میری امت میں (اب) کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔

۱۴۔ عن ثوبانؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سيكون فى امتى ثلاثون كذابون كلهم يزعم انّهٗ نبىٌّ وانا خاتم النبيين، لا نبى بعدى (ترمذی، جلد دوم، ص ۴۵) وفى روايةٍ اخرىٰ، دجالون كذابون قريبٌ من ثلاثين كلهم يزعم انهٗ رسول الله. (متفق علیہ)۔

ترجمہ: میری امت میں تیس کے قریب دجال وکذاب ہوں گے، یہ سب نبی ہونے کے زعم میں مبتلا ہوں گے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۱۵۔ عن جابرؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم قال انا قائد المرسلين ولا فخر،

وأنا خاتم النبيين ولا فخر، وأنا اول شَافِعٍ ومُشَفَّعٍ ولا فخر. (رواه الدارمى، مشكوٰة، ص ۵۱۲، کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۸۲)۔

ترجمہ: میں مرسلین کا قائد ہوں، یہ اظہار فخر نہیں (بلکہ اظہارِ حقیقت ہے)، میں خاتم النبیین ہوں، یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا (بلکہ بیانِ واقعہ معروضیہ ہے)، میں اول شافع (صاحب شفاعت) اور مشفع (مقبول شفاعت) ہوں، یہ بطور فخر نہیں (بلکہ تحدیثِ نعمت ہے)۔

۱۶۔ عن العرباض بن ساريةؓ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال أنى عند الله مكتوب خاتم النبيين وأن آدم لَمُنجَدِلٌ فى طينته. رواه فى شرح السنة (مشکوٰۃ، ص ۵۱۳، کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۸۳)۔

ترجمہ: عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ہاں، میں خاتم النبیین کے منصب پر فائز تھا، جبکہ آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی زیر ترتیب تھا۔

۱۷۔ عن اسماعيل بن خالد قال قلت لعبد الله بن ابى اوفىؓ أرأيت ابراهيمؑ بن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مات ابراهيم وهو صغيرٌ ولو قُضِىَ ان يكون بعد محمدٍ صلى الله عليه وسلم نبىٌّ لَعَاشَ ابنهٗ ولكن لا نبى بعدهٗ. (ابن ماجہ، ص ۱۵۱۰)۔

ترجمہ: حضرت اسماعیل بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ابراہیم کم سنی میں وفات پا گئے تھے، اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی آمد اللہ کو منظور ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے زندہ رہتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۱۸۔ عن قتادةؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم كنتُ اول الناس فى الخلق وآخرهم فى البعث. (کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۸۴)۔

ترجمہ: حضرت قتادہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میں تخلیق میں سب سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخری ہوں۔

۱۹۔ عن ابن عباسؓ قال كانت يهود خيبر تقاتل غطفان فلما التقوا هُزِمَتْ يهود خيبر، فعادت اليهود بهذا الدعاء فقالت اللهم انا نسألك بحق محمد النبى الأمى

الذی وعدتنا ان تخرجهٔ لنا فی آخر الزمان إلا نصرتنا علیهم قال فکانوا إذا التقوا دَعَوُا بهذا الدعاء فهزموا غطفان. (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد دوم، ص ۷۶)۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے یہودی، بنوغطفان سے لڑتے تھے اور شکست کھاتے تھے، پھر انہوں نے اس دعاء کو اپنایا، یا اللہ! ہم تجھ سے مدد کا سوال کرتے ہیں محمد نبی امی کے وسیلہ سے، جن کے بارے میں تو نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ تو ان کو آخری زمانہ میں ظاہر کرے گا (پھر کچھ نہ ہوگا) سوائے اس کے کہ تو اُن (پر ایمان لانے) کے صدقے میں ہماری اِن کے خلاف مدد فرمائے گا، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ لوگ یہ دعاء مانگتے اور فتح پاتے۔

چونکہ یہودی آنحضرتؐ پر ایمان نہ لائے، اسلئے اللہ کی مدد سے محروم ہو گئے۔

۲۰۔ عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی، قال فشق ذلک علی الناس، فقالَ ولکن المبشرات. فقالوا یارسول اللّٰه وما المبشرات؟ قال علیه الصلاة والسلام رؤیا المسلم وهی جزء من اجزاء النبوة. (ترمذی، جلد دوم، ص ۵۱) وفی روایة اُخری: قالوا وما المبشرات؟ قال علیه الصلاة والسلام الرؤیا الصالحة. (بخاری، کتاب الرؤیا)۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ ہی نبی، یہ بات لوگوں پر شاق گذری، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر مبشرات، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا ''مسلمان کا خواب''، ایک دوسری روایت میں ہے ''نیک خواب''، آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا نیک خواب اجزاء نبوت میں سے ہے۔

جبکہ مرزا قادیانی کے خوابوں پر ''مسلمان کا نیک خواب'' کی تعریف صادق نہیں آتی، مرزا قادیانی کے سوتے جاگتے خواب ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ مرزا قادیانی کہتے ہیں: رَاَیْتُنِیْ فِی الْمَنَامِ عَیْنَ اللّٰهِ وَتَیَقَّنْتُ اَنَّنِیْ هُوَ. (آئینہ کمالاتِ اسلام، ص ۵۶۴)۔

ترجمہ: میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں بعینہ اللہ ہوں، اور مجھے پورا یقین حاصل ہوگیا کہ میں وہی ہوں، پھر میں نے آسمان بنایا اور زمین بنائی۔

۲۔ مرزا قادیانی نے خواب دیکھا کہ ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند سلمہا اللہ تعالیٰ ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں ۔۔۔۔۔۔ اور دو روز قیام فرمایا۔ (مکاشفات، مؤلفہ بابو منظور الٰہی قادیانی)۔

۳۔ مجموعہ الہامات میں مرزا قادیانی کا خواب درج ہے کہ ''میں نے دیکھا کہ زارِ روس کا سونٹا میرے ہاتھ میں آ گیا ہے ۔۔۔۔ غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے ۔۔۔۔ اور پھر دیکھا کہ خوارزم شاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا، اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے''۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس، مجموعہ الہامات)۔

جبکہ پروفیسر الیاس برنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''قادیانی مذہب'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ بوعلی سینا تو خوارزم شاہی دور شروع ہونے سے ۶۲ سال پہلے ہی وصال پا چکے تھے۔

۴۔ ''مرزا صاحب نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا، ایک بلی ہے اور گویا ایک کبوتر ہمارے پاس ہے، وہ اس پر حملہ کرتی ہے۔ بار بار ہٹانے سے باز نہیں آتی، تو میں نے اس کی ناک کاٹ دی، اور خون بہہ رہا ہے، پھر بھی باز نہیں آتی، تو میں نے اسے گردن سے پکڑ کر اس کا منہ زمین میں رگڑنا شروع کیا، بار بار رگڑتا تھا، پھر بھی سر اٹھاتی تھی تو آخر میں نے کہا کہ آؤ، اسے پھانسی دیں''۔ (مکاشفات، مؤلفہ بابو منظور الٰہی قادیانی)۔

۵۔ ''خواب میں دیکھا کہ ہم ایک جگہ جا رہے ہیں، ایک ہاتھی دیکھا، اس سے بھاگے اور ایک کوچہ میں چلے گئے، لوگ بھی بھاگے جاتے ہیں، میں نے پوچھا کہ ہاتھی کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ کسی اور کوچہ میں چلا گیا ہے، ہمارے نزدیک نہیں آیا، پھر نظارہ بدل گیا، گویا گھر بیٹھے ہیں قلم پر میں نے دو نوک لگائے ہیں جو ولایت سے آئے ہیں، پھر میں کہتا ہوں، یہ بھی نامرد ہی نکلا، اس کے بعد الہام ہوا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس، مجموعہ الہامات مرزا قادیانی، ص ۴۷۰)۔

۶۔ مرزا قادیانی نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر کی کہ کشف کی حالت ان پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا وہ ایک ''عورت'' ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ''رجولیت'' کی قوت کا اظہار فرمایا۔ (اسلامی قربانی، مصنفہ قاضی یار محمد قادیانی یعنی ٹریکٹ نمبر ۳۴)۔

۷۔ مرزا قادیانی نے اپنا الہام یوں بیان کیا ہے، ''مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی، اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا، پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا (کشتی نوح، مصنفہ مرزا قادیانی)۔

۸۔ حضرت فاطمہ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا، اور مجھے دکھایا کہ میں ''اس'' میں سے ہوں، چنانچہ یہ کشف براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ (بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ)۔

۹۔ ''اربعین نمبر۴'' میں بابو الٰہی بخش کے متعلق یہ الہام درج ہے: ''بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے، مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا، جو متواتر ہوں گے، تجھ میں وہ حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے، ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے''۔

''احادیث کی روشنی میں ان خوابوں کا تجزیہ''

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا خوابوں کی شرعی اور اخلاقی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس قسم کے خواب ہماری تصدیق، تائید اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں؟ کیا اس نوع کے خواب دیکھنے والا شخص کسی پذیرائی اور خوش آمدید کا حق دار ہے؟

اِن سوالوں کے جواب مندرجہ ذیل احادیث وروایات میں موجود ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ عن جابرؓ قال جاء رجلٌ إلى النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال رأیتُ فی المنام کأنَّ رأسی قُطِعَ قال فضحک النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وقال إذا لَعِبَ الشیطان باحدکم فی منامہٖ فلا یُحَدِّث به الناس، رواہ مسلم (مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا، ص ۳۹۵)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میرا سر کاٹ دیا گیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے ساتھ شیطان، خواب میں کھیلے تو وہ اپنا خواب لوگوں کو نہ سناتا پھرے۔

۲۔ عن ابن عمرؓ اَنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال مِنْ أفری الفِرَیٰ اَن

یُرِیَ الرجلُ عَینَیهِ ما لَمْ تَرَیَا. رواہ البخاری (مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا، ص ۳۹۷) أی یقول رأیت فی النوم کذا ولم یکن رأی شیئاً لانہٗ کذب علی اللہ تعالیٰ (مرقاۃ ملا علی القاریؒ)۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب بہتانوں سے بڑھ کر بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص خواب میں وہ کچھ دیکھنے کا دعویٰ کرے جو اس نے نہیں دیکھا۔

۳۔ قال محمد بن سیرینؒ (وَهُوَ من اجل التابعین) الرؤیا ثلاث، حدیث النفس وتخویف الشیطان وبشریٰ من اللہ تعالیٰ. (مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا، ص ۳۹۴)۔

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) نے فرمایا، خواب کی تین قسمیں ہیں ایک، خیالِ ذہنی، دوسرا شیطانی وسوسہ، تیسرا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت۔

۴۔ عن أبی قتادۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الرؤیا الصالحة من اللہ والحلم من الشیطان. (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا)۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور بے ہودہ خواب شیطان کی طرف سے۔

''ختم نبوت کی احادیث متواتر المعنیٰ ہیں''

کتب حدیث میں دو صد کے قریب ایسی احادیث موجود ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ حدیث متواتر المعنیٰ بھی حدیث متواتر اللفظ کی طرح، موجبِ یقین وایمان ہوتی ہے اور دربارۂ عقائد، حجتِ قطعیہ قرار دی گئی ہے، اس کا انکار بھی منکر کو دین سے خارج بنا دیتا ہے، اس لئے مرزائی لوگوں کو کچھ سوچنا چاہئے۔

ختم نبوت کی بہت ساری احادیث متواتر اللفظ بھی ہیں، مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث جس میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اما ترضیٰ أن تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ إلا انهٗ لا نبی بعدی''۔

''ختم نبوت از روئے اجماع''

(۱)　علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں ''من اعتقد وحیاً بعد محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقد کفر بأجماع المسلمین.

ترجمہ: جس شخص نے اعتقاد رکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہوسکتی ہے وہ باجماعِ مسلمین، دین سے نکل گیا۔

(۲)　ملا علی القاری لکھتے ہیں ''ودعوی النبوۃ بعد نبینا کفرٌ بالاجماع. (شرح فقہ اکبر، ص ۲۰۲)۔

ترجمہ: ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، دعوائے نبوت بالاجماع کفر ہے۔

(۳)　آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے شخص مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں، صحابہ کرامؓ کو روانہ فرمایا، تاکہ اس کے ساتھ قتال کر کے اسے واصلِ جہنم کریں، تمام صحابہ کرامؓ نے اس قتال پر اجماع کیا اور اسے بالاتفاق تسلیم کیا، اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا پہلا اجماع، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ہی منعقد ہوا تھا۔

(۴)　آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر جو اجماع امت ہے وہ بلا فصل ہے یعنی بتواتر اور بتسلسل ہے، کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گذرا جسمیں تمام مسلمانوں کا اجماع اس عقیدہ پر نہ رہا ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں، اول دن سے لیکر آج تک نسلاً بعد نسلٍ یہ عقیدہ وراثۃً منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہیگا۔

(۵)　علامہ نجم الدین النسفی رحمۃ اللہ علیہ اجماعی عقاید بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وأول الأنبیاء آدم علیہ السلام وآخرھم محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم''.

ترجمہ: اول نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، (العقائد، ص ۹۹)۔

(۶)　علامہ سعد الدین التفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: '' وقد دل کلامہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکلام اللّٰہ المنزل علیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی انہ خاتم النبیین وانہ مبعوث الی کافۃ الناس بل الی الجن والانس ثبت انہ آخر الانبیاء وان نبوتہ لا تختص بالعرب، فان قیل قدورد فی الحدیث نزول عیسی بعدہ قلنا نعم لکنہٗ یتابع

محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم لان شریعتہٗ قد نسخت فلا یکون الیہ وحی ونصب الاحکام بل یکون خلیفۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. (شرح العقائد، ص ۱۰۱)۔

ترجمہ: قرآن وحدیث اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ تمام لوگوں کی طرف بلکہ تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں، ثابت ہوا کہ آپ آخر الانبیاء ہیں اور یہ کہ آپ کی بعثت عرب تک محدود نہیں ہے، اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول احادیث سے ثابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کریں گے کیونکہ شریعتِ عیسوی منسوخ ہو چکی ہے، لہذا اِس زمانہ میں آپ پر وحی نازل نہ ہوگی اور نہ ہی آپ نئے احکام جاری کریں گے، بلکہ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر کام کریں گے۔

(۷)　علامہ شہاب الدین الخفاجیؒ لکھتے ہیں:

وکذلک نکفر من ادعیٰ نبوۃ احدٍ مع نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنْ فِی زَمنِہ کمسیلمۃ الکذاب والاسود العنسی او ادعیٰ نبوۃ احدٍ بعدہٗ فانہ خاتم النبیین بنص القرآن والحدیث، فھذا تکذیبٌ لِلّٰہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاضؒ جلد چہارم ص ۵۰۶)۔

ترجمہ: جو شخص، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانے، خواہ آپ کے زمانے میں مثلاً مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کسی کو نبی مانے، تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا، قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت ہے، پس اس شخص کا یہ اعتقاد، خدا و رسولؐ کی تکذیب ہے۔

(۸)　کتاب الفصل جلد سوم ص ۲۴۹ میں ہے کہ جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بغیر عیسی بن مریم علیہ السلام، کسی اور شخص کو نبی کہے گا تو اس کے بے دین ہونے میں دو مسلمان بھی مختلف نہیں ہوں گے۔

اسی کتاب کی جلد چہارم ص ۱۰۸ میں ہے کہ کیسے کوئی مسلم جائز سمجھتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں کوئی نبی آوے؟ بجز اُس کے جس کو آنحضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے خود مستثنیٰ فرمایا، یعنی عیسی بن مریم علیہ السلام۔

(۹)　علامہ جلال الدین السیوطیؒ لکھتے ہیں: ”عن عمر بن مهاجر وغيره اَنَّ عمر بن عبد العزيزؒ لَمَّا اُستُخلِفَ، قَامَ فی الناسِ فَحمِدَ اللّٰه وَاَثنٰی عليه ثم قال ايها الناس اِنَّهُ لا كتابَ بَعْدَ القرآنِ ولا نبیَّ بَعْدَ مُحَمّدٍ صلى اللّٰه عليه وسلم. (تاریخ الخلفاء، ص ۱۷۶)۔

ترجمہ: عمر بن مہاجر اور دیگر سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا، اے لوگو! قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۱۰)　حضرت محبوب سبحانی قدس سرہٗ لکھتے ہیں: ويعتقد اهل الاسلام قاطبةً ان محمد بن عبد اللّٰه بن عبد المطلب بن هاشم، رسول اللّٰه وسيد المرسلين وخاتم النبيين وانه مبعوثٌ إلىٰ الناس كافةً وإلىٰ الجن عامةً كما قال اللّٰه عزّوجلّ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ. وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (غنیۃ الطالبین، ص ۱۸۲)۔

ترجمہ: سارے کے سارے مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں، تمام رسولوں کے سردار ہیں اور تمام نبیوں میں آخری ہیں، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں اور تمام جنوں کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے آپ کو تو سارے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، نیز ہم نے آپ کو تو سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۱)　حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین کے ترجمہ میں تحریر فرمایا ہے: ”اعتقاد کنند اہل اسلام ہمہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خدا ست وسالار ہمہ پیغمبران ست و تمام کردہ شدہ است باو پیغمبران را۔“

(۱۲)　حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں: واما هو صلى اللّٰه عليه وسلم فخوطب بيَا أيها النبی ويا أيها الرسول لكونه موصوفاً بجميع أوصاف المرسلين وفی قولهٖ تعالىٰ ولكن رسول اللّٰه وخاتم النبيين أيماءً إلىٰ ما ورد فی بعض احاديث الاسراء ”جَعَلْتُكَ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ خَلْقاً وَآخِرَهُمْ بَعْثاً كما رواه البزاز عن أبی هريرةؓ. آگے چل کر لکھتے ہیں: ”وما احسن قول حسانؓ، لو لم يكن فيه آياتٌ مبينةٌ كانت بَدِيهَتُهٗ تأتيك بالخبر، وبيانهٗ أنّ ما من احدٍ ادعىٰ النبوة من الكذابين إلا وقد ظهر عنه من

الجهل والكذب لمن لهٗ ادنى تميز بل وقد قيل ما اَسَرَّ احدٌ سريرةً إلا اظهرها اللّٰه على صفحات وجههٖ وفلتات لسانهٖ ويزيده قولهٗ تعالىٰ واللّٰه مخرجٌ ماكنتم تكتمون. (شرح فقہ اکبر، ص ۵۸، ۵۹)۔

ترجمہ: جہاں تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یا ایہا النبی اور یا ایہا الرسول کے الفاظ سے مخاطب فرمایا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء ومرسلین کے تمام اوصاف کے جامع ہیں

؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضاء داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز اللہ تعالیٰ کے قول ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں اُس امر کی طرف اشارہ ہے جو کہ بعض احادیثِ معراج میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے آپ کو تخلیق میں اول الانبیاء بنایا اور بعثت میں آخر الانبیاء۔ (اس حدیث کو بزارؒ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے) گویا کہ آپؐ کا بدایہ اور نہایہ دونوں کو آیت میں بیان فرما دیا ہے۔

اس کے بعد ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسانؓ کے ایک شعر سے نکتہ نکالتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ”کسی بھی شخص نے کبھی جھوٹ موٹ نبوت کا دعویٰ نہیں کیا مگر اس کی جہالت اور غلط بیانی، معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص پر بھی ظاہر ہو جاتی ہے، بلکہ یہاں تک بھی کہا گیا ہے کہ کسی شخص نے بھی اپنے مافی الضمیر کو نہیں چھپایا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرے کے صفحات اور اسکی زبان کے فلتات (لڑکھڑاہٹوں) کے ذریعہ سے اس کو آشکارا کر دیا، اسکی مزید تشریح اس ارشاد الٰہی سے ہوتی ہے: ”اللہ ظاہر کرنے والا ہے اس کو جس کو تم چھپاتے ہو“۔

آگے چل کر آپؒ لکھتے ہیں: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کا دعوائے نبوت کرنا اجماعِ اہل اسلام کی رو سے کفر ہے۔ (شرح فقہ اکبر: ص ۲۰۲)

(۱۳)　امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: عن ابراهيم النخعی عن همام عن حذيفةؓ قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وانی خاتم النبيين لا نبی بعدی. (مشکل الآثار، جلد چہارم، ص ۱۰۴)۔

ترجمہ: ابراہیم نخعیؒ نے ہمامؒ سے، انہوں نے حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اور میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۱۴) الشیخ ابو العباس احمد القلقشندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وھاتان المقالتان من جملة ما كُفِّرُوا بِه (۱) بتجويز النبوة بعد النبي صلى الله عليه وسلم الذى اخبر تعالىٰ انهٗ خاتم النبيين. (۲) وقولهم انها تنال بالكسب. اِنَّ السلطان صلاح الدين بن يوسف بن ايوب رحمة الله عليهم انما قتل عُمَارَةَ اليمنى الشاعر، مستنداً فى ذلك إلى بيتٍ نُسِبَ اليه من قصيدةٍ، وهو قولهٗ:

وكان مبدأُ هذا الدين من رَجُلٍ

سعى فأصبح يُدْعىٰ سيد الأمم

(صبح الاعشیٰ، جلد ۱۳، ص ۳۰۵)

ترجمہ: ''نام نہاد، ملحد اور بے علم و دانش فلاسفہ جن عقائد مذمومہ و مردودہ کی وجہ سے تکفیر کے سزاوار ہوئے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو جائز کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ نبوت کو امر کسبی سمجھتے ہیں، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے عمارہ یمنی کو اس کے اس شعر کی بنیاد پر قتل کیا جسکا ترجمہ ہے:

اِس دین کا مبدأ ایک ایسا آدمی تھا جس نے کوشش کی اور سید الامم بن گیا۔

(۱۵) علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں: ''اِذَا لَم يَعرِفْ اَنَّ محمداً صلى الله عليه وسلم آخر الانبياء فليس بمسلم لانهٗ من ضروريات الدين''۔

ترجمہ: جب کوئی شخص یہ نہ جانے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں میں آخری ہیں، تو وہ مسلمان نہیں کیونکہ ختم نبوت پر اعتقاد رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ (الاشباہ والنظائر، باب السیر والردۃ، ص ۲۹۶)۔

اس کی شرح میں مرقوم ہے کہ ضروریاتِ دین سے ناواقفیت کوئی عذر نہیں۔

(۱۶) علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنی ہے سلسلۂ انبیاء کو ختم کرنے والے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کبھی منسوخ نہ ہوگی، بلکہ اس نے تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے اتریں گے تو شریعت محمدیہ پر عمل کریں گے۔ (المواھب اللدنیہ، باب اسماء النبیؐ)

المواھب اللدنیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء کرام کی تعداد میں اختلاف ہے مگر اس بات پر اجماع ہے کہ اول نبی آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

''خاتم کا معنیٰ، علماء لغت کی نظر میں''

(۱) قاموس میں ہے: ''خاتم الانبیاء آخرھم''

(۲) لسان العرب میں ہے: ''خاتمهم آخرهم''

(۳) قطر المحیط میں ہے: ''خاتم کا معنیٰ آخری''

(۴) مجمع البحار میں ہے: ''خاتم کے معنیٰ ہیں کہ ''لا نبی بعدہٗ'' (جلد اول ص ۳۲۹)

(۵) تاج العروس شرح قاموس میں ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک خاتم اس واسطے ہے کہ آپ کے آنے سے نبوت ختم ہوگئی ہے۔

(۶) کلیاتِ ابو البقاء میں ہے: ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا نام جو خاتم الانبیاء ہے، اس واسطے ہے کہ خاتم کا معنیٰ ہیں آخری۔

(۷) صحاح میں ہے: ''خاتم الشئ آخرهٗ''۔

(۸) منتہی الارب میں ہے: ''خاتمِ چیز، پایاں آں و آخرِ قوم''۔

(۹) صراح میں ہے: کہ خاتم، شی کا آخر ہوتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، یعنی آخری نبی۔

(۱۰) المنجد میں ہے: الخاتَم بفتح التاء والخاتِم بكسر التاء، ''ما يختم به''۔

ترجمہ: خاتَم فتح تا کے ساتھ اور خاتِم کسر تا کے ساتھ دونوں کا معنیٰ ہے، وہ جس کے ساتھ اختتام کیا جائے۔ (یاد رہے کہ اول اسمِ آلہ ہے اور دوم اسم فاعل ہے)۔

''ایک ضروری وضاحت''

جھوٹے مدعیانِ نبوت کی تعداد کے بارے میں قدرے وضاحت درکار ہے چنانچہ اس بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الآثار میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: ''بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الكذابين الثلاثين يخرجون بعدهٗ هل هم دجالون أم لا''. (جلد چہارم، ص ۱۰۴)۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ''لان الكذبين المذكورين فى الخبر الذى ذكروا فيه، لو كانوا كما ذكر، لم يكن لهم عددٌ يحصرهم''۔

اس باب کا خلاصہ کچھ یوں ہو گا کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت میں سے بعض تو کذاب اور دجال دونوں صفات کے حامل ہوں گے جنکی تعداد تیس ہو گی، مگر بعض متنبیان صرف کذاب ہوں گے، دجال نہ ہوں گے، اس طرح جھوٹے مدعیانِ نبوت تیس کے عدد میں منحصر قرار نہ پائیں گے۔

ضروری نوٹ: کذاب، کذب سے مشتق ہے جس کا معنی جھوٹ ہے، جبکہ دجال، دَجل سے مشتق ہے جس کا معنی ہے، مکروفریب، جعل سازی، دھوکہ دہی اور شعبدہ بازی، گویا کہ دجال کا درجہ، کذاب سے اوپر ہے، ان سب کے آخر میں دجالِ اعظم ظاہر ہو گا جس کی صرف ایک آنکھ پیشانی کے درمیان میں ہو گی، اسکی دیگر علامات احادیث میں موجود ہیں۔

”مرزا قادیانی کے عقائد“

(۱) مرزا لکھتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عین اللہ ہوں، الوہیت میرے رگ وریشہ میں سما گئی ہے، میں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، وغیرہ وغیرہ (آئینہ کمالات، ص ۵۶۴، ۵۶۵)۔

(۲) مرزا لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو جس چیز کو بنانا چاہیے، پس کن کہہ دے وہ ہو جائے گی۔ (حقیقۃ الوحی، ص ۱۰۵)۔

(۳) مرزا لکھتے ہیں کہ ”اے مرزا تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے“۔ اس سے مرزا نے خدا کیلئے بیٹا ثابت کیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی، ص ۸۶)۔

(۴) مرزا لکھتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ میں رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا، کبھی خطا کروں گا، کبھی صواب کو پہنچوں گا۔ (حقیقۃ الوحی، ص ۱۰۳)

اس سے مرزا نے اللہ تعالیٰ کو غلطی کرنے والا قرار دیا۔

(۵) مرزا لکھتے ہیں کہ زمین وآسمان جیسے ہمارے ساتھ ہیں، ویسے ہی مرزا کے ساتھ۔ (حقیقۃ الوحی، ص ۷۵)۔

اس سے مرزا نے اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر وناظر ظاہر کیا ہے۔

(۶) مرزا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں، جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں، جس طرح میں قدیم اور ازلی ہوں، تیرے

لئے میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں، پس تو ازلی ہے۔ (البشریٰ جلد دوم، ص ۷۹)۔

(۷) مرزا لکھتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے کہ جس کے بے شمار ہاتھ اور بے شمار پیر ہیں اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہاء عرض و طول رکھتا ہے، اور تینڈوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحۂ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خدا کو تینڈوے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ (توضیح المرام، ص ۷۵)

(۸) مرزا کہتے ہیں کہ نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو اور نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا جب تک موسیٰ اور مسیح اور یعقوب اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں، نئی زندگی ان ہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو۔ (ضمیمہ تریاق، جلد ۳، ص ۳۹۷)۔

اس سے مرزا نے خدا کو حادث بنا دیا ہے۔

(۹) مرزا نے کہا ہے کہ قرآن، خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۸۴)۔

(۱۰) خطبہ الہامیہ کے صفحہ اول یعنی ٹائٹل پیج پر لکھتے ہیں کہ بے شک یہ خدا کی آیت ہے اور کوئی انسان اس کی مثل نہیں بول سکتا۔ یعنی اس خطبہ کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔

(۱۱) مرزا قرآن مجید کے متعلق کہتے ہیں کہ ”پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ مبادا قرآن، گالیوں سے پُر ہے۔ (ازالہ اوہام، جلد اول، ص ۱۴)۔

(۱۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا کا عقیدہ حسب ذیل ہے:

”آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور تین نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجودظہور پذیر ہوا۔ مگر شاید یہ بھی خدائی کیلئے ایک شرط ہو گی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگائے اور اپنی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر

ملے، سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا انسان ہے، پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے، چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ (ضمیمہ انجام آتھم، ص ۷)۔

(۱۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا کا عقیدہ حسب ذیل ہے:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک شام میں جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں، پہنچائیں گے، مگر یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی''۔ (تتمۃ حقیقۃ الوحی، ص ۱۷۷)۔

(۱۴) حضرت بی بی مریم کے متعلق مرزا کا عقیدہ حسب ذیل ہے:

''مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا، پھر بزرگانِ قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا، گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت، عین حمل میں کیوں نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں توڑا گیا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی؟ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آ گئیں، اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے نہ قابل اعتراض۔ (کشتی نوح، ص ۱۶)۔

(۱۵) حضرت سیدۃ نساء اہل الجنۃ بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ علیہ کے بارے میں مرزا کا یہ قول ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ نے میرا سر اپنی ران پر رکھا اور دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔

(۱۶) حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں مرزا کا عقیدہ حسب ذیل ہے:۔

''لوگ کہتے ہیں کہ حسنین پر تم اپنے آپ کو فضیلت دے رہے ہو؟ ہاں میں کہتا ہوں کہ میں افضل ہوں ان سے، اور یہ عنقریب ظاہر ہو جائے گا''۔ آخر میں مرزا لکھتے ہیں: ''میں تو عشق الٰہی کا مقتول ہوں اور تمہارے حسین کو تو تمہارے دشمن نے قتل کیا، پس کس قدر ظاہر اور کھلا ہوا فرق ہے''۔

لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ.

''ضروریاتِ دین سے ہی دین تشکیل پاتا ہے''

مرزا قادیانی نے ختم نبوت کا انکار کر کے ایک ایسے امر کا انکار کیا جو ضروریاتِ دین میں سے ہے، اس مسئلہ میں ساری امت بیک زبان متفق ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار صاف صاف دین کا انکار ہے، کیونکہ دین عبارت ہے ضروریاتِ دین سے، ضروریاتِ دین ہی دین کے ستون اور اجزاء ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ ضروریاتِ دین کیا ہیں؟ سو عرض ہے کہ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے مطابق، اصطلاحِ دین میں ان امور کو ضروریاتِ دین کہا جاتا ہے جن کو تسلیم کرنا از روئے شرع ضروری، قطعی، بدیہی اور لابدی ہو، یہی وجہ ہے کہ ان امور کا انکار، بغاوت از دین اور خروج از اسلام قرار دیا گیا ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت چونکہ متواترات، مسلمات، بدیہیات، قطعیات اور اساسیات میں سے ہے اس لئے اس کا شمار، ضروریاتِ دین میں سے ہوتا ہے۔

تفہیم مسئلہ کیلئے ضروریاتِ دین کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک ماننا اور اس کے تمام اسماء پر ایمان لانا۔

۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی ماننا، اور دیگر تمام عقائد۔

۳۔ ارکان اسلام کو تسلیم کرنا۔

۴۔ عالَمِ دنیا کو حادث اور فانی ماننا۔

۵۔ اجسام کے حشر کو ماننا۔

۶۔ نَفخِ صُور پر ایمان رکھنا۔

۷۔ اخروی محاسبہ پر ایمان رکھنا۔

۸۔ علمِ الٰہی ازلی ابدی بابت کلیات وجزئیات مادیہ وغیر مادیہ پر اعتقاد رکھنا۔

۹۔ عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام کو تسلیم کرنا۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ اور انبیاء اللہ تعالیٰ کی توقیر وتعظیم بدرجۂ کمال بجا لانا۔

۱۱۔ حلتِ حلال اور حرمتِ حرام کو تسلیم کرنا۔

ان چند مثالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ مسئلہ ہذا کی تفہیم کے لئے اس قدر مثالیں کافی ہیں۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ ہوں (۱) فتاویٰ شامی، باب الامامۃ، جلد اول، ص ۲۴۷۔

(۲) در مختار (برحاشیہ فتاویٰ شامی، جلد سوم، ص ۲۸۳)۔

(۳) الاشباہ والنظائر، ص ۲۶۷۔

(۴) شرح فقہ اکبر از ملا علی القاری، ص ۱۷۹۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے مذکورہ بالا ضروریاتِ دین کا کھلم کھلا اور بار بار انکار کیا ہے۔

’’اہلِ قبلہ کی اصطلاح سے کیا مراد ہے؟‘‘

نماز میں قبلہ رو ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اسے علامت بناتے ہوئے اہلِ قبلہ کی اصطلاح وضع کی گئی، جس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے ہوں۔ اگر کوئی شخص قبلہ شریف یعنی کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرکے نماز تو پڑھتا ہو مگر ضروریاتِ دین میں سے کسی امر کا منکر ہو تو اسے اہل قبلہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس سے واضح ہوا کہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار اہل قبلہ نہیں ہیں، کیونکہ وہ اکثر وبیشتر ضروریاتِ دین کے منکر ہیں۔

(۱) ملا علی القاری لکھتے ہیں: ’’اِعۡلَمۡ اَنَّ المرادَ بأَهلِ القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين‘‘. ترجمہ: ’’اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہوں (شرح فقہ اکبر، ص ۱۲۳)۔

(۲) علامہ شامی لکھتے ہیں: ’’لا خلاف في كفر المخالف في ضروريات الاسلام‘‘. ترجمہ: ’’امت میں سے کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ جو شخص ضروریاتِ اسلام کا مخالف ہو، وہ کافر ہے‘‘۔ (رد المحتار، جلد اول، ص ۳۷۷)۔

(۳) حضرت عبد العزیز پرہاروی لکھتے ہیں: ’’اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين أي الامور التي عُلِمَ ثبوتها في الشرع واشتهر‘‘. ترجمہ: متکلمین کی اصطلاح میں اہل قبلہ وہ شخص ہے جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرے، ضروریاتِ دین وہ امور ہوتے ہیں جن کا ثبوت دین میں معلوم ومشہور ہو۔ (نبراس شرح شرح العقائد، ص ۵۷۲)۔

قرآن نے منافقین کو کفار سے بھی بدتر کافر قرار دیا ہے حالانکہ وہ لوگ نہ صرف قبلہ کی طرف منہ کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام کو بھی ادا کرتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ضروریاتِ دین پر ’’ایمان‘‘ نہ رکھتے تھے۔ (شرح فقہ اکبر، ص ۱۲۹)۔

اسی طرح خوارج کا حال ہے ان کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دینِ اسلام سے صاف خارج ہوں گے۔ ان کے قتل میں بڑا ثواب ہے، یہ لوگ نماز، روزہ وغیرہ کے پابند ہوں گے، بلکہ ظاہری اہتمام کی حالت یہ ہوگی کہ مسلمان اپنے نماز، روزہ کو ان کے مقابلے میں ہیچ سمجھیں گے، لیکن اس کے باوجود جب بعض ضروریاتِ دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز اور روزہ ان کو کفر سے نہ بچا سکے۔ (صحیح بخاری، باب قتال الخوارج، کتاب استتابۃ المعاندین والمرتدین)۔

لفظِ اہلِ قبلہ سے لغوی معنی مراد نہیں بلکہ یہ ایک اصطلاحی عنوان ہے جس کے متعلق علماء نے تصریح کی ہے کہ اہلِ قبلہ سے مراد وہ شخص ہے جو تمام متواترات اور ضروریات پر ایمان رکھتا ہو۔ (فتاویٰ عالمگیریہ، ص ۴۲۰)۔

’’فرقہ باطنیہ دورِ زوال کا تحفہ ہے‘‘

مسلمانوں کے علمی اور اخلاقی زوال کے زمانہ میں کچھ بدباطن اور بدنیت لوگوں نے قرآن وحدیث کی تکذیب کی یہ تدبیر نکالی کہ ان کے معانی ومفاہیم میں تحریفِ معنوی کرکے مسلّماتِ دین کو، دین سے نکال باہر کرنے کی مذموم کوشش کی، یہ لوگ باطنیہ کے نام سے موسوم ہوئے، ان لوگوں کو ملحد اور زندیق کہا گیا ہے انہوں نے قرآنی آیات کو کھیل تماشہ بنا دیا، من مانی تاویلات اختراع کیں، ایسے ایسے باطنی مفاہیم وضع کئے جن پر الفاظ کی دلالت ہے نہ نشان، جن کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سلف صالحین نے اشارہ تک نہیں فرمایا، یہ لوگ شریعت کا نام ونشان مٹانے والے، متبادر معانی، بدیہی معارف اور مسلّمہ علوم وفنون کی دھجیاں اڑانے والے تھے، ان لوگوں نے دین کے لٹریچر اور اس کے سارے انمول ذخیرے کو پس پشت ڈال کر حقائقِ ثابتہ کو تاویلاتِ فاسدہ میں مدفون کرنا اور دین کے نقشے کو مسخ کرنا چاہا، ان لوگوں کا طریقۂ واردات یہ تھا کہ الفاظ کو بحال رکھتے ہوئے ان کے معانی کو بدل ڈالتے، اپنے منہ سے قرآن وحدیث کو جھوٹا نہ کہا مگر تحریفِ معنوی کا حربہ استعمال کرکے پورے دینِ اسلام کو جھٹلا دیا

حالانکہ ضروریات ومتواترات میں تأویل روا نہیں، لائقِ تأویل تو شطحیات ہیں نہ کہ نصوصِ قرآن وحدیث۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی بھی حجتِ قطعیہ اور واجب العمل ہے، یہ بات خود قرآن سے ثابت ہے، ارشاد الٰہی ہے:۔ ﴿وَاَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡھِمۡ﴾ ۔ ترجمہ: ہم نے قرآن کو آپ کی طرف اتارا تاکہ آپ ہی اس کی تبیین، تفسیر اور تشریح کریں۔

اس آیت سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ تفسیر نبوی کے بغیر، مراد الٰہی تک رسائی نہیں ہوسکتی، ورنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منصبِ تبیین پر فائز کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

علماء کرام نے باطنیت کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی ہے، لکھتے ہیں:۔
”والنصوص تحمل علی ظواھرھا والعدول عنھا إلیٰ معان یدعیھا اھل الباطن الحادٌ.
ترجمہ: قرآن وحدیث کے نصوص کو ان کے ظاہری معنی پر برقرار رکھا جائے گا، ظاہر سے انحراف کرکے اہل باطن کے اختراع کردہ معانی مراد لینا ”الحاد“ ہے۔ (العقائد، از علامہ نجم الدین النسفی)۔

علامہ سعد الدین التفتازانی ”الحاد“ کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”أیْ مَیلٌ وَعدولٌ عن الاسلام واتصالٌ والتصاقٌ بکفرٍ لِکَوْنِہٖ تکذیباً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم“. ترجمہ: الحاد، اسلام سے انحراف اور کفر سے اتصال کا نام ہے کیونکہ الحاد، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ (شرح العقائد، ص ۱۱۹)۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی باطنیہ کی پیروی کرتے ہوئے معنوی تحریفات میں شہرت حاصل کی اور اس حیلہ سے اپنی خانہ زاد نبوت ثابت کرنے کی کوشش کی، ذیل میں مرزا کی تحریفات کی چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا۔

۱۔ مرزا نے ختم نبوت کا معنی تبدیل کیا اور خود خاتم الانبیاء بن گیا۔
۲۔ نبوت اور وحی کے معنوں میں من مانی کی، خود ہی اپنے آپ کو صاحب نبوت اور صاحب وحی کہہ دیا۔
۳۔ حضرت عیسیٰ کے رفع إلی السماء اور نزول من السماء کے معنوں کو یکسر بدل دیا۔

۴۔ نفخِ صُور کے معنی تبدیل کرکے اس کی حقیقت کو مسخ ہی کر دیا۔
۵۔ عصمتِ انبیاء کا معنی تبدیل کر دیا اور انبیاء کی عصمت کو داغدار کیا۔
۶۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا انکار کیا جسکی قرآن میں تصریح ہے
۷۔ جملہ اہل اسلام کی تکفیر کی، بوجہ انکار نبوتِ مرزا۔
۸۔ حفاظتِ قرآن کا انکار کرنا اور اسمیں نسخ کو جائز کرنا۔
۹۔ قرآن مجید کی سخت توہین کرنا اور اسکے الفاظ کو گالیوں کے مترادف قرار دینا۔
۱۰۔ صوفیاء کے کلام کی من پسند توجیہہ، یہ توجیہہ نصوص کے مخالف ہے۔
۱۱۔ شطحیات کی خانہ زاد تعبیر، حالانکہ وہ مؤوّل ہوتے ہیں۔
۱۲۔ مسلمان مرد کے ساتھ مرزائی عورت کے نکاح کو حرام قرار دینا۔
۱۳۔ مسلمان کی اقتداء میں مرزائی شخص کی نماز کو ناجائز کہنا۔
۱۴۔ مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کرنے کو ممنوع کہنا، (اسی وجہ سے ظفر اللہ نے قائداعظم کا جنازہ نہ پڑھا)۔
۱۵۔ اجسام کے حشر کا انکار کرنا حالانکہ حشرِ اجساد منصوص ہے، ان نصوص میں تحریف معنوی کی۔
۱۶۔ ہر قادیانی پر جماعتی چندے کو فرض عین بنانا، غیر منصوص کو منصوص کرکے معناً تحریف کا مرتکب ہوا۔
۱۷۔ معجزہ شق القمر کا انکار کرنا اور اسے خسوف القمر قرار دینا، حالانکہ شق القمر منصوص ہے۔
۱۸۔ اپنے معجزات کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے زیادہ اور برتر کہنا۔
۱۹۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کرنا۔
۲۰۔ اپنے آپ کو عین اللہ اور عینِ محمدؐ قرار دینا۔
۲۱۔ مرزا نے اپنے منہ کی باتوں کو قرآن قرار دیا۔
۲۲۔ جملہ اہل اسلام کو اولاد زنا کہا اور اس کی وجہ اپنی تکفیر بتائی۔
۲۳۔ مرزا نے امتی کے معنی میں تحریف کی کیونکہ خود کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو امتی تسلیم نہ کیا۔
۲۴۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنی نبوت کی وجہ قرار دیا، اس طرح نبوت کو

امر کبی بنا دیا۔

۲۵۔ لفظ آخرت کے معنی میں تحریف کی۔

۲۶۔ فریضہ جہاد کا انکار کیا۔

ان تمام اختراعی افکار وعقائد کی عمارت تحریفِ معنوی اور بے اساس سوچ پر قائم ہے، اگر نصوصِ شرعیہ کے متبادر، حقیقی اور ظاہری معانی مراد لیتے تو ان تمام خرافات سے بچ جاتے۔

شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر میں تصریح کی ہے کہ تحریف معنوی، یہودیوں کا شیوہ تھا، وہ لوگ کتبِ سماویہ کے الفاظ کو اکثر وبیشتر بحال رکھتے لیکن ان کے معانی کو بدل دیتے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو قتل کرایا جنہوں نے قرآن کے معنی کو تبدیل کر ڈالا تھا۔

امام طحاویؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اہلِ شام میں سے ایک گروہ نے شراب کو حلال قرار دیدیا، اور قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں تحریفِ معنوی کرکے اسے اپنی دلیل بنا لیا، وہ آیت یہ ہے:۔

﴿لَیسَ عَلَی الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِیمَا طَعِمُوا﴾. (سورہ المائدہ، آیت ۹۳)۔ ترجمہ: ایمان اور عمل صالح والوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو انہوں نے کھایا پیا (حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں)۔

حاکمِ شام نے حضرت فاروق اعظمؓ کو مذکورہ بالا امر کی اطلاع دی، آپ نے جواب میں لکھا کہ ان لوگوں کو گرفتار کرکے مدینہ منورہ بھیج دو، جب وہ لوگ آگئے تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، ان سب نے کہا، یا امیر المؤمنین تریٰ انهم قد کذبوا علی اللّٰہ تعالیٰ واشرعوا فی دینهم ما لم یأذن به الله، فاضرب اعناقهم. ترجمہ: اے امیر المؤمنین! آپ صاف دیکھ رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا، اور دین میں ایسی بات کو جائز کیا جس کی اللہ نے قطعاً اجازت نہیں دی، لہٰذا آپ ان لوگوں کے گردن زدنی ہونے کا حکم صادر فرمائیں، حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے رائے مانگی تو آپؓ نے فرمایا کہ پہلے ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اگر توبہ نہ کریں تو واقعی یہ لوگ گردن

زدنی ہیں، اور اگر توبہ کرلیں تو شراب نوشی کی سزاء جو اسی (۸۰) کوڑے ہے ان پر جاری کی جائے۔ (معانی الآثار، باب حد الخمر، جلد دوم، ص ۷۹، فتح الباری، ص ۳۲۴)۔

حضرت محمد بن ابوبکرؓ حاکمِ مصر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لکھا کہ دو مسلمان، زندیق (تحریف کرنے والے ملحد) ہو گئے ہیں، حضرت امیر المؤمنینؓ نے جواب میں لکھا کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ انہیں قتل کر دو۔ (بروایت امام شافعی اور بیہقی، کنز العمال)۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: "مَنْ انکر شیئاً مِنْ شرائع الاسلام فلا یعتبر قولهٔ لا إله إلا الله". ترجمہ: جس شخص نے اسلام کے احکام میں سے کسی کا انکار کیا اس کے کلمہ گو ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (احکام الفرقان، ص ۵۳)۔

آیت قرآنی ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُم آہ﴾ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے، بجا طور پر، یوں کیا ہے: تم فرماؤ، ظاہر صورت بشری میں، تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص اس کا ترجمہ یوں کرے کہ آپ کہہ دیجئے، یقیناً نہیں میں بشر، تو یہ صحیح نہ ہوگا، کیونکہ "اِنَّمَا" کلمۂ حصر ہے، نہ یہ کہ اِنَّ حرفِ تحقیق ہو اور "مَا" نافیہ ہو، یہ عربی گریمر کی رو سے قطعاً غلط ہے کیونکہ علم النحو کی رو سے اِنَّ کے بعد جو "مَا" ہوتا ہے وہ کافہ ہوتا ہے، نافیہ نہیں ہوتا۔

تحریفِ معنوی کے شائقین کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:۔

خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق؟

"مرزا قادیانی نے نبوتِ تشریعی کا دعویٰ کیا"

مرزا غلام احمد قادیانی، ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں اہلمد (کلرک) تعینات ہوئے، پھر طبیب کا پیشہ اپنایا، مگر پھر دینی قائد بننے کے شوق میں مبتلا ہو گئے۔

مرزا قادیانی کی تحریرات اسلئے تضاد اور اضطراب کا شکار ہیں کیونکہ انہوں نے کئی بھیس بدلے اور کئی روپ اختیار کئے، پہلے تو وہ خاندانی طور پر عام مسلمان تھے، پھر مناظر

اسلام ہوئے، پھر مجدد بننے کا خیال انہیں ستانے لگا، بعدازاں اپنے دوست حکیم نور دین کشمیری کے ایماء پر مثیلِ مسیح کہلانے لگے، پھر عینِ مسیح اور امام مہدی ہونے کے بھی دعوے دار بن گئے، اس کے بعد عبدالکریم نے خطبۂ جمعہ کے دوران جب انہیں نبی کہا تو انہیں یہ بات پسند آ گئی، چنانچہ پہلے ظلی/بروزی نبی بنے، پھر صاحبِ شریعت رسول، خاتم النبیین اور عینِ محمد کہلانے کا مرحلہ آن پہنچا، پھر تو حد ہو گئی یعنی عین اللہ کے مقام تک بھی آپ ترقی یاب ہو گئے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔

مدعیٰ علیہ عبدالرزاق اور اس کے وکلاء نے عدالت کو گمراہ کرنے کیلئے گرگٹ کی طرح کئی رنگ بدلے لیکن علماء کرام نے انہیں کسی رنگ میں بھی بھاگنے کا موقع نہ دیا، دعوائے نبوتِ تشریعی کا انکار بھی انکی چالوں میں سے ایک چال تھی مگر اسے بھی ناکام بنا دیا گیا۔

ذیل میں وہ دلائل اور شواہد پیش کئے جا رہے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی نبوتِ تشریعی کے مدعی تھے:

(۱) مرزا لکھتے ہیں ”اور اگر کہو کہ صاحبِ شریعت، افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ کہ ہر مفتری، تو اول تو یہ دعویٰ بلادلیل ہے، خدا نے افتراء کے ساتھ صاحبِ شریعت ہونے کی قید نہیں لگائی، لیکن ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت ہے کیا چیز؟ جس شخص نے اپنی وحی کے ذریعے چند اوامر و نواہی بیان کئے اور اپنی امت کیلئے قانون مقرر کیا وہی صاحبِ شریعت ہو گیا، پس اس تعریف کی رو سے ہمارے مخالف ہی ملزم ہیں، کیونکہ میری وحی میں اوامر بھی ہیں اور نواہی بھی، (اربعین، جلد چہارم، ص از ۶ تا ۸)۔

(۲) اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ معجزات کہاں ہیں؟ تو میں یہ جواب نہیں دونگا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں، بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اُس نے میرے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی، ص ۱۳۶)۔

(۳) تاکہ تم سمجھو کہ قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ خدا کا ”رسول“ اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ (دافع البلاء، ص ۵)۔

(۴) سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا ”رسول“ بھیجا (دافع البلاء ص ۱۱)

(۵) اور مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس

شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ — مقدمہ مرزائیہ بہاول پور

آیت کا مصداق ہے کہ: ﴿هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾، ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے اپنے ”رسول“ کو بھیجا، ہدایت اور دین کے ساتھ، تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے (اعجاز احمدی، ص ۷)۔

(۶) جس چیز کو خدا نے مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہے۔ (فتاویٰ احمدیہ، جلد اول، ص ۳۰۸)۔

(۷) مرزا لکھتے ہیں، ”واعلم انّ عملاً من الاعمال لا یفید لِاَحَدٍ مِن دُون ان یعرفنی ویعرف دعوایَ ودلائلی، ترجمہ، اور جان لو کہ کوئی بھی عمل فائدہ نہ دے گا کسی شخص کو، بغیر اس کے کہ وہ مجھے پہچانے، میرے دعویٰ کو پہچانے اور میری دلیلوں کو پہچانے۔ (فتاویٰ احمدیہ، جلد اول، ص ۲۶۹)

(۸) بحضرتِ مسیح موعود، ایک شخص نے سوال کیا کہ جو لوگ آپ کو کافر نہیں کہتے، ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے؟ ۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایک اشتہار دیں کہ ہم سلسلہ احمدیہ کے لوگوں کو مؤمن سمجھتے ہیں، بلکہ انہیں کافر کہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں، تو میں آج ہی اپنی تمام جماعت کو حکم دیدیتا ہوں کہ وہ ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لیں۔ (فتاویٰ احمدیہ، ص ۳۰۵)۔

”صریح عبارت میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی“

اگر کسی شخص کی کوئی غیر صریح اور غیر واضح عبارت پائی جاتی ہو جو ننانوے (۹۹) احتمالات کی رو سے کسی ضروری، بدیہی اور دینی امر کے انکار پر مشتمل ہو (اگرچہ یہ بات بھی ہرگز ہرگز قابل رشک نہیں) مگر ایک احتمال ایسا بھی رکھتی ہو جس سے انکارِ مذکور برآمد نہ ہوتا ہو تو اس عبارتِ غیر صریحہ کو مؤوّل قرار دیا جائیگا، اور اس شخص کے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے گا۔ (اگرچہ کفر سے کم درجہ کا فتویٰ دیا جائے گا) مگر یہ ”معاملۂ تاویل“ صرف وہاں ہوگا جہاں کفر کے صرف احتمالات ہوں، لیکن اگر وہ عبارت صریح اور واضح طور پر کفریہ ہو تو وہاں تاویل کی گنجائش نہیں نکالی جائے گی۔

حضرت الشیخ العلامہ القاضی عیاض قدس سرہٗ العزیز نے مسلّمہ قانون بیان کیا ہے کہ: ”لان التأویل فی لفظٍ صراحٍ لایقبل“ (الشفاء)

ترجمہ: لفظ صریح میں تاویل قبول نہیں کی جائے گی، (فتاویٰ عالمگیری کتاب السیر آخر الباب التاسع ص ۴۲۰، خلاصہ بزاریہ اور بحر الرائق وغیرہ بھی اسکی تائید کرتے ہیں)۔

اب مرزائی تحریرات کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا ہے کیونکہ انکی بیسیوں صریح اور واضح عبارات ایسی ہیں جو بار بار ضروریاتِ دین (بشمول عقیدۂ ختم نبوت) کا علی الاعلان منہ چڑا رہی ہیں۔

"روحانی وجدان، الہام کہلاتا ہے نہ کہ وحی"

مقدمہ مرزائیہ، بہاولپور کی سماعت کے دوران جب علماء کرام نے اپنے بیانات میں قرآن وحدیث سے ثابت کر دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحیِ نبوت جو کہ وحی اصطلاحی ہے، کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو چکا ہے، تو مدعیٰ علیہ اور اسکی پارٹی نے فرار کا یہ راستہ نکالا کہ عدالت کو دھوکہ دینے کیلئے یہ بیان دیدیا کہ مرزا قادیانی کو تو کشف والہام ہوتا تھا، اس سے ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ کسی تدبیر، حیلے اور ہتھکنڈے سے جج مغالطہ کھاکر اس نکاح کو جائز قرار دیدے مگر حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء نے ان کی اس گھناؤنی سازش کو ناکام بنا دیا، علماء کرام نے دلائل سے ثابت کیا کہ کشف و الہام نہ تو قطعی ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں پر حجت، بلکہ وہ تو صرف ظنی ہوتا ہے، اسی لئے اس کے منکر کو خارج از اسلام قرار نہیں دیا جاتا۔

علامہ نجم الدین النسفیؒ اپنی کتاب العقائد میں لکھتے ہیں: "والالہام لیس من اسباب المعرفۃ بصحۃ الشی عند اھل الحق"۔

ترجمہ: اہل حق کے نزدیک الہام کے ذریعے یہ پہچان نہیں ہوسکتی کہ کوئی چیز شرعاً صحیح ہے یا غلط (بلکہ الہام کا دائرہ تو اسرار و معارفِ سلوک ہے)۔

اصطلاحِ دین میں الہام کو وحی نہیں کہتے اور نہ ہی صاحبِ الہام کو نبی کا لقب ملتا ہے اگر مرزا صرف صاحبِ الہام تھے تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ نہ تو اوامر ونواہی جاری کرتے اور نہ ہی اپنے منکرین پر کفر کا فتویٰ لگاتے، نیز وہ نہ تو منکرین کے ساتھ رشتے ناطے حرام ٹھہراتے اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرتے، اسی طرح وہ مریدی نذرانے اور جماعتی چندے کو زکوٰۃ کی مانند فرض کا درجہ بھی نہ دیتے، اور نہ ہی سب لوگوں

کو اپنی نبوت پر ایمان لانے کا مکلّف بناتے، کیونکہ الہام سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا، شرعی حکم تو ادلہ اربعہ سے معلوم کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں (۱) کلام اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماعِ امت (۴) قیاسِ شرعی۔

"شطحیات"

مدعیٰ علیہ عبدالرزاق اور اسکی پارٹی نے مسئلہ زیرِ سماعت میں اشتباہ پیدا کرنے کیلئے، "وحیِ نبوت" اور "الہامِ ولایت" کو باہم خلط ملط کرنے کی کوشش کی، گذشتہ اوراق میں ان دونوں کا فرق وضاحت سے بیان ہو چکا ہے، مدعیٰ علیہ نے اس سلسلہ میں بعض شطحیات کا سہارا لینا چاہا، حالانکہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی شطحیات قابلِ عمل نہیں، بلکہ قابلِ عمل تو صرف قرآن وسنت ہیں، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اولوا الامر سے اختلاف کی صورت میں خدا ورسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور اولوا الامر کی، پس اگر تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس مسئلہ کو خدا ورسول کی طرف لوٹا دو۔

حقیقی صوفی وہ ہے جو علمِ ظاہری اور علمِ باطنی دونوں کا جامع ہو، جتنا جتنا اس کا علم بالشریعت بڑھتا جائے گا، اتنا اتنا وہ محبوبِ حقیقی سے قریب تر ہوتا جائے گا، لیکن اگر کوئی سالک، تنزیلاتِ الٰہیہ اور تبیناتِ نبویہ کے علم سے مالامال نہ ہو تو وہ عرفانِ یار سے بے نصیب ہی رہے گا، شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

ع بے علم، چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: "وصوفیہ آنچہ بگو یند وبکنند مخالفِ آراءِ علماءِ مجتہدین آں را تقلید نہ باید کرد" ترجمہ: اور صوفیاء جو کچھ علماء مجتہدین کی آراء کے مخالف کہتے ہیں اور کرتے ہیں، اسکی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔ (مکتوبات شریف، جلد اول، ص۲۷۲)۔

حضرت مجدد صاحب کا یہ قول عموم پر محمول نہیں ہے بلکہ شطحیاتِ صوفیاء کے بارے میں ہے، جوکہ شریعت کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

''حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کے فرمان کی وضاحت''

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی اوائل عمری میں ایک مناظر اسلام کی حیثیت سے اپنے آپ کو متعارف کرایا تھا اسلئے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ایک خط کے جواب میں اس کے بارے میں اچھے تأثرات ظاہر فرمائے مگر بعد میں جب مرزا قادیانی کھل کر قرآن و حدیث میں تحریفِ معنوی کے مرتکب ہونے لگے اور اپنے دعوائے نبوت کی برسرِ عام تبلیغ شروع کی تو حضرت خواجہ صاحبؒ نے اسکی علانیہ تکذیب اور برملا تردید فرمائی، چنانچہ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب انجام آتھم صفحہ ۲۹ میں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکذبین کی فہرست میں شامل کر دیا۔

مقدمہ مرزائیہ بہاولپور کی سماعت کے دوران، مدعیٰ علیہ عبدالرزاق نے اشاراتِ فریدی مؤلفہ میاں رکن دین میں درج شدہ بعض عبارات اور خطوط (یہ واضح رہے کہ خط وکتابت کا منتظم مرزا غلام احمد اختر تھا جس نے من گھڑت باتیں شامل کرا دیں) کو پیش کر کے اس مسئلہ کو پھر سے چھیڑ دیا، چنانچہ حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ خود، حضرت خواجہ غلام معین الدین صاحبؒ سجادہ نشین خانقاہ کوٹ مٹھن شریف کی خدمت میں بنفس نفیس تشریف لے گئے، انہوں نے مندرجہ ذیل بیان ریکارڈ کرایا:

''مولوی امام بخش صاحب فریدی جام پوری، مولوی محمد یار صاحب فریدی ساکن گڑھی اختیار خان، مولوی سراج احمد صاحب ساکن مکھن بیلہ اور خلیفہ اللہ بخش صاحب ساکن چاچڑاں شریف نے بطورِ شہادت میرے سامنے بیان کیا کہ حضرت خواجہ محمد بخش صاحب نازک کریم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرزا قادیانی کے عقائدِ فاسدہ، منظرِ عام پر آئے تو حضرت شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صراحۃً تکفیر فرمائی۔''

حضرت خواجہ ہوت محمد صاحب سجادہ نشین شیدانی شریف تحصیل لیاقت پور (جوکہ خواجہ غلام فرید صاحبؒ کے خلیفۂ خاص اور چچا زاد کے بیٹے تھے نیز علامہ ارشد مرحوم کے والد مولانا احمد علی صاحب نائب شیخ الجامعہ کے مرشد تھے) نے مولوی نور الحسن صاحبؒ اور مولوی غوث بخش صاحبؒ کے خط کے جواب میں انہیں لکھا کہ جب مرزا قادیانی کے عقائد طشت ازبام ہوئے تو حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو خارج ازاسلام قرار دیا، آپ نے مزید لکھا کہ اگر حضرت علامۃ الزمان، صاحب الکمال، الشیخ الجامع مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی بذاتِ خاص تشریف لے آئیں تو جس قدر مجھے صحیح معلومات حاصل ہیں، حرف بحرف مفصل بیان کروں گا، والسلام علی من اتبع الھدیٰ، ۱۲ جمادی الثانی، ہوت محمد کوریجہ، شیدانی۔

اس خط کے موصول ہونے پر حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ شیدانی شریف تشریف لے گئے اور خواجہ ہوت محمد صاحب کا مفصل بیان قلمبند فرمایا۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ نازک کریم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص، حضرت خواجہ مولانا نور احمد صاحبؒ نازکی سجادہ نشین پٹی شریف، فرید آباد تحصیل خانپور کو بھی ایک مراسلہ بھیجا، جس کے جواب میں مولانا نے تحریر فرمایا:

بخدمت شریف بحر العلوم، اعظم الشان،
مخدوم الفضلاء حضرت مولانا غلام محمد محدث گھوٹویؒ، دام اشفاقکم
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جواباً مرقوم اینکہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو جبکہ اس کے عقائد واعمال درست تھے، من عباد اللہ الصالحین لکھا تھا لیکن مابعد کو جبکہ اسکی مکمل کیفیت کھل گئی تو مرزا کو برا کہا اور انکار کیا، حضرت ابن الشیخ خواجہ محمد بخش صاحب نازک کریم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرزا کے متعلق جو باتیں اشارات فریدی میں درج ہیں انکو نکال دینے کا ارشاد فرمایا تھا اور نکال دینی چاہئیں، ہمارے تمام مشائخ عظام کا اور اسی طرح سلسلۂ فریدیہ کا مسلکِ پاک، اہل السنّت والجماعت ہے، تمام بزرگانِ دین، مرزا اور مرزائیت کے بلا شک منکر ہیں۔

والسلام مع الاکرام، ۱۷ جمادی الثانی
فقیر نور احمد نازکی بقلم خود

منگھیر شریف نزد مہار شریف علاقہ چشتیاں شریف کے سجادہ نشین خواجہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے والد عارف کامل خواجہ فضل حقؒ کے متعلق اپنا بیان ریکارڈ کرایا کہ آپؒ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاءِ مقربین میں سے تھے اور آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ حضرت خواجہ صاحب کی جناب میں گذرا تھا، آپ فرماتے تھے کہ اس خط کا اندراج اشاراتِ فریدی میں نہ کرنا چاہئے تھا کیونکہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا کی تکفیر فرما دی تھی۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی سعیِ خاص سے ایک ماہنامہ ''الفرید'' ملتان کا اجراء ہوا، اس کے شمارے بابت جنوری ۳۳ء میں مذکورہ بالا تمام تفصیلات طبع کرا کے شائع کی گئیں، یہ رسالہ متعلقہ جج صاحب کے مطالعہ کے لئے، عدالتِ بہاولپور میں بھی جمع کرایا گیا۔

چنانچہ عدالت نے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کو پرکھنے کے بعد، مرزائیوں کے غلط الزام سے حضرت شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بریٔ الذمہ قرار دیدیا۔

بعدازاں حضرت شیخ الاسلام فاتحِ قادیانیت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف پر ایک عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا، برصغیر کے طول و عرض سے بڑے بڑے علماء وفضلاء کو یہاں بلوایا، تاکہ سب مل کر، مرزائیوں کی طرف سے لگائے گئے الزام سے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برأت ثابت کریں، اس جلسہ میں حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کو دلائلِ شرعیہ سے خوب خوب ثابت کیا، قادیانیت کا پوسٹ مارٹم کیا اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ فرمایا۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس جلسہ میں شمولیت کی غرض سے سفر کرتے ہوئے ریلوے اسٹیشن خانپور جنکشن پر مشاہدہ ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک اظہارِ خوشنودی کے طور پر یہاں موجود ہے، یہی کیفیت واپسی سفر میں بھی خانپور اسٹیشن تک قائم رہی۔

''لسانی اور مسلکی تنازعہ کی کوشش''

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی دانائی، اعلیٰ ظرفی اور وسعتِ قلبی نے مرزائیوں کے اُس ہتھکنڈے کو بھی غیر مؤثر بنا دیا جسکی بنیاد، علاقائی لسانیت کی محدود سوچ پر قائم تھی، حضرت شیخ الاسلامؒ نے خدائی ہدایت، ''کہ تمام آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری مختلف بولیاں اور مختلف رنگ وروپ، اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیلوں میں سے ہیں''، کے پیشِ نظر، رنگ، نسل، زبان اور علاقے وغیرہ کی تفریقات کو مسترد کر دیا اور باہمی اتفاق واتحاد کو قائم رکھتے ہوئے مفسدین کی منفی خواہشات کو پنپنے کا موقع نہ دیا، آپؒ کے نزدیک سرائیکی، پنجابی اور مہاجر مسلمان آپس میں بھائی بھائی تھے، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی حسنِ تدبیر سے ''ریاست بہاولپور دار السرور'' لسانی منافرت سے محفوظ رہی اور مرزائیوں اور ان کے حامیوں کی چال کامیاب نہ ہوسکی۔

اسی طرح اختلافِ مسلک کو بنیاد بنا کر مقدمہ کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ مدعیٰ علیہ عبدالرزاق نے عدالت میں درخواست دائر کی کہ مدعیہ کی طرف سے جو لوگ بطورِ گواہ پیش ہوئے ہیں وہ دیوبندی ہیں جو کہ خود متنازعہ ہیں، اس پر عدالت نے اپنے فیصلے میں یہ قرار دیا کہ سب گواہ دیوبندی نہیں ہیں، کیونکہ مندرجہ ذیل علماء کرام کا ''مسلکِ دیوبند'' سے قطعاً کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے، (۱) مقدمہ ہذا کے اہم ترین گواہ اور پیروی کنندہ یعنی حضرت شیخ الاسلام، بحر العلوم، قطب الاقطاب علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ (۲) فاضلِ اجل عالمِ بے بدل حضرت مولانا ابی قاسم محمد حسین صاحب مولوی فاضل کولو تارڑوی ضلع گوجرانوالہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے مرزائیوں سے سینکڑوں کامیاب مناظرے کئے، آپ کی ساری زندگی تبلیغِ اسلام میں گذری، آپ مرزائی لٹریچر کے حافظ تھے (۳) جامع العلوم والفنون حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ علومِ عقلیہ ونقلیہ کے بہت بڑے فاضل تھے، مدتوں تک بلاد اسلامیہ میں تدریس کے منصب پر فائز رہے، عرصۂ دراز تک اورنٹیل کالج لاہور میں مولوی فاضل کلاس کے پروفیسر رہے۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں مزید تحریر کیا کہ دیوبندی صاحبان کی رائے کو بطور

فتویٰ قبول نہیں کیا گیا، بلکہ جملہ گواہانِ ختم نبوت کے دلائل اور مدعیٰ علیہ کے دلائل کا تقابل کر کے اور ان کا تنقیدی جائزہ لے کر عدالت نے اپنی رائے قائم کی ہے، اس لئے چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی ذاتی اور شخصی رائے پر بالکل عمل نہیں کیا گیا، بلکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے کس فریق کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط؟ اس لئے اگر ان کے خلاف کوئی فتویٰ ہو بھی تو اس معاملہ پر اثرانداز نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں مسالک کے لوگوں کو گواہی کیلئے بایں وجہ مدعو کیا تھا تاکہ مرزائی پارٹی کا یہ پروپیگنڈا غیرمؤثر ہو جائے کہ مسئلہ ختم نبوت کے بارے میں اجماعِ امت نہیں ہے۔

''نصوصِ قرآن وحدیث کی تأویل بذریعہ عقلِ نارسا''

آج کل کا نام نہاد تعلیم یافتہ طبقہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اِلی السماء اور نزول من السماء کے منصوص اور متوارث عقیدے کو اپنی نارسائی کی وجہ سے غیر سائنسی سمجھتا ہے، شاید وہ سائنس کی موجودہ ریسرچ کو اسکی آخری ریسرچ خیال کرتا ہے، شاید اس طبقہ کو تاحال اللہ تعالیٰ کی قدرتِ شاملہ کاملہ کے غیر محدود کرشموں کا مکمل ادراک حاصل نہیں ہو سکا، اس کا ذہنِ خام اور اسکی عقلِ نارسا (جوکہ مافوق العادت معجزانہ امور سے نابلد ہے) اس بات کو قبول کرنے سے قاصر اور درماندہ ہے کہ کس طرح ایک شخص کو قادر مطلق، کئی ہزار سال کے بعد دوبارہ واپس لا سکتا ہے؟ (جبکہ تبدیلیِ صُوَر تو جواہر کا معمول رہا ہے، کیونکہ امرِ رب تو مادہ پر حاکم اور غالب ہے نہ کہ محکوم ومغلوب، بوجہ ایں کہ وہ بدیع ہے، خلاق ہے، قدیر علی کل شئ ہے اور فعال لما یرید ہے)۔

مرزا قادیانی کے دست راست حکیم نورالدین نے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ عقل، قانونِ قدرت وفطرت، کہاں تک مفید ہیں یا شریعت کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کا نام لیا جائے، تعارضِ عقل ونقل کے وقت کونسی راہ اختیار کی جائے؟ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے اس کے جواب میں لکھا کہ عقل اور قانونِ قدرت جو استقراءِ ناقص سے عبارت ہے، ان کا اعتبار محدود ہے اور صرف اس وقت تک ہے

جبتک کہ شارع سے کوئی نص مخالف قطعی الدلالت وارد نہیں ہو جاتی۔ (مہر منیر: ص ۲۰۹)

نوٹ نمبر ۱: سرور عالم نور مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت معراج پر لے جایا گیا، اسلئے کوئی انسان اس کا مشاہدہ نہ کر سکا، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول از آسمان دن کے وقت ہوگا، سو انسان اس کا مشاہدہ کرسکیں گے۔

نوٹ نمبر ۲: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں قیام پذیر ہیں تو ماحول کی تبدیلی سے خصوصیات اور کیفیات بھی متبدل ہو گئیں، اسلئے زمینی خوراک وغیرہ وغیرہ کی جگہ آسمانی خوراک وغیرہ وغیرہ نے لے لی، اس لئے یہ کہنا بے معنی ہے کہ وہاں کھاتے پیتے کیا ہوں گے؟

''غلامانہ ذہنیت کے اثرات''

بے یقین طبائع اپنے ذہنی انتشار سے جان چھڑانے کیلئے یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں کہ جن نظریات پر، مسلّماتِ اغیار کا روغنِ قازمل دیا گیا ہو، ان کو بلاچوں چرا مان لیتی ہیں اور اسے تقاضائے علم ودانش تصور کرتی ہیں، نیز وہ نظریات جن کے ساتھ فلسفۂ وسائنس کا نقارہ بجتا ہوا سن پاتی ہیں ان کو بھی نامنظور کرنے کی جرأت نہیں کر سکتیں، افسوس! کہ مرعوبیت کا شکار یہ لوگ اپنے دین کا دفاع کرنے کی بجائے الٹا ایک مجرم کی طرح معذرت خواہانہ طرزِعمل اختیار کرتے ہیں اور اپنی بریت کی صرف یہ صورت نکالتے ہیں کہ دینِ اسلام کی حمایت سے بے حجابانہ دست بردار ہوکر یہ راگ الاپنا شروع کر دیں کہ یہ عقیدہ تو اسلامی اصولوں میں سرے سے داخل ہی نہیں ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، استغفراللہ۔

علم اور تحقیق سے محروم یہ لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ تہذیب فرنگ نے جس اسلامی عقیدے پر نامعقول ہونے کا فتویٰ لگا دیا ہے وہ بالضرور صداقت اور حقانیت سے کورا ہی ہوگا، ان کا بس تو صرف قرآن وحدیث کے انکار پر ہی چلتا ہے، یہ لوگ دین اور مآخذ دین سے نجات حاصل کرنے کی سبیل یوں پیدا کرتے ہیں کہ اپنے من گھڑت اور خانہ زاد خیالات کو ''اسلام'' قرار دیدیتے ہیں اور اپنے نفسانی افکار کو اصلی اور حقیقی اسلام سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اس طرح یہ لوگ اپنے اختراعی اسلام کو تمام اعتراضات اور شبہات سے پاک ٹھہرا لیتے ہیں، ان کے اس اسلام کا سرچشمہ ان کا اپنا نفس ہوتا ہے، ان کا حقیقی دین پارۂ نان اور ان کا اصلی معبود زرِ دنیا ہوتا ہے۔

''قرآن کو سچا مان لو''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپ کے نزول کا مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے، اس پر شبہات کا اظہار کیا جاتا ہے، لیکن جو شخص قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے، اسے اس مسئلہ پر ایمان برقرار رکھنے میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا، کیونکہ قرآن مجید میں ایک شخص کو سو سال کے بعد دوبارہ ''زندہ'' کرنے کا واقعہ بالصراحت موجود ہے، اسی طرح اصحابِ کہف تین سو سال سے زائد عرصہ تک ''بحالتِ خواب'' پڑے رہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالتِ بیداری جسمانی معراج کرائی گئی، برزخی زندگی اور اخروی زندگی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، ردِّ شمس اور شقِّ قمر برحق ہیں، لہٰذا اگر یہ سب امور، ذاتِ باری کیلئے ناممکنات میں سے نہ تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں بھیجنا بھی اس کے آگے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جس طرح غیر معمولی طریق پر ہوئی، اس طرح ان کے نزول کو بھی غیر معمولی (غیر عادی) طریق پر وقوع میں آنا تصور کیا جائے، یہ باتیں مشیتِ ایزدی سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے ان کے بارے میں خام خیالی کا اظہار درست نہیں ہے، کیونکہ عقل اور قانونِ قدرت جو کہ استقراءِ ناقص سے عبارت ہے، ان کا اعتبار صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ نصِ مخالف از شارع وارد نہ ہوئی ہو۔

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کی کتابیں، شمس الہدایۃ اور سیف چشتیائی، مسئلہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام پر فیصلہ کن ہیں، ان کے مطالعہ سے تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔

''متعلقہ جج کا تبادلہ''

مرزائیوں کے اثر ورسوخ کا اس امر سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب سالہا سال سے جاری اس مقدمہ مرزائیہ کی سماعت مکمل ہوگئی اور صبر آزما بحث ومباحثہ پایہ اختتام کو پہنچے تو عین اس وقت جبکہ اس معرکۃ الآراء مقدمے کا فیصلہ لکھنے کا وقت آیا تو متعلقہ جج صاحب محمد اکبر خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تبادلہ بطورِ ڈسٹرکٹ جج، بہاولنگر کر دیا گیا۔ اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون۔

اب حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو ازسرنو اس ناگہانی افتاد کیلئے کمربستہ ہونا پڑا، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اسلئے ابتلاء میں ڈالے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنی جدوجہد کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے خلعتِ اعزاز سے نوازے جائیں، ان کے درجات بلند ہوں اور وہ اپنے دامن کو اجر وثواب سے بھر لیں۔

اس صورت حال میں غوروفکر کا محور یہ نکتہ تھا کہ آیا اس مقدمہ کا فیصلہ جناب جج محمد اکبر خان صاحب کریں گے یا نیا آنے والا جج؟ اگر نئے جج کو فیصلہ لکھنے کا کام سونپا گیا تو اسے دوبارہ سارے دلائل اور مباحث سمجھانے پڑیں گے، جبکہ اس کام کیلئے ایک لمبا عرصہ درکار ہوگا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف یہ تھا کہ جج محمد اکبر خان ہی فیصلہ لکھنے کی سعادت حاصل کریں، تاکہ اہلِ اسلام اور مقدمہ کے پیروی کنندگان خواہ مخواہ کی زحمت سے بچ جائیں۔

انجمن مؤید الاسلام بہاولپور کا اجلاس ہوا، بڑے غور وخوض کے بعد یہ تجویز منظور ہوئی کہ برصغیر کے مایہ ناز بیرسٹر کے ایل گابا کی خدمات حاصل کی جائیں، تاکہ بھرپور اور مؤثر طریقہ سے اپنا مؤقف پیش کیا جا سکے۔

''بیرسٹر کے ایل گابا''

مسٹر کے ایل گابا نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا، وہ برصغیر کے بہت بڑے بیرسٹر تھے، وہ صرف انگلش میں بات کرتے تھے اور انگلش ہی میں بات سنتے تھے، اس لئے عام جج حضرات ان سے خم کھاتے تھے، حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے نام ایک مراسلہ تیار کیا، جسمیں آپ نے انہیں مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت سمجھائی، اور انہیں بہاولپور آکر ناموس رسالت کے دفاع میں اپنا حصہ ملانے کی دعوت دی، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنے حالات کے پیش نظر صرف قیام وطعام اور آمد ورفت کیلئے ٹرین کے سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ کی پیشکش کی، کے ایل گابا نے حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب کی بہت توقیر کی، دعوت کو قبول کیا اور ساتھ ہی کہا کہ میں صرف ہوائی جہاز پر سفر کرتا ہوں لیکن آپ حضرات سے کوئی کرایہ وغیرہ وصول نہیں کروں گا، حضرت الشیخؒ کے اس خط کو مکتوب الیہ تک پہنچانے کی سعادت حضرت مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کی۔

اب پورے علاقے میں نیا جوش وخروش پھیل گیا، ہر شخص کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا کہ ''کے ایل گابا آیا، کے ایل گابا آیا''۔

علامہ حافظ عبدالرحمٰن جامعی رحمۃ اللہ علیہ ساکن احمد پور شرقیہ (ریٹائرڈ ناظم اعلیٰ محکمہ اوقاف ریاست بہاولپور) نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن جبکہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے آستانہ پر طلباء کی تدریس میں مشغول تھے کہ آپکی خدمت میں اطلاع دی گئی کہ عدالت کی ایک اعلیٰ شخصیت آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہے! حضرت نے انہیں بٹھانے کا ارشاد فرمایا، بعدازاں آپ کمرۂ ملاقات میں تشریف لیگئے، مذاکرات ہوئے، خاطر تواضع ہوئی، اس کے بعد جب آپ واپس مسندِ تدریس پر جلوہ گر ہوئے تو فرطِ جذبات اور وفورِ مسرت کی شعاعیں آپ کے رخِ انور پر چمک رہی تھیں،کسی نے آپکی فرحت وشادمانی کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا، الحمد للہ، جناب جج صاحب نے مقدمہ مرزائیہ کا فیصلہ خود لکھنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے، اب ہمیں کے ایل گابا کو بلوانے کی ضرورت نہیں رہی۔

''تاریخی فیصلہ''

الحمد للہ، الحمد للہ، ۷ فروری ۱۹۳۵ء، مطابق ۳ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ کو محمد اکبر خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے اس تاریخی مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا، ختمِ نبوت کے منکر کو خارج ازاسلام اور مسلمان خاتون کے ساتھ اس کے نکاح کو فسخ قرار دیدیا۔

یہ دن بہاولپور میں جشن کا دن تھا، علماء کرام نے شکرانے کے نوافل ادا کیے، حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں پورے ملک سے تہنیت کے پیغامات بھیجے گئے۔

''فاتحِ مرزائیت''

اس دن سے مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ''فاتح مرزائیت'' کا لقب زبان زدِ خاص وعام ہو گیا، حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ (آف گولڑہ شریف) نے بھی آپ کو مبارک بادی کا خط ارسال فرمایا۔

☆☆☆☆

بابِ ہفتم

آراء و افکار

''توہینِ انبیاء اللہ تعالیٰ''

اللہ تعالیٰ اور انبیاء اللہ تعالیٰ کی پاک شان کے خلاف توہین آمیز کلمات اور تحریرات، لائقِ تعزیرِ مشدّد اور مستوجبِ حدِ مغلّظ ہیں، لیکن اشد ضروری بات یہ ہے کہ عدالت (نہ کہ دارالافتاء) اعلانِ سزاء کرے گی اور حکومت اس پر عملدرآمد کرائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ضرور ہوتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ، انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، یہ حضرات مختلف ادوار میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مأمور ہو کر مختلف اقوامِ عالم کی تعلیم، اصلاح، نجات اور سعادت کیلئے کوشاں رہے اور اس سلسلے میں ان کی گراں قدر، ٹھوس اور پائیدار خدمات ناقابل فراموش ہیں، اگر یہ حضرات بحکم الٰہی اپنی جانوں کو جوکھم میں ڈال کر انسانیت کیلئے قربانیاں پیش نہ کرتے اور بنو آدم کے سکھ کیلئے ان گنت دکھ نہ اٹھاتے تو اولاد آدم یقیناً علم، تقویٰ، دیگر اخلاق فاضلہ، قانونِ عدل وانصاف، مساوات، رواداری اور محبت باہمی سے یکسر ناآشنا اور کلیۃً بے نصیب ہوتی۔

کونسی قوم ہے جس میں یہ اصلاح کنندگان تشریف نہیں لائے، کیا کسی قوم کو اپنے ان محسنین کے خلاف جہلاء کی ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لینی چاہیے؟ جبکہ یہ حضرات، ہمارے آباؤ اجداد سے بھی زیادہ عزت وتکریم کے حق دار ہوں؟

کیا کوئی قوم اتنی احسان فراموش ہو سکتی ہے کہ کوئی بے عقل شخص اٹھ کر اس کے مقدس بزرگوں اور اللہ کے فرستادوں کی عزت وناموس پر رکیک اور ناروا حملے شروع کر دے اور وہ قوم غیرت وحمیت نام کی کسی خصلت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اس نانجار گستاخ کو گلے سے لگا لے؟ اور اسے سر اور آنکھوں پہ بٹھا لے؟

کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان نامی اشرف المخلوقات میں خیر اور حیاء کا ذرا سا بھی شائبہ موجود نہ ہو اور وہ اپنے برگزیدہ اسلاف کیلئے احترام کا ذرہ بھر بھی روادار نہ ہو؟ گستاخ لوگ بجا طور پر شعرِ ذیل کے مصداق ہیں:۔

؎ ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو　　بات کرنے کا سلقیہ نہیں نادانوں کو

انبیاء اللہ کی توہین، خود اللہ تبارک وتعالیٰ کی توہین ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم

السلام از خود اصلاح کا بیڑہ نہیں اٹھاتے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں اس منصبِ جلیلہ پر مامور فرماتا ہے، اب اگر کوئی بے ضمیر شخص ''مامور'' کی شان میں گالی بکتا ہے تو وہ درحقیقت مامور کرنے والی ذات کی شان میں اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کمین گاہ سے کسی نبی ورسول کی عزت پر حملہ ہوتا ہے تو وہ فی الواقع نبی ورسول بنانے والی ہستی پر حملہ قرار پائے گا۔ اسی وجہ سے عام مصلحین کی نسبت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بے ادبی کرنا ہزاروں، لاکھوں گنا زیادہ بڑا گناہ ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "یتعلق بِسبِّ الرسولِ حقّان: احدهما لِلّٰهِ تعالیٰ، والآخرُ للرسول". (الصارم المسلول، ص ۴۴۶)، ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کرنے سے دو حقوق تلف ہوتے ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

(۱) سورہ الحجرات کی ابتدائی پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کسی نے بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بلند آواز سے بات کی یا سخت لہجہ اختیار کیا، اس کے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جائیں گے، علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: فاذا ثبت انَّ رفع الصوت فوق صوت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والجهر لهٗ بالقول یُخاف منه ان یکفر صاحبه وهو لا یشعر، ویحبط عملهٗ بذلک، وانّهٗ مظنة لذلک وسببٌ فیه، فمن المعلوم انَّ ذلک لِمَا ینبغی لهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم من التعزیر والتوقیر والتشریف والتعظیم والاکرام والاجلال، ولِمَا انَّ رفع الصوت قد یشتمل علی اذیً لهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم واستخفافٍ به صلی اللّٰه علیه وسلم وانْ لم یقصد الرافع ذلک، فاذا کان الاذی والاستخفاف الذی یحصل فی سوء الادب من غیر قصد صاحبه یکون کفراً، فالاذیٰ والاستخفاف المقصود المتعمد کفرٌ بطریق الأولیٰ. (الصارم المسلول، ص ۵۶)۔

ترجمہ: جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک سے آواز اونچی کرنا اور آپ کے سامنے کرخت لہجہ اختیار کرنا باعث ضیاعِ اعمال اور موجبِ اندیشۂ کفر ہے تو یہ بات عیاں ہوگئی کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت، توقیر، تشریف، تعظیم، اکرام اور اجلال، حقِ شانِ نبوت ہے۔

مزید براں آواز اونچی کرنے میں بدیہی طور پر اذیت اور استہزاء کا پہلو شامل ہے، اگرچہ یہ اذیت اور استہزاء بلا قصد ہی صادر ہوئی ہو، سو ایسی صورت میں کہ جب اذیت اور

بے ادبی جان بوجھ کر کی جائے تو اس کا موجبِ کفر ہونا تو بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

علامہ قرطبیؒ اور علامہ آلوسی بغدادیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ تنقیح فرمائی ہے کہ (الف) آواز اونچی کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ (ب) اگر اس کے ساتھ ساتھ اذیت اور بے ادبی بھی شامل ہو جائے تو ایمان بھی جاتا رہتا ہے۔

(۲) سورۃ توبہ میں ارشاد ہے: ''اسلام کے ظاہری دعوے دار، ڈر رہے ہیں کہ کہیں ان پر کوئی ایسی سورۃ نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کے بھید کھول کر رکھ دے۔ اے نبی! ان سے کہو تم لوگ مذاق اڑاؤ، اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس کا تمہیں اندیشہ ہے، اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ سے کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مزاح اور دل لگی کر رہے تھے، ان سے کہو، کیا تم لوگ ہنسی مزاح صرف اللہ تعالیٰ، اسکی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی کرتے رہتے ہو؟ تم کوئی عذر پیش نہ کرو یقیناً تم لوگوں نے کفر کیا ہے، ایمان لانے کے بعد، اگر ہم، تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے کیونکہ وہ یقینی مجرم ہیں۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''وھذا نصٌ فِی اَنَّ الاستھزاء باللّٰہ وبآیاتہ وبرسولہ کفرٌ فَالسَّبُّ المقصودُ بطریق الاولی وَقَدْ دَلَّتْ ھذہ الآیة علیٰ اَنَّ کلَّ مَن تَنَقَّصَ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم جاداً اوھازلاً فقد کفر (الصارم المسلول، ۳۳)

ترجمہ: یہ اس بارے میں نص ہے کہ اللہ تعالیٰ، اسکی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا کفر ہے، سو گالی دینا تو بطریق اولیٰ کفر ہوا، یہ آیت بتلاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین چاہے سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مزاحاً ہو دونوں صورتوں میں کفر ہے۔

ابن تیمیہ فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں: "واما أبو حنيفة واصحابه .... فمن اصولهم ان ما لا قتل فيه عندهم مثل القتل بالمثقل إذا تكرر فللامام ان يقتل فاعلهُ و كذلك لهُ ان يزيد على الحد المقدَّر إذا رأى المصلحة في ذلك، ويحملون ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه رضي الله عنهم من القتل في مثل هذهِ الجرائم علىٰ اَنَّهٗ رأىٰ المصلحة في ذلك، ويسمونهٗ القتل سياسةً .... ولهذا افتىٰ أكثرهم بقتل مَنْ اكثر مِنْ سَبِّ النبي صلى الله عليه وسلم من اهل الذمة. (الصارم، ۱۱)

ترجمہ: امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کا اصول یہ ہے کہ وہ جرم جس کی سزاء قتل نہ ہو (مثلاً بھاری بھرکم چیز کسی پر گرائی اور وہ مر گیا) اگر دوبارہ کیا جائے تو حاکم اسے قتل کی سزا دے سکتا ہے، احناف کے نزدیک جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے جرائم پر جو قتل کی سزائیں دی ہیں، وہ ازروئے مصلحت اور ملکی انتظام کی خاطر دی ہیں، اسی لئے اکثر احناف رحمہم اللہ تعالیٰ اس ذمی کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں جو مکرر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گالم گلوچ کرے (اب اس کی توبہ قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی)۔

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بار بار ارتداد کا مرتکب ہو رہا ہو اس کیلئے بخشش نہیں ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ آمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا﴾ (سورۃ النساء، آیت ۱۳۷)۔

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائیں پھر کفر کریں پھر ایمان لائیں پھر کفر کریں پھر بڑھ جائیں کفر میں، اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ انہیں ہدایت دے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ، اسکی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ (سورۃ توبہ، آیت ۶۶) ترجمہ: تمہارا کوئی عذر (توبہ) قبول نہیں، کیونکہ تم نے (توہینِ خدا ورسول کر کے) غیر معمولی ارتداد کا ارتکاب کیا ہے (اس آیت میں توبہ کو رد کر دینے کا واضح حکم موجود ہے)۔

قرآن، احادیث نبویہ، اجماع اور جملہ ائمہ کرام کی تصریحات کی رو سے مرتد کی سزا، حدِ مغلّظ ہے (۱) عام مرتد کی توبہ قبول ہے لیکن جو شخص خدا و رسول کی توہین کے سبب مرتد ہوا ہو تو اسکی توبہ قبول نہیں ہے۔(۲) جو شخص نشہ کی حالت میں مرتد ہوا ہو، اسکی توبہ قبول ہے لیکن اگر اس نے اس حالت میں خدا و رسول کی توہین کی ہے تو اسکی توبہ قبول نہیں ہے۔ (۳) اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے اور توبہ کرنے سے انکار کر دے تو بجائے حدِ مغلّظ (قتل) کے اسے قید کی سزا دی جائے گی لیکن اگر اس کا ارتداد بوجہ توہینِ خدا ورسول ہو تو پھر اسکی سزا بھی حد مغلظ ہی ہوگی۔

تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک گستاخ رسول کی سزا حد مغلظ ہے۔ (تمام حوالہ جات کیلئے ملاحظہ ہو الصارم المسلول)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے: مَن سَبَّ نبیاً قُتِلَ وَمَن سَبَّ اَصحابَہٗ جُلِدَ. (الصارم، ص ۹۶)۔

ترجمہ: جس نے کسی نبی کو گالی دی اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں گے۔

دلیل سے محروم لوگ کھسیانے ہو کر آزادئ اظہار کا واویلا کرنے لگتے ہیں حالانکہ اظہار رائے کی آزادی اور کسی کی دل آزاری میں امتیاز قائم کرنا ضروری ہے، خاص طور پر ایسے محسنِ انسانیت کی دل آزاری، بے ادبی اور گستاخی کہ ساری کائنات جن کے احسانات کی زیر بار ہے۔

مقامِ غور ہے کہ اگر توہینِ عدالت سے عدالتی احکامات پر عملدرآمد میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو کیا پیغمبرِ دین علیہ السلام کی شان میں گستاخی سے دین کے پورے احکامات، تعطل کا شکار نہیں ہو جاتے؟

اگر قانونِ توہین رسالت کے غلط استعمال کا بہانہ تراشا جائے تو پھر پوری دنیا میں قانون ساز اداروں کے قیام کو وقت، دولت اور قوت کے ضیاع کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ غلط استعمال صرف اس ایک قانون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اگر کوئی سیکولر مدعی اسلام یا علانیہ غیر مسلم شخص، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتا تو بھی اسے گالی بکنے کا حق نہیں پہونچتا، قرآن مجید، بت شکنی کا علمبردار ہے اور بت پرستی کے خلاف شدید ترین رویے کا حامی ہے لیکن اس کے باوجود اس نے بتوں کو گالی دینے سے منع فرما دیا ہے، ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾.

ترجمہ: اور تم لوگ بتوں کو گالی نہ دیا کرو، جنکو انہوں نے معبود بنا لیا ہے۔

اس موقعہ پر یہ تصریح ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے اس ضابطہ کے بارے میں دو آراء نہیں ہیں کہ کوئی شخص بھی اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور از خود سزائیں جاری کرتا پھرے، بلکہ یہ عدالتوں کا کام ہے کہ وہ سزا کا تعین کریں اور اسی طرح یہ حکومتوں کا کام ہے کہ وہ عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کرائیں، کیونکہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ سزائیں دینا حکام کا منصب ہے علامہ چلپی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَربَعٌ اِلیَ الوُلاۃِ، وَعَدَّ مِنھا اِقامَۃَ الحُدُودِ". (حاشیہ

شرح وقایہ باب الحدود)۔ ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چار چیزیں حکام کے سپرد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامتِ حدود کو ان میں سے شمار فرمایا۔

مگر اس مشکل کا کیا حل ہے کہ جب اسلامی ریاست، اسلامی عدالت اور اسلامی حکومت ہی موجود نہ ہو؟ اسی بناء پر غازئ علم دین شہیدؒ کو برطانوی ہند میں اور غازی محمد عامر چیمہ شہیدؒ کو برلن (جرمنی) میں مجبوراً راست اقدامات اٹھانے پڑے، لہٰذا ریاستِ اسلامیہ کا قیام ناگزیر ہے کیونکہ تکفیرِ شخصی کا فیصلہ سنانا اور اسکی سزا کا تعین کرنا شعبہ افتاء کا نہیں بلکہ شعبہ قضاء (عدالت) کا منصب ہے جو کہ اسلامی ریاست کا اہم ستون ہوتا ہے۔

"گستاخی کا دائرہ اور زمرہ"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کے الفاظ پیش کرنے سے زبان اور قلم دونوں عاجز ہیں، دل ودماغ میں اتنی قوت اور جرأت نہیں کہ وہ ایسی مثال برداشت کر سکے یا سوچ سکے، صرف اتنا عرض ہے کہ عرفِ عام اور محاورۂ کلام بتلا دیتے ہیں کہ یہ بات گستاخی میں شامل ہے، ہر وہ نامناسب بات جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب میں طعنہ کا پہلو نکلتا ہو، جس میں کسی قسم کی عیب زنی موجود ہو، جس سے آپکی کسرِ شان واقع ہوتی ہو، جو آپؐ کیلئے تکلیف اور اذیت کا باعث ہو، جو عزتِ نفس مجروح کرنے والی ہو وہ گستاخی میں شمار ہو گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، صفات اور افعال کا اس انداز سے تذکرہ کرنا جس سے تضحیک، تمسخر اور استہزاء کا مفہوم نکلتا ہو گستاخی میں شامل ہے، بالکل اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریفین، لباس مبارک اور استعمال کی کسی بھی چیز کا بدتمیزی سے ذکر کرنا گستاخی ہی ہے، (حوالہ کیلئے ملاحظہ ہوں الصارم المسلول اور الشفاء للقاضی عیاضؒ)۔

گستاخی کا مسئلہ سمجھاتے ہوئے ابن تیمیہ کی تحریرات کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ ماننا اور بات ہے لیکن آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور بات ہے، اسی طرح کسی شخص کے مشرک ہونے سے اسے اس بات کی اجازت نہیں مل جاتی کہ اب وہ انبیاء کرام کی شان میں گالم گلوچ کرتا پھرے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی مثال درج ذیل حدیث میں سمجھائی گئی ہے ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "ففی الحدیث الصحیح الذی یرویہ الرسول عن اللہ تبارک

و تعالیٰ انہ قال " شتمنی ابن آدم وما ینبغی لہٗ ذلک و کذبنی ابن آدم وما ینبغی لہٗ ذلک، فاما شتمہٗ ایای فقولہٗ انی اتخذت ولداً واما تکذیبہٗ ایای فقولہٗ لن یعیدنی کما بدأنی" فقد فرّق بین التکذیب والشتم. (الصارم المسلول ص ۵۴۲)۔

ترجمہ: حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ، کا ارشاد ہے کہ ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ بات اسے زیب نہیں دیتی، اور ابن آدم میری خبر کو درست نہیں مانتا، حالانکہ یہ بات اسے زیب نہیں دیتی، اس کی گالی یہ ہے کہ کہتا ہے کہ کوئی میرا بیٹا ہے، اور اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر سے مجھے زندہ نہ کرے گا۔ اس حدیث میں گالی دینے اور جھٹلانے میں فرق واضح کیا گیا ہے۔

"رسولِ خدا تو معاف کر سکتے ہیں مگر ہم نہیں"

اگر کوئی منصف مزاج شخص مندرجہ ذیل چار نکات پر غور کرے گا تو اسے مذکورہ بالا عنوان بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔

(۱) عمومی ضابطے کے مطابق متاثرہ شخص، جس کی عزتِ نفس مجروح کی گئی ہو، وہ اگر خود چاہے تو اپنے ذاتی مجرم کو معاف کر سکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ کسی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ اسے معاف کر دے۔

(۲) اسی طرح گستاخ رسولؐ پر حد جاری کرنا، رسولِ خدا کا حق ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر آپؐ مناسب سمجھیں تو کبھی کسی مقام پر اپنا حق معاف فرما دیں، لیکن امت کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم کو معافی دیدے، ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اِنَّ النبیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کانَ لَہٗ اَنْ یَعْفُوَ عَمَّنْ شَتَمَہٗ وَسَبَّہٗ فِیْ حَیَاتِہٖ وَلَیْسَ لِلاُمَّۃِ اَنْ یَعْفُوَ عَنْ ذٰلِکَ. (الصارم المسلول، ص ۲۱۹، ۳۴۰)۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجرم کو معاف کر سکتے تھے مگر امت اس امر کی مجاز نہیں ہے۔

(۳)(الف) احکام الٰہیہ کا اجراء اور توضیح تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کی گئی تھی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾. ترجمہ جو تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو حالتِ احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا، اس نے پوچھا کیا یہ ممانعت قرآن میں ہے؟ آپؓ نے فرمایا ہاں، اس نے کہا کونسی آیت میں ہے؟ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کے جواب میں مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ (تفہیم القرآن)۔

(ب) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ معظمہ کی گھاس کاٹنے سے منع فرمایا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے "اِذْخِرْ" نامی علاقے کی گھاس کو مستثنیٰ کرنے کی درخواست کی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذْخِر کو مستثنیٰ فرما دیا۔ (بخاری جلد اول، ص ۱۲۱، مسلم جلد اول، ص ۴۳۸)۔

(ج) اس حدیث کی تشریح میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: "و در مذہب بعضے آن ست کہ احکام مفوض بود بوے صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد و بر ہر کہ خواہد حلال وحرام گرداند وبعضے گویند کہ باجتہاد گفت، واول اصح واظہر است"۔ (اشعۃ اللمعات جلد دوم، ص ۴۰۸)۔ ترجمہ: بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ احکام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیئے گئے تھے، جو چاہیں اور جس کیلئے چاہیں، حلال یا حرام فرمائیں، اور بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ اجتہاد، احکامات جاری فرمایا کرتے تھے، پہلا مسلک زیادہ صحیح اور زیادہ ظاہر ہے۔ (مسک الختام جلد دوم، ص ۵۱۲ مؤلفہ مولانا صدیق حسن بھوپالیؒ میں بھی ایسا ہی ہے)۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ حسبِ مصلحت، اپنے گستاخ کو معاف کرنے کا اختیار بھی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا، کسی اور کو نہیں ہوگا، کیونکہ احکام تو رسول اللہ کو تفویض کئے گئے تھے، نہ کہ امت کو۔

(۴) مزید اینکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد اور ہمارا اجتہاد یکساں اتھارٹی کے حامل نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی تائید، تصدیق اور تقریر تو وحی کے ذریعے ہو جاتی تھی، لیکن ہمارے اجتہاد کے بارے میں تو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس معیار کا حامل ہے؟ بلا ریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد تو صد فی صد عین صواب اور عینِ حق ہوتا تھا مگر ہمارے اجتہاد میں تو خطاء برابری کی سطح پر موجود رہتی ہے۔

اس لئے ہم اپنی مساوی الخطاء اجتہادی سوچ کے بل بوتے پر یہ جسارت کیسے کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ کے مجرم کو بیک جنبشِ زباں، بریٔ الذمہ قرار دے ڈالیں؟

"غیر مسلم بھی انبیاء کی عزت اچھالنے کا حق نہیں رکھتا"

یہ ایک بالکل معقول مطالبہ ہے کہ مذہبی جذبات کو مجروح کرنا، اذہان وقلوب میں تناؤ اور تلخی پیدا کرنا اور معاشرے میں اشتعال کو ہوا دینا قانونی طور پر ممنوع ہونا چاہیے، مسلم اور غیر مسلم دونوں کیلئے ضروری ہو کہ وہ شائستگی، مہذب رویے اور باحوصلہ سوچ کو اپنائیں، انہیں انبیاء کرام کی عزتیں اچھالنے کا حق دے کر، دنیا میں امن، رواداری، بھائی چارے اور باہمی میل ملاپ کی فضاء قائم کرنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

غیروں کے مقدس اشخاص کی شان میں نازیبا کلمات کہنا بہت آسان ہوتا ہے اسلئے کسی طبقے کو گالم گلوچ کی اجازت دینا لازماً بڑی خرابی کا باعث ہوگا، اور ہر طرف بد کلامی اور بدتمیزی کا راج نظر آئے گا۔

کوئی غیر مسلم (سیکولر ہو، ذمی ہو یا حربی) اپنی بدنصیبی اور کوتاہ فکری کی وجہ سے اگر نبی آخر الزمان، رحمۃ للعالمین، امام النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ اسے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو پامال کرنے کا لائسنس مل گیا ہے۔

اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندے اہل الذمہ (صاحبِ ذمہ) کہلاتے ہیں وہ ایک معاہدہ مطلقہ عامہ کے پابند ہوتے ہیں جس کی بنیاد بقائے باہمی، امن وآشتی، دوستی، روا داری اور ایک دوسرے کے احترام پر استوار ہوتی ہے، اب اگر کوئی فریق اس سماجی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو، ان کی ذات پر کیچڑ اچھالے، ان کی بے عزتی کرے اور ان کو گالم گلوچ کرے تو کیا یہ دوستانہ معاہدہ باقی رہ جائے گا؟

اس کا جواب بدیہی طور پر یہ ہے کہ وہ معاہدہ اس شخص کے حق میں فوری طور پر ہباءً منثوراً ہو جائے گا اور اس گستاخ مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے گی، کیونکہ وہ معاشرے کے امن کو تہہ وبالا کرنے اور زمین میں فساد پھیلانے کا مرتکب ہوا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ

نے یہودیوں کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے ایک عمرانی معاہدہ فرمایا تھا جو بقاء باہمی، معاشرتی امن اور مذہبی رواداری کا ضامن تھا۔

لیکن یہودیوں نے اپنے لاعلاج اور موروثی بغض وعناد کی وجہ سے اس معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو سبّ وشتم کا ہدف بنا لیا۔

اللہ تعالیٰ نے برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے سخت احکامات نازل فرمائے ارشاد ہوا: ﴿وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ﴾ (سورۃ توبہ، آیت ۱۲)۔ ترجمہ: اور اگر معاہدہ کرنے کے بعد اہل ذمہ اپنے حلفیہ قول وقرار کو توڑیں اور تمہارے دین کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنائیں تو کفر کے ان سرغنوں سے قتال کرو، ان کے حلفیہ قول وقرار کی کوئی حیثیت نہیں رہی، ممکن ہے کہ اس طرح وہ باز آجائیں۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اِنَّ الذِّمِّیَّ اِذَا سَبَّ الرسولَ اَوْ سَبَّ اللّٰهَ أو عابَ الإسلام علانیةً فَقَدْ نَكَثَ يَمِينَهُ وَطَعَنَ فِي دِينِنَا لاَ خِلاَفَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَّهُ يُعَاقَبُ عَلٰى ذٰلِكَ وَيُؤَدَّبُ. (الصارم المسلول ص ۱۶)۔ ترجمہ: اگر کوئی ذمی اللہ تعالیٰ، یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا دین اسلام میں علی الاعلان عیب نکالے تو اس نے طعن فی الدین کا ارتکاب کر کے اپنے حلفیہ قول وقرار کو توڑ دیا ہے، تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے سزا دی جائے اور اس کی تادیب کی جائے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: وَاِنَّمَا صَارَ اِمَاماً فِي الْكُفْرِ لِاَجْلِ الطَّعْنِ، فَاِنَّ مُجَرَّدَ النَّكْثِ لاَ يُوْجِبُ ذٰلِكَ .... فَثَبَتَ اَنَّ كُلَّ طَاعِنٍ فِي الدِّيْنِ فَهُوَ اِمَامُ الْكُفْرِ، فَاِذَا طَعَنَ الذِّمِّيُّ فِي الدِّيْنِ فَهُوَ اِمَامُ الْكُفْرِ، فَيَجِبُ قَتْلُهُ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ. ترجمہ: گستاخ شخص کو اس کے طعن وتشنیع کی وجہ سے کفر کا پیشوا کہا گیا ہے نہ کہ محض عہد توڑنے کی وجہ سے، اس آیت سے ثابت ہوا کہ دین (صاحب دین صلی اللہ علیہ وسلم) میں عیب نکالنے والا شخص کفر کی امامت سنبھالے ہوئے ہے، لہٰذا جب کوئی ذمی شخص، دین (صاحب دین صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں ہرزہ سرائی کرے تو وہ کفر کا سرغنہ ہے اس پر حد مغلظ (قتل) جاری ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کفر کے اماموں کو قتل کرو۔ (لیکن یہ امر واضح رہے کہ تکفیر شخصی کا فیصلہ سنانا اور اسکی سزا متعین کرنا عدالت کا منصب ہے نہ کہ عوام کا، اگر عوام، اسلامی نظام چاہتے ہیں تو اسلامی حکومت کے قیام کیلئے تدابیر اور لائحہ عمل اختیار کریں)

''اجراءِ حد کیلئے ثبوتِ جرم، لازمی ہے''

سزاء دینے سے پہلے، جرم کی تحقیق عدالت کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے کیونکہ جرم ثابت ہونے پر ہی سزا کا جواز بنتا ہے، اگر کبھی خطاءِ انسانی کی وجہ سے کوئی مجرم رہا ہو جائے تو یہ اس خطاء سے کم تر ہے کہ کوئی بے گناہ شخص ناروا سزا کے نتیجہ میں عزتِ نفس یا متاعِ حیات سے محروم کر دیا جائے۔

قرآن مجید نے خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوض، لعب، استہزاء اور استخفاف کی محافل برپا کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شرکاءِ محفل کو دو گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے ایک وہ جن کو معافی مل گئی دوسرے وہ جن کو سزا دی گئی، جس گروہِ ملزمان کو سزا دی گئی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ بنیادی مجرم ہیں قرآن کے الفاظ یوں ہیں: ﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾۔ (سورۃ توبہ، آیت ٦٦)۔

ترجمہ: تم عذرپیش نہ کرو یقینا تم لوگوں نے کفر کیا ہے، ایمان لانے کے بعد، اگر ہم، تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے کیونکہ وہ بنیادی مجرم ہیں۔ (یعنی سزا صرف وہاں ملے گی جہاں ثبوتِ جرم اور سنگینیِ جرم متحقق ہو گئے ہیں)۔

اس آیت مبارکہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کی مکمل وضاحت کر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاف فرمانا یا معاف نہ فرمانا، ان لوگوں کے مجرم ہونے یا نہ ہونے کی مطابقت سے ہوتا تھا، ثبوتِ جرم اور سنگینیِ جرم کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عدل وانصاف کو قائم فرماتے تھے تاکہ معاشرہ بے راہ روی کا شکار نہ ہونے پائے، اگر عفو ودرگزر لوگوں کے نڈر اور بے باک ہونے کا ذریعہ بن رہے ہوں تو وہاں بے لاگ سزا لازمی ہو جاتی ہے۔

سب بکنے سے، طعنہ زنی سے، عیب جوئی سے اور الزام تراشی سے مقصود، کسی کی شخصیت کو مجروح کرنا ہوتا ہے، تاکہ اس کے مشن کو ناکام بنایا جا سکے، اور اس کی دعوت کو روکا جا سکے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر کھا کے تو دعاء دی ہے، راستے میں کانٹے بچھانے والوں کو تو معاف فرما دیا ہے، گھر بار سے محروم کرنے والوں سے تو درگذر سے

کام لیا ہے لیکن اگر داعی الی الدین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عیب لگانے والوں سے چشم پوشی برتی جاتی تو خود دین، عیب دار ہو جاتا، اس کا راستہ مسدود ہو جاتا اور سسکتی بلکتی انسانیت، بے یار ومددگار رہ جاتی۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کے پیش نظر ضروری ہوگیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت کو بے وقار ہونے سے بچایا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں محبوبیت کے تمام پہلو جمع کر دیئے، اخلاقِ حسنہ اور خصائلِ محمودہ کا آپ کو مرقع بنا دیا، آپ کی شخصیت میں محاسنِ ظاہرہ وباطنہ تمام کے تمام سمو دیئے، آپ کو بے عیب بنایا، سراپا خیر بنایا، عصمت وعفت مآب بنایا اور اپنی خلافت کا تاج آپ کے سر پہ سجایا۔

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقتَ مبرءً من کل عیبٍ
کانک قد خلقت کما تشآء

ترجمہ: آپ جیسا حسین وجمیل نہ میری آنکھ نے دیکھا، نہ کسی ماں نے جنا آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں، گویا کہ آپ جیسا چاہتے ہیں ویسے ہی شان دار پیدا کیے گئے ہیں۔ (کلام شاعر رسولؐ حضرت حسانؓ)۔

مہر منیر باب مسند ارشاد میں حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے: ''دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتیب فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک، تحریر وتقریر اور تالیفات کے ذریعہ برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بناء پر انکی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی، تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا، ابنِ تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کے متبحر عالم اور خادم اسلام ہونے میں کلام نہیں، مگر بعض اجماعی مسائل میں رعایتِ توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے اور حضرات اہل اللہ خصوصاً حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کے مسلکِ توحید وجودی کو غلط طور پر پیش کر کے ایک بری مثال قائم کی ہے، گویا اگر ہزار میں سے ایک پہلو بھی موافق موجود ہوتا تو مخالف کی نیت پر شبہ کرنے سے منع فرماتے۔''

غزالی زماں سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ بانی مہتمم انوار العلوم ملتان اپنے بیان بسلسلہ شرعی پٹیشین در توہین رسالت میں لکھتے ہیں:

''یہاں اس شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور اسلام کی صرف ایک وجہ کا احتمال ہو تو فقہاء کا قول ہے کہ کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، اس کا ازالہ یہ ہے کہ فقہاء کا یہ قول اس تقدیر پر ہے کہ کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہِ کفر کا صرف احتمال ہو، کفرِ صریح نہ ہو، لیکن جو کلام، مفہومِ توہین میں صریح ہو اس میں کسی وجہ کو ملحوظ رکھ کر تاویل کرنا جائز نہیں، اسلئے کہ لفظِ صریح میں تاویل نہیں ہوسکتی۔''

راقم الحروف عرض گذار ہے کہ لفظِ صریح میں متکلم کی نیت کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کوئی شخص توہینِ صریح کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میری نیت توہین کرنے کی نہ تھی تو اسکی بات کا بالکل اعتبار نہ کیا جائیگا، البتہ جب کسی لفظ، جملے یا عبارت کے کئی مفہوم نکلتے ہوں تو مفہوم فی ذہن المتکلم معلوم کرنے کیلئے اسکی نیت معلوم کرنا ضروری ہوگا۔ (جیسا کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کا فرمان والاشان ہے)

اگر لغت کی رو سے کسی لفظ کے متعدد معانی ہوں مگر عرف اور محاورے کی رو سے ایک مفہوم متعین ہو چکا ہو تو اس صورت میں بھی متکلم کی نیت کی کوئی حیثیت نہ ہو گی، بلکہ عرفی مفہوم ہی حتمی قرار پائے گا۔

لفظِ صریح میں تاویل کی یا غیر متبادر مفہوم تلاش کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی، علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ الشفاء، جلد۲، ص ۲۱۷ میں تحریر فرماتے ہیں: قال حبیب ابن الربیع لانّ ادّعاءَ التأویلِ فی لفظٍ صراحٍ لا یُقبَلُ. ترجمہ: حبیب بن الربیع نے فرمایا، کیونکہ لفظِ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہ کیا جائیگا۔

باقی رہا لفظِ کنایہ تو اسمیں تعیینِ نیت کیلئے دلالت الحال سے مدد لی جاتی ہے، اس لئے اگر متکلم، نیتِ توہین کا انکار کرے مگر حالات کی دلالت اس کی تکذیب کر رہی ہو تو اس صورت میں دلالۃ الحال کی بناء پر ہی مرادی مفہوم متعین کیا جائیگا۔

جس طرح کہ لفظِ کنایہ سے طلاق دینے والا شخص اگر نیتِ طلاق کا انکار کرے مگر دلالۃ الحال اسکو جھٹلا رہی ہو یعنی تذکرۂ طلاق، غصہ یا ظہورِ نفرت وغیرہ وغیرہ کے حالات چل رہے ہوں تو طلاق کا فتویٰ دیا جاتا ہے، جہاں تک توہین بالکنایہ کی مثال کا تعلق ہے تو توہین آمیز کارٹون بھی اسکی مثال بن سکتے ہیں، جبکہ توہینِ صریح کی ایک مثال راج پال ہندو کی کتاب ''رنگیلا رسول'' بھی ہے۔

''محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم''

میرے برادر خورد الشیخ پوتا حافظ علامہ جی اے حق، محمد صاحب ریسرچ اسکالر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کا بیان ہے کہ حضرت سید پیر غلام معین الدین شاہ صاحب المعروف حضرت لالہ جی صاحب سجادہ نشین دربار گولڑہ شریف نے بیان فرمایا کہ حضرت الاستاذ المکرم علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سب لوگ گولڑہ شریف جانے کیلئے بہاولپور اسٹیشن پر پہونچے، گاڑی آنے میں ابھی بہت دیر تھی، اسٹیشن ماسٹر نے حضرت الاستاذؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ قریب والی مسجد میں میلاد شریف کی محفل ہو رہی ہے۔ آپ وہاں قدم رنجہ فرما کر سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں تاکہ سب حاضرین مستفید ہوں، حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ اور ہم لوگ مسجد میں پہنچے، حضرتؒ نے بطور موضوع تقریر مندرجہ ذیل آیہ قرآنیہ پڑھی اور اس کی جامع اور مدلل تفسیر بیان فرمائی: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ. فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (سورہ آل عمران، آیت ۸۱،۸۲)۔

ترجمہ: اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس ایک رسول آئیں جو تصدیق کرنے والے ہوں اس کی جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم اس رسول پر ایمان لانا اور ان کی حمایت کرنا، فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ وہ بولے ہم نے اقرار کیا، ارشاد فرمایا تو تم گواہ رہنا اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پس جو شخص (تمہاری امتوں میں سے) روگردانی کرے گا اس کے بعد، تو ایسے ہی لوگ حکم عدولی کرنے والے قرار پائیں گے۔

حضرت قبلہ لالہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقریر دل پذیر اتنی مؤثر اور روح پرور تھی کہ ساری تقریر مجھے زبانی یاد ہوگئی، گولڑہ شریف پہنچ کر میں نے اپنے والد گرامی حضرت قبلہ بابوجی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت اقدس میں اس محفل کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا، اچھا! وہ تقریر ہمیں بھی تو سناؤ! میں نے وہ ساری تقریر جوں کی توں سنا دی، آپ بہت خوش ہوئے، بعد ازاں جب کہیں میلاد

شریف کی محفل سجائی جاتی اور حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لے جاتے تو مجھے فرماتے، ہاں! وہ حضرت شیخ الجامعہ صاحب والی تقریر تو سناؤ! جب میں سناتا تو آپ بہت مسرور ہوتے اور دعاء دیتے اور حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں بھی کلمات خیر ادا فرماتے۔

ے محبت محمدؐ کی معراجِ ایماں　　محبت سے خالی نقیدِ نشاں ہیں

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سمع خارق للعادۃ“

اللہ تعالیٰ مؤثر حقیقی اور مسبب الاسباب ہے، اس نے اپنی مرضی سے اس کائنات کو عالمِ اسباب بنایا، وہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ اسباب اس کے محتاج ہیں، اس عالم اسباب میں اسباب کی دو بڑی اقسام ہیں: (۱) اسبابِ ظاہرہ، یعنی اسبابِ مادیہ۔ (۲) اسبابِ مخفیہ، یعنی اسبابِ غیر مادیہ۔ دوسری قسم کے اسباب میں ارواح بھی شامل ہیں اور ملائکہ بھی۔

اس عالم اسباب میں ملائکہ بطور اسباب کے کام کر رہے ہیں، جب تک ملائکہ یعنی اسبابِ مخفیہ پہلی قسم کے اسباب یعنی اسبابِ مادیہ کا ہاتھ نہ بٹائیں کوئی شئ ظہور پذیر نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر ایک پودے کی نشو ونما کیلئے اسبابِ ظاہرہ مادیہ یعنی مٹی، پانی، ہوا، روشنی، کھاد، گوڈی کرنا، موسم اور علاقے کی موافقت وغیرہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ دستِ قدرت کا تعاون بھی ضروری ہے۔ یہ دستِ قدرت، بامرِ الٰہی، ملائکہ کی صورت میں جو کہ اسباب مخفیہ ہیں کام کر رہا ہوتا ہے۔ الغرض یہ دونوں قسم کے اسباب یعنی اسبابِ ظاہرہ اور اسبابِ مخفیہ مل کر کام کر رہے ہوتے ہیں۔ تب کوئی کام انجام پذیر ہوتا ہے اور کوئی شئ نمودار ہوتی ہے۔ ان دونوں اسباب کو متحد ہونا چاہیے، ان میں سے ایک بھی متخلف ہو جائے تو مطلوب حاصل نہیں ہوگا، ہاں وہ ذات پاک اسباب کی محتاج نہیں اس لئے بعض اوقات اسبابِ ظاہرہ مادیہ کے بغیر ہی وہ ذات پاک صرف ملائکہ کو استعمال کرکے اپنی مشیئت کو ظہور پذیر کرسکتی ہے، بلکہ یہاں تک بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ ذاتِ قدیر بغیر توسطِ ملائکہ، اپنی منشا کو پورا فرما دے، کیونکہ وہ فعالٌ لما یرید ہے۔

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر

بھی موت عادی وارد ہوتی ہے مگر یہ حقیقت ثابتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ قبضِ ارواح کے باوجود بھی ان کو حیاتِ خارق للعادت بدنی حقیقی حاصل رہتی ہے جو کہ تحت القدرۃ الالٰہیہ اور ثابت بہ احادیث نبویہ ہے کیونکہ موتِ عادی اور حیاتِ خارق للعادۃ، بذریعہ خَلق ارتباط خصوصی بین الروح والجسد میں کوئی منافات نہیں۔

ایک شخص کے سوال کے جواب میں حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾۔ ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت وارد ہونے والی ہے اور ان لوگوں پر بھی، یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے جس کے سچا ہونے کیلئے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کیلئے موت کا وارد ہونا کافی ہے، اس موت کا دوام ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ قضیہ مطلقہ عامہ کیلئے دوام شرط نہیں ہوتا۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس قضیہ کا دائمہ مطلقہ نہ ہونا بایں وجہ ہے کہ یہاں پر کوئی ایسا لفظ جو حالتِ موت کے دائمی ہونے پر دلالت کرتا ہو موجود نہیں ہے، بلکہ حال یہ ہے کہ قرآن واحادیث کی رو سے حیاتِ برزخیہ اور حیاتِ اخرویہ ثابت شدہ ہیں۔ (ہاں! کفار ومشرکین حالتِ عذاب میں مبتلا ہونے کے باعث، حیات کے حقیقی مصداق نہیں ہیں، نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں، بلکہ عذاب نے ان کی حیات کو موت سے بدتر بنا رکھا ہے)۔

حدیث: إن اللّٰہ حرم علی الأرض أن تأکل اجساد الأنبیاء، صاف بتلا رہی ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بعد الموت، حقیقی، بدنی ہوتی ہے، (یہ حیات خارق للعادۃ ہوتی ہے اسلئے معجزہ کہلاتی ہے، معجزہ خلق اللہ ہوتا ہے جو نبی کی ذات سے ظہور پذیر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں، اسلئے تمام عادی اور غیر عادی امور پر قدرت رکھتا ہے)۔

درجۂ نبوت، درجہ شہادت سے بہت ہی بلند ہے، جب شہداء کیلئے حیات ثابت ہے تو انبیاء کیلئے اس کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگیا۔ کیونکہ نبی کی زندگی کا ہر لمحہ، شہادت فی سبیل اللہ سے بڑھ کر ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس نے میری ایک متروک سنت کو زندہ کیا، اس کے لئے سو شہیدوں کا اجر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام تو پورے دین کو زندہ کرتے ہیں ان کیلئے کتنے شہیدوں کا اجر، انعام اور اعزاز ہوگا؟

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر جو دلائل پیش فرماتے تھے ان کے بارے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افادۂ عام کیلئے وہ

روایات شریفہ اور تحقیقات انیقہ یہاں درج کی جائیں تاکہ ثابت ہو کہ امت کے ہدایا اور تحائف از قسم صلوات وتسلیمات بھی بحضور سرور کونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بتدبیر آں ذات قدیر وبصیر وخبیر، بتوسطِ ملائکہ یا بلا واسطہ، شرف باریابی سے مشرف ہو کر، امت مرحومہ کیلئے خیر وبرکت کا باعث بنتے ہیں:۔

(۱) عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن لِلّٰہِ ملائکۃً سیاحین فی الأرض یبلغونی عن اُمتی السلام. ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو زمین میں گردش کرتے رہتے ہیں، یہ مجھے میری امت کے سلام پہنچاتے ہیں۔ (نسائی، دارمی، مشکوٰۃ)۔

(۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ صلّٰی عليَّ عند قبری سمعتُہٗ وَ مَنْ صلّٰی عليَّ نائیاً اُبلغتُہٗ. ترجمہ: جو شخص میرے روضہ کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے میں اسے خود سنوں گا اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔ (شعب الایمان بیہقی، الترغیب اصبہانی)۔

(۳) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَکثروا الصلوٰۃ عليَّ یوم الجمعۃ فانَّہٗ یومٌ مشہودٌ تشہدہُ الملائکۃ لیس مِنْ عبدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حیث کَانَ قلنا وبَعْدَ وفاتِک قال وَبَعْدَ وفاتی اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ علیٰ الأرض اَنْ تأکل اَجساد الأنبیاء. ذکرہُ الحافظ المنذری فی الترغیب وقال رواہ ابن ماجہ باسنادٍ جَیِّدٍ. (جلاء الافہام ابن قیم الجوزیہ، ص ۷۳ ۔ ۷۴)۔

ترجمہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو اس لئے کہ یہ حضورِ ملائکہ کا دن ہے، کوئی بندہ کسی بھی جگہ سے مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ وفات کے بعد بھی؟ تو آپ نے فرمایا ہاں وفات کے بعد بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

(۴) عن عمار رضی اللّٰہ عنہ سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکاً اَعْطَاہُ اِسْمَاعَ الخَلائِقِ قائمٌ علیٰ قبری فَمَا مِنْ اَحَدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صلوٰۃً اِلَّا بَلَّغَنِیْھَا. (امام بخاریؒ، فی تاریخہ).

ترجمہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا خاص فرشتہ ہے جسے اس نے مخلوقات کو

سننے کی قوت عطا فرمائی ہے، وہ میری قبر پر کھڑا ہوگا، پس جو شخص مجھ پر درود پڑھے گا، وہ فرشتہ اسے مجھ تک پہنچا دے گا۔

(۵) عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ انِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ علیہ السلام. (رواہ احمد فی مسندہٖ، أبو داؤد فی سننہٖ، بیہقی فی شعب الإیمان).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی جو سلام پڑھے مجھ پر مگر اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف راجع فرما دے گا، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کو سلام کے ساتھ لوٹا دوں گا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: وَیَتَوَلَّدُ مِنْ ھٰذا الجواب، جوابٌ آخرُ وھو اَن یکون رَدُّ الرُّوْحِ کِنَایَۃً عن السمع ویکون المراد اَنَّ اللّٰہ تعالیٰ یَرُدُّ إلیہ سَمْعَتَہُ الخارقَ للعادۃ بحیث یسمع سلام المسلم وَاِنْ بَعُدَ قُطْرُہٗ. (انباء الاذکیاء فی حیاۃ الأنبیاء)۔

ترجمہ: اور اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ردِ روح سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی سمع خارق للعادۃ کو لوٹا دے گا، اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام بھیجنے والے کے سلام کو بطور معجزہ سن لیں گے خواہ وہ کتنی ہی دور سے سلام پڑھ رہا ہو۔

(۶) صاحبِ دلائل الخیرات رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بایں الفاظ بیان کیا ہے:۔ ''اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ محبتی واَعْرِفُھُم'' ترجمہ: میں اہل محبت کے درود کو سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں۔ (اسمع، مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل کے لئے ہوتا ہے) کیونکہ محبت، رابطے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

نوٹ: جمیع سلاسلِ عالیہ کے مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ دلائل الخیرات کا ورد کرتے ہیں، کسی نے بھی اس حدیث پر اعتراض نہیں کیا۔

(۷) مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے فیض الباری شرح بخاری جزء دوم، ص ۳۰۲ میں لکھا ہے۔ ''واعلم ان حدیث عرض الصلوٰۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یقوم دلیلاً علی نفی علم الغیب وان کانت المسئلۃ فیہ ان نسبۃ علمہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعلمہٖ تعالیٰ نسبۃ المتناھی بغیر المتناھی، لان المقصود بعرض الملائکۃ ھو تلک

الکلمات بعینها فی حضرته العالیة، عَلِمَهَا من قبلُ أو لم یعلم، کعرضها عند رب العزة ورفع الاعمالِ اِلَیْهِ، فَاِنَّ تلک الکلمات مما یُحَیّٰی بِهٖ وَجْهُ الرحمٰن، فَلا یَنفِی العَرْضُ الْعِلْمَ، فَالْعَرْضُ قد یکون لِلْعِلْمِ واخریٰ لمعانٍ آخرَ، فَاعْرِفِ الْفَرْقَ.

ترجمہ: جان لیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش کرنے کی حدیث آپ کے علم بالغیب کے منافی نہیں ہے۔ (اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم بالغیب کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ایسے ہے جیسے متناہی کی نسبت، غیر متناہی کے ساتھ) کیونکہ فرشتوں کے پیش کرنے کا مقصد صرف کلماتِ درود کو آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر دینا ہوتا ہے، خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل ازیں درود سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں، جس طرح کہ رب العزت کے حضور کلمات اور اعمال پیش کئے جاتے ہیں تاکہ آں ذاتِ رحمٰن کی جناب میں آداب وتحیات بجا لائے جائیں۔

اصل بات یہ ہے کہ پیش کرنا پیشگی علم کے منافی نہیں، کیونکہ بعض اوقات پیش کرنا بتلانے کیلئے ہوسکتا ہے تو بعض اوقات دیگر مقاصد کیلئے بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس فرق کو پہچان لیں۔ (فیض الباری)

(۸) حضرت اعلیٰ گولڑوی نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مکتوب، فتاویٰ مہریہ سے نقل کرنا، اس مقام پر مفید ہوگا، وھو ھذا:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اس مسئلہ کے متعلق میری نسبت جو کچھ آپ نے سنا ہے، وہ راوی نے حسبِ فہم خود بیان کیا ہے (۱) میں اپنی رائے کے اظہار کو ''خواص اہل مشاہدہ وتجربہ'' اور ''صاحبِ ارتباط بہ عالم برزخ'' ہونے پر موقوف سمجھتا ہوں، بغیر اس کے (یعنی اگر وہ ایسا نہیں ہے) تو تحریر فضول ہے۔ (۲) بجواب غیر مقلدین، اتنا کہنا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ درود مستغاث پڑھتے وقت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ملائکہ مؤکلہ بابلاغ، اس درود شریف کو حَیْثُمَا یُقْرَأُ، بصیغۂ خطاب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچا دیں گے۔

پس یہ تصور، حدیث مذکور میں، جملہ اُبْلِغْتُہٗ کے مطابق ٹھہرا، درود مستغاث پڑھنے کا جواز، عقیدۂ خواص (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر توسطِ ملائکہ بھی، بطور معجزہ صلوٰۃ وسلام کا سماع فرما لیتے ہیں) کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ (مہر منیر، باب دہم، ساتویں فصل، ص ۵۷۰)

(۹) حضرت شیخ الاسلام محدث اعظم علامہ غلام محمد گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تالیف ''معائنہ بلاشیب در مسئلہ علم غیب'' میں تحریر فرمایا ہے:۔

جب آپ غور کریں گے تو خود بخود یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے احوال، نیات اور وارداتِ قلبیہ کا مشاہدہ کرنا ایک امر ہے اور ملائکہ کی طرف سے اعمالِ امت کی روئیداد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرنا امر دیگر ہے، خاتم المحدثین الحافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب میں علماء امت کا اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے، لکھتے ہیں: فَیَرَیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَایَصِلُ اِلَیْهِ مِنَ الْاُمَّةِ مِنْ سَلامٍ وَصَلوٰةٍ وَغَیْرِهِمَا کَالْمُشَاهِدِ وَتَبْلِیْغُ الْمَلَکِ مَعَ ذَالِکَ اِنَّمَا هُوَ لِمَزِیْدِ التکریم والتشریف. امت کی طرف سے جو سلام وصلوٰۃ اور دیگر امور جو آنحضورؐ تک پہنچتے ہیں ان سب کو آپ خود دیکھتے اور ملاحظہ فرماتے ہیں، اس کے باوجود ملائکہ کا ان امور کو آپ کی بارگاہ میں پیش کرنا مزید تکریم اور تشریف کیلئے ہوتا ہے۔

مذکورۃ الصدر احادیث مبارکہ میں تطبیق یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خود صلوۃ وسلام سننے میں اور فرشتوں کے پہنچانے میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ دونوں امور بیک وقت صادر ہو رہے ہیں، کیونکہ عالمِ امر چاہے عالمِ ارواح ہو یا عالمِ ملائکہ، دونوں زمان اور مکان کی قید سے ماوراء ہیں چنانچہ بعض احادیث میں خود سننے کا ذکر ہے تو بعض دیگر احادیث میں فرشتوں کے پہونچانے کا ذکر ہے۔

یہ مسئلہ محقق عند الکل ہے کہ جسدِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافت وقوت، عام ارواح کی لطافت وقوت سے کہیں زیادہ رفیع المرتبت ہے تو روحِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ لطافت وقوت کا احاطہ کیسے ممکن ہوگا؟

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح، مشاہدۂ جمال وجلالِ حق تعالیٰ شانہٗ وتقابلِ آفتابِ وجود باری تعالی سے اس درجہ تک پہنچ جاتی ہیں کہ اجزاءِ بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکمِ روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عینِ ادراک اور عینِ حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ''اِنَّ اللّٰہ حرَّم علی الأرض اَن تاکل اجساد الأنبیاء'' بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زیارت کنندہ اپنی خوش نصیبی پر جتنا ناز کرے، بجا ہے، اس کے صلوٰۃ وسلام کو آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عزت پناہ سے التفاتِ خصوصی اور توجہ خصوصی کے ساتھ شرفِ سماع حاصل ہوتا ہے، چنانچہ فرمان ذی شان ہے کہ ''مَنْ صَلّٰی علیَّ عند قبری سمعتہٗ'' جو کوئی میری قبر شریف کے نزدیک درود پڑھے، میں خود اسے سنوں گا۔

اللھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم.

''بشریت اور نورانیت میں منافات نہیں ہے''

مسئلہ مذکورہ بالا کی بابت حضرت اعلیٰ گولڑوی اور حضرت محدث گھوٹوی رحمہما اللہ تعالیٰ بلکہ جملہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک حسبِ ذیل ہے:

آسمانوں اور زمین میں جو موجود ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی نورانیت کا مظہر ہے، ہر ممکن الوجود، اس ذات واجب الوجود کا نورانی جلوہ ہے، البتہ اس کے استجلاء کا جامع الشئون اور حاوی الجہات اظہار، نوعِ بشر (یعنی خلیفۃ اللہ) میں ہوا نیز کافی کچھ ملائکہ میں اور کسی قدر ساری مخلوقات میں بھی ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نورانیت ذاتی ہے، باقی تمام موجودات کی نورانیت تو عکس اور منجانب اللہ ہے، اس کا وجود حقیقی ہے باقی سب کچھ اس کی جھلک ہے، وہ ذاتِ بحت متجلی ہے جبکہ اشیاء تجلیات ہیں، وہ ذات، اشیاء کا عین (مابہ القیام) ہے مگر اشیاء اس کا عین (مابہ القیام) نہیں، وہ ذات لامحدود ہے، باقی سب کچھ اس کے تعینات اور تنزلات ہیں، لاریب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نورانیت کا عدیم النظیر شاہکار، اکمل المظاہر اور اول التعینات ہیں۔ حقائق الاشیاء سے انکار نہیں مگر وہ ذاتِ واجب الوجود حقیقت الحقائق ہے، لاموجود الا اللہ برحق ہے مگر فرقِ مراتب کا لحاظ لازمہ ایمان ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان، ﴿اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (اللہ نور ہے تمام آسمانوں کا اور زمین کا) اور پھر قولِ نبوی: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ. بحرِ معانی کی طرف مشیر ہیں۔

تمام موجودات ارضی وسماوی میں سے بنی نوع انسان کو ہی آں ذاتِ واجب الوجود نے اپنی نیابت وخلافت کیلئے منتخب فرمایا، اسے ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً﴾. (میں زمین میں نمودار کرنے والا ہوں ایک خلیفہ) اور ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ (ہم نے انسان کو خوبصورت ترین تقویم میں پیدا کیا) کا مژدہ سنایا، اسے ملائکہ

جیسی نوری مخلوق کا مسجود بنایا، نیز ﴿مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ﴾. (اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق فرمایا؟) کہہ کر ابلیس کو بوجہ انکار از سجدہ آدم، راندہ درگاہ بنایا۔ الغرض بشر کے افضل واکمل ہونے کا فرشتوں سے بھی اقرار کرایا۔

(۱) فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

(۲) کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

نوٹ: تفہیمِ مسئلہ کیلئے عرض ہے کہ ممکن ہے کہ فی الارض کی ظرف متعلق بہ جاعلٌ ہو نہ کہ متعلق بہ خلیفۃ۔ ورنہ نوری ملائکہ، صرف زمین کی خلافت کی صورت میں، اپنے استحقاق کا سوال نہ اٹھاتے، نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خلافتِ الٰہیہ صرف ارضی نہ ہوئی بلکہ منجملہ ہوئی چونکہ انسان، جسم اور روح دونوں کا جامع ہے اس لئے خلافت منجملہ کا اہل ہوا، جبکہ ملائکہ تو صرف نوری ہیں، خاکی نہیں ہیں، سو جہاں جہاں مُلکِ خدا، وہاں وہاں خلافتِ خدا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کائنات کی سیر کرائی گئی اور نماز کو اہل ایمان کیلئے معراج فرمایا گیا۔

حبیبِ خدا اشرفِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آں نورِ حقیقی کے مظہرِ اتم اور اسکی تجلیٔ اکمل ہیں، اجرامِ نوریہ آپ کے اشارۂ ابرو کے منتظر تو ملائکہ عظام آپ کے خدمت گذار، معراجِ بدنی آپ کی نورانی بشریت کی شاہد ہے، آپ کے بدنِ مبارک کی ضیاء پاشی مسلّم عند الکل ہے، حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا دیگر ارواح کی لطافت سے بڑھ کر لطیف ہونا محقق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیر البشر، افضل الخلائق اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں، آپ کا مقامِ ارفع، ''عبدہ'' ہے جو تقرب تام اور محبوبیت عظمیٰ کی انتہاء ہے۔

؎ عبد دیگر عبدہ چیزے دگر   ایں سراپا انتظار، آں منتظر

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتَابِ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ قَدْ جَاءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ. یَهْدِیْ بِهِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلَامِ﴾. (سورۃ المائدہ، آیت ۱۵)۔

ترجمہ: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے جو تم پر ظاہر کرتے ہیں بہت سی وہ چیزیں کتاب کی، جو تم نے چھپا رکھی تھیں، اور بہت سی درگذر کرتے ہیں، بے شک تمہارے پاس تشریف لائے وہ سراپا نور جو کھلی کتاب ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ذریعے راہیں روشن کرتا ہے اس کیلئے جو اللہ کی مرضی پر چلے سلامتی کے راستے۔

تفسیر ابوسعود زیر آیت ہذا میں ہے: توحید الضمیر المجرور لاتحاد المرجع بالذات اولکونهما فی حکم الواحد او ارید یهدی بما ذکره.

ترجمہ: ﴿یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ﴾ میں بہ والی ضمیر، ضمیر واحد ہے کیونکہ (۱) اس کا مرجع ذات کے لحاظ سے واحد ہے یعنی نور اور کتاب میں اتحاد ہے (قرینہ رسولنا ملحوظ رہے، راقم الحروف) (۲) یا اس لئے کہ ان کا حکم ایک ہے (۳) یا اس لئے کہ اس کا مرجع ''المذکور'' ہے۔

روح المعانی میں ہے: ولا یبعد ان یراد بالنور والکتاب المبین، النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعطف علیہ کالعطف علی ما قالہ الجبائی، ولا شک فی صحة اطلاق کلٍ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح المعانی زیر آیت ہذا)۔

ترجمہ: یہ بات ہرگز بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں اور عطف حسبِ قولِ جبائی عطفِ تفسیری ہو، یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ''نور اور کھلی کتاب'' دونوں کا اطلاق صحیح ہے۔

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وای مانع من ان یجعل النعتان للرسول صلی اللہ علیہ وسلم فانه نور عظیم لکمال ظهوره بین الانوار، وکتاب مبین من حیث انه جامع بجمیع الاسرار ومظهر للاحکام و الاحوال والاخبار (شرح شفاء، لملاعلی القاری ج ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: اس امر سے کونسی چیز مانع ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں لفظوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد لی جاوے، کیونکہ آپ اس لحاظ سے نور ہیں کہ جملہ انوار میں ظہور اکمل رکھتے ہیں اور آپ اس لحاظ سے کتاب مبین ہیں کہ تمام اسرار الٰہیہ کے جامع اور احکام، احوال، اخبار کے بتلانے والے ہیں۔

؎ لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب (حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں: قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ نور سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی (اسی آیت میں) ﴿قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا﴾ فرمایا ہے، تو یہ قرینہ ہے اس پر کہ دونوں جگہ جآءکم کا فاعل ایک ہو۔ (رسالہ النور، ص ۱۳۱)

حقیقت یہ ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت، ''نوری'' اور ظہور، ''بشری'' ہے، آپ نورانیت اور بشریت دونوں کے جامع ہیں، جب بشریت کا غلبہ ہوا تو بشری عوارض پائے گئے اور جب نورانیت غالب ہوئی تو اس کے مظاہر پائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بشر کامل ہیں اس لئے آپ کا جسم عنصری بھی کامل اور آپ کی صورتِ عنصریہ بھی کامل، بحیثیت نور کے آپ کی تخلیق عمل میں آئی اور بحیثیت بشر کے آپ کی ولادت عمل میں آئی۔

آپ کی بشریت کا منکر نصوص قرآنیہ کا منکر ہے۔ ارشاد قرآنی ہے:

(۱) ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ﴾. (سورۃ الکہف آیت ۱۱۰)۔

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں بشر ہوں، تمہاری طرح (ظاہری صورت میں) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔

(۲) ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۳)

ترجمہ: فرما دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں صرف بشر رسول ہوں (یہاں بشریت کا اثبات اور ربوبیت کی نفی ہے، نورانیت کی نفی نہیں ہے)

(۳) ﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾. (سورۃ یونس، آیت ۲)۔

ترجمہ: کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کی طرف وحی نازل کی ہے؟

(۴) ﴿قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا﴾. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۹۵)۔

ترجمہ: فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے رہتے بستے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے ہی رسول بنا کر اتار دیتے۔ (یعنی انسانوں کیلئے تو انسان ہی نمونہ اور معیار ہوسکتا ہے۔ اسی لئے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشری صورت میں بھیجا)۔

نوٹ: انبیاء کرام علیہم السلام نورانی ہونے کی وجہ سے اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے وصول کریں، اور بشر ہونے کی وجہ سے اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ انسانوں کیلئے رہنما بن سکیں۔

حضرت ملا علی القاریؒ نے مرقاۃ (ج ۱ ص ۱۶۶) میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ (ج ۲ ص۲) میں ابن حجرؒ نے شرح شمائل ترمذی میں علامہ زرقانیؒ نے شرح مواہب لدنیہ از قسطلانیؒ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ نے محذورات عشرہ میں اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے نشر الطیب میں لکھا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، ''اول الخلق'' ہے اور اسکی اولیت حقیقیہ ہے جبکہ قلمِ تقدیر اول الخلق تو ہے مگر اسکی اولیت اضافیہ ہے۔

واضح ہو کہ روح، عینِ نور ہوتی ہے، اسلئے بعض روایات میں اگر نورِ محمدی کی جگہ روحِ محمدی وارد ہوا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نوٹ: نورِ محمدی (روحِ محمدی) کو حقیقتِ محمدیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے (صوفیاءِ کرامؒ)۔

''حاظر و ناظر کا کیا معنی ہے؟''

ایک مذہبی شخصیت (مرحوم ومغفور) کے ساتھ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا بشریتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حاضر وناظر کے الفاظ استعمال کرنے کی بابت اختلاف زور پکڑ گیا تو حضرت پیر سید صدر الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کو ایک خط ارسال فرمایا، جس کا آپ نے مفصل جواب لکھ کر دونوں مسئلوں کا تصفیہ فرما دیا، ذیل میں اس جواب کا لبِ لباب اور خلاصہ ہدیہ قارئین ہے:

(۱) بشر کا لفظ متضمن بکمال ہے مگر عوام کو اس کا استعمال بغیر اضافہ لفظ دالّ بر تعظیم نہ کرنا چاہئے (محمد بشر لیس کا لبشر . یاقوتة حجر لیس کا لحجر)۔

(۲) حقیقتِ روحانیہ، نوریہ، محمدیہ (جو کہ نورِ حق سبحانہ و تعالیٰ کا جلوۂ اولیں ہے) کا سریان ذرہ ذرہ میں محققین صوفیاء کے نزدیک ثابت ہے، جو کہ اولاً معنوی طور پر قلب وروح نقی تقی میں اور ثانیاً جسد شریف عنصری کی صورت ظاہری میں جلوہ گر ہوا، (نور کی تخلیق ہوئی اور جسم کی ولادت) اس مسئلہ کو صوفیاء سمجھ سکتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بصورت مثالیہ شریفہ علی صاجبہا الصلواۃ والسلام ہر مکان اور ہر زمان میں از روئے حدیث ''ماکنت تقول فی ھذا الرجل'' (بخاری باب الایمان) ثابت ہے، اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو انکی حیاتِ ظاہرہ میں بھی اس قسم کے مثالی ظہور کی زیارت کا تجربہ ہوتا رہتا ہے، فرمان نبوی ہے: من رآنی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی (متفق علیه، مشکوٰۃ، باب الرویا) ترجمہ: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری مثالی صورت نہیں اپنا سکتا۔ البتہ جہاں تک جسد شریف عنصری عینی کا تعلق ہے تو اس کی زیارت باسعادت کا پتہ بعض اہل مشاہدہ کے ہاں ملتا ہے، یہ اخص الخواص کا مقامِ بلند اور نادر ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ نورِ محمدی، اللہ تعالیٰ کے حقیقی، ازلی اور ابدی نور کی تجلی اول واکمل ہے جسے حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں اول الخلق فرمایا گیا ہے، بعض روایات میں اسے روحِ محمدی بھی کہا گیا ہے۔ واضح ہو کہ حقیقتِ محمدیہ، حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح ہے، مسلمہ قاعدہ ہے کہ لا مناقشة فی الاصطلاح پس جو، ذرہ ذرہ میں ساری ہے اس کا نام حقیقتِ محمدیہ، روحانیہ، نوریہ ہے۔ جو کہ نورِ حق سبحانہ و تعالیٰ کا جلوۂ اولیں ہے۔ (عند الصوفیاء) حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحسبِ الحقیقة الروحانیة النوریة اول مخلوق ہیں۔ (مکتوباتِ مہریہ: مکتوب نمبر ۳۶۸)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ علماء اہل سنت کی تحریرات کے مطالعہ سے میں نے یہ اخذ کیا ہے کہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریف کے اندر تشریف فرما ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات اور لوازماتِ حیات حاصل ہیں، اگر آپؐ توجہ فرمائیں تو اللہ تعالیٰ حجابات کو اٹھا دیتا ہے اور آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم دور و نزدیک کی تفریق کے بغیر کسی بھی چیز کا مشاہدہ فرما سکتے ہیں، علماء اہل سنت جزئی حقیقی کے تعدُّد اور تکثُّر کے قائل نہیں ہیں بلکہ آنِ واحد میں آپؐ کا امکنہ متعددہ میں موجود ہو جانا، اجسام مثالیہ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ جسم عنصری کے ساتھ، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم عنصری بھی زمان ومکان کی قیود سے پاک ہے جیسا کہ واقعہ معراج اس پر شاہد ہے، لیکن جسم عنصری کا آن واحد میں امکنہ متعددہ میں موجود ہونا محققین کی تحریرات میں نظر سے نہیں گذرا، واللہ اعلم بالصواب۔

”اہلِ بیت اور اہلِ کساء“

حضرت شیخ التفسیر مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی و مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان جو کہ شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے اولین تلامذہ میں سے تھے انہوں نے آپؒ سے استفسار کیا کہ اہلِ بیت اور اہلِ کساء میں کیا فرق ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ (۱) اہل بیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپؐ کی اولاد (داماد مانند اولاد) اور اولاد کی اولاد شامل ہیں جنکے بارے میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا﴾. (سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳)۔

(۲) اہل کساء میں حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ شامل ہیں، جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ھولاء اھل بیتی وخاصتی. ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے، یعنی جو اولاً مذکور ہوئے وہ عمومی اہل بیت ہیں اور جو ثانیاً مذکور ہوئے وہ خصوصی اہل بیت ہیں۔ آیۂ تطہیر دونوں کو شامل ہے، پنج تن پاک کو اہل کساء کہا جاتا ہے۔

”ایصالِ ثواب“

حضرت شیخ الاسلام غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا روز مرہ کا معمول تھا کہ خاص طور پر کچھ نہ کچھ طعام پکوا کر اس کا ثواب، ارواح کے نام ایصال فرمایا کرتے تھے، اور پھر اس طعام کو مستحقین کی طرف بھجوا دیا کرتے تھے۔

آپ کے جانشین حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ عام طور پر عوام الناس اور بعض اوقات علماء کرام بھی حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ایصالِ ثواب کے جواز اور اس کی حقیقت کے بارے میں استفسارات کیا کرتے تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت عام فہم، سادہ اور مدلل انداز میں انہیں بات ذہن نشین کرا دیا کرتے تھے، حضرت کے انہی جوابات کی روشنی میں درجِ ذیل نکات بطور خلاصہ ولب لباب، ہدیۂ ناظرین ہیں، تاکہ تبرعات اور خیرات کی ترغیب ہو:۔

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل روایت بیان فرمائی ہے۔ ”عن أبي هريرةؓ قال تُرْفَعُ للميت بعد موته درجتهٗ فيقول اَیْ رب! اَیُّ شیءٍ هذا؟ فيقال ولدُک اِسْتَغْفَرَ لک“. (الادب المفرد، ص ۲۰)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میت کا درجہ اسکی موت کے بعد بڑھا دیا جاتا ہے، پس وہ سوال کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! یہ کیا ہے؟ اسے بتایا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار پڑھا ہے۔

(۲) حافظ نور الدین علی بن اَبی بکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بیان کی ہے: ”عن انسؓ انّ سعداً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِنَّ اُمّی تُوُفِّیَتْ وَلَمْ تُوصِ اَفَیَنْفَعُھَا اَنْ اَتَصَدَّقَ علیھا، قال صلی اللہ علیہ وسلم نعم، وعلیک بالماء، رواہ الطبرانی فی الاوسط، ورجالہٗ صحیحٌ. (مجمع الزوائد، ج۳، ص ۱۳۸)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ وفات پا گئی ہیں، انہوں نے کچھ وصیت نہیں کی، کیا انہیں یہ چیز فائدہ پہونچائے گی کہ میں ان پر کوئی صدقہ وخیرات کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، تم پانی کا انتظام کرو۔

(۳) عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَصَدَّقَ اَحَدٌ بِصَدَقَةٍ تَطَوُّعاً فَیَجْعَلُھَا عَنْ اَبَوَیْهِ فَیَکُوْنُ لَھُمَا اَجْرُھَا، وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْءٌ. (مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۳۸، ۱۳۹)۔

ترجمہ: حضور پرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی شخص کچھ خیرات کرے پس اسے اپنے والدین کے نام موسوم کرے تو اس خیرات کا اجر اس کے والدین کو ملے گا، جبکہ خیرات کرنے والے شخص کو بھی پورا پورا اجر بغیر کسی کٹوتی کے دیا جائے گا“۔

(۴) امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص قبرستان سے گذرا اور اس نے سورۂ قل ہو اللہ احد پڑھی اور اس کا ثواب اہل قبور کو پہنچایا تو اس شخص کو بھی اہل قبور کی تعداد کے برابر اجر دیا جائے گا“۔ (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ص ۲۷۷، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر)۔

(۵) ارشاد قرآنی: ﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی. وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی. ثُمَّ

یُجزَاہُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰی﴾ (سورۃ النجم، آیت ۳۹، ۴۰، ۴۱) کی توضیح یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے سعی وعمل کا اجر حسب استحقاق دیا جائے گا۔ سو جس قدر کسی نے کوشش کی ہوگی، اسی کے مطابق ہی وہ اجر کا حقدار قرار پائے گا، بغیر محنت کے اسے بطور استحقاق کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، کیونکہ عدل کا یہی تقاضا ہے، لیکن تبرّع اور احسان اس سے ماوراء چیز ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے اپنے کمائے ہوئے استحقاقی اجر وثواب کو کسی دوسرے مسلمان کی طرف بطور تبرّع واحسان ایصال کرتا ہے تو احادیث میں اس کے شواہد موجود ہیں، کیونکہ یہ تبرع واحسان ہے نہ کہ استحقاقِ سعی وعمل، شریعت کی رو سے کسی بھی مسلمان کو، دوسرے مسلمان کی جانب سے نماز جنازہ، صدقۂ وخیرات اور دعاء واستغفار کا فائدہ پہونچتا ہے، یہ فائدہ اس کے اپنے کسی عمل کے استحقاق کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسرے مسلمان کے عمل کی وجہ سے تبرّعاً اور احساناً عطا کیا جاتا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، ج ۷، ص ۱۹۸ از علامہ ابن تیمیہ، مأخوذاً وملخصاً)۔

(۶) ایصالِ ثواب خود ایک سعی ہے لہٰذا وہ بھی بفرمانِ الٰہی ثمر بار ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ اور اس کا ضائع ہونا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوگا۔ (اکمال المعلم، ج ۴، ص ۳۴۴، از علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکیؒ)۔

(۷) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عبادات نفلیہ بدنیہ کا ثواب بھی ایصال کیا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، ج ۱. دارقطنی بحوالہ رد المحتار، باب الحج عن الغیر. مرقاۃ المفاتیح لملا علی القاری، باب دفن المیت. فتح القدیر لابن الهمام، باب الحج عن الغیر)۔

(۸) اوجز المسالک (جزء پنجم) میں ہے کہ عبادات کی تین اقسام ہیں۔ ا۔ وہ عبادت جو صرف مالی ہو جیسے زکوٰۃ، اس میں نیابت یعنی کوئی دوسرا شخص قائم مقام بن کر ادائیگی کر دے تو جائز ہوگا کیونکہ مال کی ادئیگی بالاصالت لازمی نہیں ہوتی۔۲۔ وہ عبادت جو مالی بھی ہو اور بدنی بھی ہو جیسے حج اور جہاد، اس میں نیابت (قائم مقامی) کے بارے میں اختلاف ہے۔۳۔وہ عبادت جو صرف بدنی ہو اور مالی نہ ہو جیسے نماز اور روزہ، اس میں نیابت یعنی قائم مقامی جائز نہیں ہے بلکہ اسے بالاصالت ادا کرنا لازمی ہوتا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ "لا یصلی احدٌ عن احد ولا یصوم احدٌ عن احدٍ" (موطا امام مالک)۔

مذکورہ بالاتفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اس روایت کا موضوع نیابت عن الغیر فی الصلوٰۃ و الصوم ہے نہ کہ ایصالِ ثواب، سو اس روایت کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ نماز اور روزے کی ادیگی میں نیابت (قائم مقامی) نہیں چلے گی بلکہ بالاصالت ادائیگی ضروری اور لازمی ہوگی۔

باقی رہی یہ بات کہ جب کوئی شخص نفلی نمازوں اور نفلی روزوں سے کمایا ہوا اپنا اجر وثواب کسی کو ایصال کرنا چاہے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہے کیونکہ مذکورہ بالا روایت میں اس کی ہرگز کوئی ممانعت بیان نہیں ہوئی۔

اگر فوت شدہ شخص نے اپنی زندگی میں نہ تو روزے رکھے اور نہ ہی نمازیں پڑھیں تو یہ فرائض، واجبات اور سننِ مؤکدہ اس شخص سے کسی صورت میں ساقط نہ ہوں گے، اگر اس کے پس ماندگان اسے اپنے اعمال کا ثواب پہنچائیں گے تو یہ اس کے حق میں نفلی نیکیاں شمار ہوں گی، نہ یہ کہ اس کی ترک کردہ عبادات کے قائم مقام بن جائیں، ہاں البتہ جہاں تک مالی ذمہ داریوں اور مالی فرائض کا تعلق ہے تو جب اس شخص کے پس ماندگان ان کی ادائیگی کر دیں گے تو میت سے فرض ساقط ہو جائے گا، مثلاً قرض، زکوٰۃ، اور روزوں کا فدیہ وغیرہ۔

(۹) ایصالِ ثواب کے حوالے سے مزید توضیح کے طور پر عرض ہے کہ طعام تین قسم کا ہوتا ہے۔ (الف) ایک وہ طعام جو عوام الناس، ایام فوتگی میں بطور دعوت وضیافت پکاتے ہیں، یہ ناجائز اور ممنوع ہے، لان الدعوۃ والضیافۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور (ھکذا فی فتح القدیر وغیرہ)۔ (ب) دوسرے وہ طعام جو اپنے فوت شدگان کے ایصال ثواب کیلئے بہ نیت صدقۂ وخیرات پکایا جائے، یہ جائز ہے، صرف فقراء اور مساکین اس کے حقدار ہیں۔ مالدار لوگ اسے نہ کھائیں، سوئم، جمعرات، دسواں، چالیسواں اور فاتحہ کا کھانا صرف مستحق اور غریب افراد کو کھلایا جائے۔ (ج) مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ تیسری قسم وہ طعام ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، حضرات اولیاء رحمھم اللہ تعالیٰ اور اپنے اسلاف وغیرہ کے ایصال ثواب کے لئے پکایا جائے، یہ طعام مرگ نہیں ہوتا بلکہ طعام تبرک ہوتا ہے، اسے سب لوگ کھا سکتے ہیں، گیارہویں، چھٹی اور اعراس وغیرہ کا یہی حکم ہے، البتہ مستحق اور نادار لوگوں کو ترجیح دینی چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۱۹۵ تا ۲۲۶)۔

(۱۰) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ مرگ والے گھر

میں، سوگ کے دنوں میں جو طعام بھجوایا جاتا ہے وہ گنتی کر کے صرف اتنے افراد کیلئے بھیجا جائے جو اس گھر میں رہتے ہوں، دوسرے لوگ وہ طعام نہ کھائیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۹، ص ۹۰، ۶۰۳، ۶۶۱ تا ۶۶۷)۔

(۱۱) ایصال ثواب تو سنجیدگی، اخلاص، للّٰہیت، خوفِ خدا اور اتباعِ منشأ شریعت سے بھرپور عملِ خیر ہے، بعض لوگوں نے اسے مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ تلاوتِ کلام اللہ کی خرید وفروخت اور اسے حصولِ زر کا ذریعہ بنانا، ثوابِ اعمال کو کاروباری جنس بنا کر اسے بیچنا اور خریدنا دونوں جہتیں اس قدر قبیح اور شنیع ہیں کہ ان کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

(۱۲) ایصال ثواب کیلئے کسی خاص دن کی لازمی تعیین شرعی نہیں ہے، بلکہ صرف لوگوں کی سہولت کیلئے دن یا وقت متعین کر دیا جاتا ہے، اسلئے یہ تعیین صرف عرفی ہے، بناء بریں لازمی نہیں ہے، سب دنوں میں اور سب اوقات میں ایصال ثواب کرنا جائز ہے، تعیین عرفی کی توضیح یہ ہے کہ مثلاً نماز جمعہ کا وقت شرعاً بہت وسیع ہے، یعنی نماز ظہر کے وقت میں جمعہ کی نماز پڑھنا بالکل جائز اور درست ہے لیکن تمام مساجد میں نماز جمعہ کیلئے ایک خاص وقت معین کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو سہولت رہے، اسلئے یہ تعیین وقت، عرفی ہے، اسی طرح ایصال ثواب کے لئے دن کی تعیین محض عرفی ہے، سو واجب نہیں ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ رضویہ)۔

"دعاء بعد نماز جنازہ کا جواز"

علامہ مولوی عبداللہ صاحب مہتمم مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ نے اپنے استاد مولانا مولوی محمد صادق صاحب شیخ الفقہ جامعہ عباسیہ بہاولپور سے روایت کیا کہ حضرت مولانا مولوی فاروق احمد انصاری صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ اور میں حضرت الشیخ الجامع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں اس کتاب میں رقم شدہ ایک روایت بِعَن فلاں، دکھلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنازے کے بعد دعاء نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے، چنانچہ میں اور مولانا فاروق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ کی طرف چل پڑے، راستے میں مولانا فاروق احمد صاحب نے مجھے فرمایا کہ حضرت الشیخ سے بات آپ کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بھی میرے استاد ہیں اور وہ بھی میرے استاد ہیں اس

لئے بات آپ دونوں کریں، مولانا خاموش ہو گئے۔

ہم لوگ حضرت الاستاذ جناب شیخ الجامعہ صاحبؒ کے آستانہ عالیہ پر پہنچے، مولانا فاروق احمد صاحب نے کتاب کھول کر حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دی، حضرت نے وہ روایت ملاحظہ کرکے فرمایا کہ مولانا آپ عالم ہیں، آپ ہی بتلائیں کہ کسی فقیہ کا کوئی قول اگر لفظ عَن کے ساتھ روایت کیا جائے تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ قول اس فقیہ کا مسلک بھی ہو؟ یعنی کیا روایت بِعَن کا مسلکِ راوی ہونا ضروری ہے؟ مولانا فاروق احمد صاحب نے کتاب بند کر دی اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

اب حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا! حدیث نبوی ہے: "اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ. (بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)۔

ترجمہ: جب نماز جنازہ پڑھ لو تو خالص میت کیلئے دعاء مانگو۔

حضرت الشیخ نے فرمایا کہ نماز پنجگانہ کے اندر بھی عمومی دعا مانگی جاتی ہے، مگر شخصی، انفرادی اور نجی دعاء تو نماز کے بعد مانگتے ہیں، اسی طرح نماز جنازہ کے اندر بھی عمومی دعاء ہوتی ہے جبکہ نماز جنازہ کے بعد خالص میت کیلئے دعاء مانگنے کیلئے یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔

حضرت الشیخؒ نے ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہاں خلوص نیت کا قول کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ثناء پڑھتے وقت خلوص نیت درکار نہیں ہوتا؟ نیز کیا درود پڑھتے وقت بھی خلوص نیت غیر ضروری ہو جاتا ہے؟ اگر وہاں بھی خلوص نیت مطلوب ہے تو پھر خلوص نیت کو دعاء کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جائے؟ معلوم ہوا کہ یہاں خلوص نیت مراد نہیں ہے بلکہ دعاء کو خاص برائے میت کرنا مراد ہے۔

حضرت الشیخؒ نے مزید حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ امام سرخسیؒ نے المبسوط میں لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کی تشریف آوری سے پہلے ہی لوگوں نے حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ پڑھ لی تو آپ نے دور سے ہی فرمایا: اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوةِ عَلَیْهِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَهٗ. اگر تم مجھ سے پہلے ہی نماز جنازہ پڑھ چکے ہو تو مجھ سے پہلے دعاء مت مانگو۔ (المبسوط، ج ۲)۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مواقع پر دعاء بعد الجنازہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فقہاء کرام نے نماز کے اندر شخصی دعاؤں مثلاً: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ

لِزَیْدٍ وَعَمْرٍو وَلِعَمِّیْ وَخَالِیْ، نیز اَللّٰھُمَّ زَوِّجْنِیْ فُلَانَۃَ وغیرہ وغیرہ سے منع کیا ہے۔
(بحوالہ علامہ زیلعیؒ اور علامہ چلپیؒ)۔ بلکہ شخصی دعائیں تو نماز کے بعد مانگی جاتی ہیں۔

نوٹ: چونکہ دعاء بعد نماز جنازہ کے بارے میں اختلاف ہے اس لئے اس پر اصرار کرنا اور اسے ضروری خیال کرنا مناسب نہیں ہے۔ نیز اس مسئلہ کو تنازعہ کی حد تک لے جانا تو قطعی ناپسندیدہ ہے، جو چاہے مانگے، جو نہ چاہے نہ مانگے، لیکن میت تو بہرحال دعاؤں کا اِس وقت بہت محتاج اور منتظر ہے۔

”مولانا محمد ظریف صاحب فیضی
کو اعطاء سند وفتویٰ“

مشہور خطیب مولانا منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی مولانا محمد ظریف فیضی شاہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قطب الاقطاب، شیخ الشیوخ علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے بہت متأثر اور دلدادہ تھے، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی عقیدت کا برملا اظہار کرتے تھے اور آپ کے حسنِ سلوک کا تذکرہ کرتے ہوئے قلبی سکون محسوس کرتے تھے، مجھے انہوں نے کئی واقعات سنائے، میں ان میں سے دو کے ذکر پر اکتفاء کر رہا ہوں، جو ذیل میں درج ہیں:۔

(۱) مولانا موصوف نے بیان کیا کہ میں نے حضرت مولانا فیض محمد شاہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور انہی سے میں نے علمِ ظاہری کی تحصیل کی، فراغت کے بعد میں ملازمت کا متلاشی تھا، میری خواہش تھی کہ کسی مدرسہ میں استاد بن جاؤں، مگر کوئی سند نہ ہونے کی وجہ سے مشکل پیش آ رہی تھی، میں نے اپنے مرشد کی خدمت میں یہ صورت حال گوش گذار کی تو انہوں نے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی شیخ الجامعہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک نوازش نامہ لکھ کر مجھے دیا اور فرمایا کہ میرا یہ خط ان کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ میں وہ خط لے کر حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ نے اس خط کا بہت اکرام فرمایا۔ اور مجھ سے چند علمی سوالات پوچھے اور پھر مجھے اپنے دستخط اور شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کی مہر سے ایک ذاتی سند بنا کر عطا فرمائی، اس میں آپؒ نے لکھا کہ یہ حضرت مولانا فیض محمد شاہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیلِ علم کر

چکے ہیں اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ ان کی استعدادِ علمی جامعہ کے ”علامہ“ کے برابر ہے، مولانا محمد ظریف صاحب نے مجھے بتلایا کہ اس سند پر مجھے ملازمت مل گئی۔

(۲) دوسرا واقعہ جو انہوں نے سنایا وہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ میں نے نماز جنازہ پڑھائی اور علماء قدیم کے معمول کے مطابق دعاء بھی مانگی، اس پر پڑوس میں واقع ایک مدرسہ فاضل کے اساتذہ ناراض ہو گئے اور میرے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا، اب میں بہت گھبرایا اور بالآخر حضرت مکرم ومعظم شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سارا ماجرا کہہ سنایا، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت فرمائی اور مجھے اپنی طرف سے ایک فتویٰ تحریر کر کے دیا جس میں دعاء بعد الجنازہ کو احادیث نبویہ اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں جائز ثابت فرمایا۔ اس فتویٰ کے سامنے وہ لوگ لاجواب ہو گئے اور اس طرح اس علاقے میں میری عزت اور بڑھ گئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ پر رحمتیں نازل فرمائے اور سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت آپ کو نصیب ہو آمین،

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

”حضرت گھوٹویؒ سنی، حنفی تھے“

ایک مولانا صاحب نے شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں لکھ دیا کہ آپ دیوبندی خیالات رکھتے تھے، حضرت شیخ الاسلام رحمہٗ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کاملۃً کے حلقۂ ارادت میں اس بات کو ناپسند کیا گیا، چنانچہ آپ کے شاگرد پیر امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بھی سخت ناپسندیدگی کا برملا اظہار کیا گیا۔ اس پر اس کتاب کے مؤلف کی طرف سے کسی نے مہرآباد حاضر ہو کر مؤلف مذکور کا یہ پیغام پہنچایا کہ میں خود آپ کے پاس آ کر کچھ وضاحتیں پیش کرنا چاہتا ہوں مگر جناب پیر امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اِدھر آنے سے سختی سے روک دیا اور کہا کہ اگر آپ اِدھر آئے تو میں آپ کیلئے تحفظِ عزت کی ضمانت نہ دے سکوں گا۔ حضرت قبلہ بابوجی صاحب قدس سرہٗ العزیز سجادہ نشین دربار عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف نے فرمایا کہ علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے ہو بہو اور موبمو نمونے پر قائم تھے۔

جس وقت آپ نے یہ بات فرمائی میں اپنے والد گرامی حضرت نائب الشیخ شیخ الحدیث مفتی اعظم الحافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود تھا، حضرت قبلہ وکعبہ سیدی بابوجی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے مزید فرمایا کہ اگر اس وقت حضرت شیخ الجامعہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود حیات ہوتے تو ان لوگوں کو ایسا دنداں شکن جواب دیتے کہ یہ لوگ یاد رکھتے۔

ایک نام نہاد اور متشدد مفتی صاحب نے ایک شخص کے بارے میں بے علمی اور بے تحقیقی کی وجہ سے ایک فتویٰ صادر کر دیا تھا اس کے بارے میں حضرت اعلیٰؒ نے چند اشعار موزوں فرمائے تھے ان میں سے ایک شعر ہدیۂ ناظرین ہے:۔

؎ احباب بہ تکفیرم گر قلم وزباں رانند

حاشا کہ بحق آں جز عفو روا دارم

ترجمہ: اگر دوستوں نے میری تکفیر کے بارے میں قلم اور زبان چلائی ہے، تو حاشا وکلا، میں تو ان کے حق میں سوائے عفو کے اور کچھ روا نہیں رکھتا۔

حضرت مولانا عبدالغفور ہزارویؒ نے ان مولانا صاحب کو جواباً فرمایا کہ حضرت محدث گھوٹویؒ، حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے علم وفضل کے وارث تھے اور انؒ کے مسلک کے ترجمان تھے۔

''مولانا خیر محمد جالندھری کی عقیدت''

حضرت مولانا مولوی خیر محمد جالندھری صاحب بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو خط لکھا تھا اس سے حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے ساتھ ان کی عقیدت کا پتا چلتا ہے، وہ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

از جالندھر

۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء   ۷۸۶

حضرت شیخ الحدیث والتفسیر امام الہند علامہ غلام محمد صاحب زاد لطفہ،

بعد سلام مسنون اینکہ آپ کو اطلاع ہو اور دعوت ہو کہ بروز بدھ بتاریخ یکم اپریل ۱۹۳۶ء بمطابق ۸ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ بمقام جالندھر چھاؤنی جناب کا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کا بہ موضوع جوازِ تقلیدِ شخصی مناظرہ ہونا قرار پایا ہے، آپ مہربانی فرما کر ضرور

بالضرور بتاریخ ۷ محرم الحرام، جالندھر میرے ہاں تشریف فرما ہوویں اور بندہ کو ممنون فرماویں۔

والسلام۔

خیر محمد جالندھری

''بندیال میں حضرت گھوٹویؒ کو فیصل بنایا گیا''

حضرت مولانا محمد حسین شوق صاحب ولد حضرت مولانا علامہ غلام محمود صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

مکرم ومحترم حضرت علامہ چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام ونیاز بے انداز کے بعد عرض ہے کہ وہ گفتگو موضع بندیال میں ہوئی تھی، مولوی فضل کریم بندیالویؒ اور مولوی یار محمد صاحب بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس فقہی مسئلہ میں مباحثہ ہوا کہ اگر کنوئیں سے مردہ جانور نکل آئے تو کتنے دن کی نمازیں لوٹانی ہیں اور کب سے چیزوں کو پاک کرنا ضروری ہے؟ وہاں ملکوں کی ایک شادی تھی، حلوے اور گوشت کے پکے ہوئے کڑاہ (اور دیگیں) مولوی یار محمد بندیالوی صاحبؒ نے پھینکوا دیئے تھے، چونکہ وہ بڑے عالم فاضل سمجھے جاتے تھے، اسلئے ان لوگوں نے انہی کی بات مانی، مولوی فضل کریم صاحب نے مخالفت کی کہ فتویٰ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے قول پر ہے، لہٰذا جس وقت سے نجاست برآمد ہوئی ہے اس کے بعد اس کا پانی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت والد صاحب (مولانا غلام محمود صاحب) بھی اسی کے امدادی تھے، اور حضرت بحر العلوم شیخ الجامعہ، مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی میرے والد صاحب تصفیہ اور محاکمہ کیلئے اپنے ساتھ بندیال لائے تھے، اس وقت میرے والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ موضع نرہال تحصیل کبیر والا میں پڑھاتے تھے، حضرت مولوی یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو ثالث اور فیصل تسلیم کر لیا اور ان دونوں کی آپس میں مفصل گفتگو ہوئی، حضرت شیخ الجامعہ صاحب نے فضل کریم صاحب کے حق میں فیصلہ دیا۔

''روایت محدثین کی''

مولانا جمیل الدین صاحب ہاشمی (انسپکٹر جنرل مدارس عربیہ ریاست بہاولپور) جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مجاز بھی تھے، کا بیان ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ قطب مدار کے درجہ پر فائز ایک باکمال اور صاحبِ وصال صوفی بزرگ تھے، آپ صوفیاء کرام قدست اسرارہم کے اسرار ومعارف کے وارث اور محافظ تھے، آپ کے قلب وروح میں اپنے اسلاف ومتقدمین کی محبت اس قدر رچ بس گئی کہ آپ کی شخصیت کی پہچان بن گئی۔ ایک مرتبہ میں آپ کے آستانہ پر بغرضِ استفادہ حاضر ہوا، میں نے بعض صوفیاء کے ملفوظات وغیرہ کے حوالے سے چند احادیث کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: ''روایت محدثین کی، اجتہاد فقہاء کا اور اس کی تعمیل صوفیاء کی''۔

''ایہام سے پرہیز لازم ہے''

بہاولپور کے ایک مولانا صاحب (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) اپنے مرشد کے نام لکھے گئے اپنے خطوط کے سرنامہ پر ایاک نعبد وایاک نستعین لکھتے تھے، اس کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ احتیاط کے مقتضی کے برخلاف ہے، کیونکہ یہاں پر خطاب بہ مرشد کے امکان وایہام کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

''حضرت محدث گھوٹویؒ کی تقریظات''

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ اور حضرت محدث گھوٹویؒ کے درمیان اس امر میں گہری مشابہت پائی جاتی کہ دونوں حضرات اپنی تحریرات میں کسی عالم کے بارے میں (خواہ وہ کتنا ہی مخالف نظریات کا حامل کیوں نہ ہو) کوئی اندازِ بے توقیری اختیار نہیں کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان حضرات کو اس کی فکر اور اس کے نظریہ سے کوئی اختلاف ہی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ حضرات اس کے ساتھ اختلاف کا اظہار کرتے، بڑے پر زور طریقہ سے اپنا مسلک بیان کرتے، اور اس کے مقابلے میں قوی استدلالات پیش فرماتے، لہٰذا حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ، تحریرات اور تقاریظ کو اسی تناظر میں دیکھا جائے تو قرین انصاف ہوگا۔

اس طرح اس امر کو بھی لازمی طور پر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ کسی شخص کی کسی تالیف کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ اس ایڈیشن کیلئے ہوتی تھی جو ایڈیشن اول کے طور پر شائع ہوا تھا، اور جسے حضرت الشیخ نے ملاحظہ بھی فرمایا تھا، اس کے بعد کے ایڈیشن میں اگر کچھ مواد کا اضافہ کیا گیا، نئی تعبیرات اس میں شامل کی گئیں یا اضافی غیر منطبق دلائل کا الحاق کیا گیا تو ان سب کا حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ سے کوئی تعلق ونسبت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات رحمہما اللہ تعالیٰ اس اختلاف کو دیانت دای کا تقاضا تصور کرتے تھے نہ کہ ذاتی، شخصی اور نفسی منافرت۔ یہی وجہ ہے کہ فریقِ مخالف کی اچھی باتوں کی برملا تحسین کرنے میں بڑی فیاضی سے کام لیتے تھے، اور ہمیشہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے، لیکن کتاب وسنت کے دفاع کیلئے ہر وقت کمر بستہ رہتے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو مقدم رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں ''وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِم'' کی سچی اور مکمل تصویر تھے۔

''حضرت گھوٹویؒ کے فتویٰ کی تاثیر''

قیامِ پاکستان کے موقعہ پر جب ہندو بھارت کی طرف جا رہے تھے تو چند ناسمجھ لوگوں نے ان کے چھوڑے ہوئے مال واسباب کو لوٹنا شروع کر دیا، حکومتِ وقت نے شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس لوٹ مار کے خلاف فتویٰ حاصل کیا اور پھر اس فتویٰ کی روشنی میں اعلان عام کرایا کہ ہندوؤں کے گھروں اور دوکانوں سے مال لوٹنا جائز نہیں ہے، یہ سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے اور جس کسی نے جو کچھ لوٹا ہے وہ اسے سرکاری اہل کاروں کے پاس واپس جمع کرائے۔

جناب مولوی بشیر احمد مرحوم سکنہ محلہ نوباں بہاولپور اور مفتی حافظ غلام فرید صاحب معلم جامعہ عباسیہ بہاولپور کا بیان ہے کہ جونہی حضرت الاستاذ المکرم والشیخ المعظم حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ مشتہر ہوا، لوگوں نے لوٹا ہوا مال مساجد میں جمع کرانا شروع کر دیا۔ ہر شخص کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ حضور شیخ الجامعہ صاحب کا فتویٰ آ گیا ہے، اب سب کو چاہیے کہ لوٹا ہوا مال جلد از جلد واپس کر دیں۔

''تھوتھا چنا، باجے گھنا''

عوام کالانعام بے علم واعظوں کے چنگل میں پھنس گئے ہر فرقہ اپنے اپنے واعظ کے سحر میں گرفتار ہو گیا، کچھ واعظ پیشہ ور اور علم سے کوسوں دور تھے البتہ شعبدہ بازی اور لچھے دار تقریر میں ماہر تھے، علم سے محرومی نے انہیں صراط مستقیم سے بھٹکا دیا اور عوام الناس کی کھوکھلی جذباتیت نے انہیں غلط فہمی میں ڈال دیا۔ یہ کسی ایک فرقے کا المیہ نہ تھا بلکہ عمومِ ابتلاء کا سماں تھا، جہالت کی اس یلغار کے سامنے کوہِ وقار بن کر کون ڈٹا رہا، حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ!

الحاد سے بچنے کا نسخہ سارے جہانوں کے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے، فرمان ہے: ''ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہٖ. (مؤطا، مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ).
ترجمہ: میں نے تمہارے پاس دو امر چھوڑے ہیں، تم لوگ جب تک انہیں تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے ایک کتاب اللہ اور دوسری سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لطیفوں اور چٹکلوں کی افیون میں قوم کو مبتلا کرنے والے، قوم پر ظلم کر رہے ہیں، امت مسلمہ کی زبوں حالی کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسے بے سند باتوں کا مقلد بنا دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو رہنما اصول عطا فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے، ارشاد قرآنی ہے: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ........ الظَّالِمُونَ...... الْفَاسِقُونَ﴾. ترجمہ: اور جس کسی نے فیصلے نہ کئے اس قانون کے مطابق جسے اللہ نے نازل کیا ہے تو ایسے لوگ کافر ہیں --- ظالم ہیں --- اور فاسق ہیں۔

ہر بے علم واعظ پر ''تھوتھا چنا، باجے گھنا'' کا مقولہ صادق آتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا یہ پہلو بہت ہی نمایاں تھا کہ آپ حلقۂ یاراں میں بریشم کی طرح نرم تھے مگر معرکۂ حق وباطل میں فولاد کی مانند تھے۔ فاروقی فیضان کی بدولت آپ بھی ﴿اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ، رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کی تفسیر تھے۔ مقربانِ بارگاہ ایزدی کی غلامی کی برکت سے ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ کی تصویر تھے۔ آپ صرف اور صرف کتاب وسنت کو ہی معیار سمجھتے تھے اور ان کی خلاف ورزی کو الحاد سے تعبیر کرتے تھے۔ کم علم لوگ آپ کے سامنے آ کر بات کرنے کی جراٗت نہیں کرتے تھے۔

البتہ خفیہ سازشوں کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش میں سر کھپاتے رہتے، لیکن حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کریمؒ کی دعاؤں اور توجہات کے طفیل بالکل محفوظ اور مصئون رہے۔ الحمد للہ۔ بہاولپور کے ایک سرائیکی شاعر نے جو شیخ المشائخ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مستفیض تھے حضرت گھوٹویؒ کی مدح میں ایک نظم لکھی تھی، اس کا ایک شعر درج ذیل ہے:۔

؎ ہن وجد و ذوق تے حال دے　　گم کر گماں، یک رو رہن

یعنی حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ فضول لوگوں کی فضول حرکتوں کو اعتناء اور توجہ کے قابل نہیں گردانتے بلکہ ہمہ اوقات قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مستغرق رہتے ہیں۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ الحبُّ فی اللہ والبغض فی اللہ پر کاربند تھے اس لئے جب کبھی آپ کے معاند کی طرف سے کوئی دینی بھلائی کا کام، شریعت کی پاسداری کا واقعہ اور اہل اسلام کے نفع کا کوئی اقدام ظہور پذیر ہوتا تو آپ نہایت فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے اسے شاباش دیتے اور برسر عام اس کی تحسین فرماتے۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ فروعی عصبیت سے پاک اور ''بادوستاں محبت، بادشمناں مدارات'' پر عمل پیرا رہتے تھے، حضرت اعلیٰ گولڑوی کا ایک شعر درج ذیل ہے:

؎ ''احباب بتکفیرم گر قلم وزباں رانند　　حاشا کہ بحقِ شاں جز عفو روا دارم''

مذکورہ بالا شعر صوفیت کا گراں قدر فارمولا ہے اور حضرت گھوٹویؒ کا معمول۔

''غلط نظریات رکھنے والوں کی اصلاح''

وزراء ریاست میں سے ایک شخص جو بدعتی ملحدوں اور مرزائیوں کیلئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا، حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا، چنانچہ اقتدار کے پجاری اور دنیا کے طلبگار ملحدین اس کے ہاں جمع رہنے لگے۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس تمام صورت حال کو حضرت پیر صاحبؒ آف گولڑہ شریف کی خدمت میں تفصیل سے لکھ دیا کرتے تھے اور پھر مطمئن ہو کر اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں مشغول ہو جاتے تھے، کچھ عرصہ یوں ہی گزر گیا۔ پھر اچانک آپ کے قلب مبارک میں یہ الہام وارد ہوا کہ آپ حزب سیفی (جس میں آپ شیوخ مدینہ منورہ سے مجاز تھے) کا ورد

شروع کریں۔ آپ نے اس اشارۂ غیبی پر عمل فرمایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذکورہ بالا مخالف شخص اٹھتے بیٹھتے یہ محسوس کرنے لگا کہ گویا اس کی گردن کٹ رہی ہے، اس صورت حال سے خلاصی پانے کیلئے وہ پاکپتن شریف کے عرس کے موقع پر حضرت قبلہ بابوجیؒ کے پاس موتی محل میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ملحدوں کی دوستی سے توبہ تائب ہو چکا ہوں مجھے حضرت شیخ الجامعہ علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے معافی دلوا دیں۔ حضرت قبلہ بابوجیؒ اس شخص کو لے کر حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی مزار شریف پر آئے جہاں حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ تلاوتِ کلام اللہ میں مصروف تھے، آپ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے شخص مذکور کو معاف فرما دینے کی تلقین فرماتے رہے اور بالآخر دونوں کو باہم بغلگیر کرا دیا۔

بعد ازاں بہاولپور پہنچ کر اس نے بخاری شریف کا ختم کرایا اور حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بصد اعزاز واکرام خصوصی دعوت دے کر اس محفل میں درس بخاری دینے اور دعا کرنے کی درخواست پیش کی جو آپ نے قبول فرمائی۔

''سلف صالحین کا ادب کرنا''

بہاولپور کے محلہ گنج شریف میں ایک قدیمی قاضی خانداں آباد ہے، اس کے مورث اعلیٰ قاضی غوث بخش رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام قاضی فضل احمد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ وہ ہر سال اپنے گھر میں محفلِ میلاد شریف منعقد کراتے تھے اور خصوصی خطاب اور دعاء کیلئے حضرت الشیخ الجامع علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کرتے تھے، ایک مرتبہ جب حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے تو قاضی فضل احمد مرحوم ومغفور نے عرض کیا کہ حضرت! میرے بیٹے قاضی منظور احمد کیلئے دعاء فرمائیے کہ خدا کرے کہ یہ وہابی نہ بنے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ذاتِ وہاب جل جلالہ وعم نوالہ، سے نسبت والا تو ضرور بنے، مگر سامنے بیٹھے ایک طالب العلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس جیسا وہابی نہ بنے''۔

مجھے قاضی منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ وہ طالب علم نہایت درشت طبع، تلخ زبان اور غصیلے ذہن کا مالک تھا، اپنے سوا کسی کو برحق نہ سمجھتا تھا، نہ کسی کے پیچھے نماز پڑھتا اور نہ ہی بزرگانِ دین کے بارے میں حسن عقیدت رکھتا تھا۔ حضرت

الشیخ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبتِ تلمذ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے آخیر عمر میں اس کے اندر کسی قدر نرمی پیدا کر دی تھی اور وہ مسجد میں جاکر امام مسجد کے پیچھے نماز پڑھنے لگ گیا تھا، نیز اپنے سابقہ فتاویٰ سے بھی قدرے رجوع کر لیا تھا۔ گویا حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بے ادب آدمی سے اظہار بے زاری فرمایا اور تلقین کی کہ بڑوں کا ادب اور بزرگوں کی تعظیم دین داری کا اہم جزء ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ''الدین کلهٗ ادب''۔

''جامعہ کے بعض اساتذہ سے مباحثہ جات''

جامعہ عباسیہ بہاولپور کے بعض اساتذہ اکثر اوقات فروعی اختلافی مسائل چھیڑ دیتے تھے مگر جب حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اشتعال میں آنے کی بجائے ٹھوس دلائل پیش فرماتے تو مخالفین بغلیں جھانکنے لگتے، آپ کے بڑے صاحبزادے نائب الشیخ، مفتی اعظم، شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: بعض لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر گفتگو چھیڑ دی، اور دو دلیلیں دیں، ایک ﴿لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ الآیۃ، دوسری ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ الآیۃ۔ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا کہ کنت اعلم صیغہ ماضی مقید بالاستمرار ہے، اور قانون ہے کہ مقید کی نفی راجع بسوئے قید ہوتی ہے نہ بسوئے اصل، اور ہم بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب بالماضی کے علی الاستمرار ہونے کے قائل نہیں ہیں کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، بعطاء الٰہی ہے سو معلوم ہوگیا کہ اس آیت سے اصل علم غیب (عطائی) کی نفی نہیں ہوتی۔ دوسری دلیل کے بارے میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''مَن'' سے مراد کاہن/عراف ہیں۔ نہ ہر ذی العقل، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں ﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ﴾ ہے، بَلْ کے مابعد سے ان کافر اور مشرک کاہنوں اور عرافوں کے علم کے ادراک ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ اس بَلْ اِضرابیہ کے ماقبل میں نفی بھی انہی کفار ومشرکین کے علم کی ہے، تاکہ تقابل صحیح ہو، سو ثابت ہوا کہ اس آیت کا مانحن فیہ سے کوئی تعلق نہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جہلاء عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کاہن اور عراف غیب جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدے کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی، تاکہ لوگ کاہنوں اور عرافوں کی طرف آمد ورفت ختم کر دیں اور ان سے غیبی امور کی خاطر رجوع

کرنے کا سلسلہ بند کر دیں، کیونکہ ان کی طرف لوگوں کا رجوع کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے مانع اور رکاوٹ بن رہا تھا، جب خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کاہنوں کے پاس جانے سے روکتے ہیں تو اس سے واضح ہو گیا کہ کاہن لوگ اللہ سے کٹے ہوئے ہیں، ان کا اللہ سے کوئی رابطہ، قرب اور تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا ان پر اللہ کی طرف سے غیبی امور کا علم کیسے نازل ہو سکتا ہے؟ جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام تو مامور من اللہ اور انبیاء اللہ ہیں، ان کی رہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ ان پر غیب کو کھول دیتا ہے اور وہ اللہ کے عطا کردہ علم کی روشنی میں مخلوق خدا کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔

اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے اس نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے صاف اعلان فرمایا: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيماً﴾۔ ترجمہ: اور اللہ نے آپ کو اس کا علم دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت عظیم ہے۔ ابن صیاد کی غیب دانی کے چرچے ہوئے تو حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلوا بھیجا، جب وہ حاضرِ خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قلب مبارک میں سورۃ الدخان کی آیت، فارتقب آہ کا تصور کر کے اس سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ! میرے دل میں کیا ہے؟ وہ کہنے لگا الدخ الدخ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِخسَأ، وَلَن تَعدُوَ قدرک، ترجمہ: دفع ہو! تم اپنی قدر سے آگے نہ بڑھ سکو گے، یعنی تمہاری اتنی قدر ہے کہ ادھوری، نامکمل اور بے معنی بات تک تمہاری رسائی ہو سکی ہے، جس سے مستفید ہونا ممکن نہیں ہے۔

سو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابن صیاد جیسے غیب دانی کے دعوے داروں کے بارے میں لوگوں کو مطلع فرمایا کہ وہ غیب نہیں جانتے، بلکہ علم غیب کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے جو صرف اپنے انبیاء پر غیب کے علوم نازل فرماتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو تعلیم وتربیت دے سکیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَداً إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾. ترجمہ: وہ عالم الغیب ہے، پس اپنے غیب پر کسی کو دسترس عطا نہیں کرتا سوائے اپنے رسول کے جس کو اس نے چنا ہے (اسی طرح کشف و الہام کے ذریعے اولیاء کرامؒ پر بھی نوازشات فرماتا ہے)۔

”حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقام“

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تر محبت والفت کا مرکز

ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے ہی اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نسبت کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت کرتے تھے۔ ریاست بہاولپور میں قیام کے دوران جب بعض لوگوں کی طرف سے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کے خلاف مہم چلائی گئی تو حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا خوب خوب جواب دیا اور بھرپور جوابی مہم چلا کر شانِ صحابہؓ کا خوب خوب دفاع کیا، مخالفینِ صحابہؓ ناکام ہو کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور انہوں نے سرکاری اثر ورسوخ کو کام میں لا کر آپ کی طرف وضاحت طلب چٹھی بھجوا دی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ سرکاری ملازمت سیاسی امور میں عملی حصہ لینے سے منع کرتی ہے مگر دین اسلام کے دفاع سے منع نہیں کرتی، کیونکہ دین پہلے ہے اور ملازمت بعد میں، اگر سرکاری ملازمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع سے روکے گی تو پھر مجھے کوئی طاقت سرکاری ملازمت کو ٹھکرانے سے نہیں روک سکے گی۔

سیدی والی نائب الشیخ، شیخ الحدیث حضرت چشتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے دورانِ تدریس، مجھ سے بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ فرمایا کرتے تھے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام علمی کو بیان کرنے کیلئے احادیث مبارکہ کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے، ذیل میں درج کی گئی روایات ان سب کا خلاصہ اور لب لباب ہیں:۔

(۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا عِلْماً۔

ترجمہ: ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کوئی ایسا مشکل مسئلہ درپیش نہ ہوا کہ جس کی بابت ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق وافر معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔ (صحیح بخاری، مناقب عائشہؓ)۔

(۲) امام زہری تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

كَانَتْ عَائِشَةُ أَعْلَمَ النَّاسِ يَسْأَلُهَا الْأَكَابِرُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم. (طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں،

بڑے بڑے صحابہ کرامؓ ان سے پوچھا کرتے تھے۔

(۳) عن أبی سلمة ان عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا عائش هذا جبریل یقرئک السلام قالت وعلیه السلام ورحمة الله قالت وهو یری ما لا اریٰ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عائشہ! یہ جبریل ہیں جو تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔ حضرت عائشہ نے جواباً کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ دیکھتے تھے جو میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔(مشکوٰۃ)۔

خاتمِ دیں کا نگیں ہیں امہات المؤمنین
علمِ نبوی کی امیں ہیں امہات المؤمنین
نصف دیں ان کے توسط سے ملا ہے دوستو!
چاندنی دینِ متیں ہیں امہات المؤمنین

ایک مرتبہ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اس بات کا ذکر ہوا کہ کچھ لوگ حضرت مولانا محمد یار صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ (آف گڑھی اختیارخاں) کے پاس آئے اور ان کو دعوت دی کہ آپ ہمارے ہاں آکر وعظ کریں مگر مولانا صاحب نے انہیں کہا کہ پہلے آپ اپنے علاقے کے لوگوں سے پوچھ کر مجھے آگاہ کریں کہ آیا وہ لوگ حضرت ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منقبت سننا پسند کریں گے یا نہیں؟ اگر ان کا جواب ہاں میں ہوا تو میں آؤں گا ورنہ نہیں۔

حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر اتنے خوش ہوئے کہ بار بار فرمانے لگے واہ واہ! سبحان اللہ! شاباش شاباش!

”خلفاء راشدینؓ برحق ہیں“

جلال پور پیر والا کے علاقے میں اہل تشیع آباد ہیں، چنانچہ وہاں ایک شیعہ ذاکر نے ڈیرہ جما لیا، وہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع سخن بنا کر ہمیشہ اپنی تقاریر میں ان کے خلاف نازیبا زبان استعمال کرتا تھا، اس علاقے کے کچھ باشندے، مولوی واصل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور ساری روداد آپ کے گوش گذار کی، آپ نے بغرضِ فہمائش اور اصلاح، اپنے چند تلامذہ کے ساتھ اس جانب رخت سفر باندھا، جب آپ وہاں پہنچے تو رات ہو چکی تھی، شیعہ لوگوں کا جلسہ زور وشور سے جاری تھا، ان کا ذاکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدفِ تنقید بنا رہا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ چپکے سے جلسہ گاہ کے آخر میں، جہاں کسی قدر اندھیرا چھایا ہوا تھا، تشریف فرما ہو گئے۔ کسی شیعہ کو آپ کے آنے کی خبر نہ ہوئی، ذاکر مذکور نے چار خلفاء راشدین میں سے پہلے تین خلفاء کرام کی نفی کرتے ہوئے، مضحکہ خیز مثالوں کے ذریعے اپنی بات منوانے کی کوشش کی، اس نے اپنی جیب سے ایک رومال نکالا اور کہنے لگا کہ اس رومال کے چار وجود ہیں۔ (۱) وجود عینی، جو میرے ہاتھ میں ہے۔ (۲) وجود ذہنی، جو میرے ذہن میں ہے۔ (۳) وجودلفظی، جو میں لفظ رومال بول رہا ہوں وہ اس کا وجودلفظی ہے۔ (۴) وجود خطی، (یعنی منقوش) کہ ہم لکھ دیں ”رومال“۔ یہ اس کا وجودخطی ہے، لیکن حقیقی اور معتبر وجود صرف ایک ہے اور وہ ہے عینی، اسی طرح چار خلفاء میں سے حقیقی خلیفہ صرف اور صرف ایک ہے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں، دیگر تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم حقیقی نہیں ہیں اس لئے غیر معتبر ہیں۔

پھر اس ذاکر نے ایک اور من گھڑت دلیل سنائی کہ جہات چار ہیں مگر قابل احترام صرف جہت مغرب ہے، باقی جہات کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد علامہ حافظ عبد الرحمٰن جامعی احمد پوری کو فرمایا کہ تم سٹیج کے قریب جا کر کہو کہ ذاکر صاحب کے بھی چار وجود ہیں۔ (۱) عینی جو سٹیج پر موجود ہے۔ (۲) ذہنی جو معہود فی الذہن ہے۔ (۳) لفظی، جو ہم ذاکر صاحب کا نام بول رہے ہیں۔ (۴) خطی، کہ ہم ذاکر صاحب کا نام کسی چیز پر لکھ دیں، سو بقول ذاکر صاحب کے، وجود عینی ہی معتبر ہے اور باقی وجود غیر معتبر ہیں تو اگر ہم ذاکر صاحب کا نام کسی کاغذ پر لکھ کر اس کی بے حرمتی کریں تو کیا ذاکر صاحب اس بات کا برا نہیں مانیں گے؟ اسی طرح اگر ذاکر صاحب کا نام بول کر، اس کیلئے نازیبا الفاظ استعمال کریں تو کیا ذاکر صاحب ناراض نہ ہوں گے؟ نیز اگر ہم کہیں کہ ذاکر صاحب جو ہمارے ذہن میں ہیں وہ ایسے ہیں ویسے ہیں تو کیا ذاکر صاحب اس کا نوٹس نہیں لیں گے؟

یہی حال دوسری مثال کا ہے یعنی ذاکر صاحب نے جہت مغرب کو ہی خاص طور پر قابل احترام قرار دیا ہے حالانکہ قابل احترام تو جہت کعبہ ہے چاہے وہ جہتِ مغرب ہو،

جہتِ مشرق ہو، جہتِ شمال ہو یا جہتِ جنوب ہو، اس لئے ثابت ہوا کہ ذاکر صاحب کے دلائل بچگانہ ہیں۔ اس کے بعد اہل سنت حضرات حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو سٹیج پر لے آئے اور ان سے تقریر کرائی۔ اس تقریر سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ اختراعی عقائد سے توبہ تائب ہو گئے۔ فللہ الحمد والشکر۔

"جھوٹ ہلاک کرتا ہے"

آرے واہن نزد چیلاواہن تحصیل میلسی میں شیعہ صاحبان کا دستور تھا کہ وہ ہر سال عاشورا کے دن امام عالی مقام نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں ایک بڑا جلسہ منعقد کرتے تھے۔ ذاکر لوگ وہاں تقریریں کرتے اور حاضرین، واقعہ کربلا کو یاد کر کے نوحہ اور ماتم کرتے، لیکن ایک بات ایسی ہوتی تھی جس سے اہلِ سنت اتفاق نہ کرتے تھے۔ وہ یہ تھی کہ جلسہ گاہ کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں وہ ایک شخص کو ایک چھوٹی اونٹنی سمیت چھپا دیتے تھے، جلسہ جب جوبن پر ہوتا اور ذاکر محفل کو خوب گرما چکا ہوتا تو اچانک وہ شخص طے شدہ پروگرام کے مطابق اونٹنی کی نکیل پکڑے جھنڈ سے برامد ہوتا، اب ذاکر اسے مخاطب کرتا اور اسے خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیکر التجا کرتا کہ اے شخص! تم سچ سچ بتاؤ کیا تم اس وقت سیدھے کربلا سے آ رہے ہو؟ کچھ حسین کی خبر سناؤ! کچھ اس خونی داستان سے پردہ اٹھاؤ! وہ شخص اثبات میں جواب دیتا اور نوحہ کناں انداز میں کچھ کلمات بولتا، چنانچہ تمام حاضرین کھڑے ہو کر سینہ کوبی شروع کر دیتے، اور ایک عجب طوفانِ شور وشغب برپا ہو جاتا۔

اس علاقہ کے لوگ اس کھیل کو دین کے ساتھ تمسخر اور استہزاء تصور کرتے تھے اور اس جُھنڈ والے ڈرامے سے ملول ہوتے تھے، چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ کسی طرح اس توہینِ دین کے سلسلہ کو بند کرا کے، واقعہ کربلا جیسے انتہائی سنجیدہ اور نہایت ہی پُر الم سانحہ کو محض ایک اضحوکہ بنا کر پیش کرنے کا سدباب فرمایا جائے۔ سو اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اگلے سال یوم عاشورا کو اس جھنڈ سے تھوڑے ہی فاصلے پر اہلِ سنت کے سرکردہ احباب نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا اہتمام کیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں حدیث نبوی "الصدق ینجی والکذب یھلک" ترجمہ: صدق نجات دلاتا ہے اور

کذب ہلاک کر ڈالتا ہے۔ کو اپنا موضوعِ سخن بنایا، آپ کی تقریر تو سامعین کے قلوب واذہان کو موہ لیتی تھی۔ آپ کی آواز جس جس شخص کے کان میں پڑ جاتی تھی وہ اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ جھنڈ میں چھپے ہوئے شخص نے آپ کے فرمودات سماعت کرتے ہی جھوٹ سے توبہ کر لی اور اپنے رب سے عہد کر لیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی جھوٹ نہ بولے گا۔ لہذا جب وہ اپنے مقررہ وقت پر اس جھنڈ سے برامد ہوا اور اہلِ تشیع کے جلسے میں پہنچ کر ذاکر کے روبرو حاضر ہوا تو اس نے صاف صاف بتلا دیا کہ وہ کربلا سے نہیں آیا، بلکہ فلاں فلاں لوگوں نے اسے جھنڈ میں چھپا دیا تھا اور اسے تلقین کی تھی کہ مجمع کے سامنے تم نے جھوٹ بول کر یہ کہنا ہے کہ میں ابھی سیدھا میدانِ کربلا سے آ رہا ہوں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

اس طرح یہ کھیل ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا اور آئندہ کسی کو اس قسم کا کھیل پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس موقع پر ان کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم حضرت چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔

"مقدس کلمات اور نقوش کا احترام"

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد اور بہاولپور کے مشہور صحافی مولوی عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کائنات بہاولپور میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ہوشیار پور (پنجاب) کے مولانا مولوی محمد سعید صاحب عثمانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک استفتاء ارسال کیا جس میں مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم ومغفور کی تفسیر ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۱۳۴ تا ۱۳۸ کے اقتباسات درج تھے، ان اقتباسات سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا تھا کہ ارکان اسلام کے انکار کے باوجود کوئی شخص مؤمن کہلا سکتا ہے، حالانکہ ارکان اسلام پر عملدرآمد نہ کرنے سے کوئی شخص فاسق کہلاتا ہے اور ان کے انکار سے کافر۔

حضرت بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد سعید عثمانی کی تائید فرمائی اور قلم برداشتہ ایک مفصل مضمون سپرد قرطاس فرما دیا۔ بعد ازاں جامعہ کے بعض اساتذہ نے اس مضمون کا مطالعہ کیا اور حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ بخاری شریف کی تدریس فرما رہے تھے، مولوی عبد العزیز احمد پوری بھی شریک درس تھے۔ اختتام سبق کے بعد ان مولانا صاحبان نے مولانا آزاد کی تفسیر سے

اس مسئلہ کے سیاق وسباق کو مفصل طور پر بیان کیا، نیز آزاد صاحب کی دیگر تحریرات کو بھی پیش کیا، اس طرح متنازعہ اقتباسات قطعی مفہوم تک محدود نہ رہے بلکہ دیگر احتمالات بھی دخیل ہو گئے۔ التزام کفر اور لزوم کفر کا فرق بھی سامنے آیا، ان مولانا صاحبان نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مولانا آزاد صاحب ارکان اسلام کے منکر نہ تھے، استفتاء بھیجنے والے کو غلط فہمی لاحق ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اپنے سارے مضمون کو قلمزن فرما دیا۔ مگر کمال یہ کیا کہ جہاں جہاں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا پاک نام، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مقدس، کوئی قرآنی آیت یا حدیث نبوی لکھی ہوئی تھی اس کو نہیں کاٹا، جب آپ نے یہ مضمون میز پر رکھا تو مولوی عبد العزیز صاحب نے اسے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ حضرت الشیخ نے دریافت فرمایا کہ اس کا کیا کرو گے؟ تو دست بستہ عرض کیا کہ حضور! اسے تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھوں گا کیونکہ اس سے مقدس کلمات ونقوش کی تعظیم کا سبق ملتا ہے۔

اسی طرح استاذی مولوی محمد احسن صاحب مدرس جامعہ عباسیہ بہاولپور نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جب طلباء کو قصیدہ بردہ شریف پڑھانا شروع کرتے تو پہلے قصیدہ شریف کو بوسہ دیتے تھے۔

واضح رہے کہ قصیدہ بردہ دو ہیں، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو پڑھاتے تھے اور دونوں کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے تھے۔

پہلا قصیدہ بردہ لامیہ ہے جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عزت پناہ میں پیش کیا تھا، اس کا مندرجہ ذیل شعر حضرت الشیخ اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وردِ زبان رہتا تھا۔ وھو ھذا:

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ   مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

دوسرا قصیدہ بردہ شیخ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کا مندرجہ ذیل شعر مولانا گھوٹویؒ اور ان کے صاحبزادے کیلئے مجرب اکسیر برائے دیدارِ محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھا، وھو ہذا:

مولایَ صلِّ وَسَلِّمْ دائماً ابداً   علی حبیبک خَیرِ الخلقِ کلِّھِم

''مسئلہ وحدۃ الوجود''

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کے مسلکِ وحدۃ الوجود کو پوری طرح سمجھنے کیلئے ان کے مرشد اور استاد حضرت پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ کے مسلک کو سمجھنا ضروری ہے، اسلئے ذیل میں حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے مسلک کو قدرے تفصیل سے درج کیا جا رہا ہے:

حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کے زمانے میں مسئلہ وحدۃ الوجود/ وحدۃ الشہود عوام الناس کی سطح پر زیر بحث آ چکا تھا، اگرچہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ بار بار سمجھاتے رہے کہ یہ مسئلہ قال کا نہیں بلکہ حال اور مقام کا ہے نیز یہ کہ وحدۃ الشہود حظ وثمرۂ سلوک ہے اور وحدۃ الوجود انتہاء مقام اور منزلِ سالکین ہے، ان دونوں کیلئے نہ تو امم سابقہ مکلف تھیں اور نہ ہی جمہور امت محمدیہ ہیں بلکہ جمہور امت محمدیہ صرف توحید شرعی پر ایمان لانے کے مکلف ہیں جو کلمہ طیبہ کا مدلول ہے، یعنی لا معبود الا اللہ، نیز یہ کہ راہِ سلوک میں ترقیٔ مراتب ہوتی رہتی ہے اور کوئی ورلیاں موتی لے تریاں کے مصداق، انتہا اور منزل تک کوئی خوش نصیب ہی جا پہنچتا ہے۔ الغرض یہ ہرکس وناکس کے بس کا روگ نہیں ہے، کوئی بندۂ خدا ابھی پہلے زینے پر پہنچا نہیں ہوتا مگر وہ یکلخت اونچی چھلانگ لگانا چاہتا ہے، اس سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، اگر باطنی استعداد سے بڑھ کر کسی کو روحانی غذا دیدی جائے تو سر پہ چڑھ جائے گی، اسی لئے جلسۂ عام میں اسرار ذاتیہ ہویہ کے بارے میں لب کشائی کرنا شرعاً ممنوع ہے، بلکہ ہر سالک بھی اہلیت کے مطلوبہ معیار سے بہرہ ور نہیں ہوتا، ایک سالک دوسرے سالک سے جداگانہ اہلیت کا مالک ہوتا ہے، پھر عوام الناس کا ذکر ہی کیا۔

لیکن جب عبدالرحمٰن لکھنوی صاحب کی کتاب ''کلمۃ الحق'' شائع ہوگئی (جس میں ہمہ اوست کا پرچار کیا گیا تھا) تو حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کو اصحاب و احباب کے اصرار پر اس کا جواب شائع کرانا پڑا، چنانچہ حضرت اعلیٰ گولڑوی کی کتاب تحقیق الحق فی کلمۃ الحق منظر عام پر آئی (جس میں ہمہ نیست، اوست کو ثابت کیا گیا) اس کتاب کے ناگزیر ہونے کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے کہا کہ اگر حضرت پیر صاحب یہ کتاب نہ لکھتے تو ہمیں کلمہ طیبہ پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔

اگر حضرت اعلیٰ نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب کا خلاصہ ایک جملہ میں بیان کیا جائے تو

وہ یوں ہوگا کہ ''کلمہ طیبہ کے حصہ اول لا الٰہ الا اللہ کا مدلول توحید فی العبادت ہے۔''

یعنی کلمہ طیبہ پڑھنے والا شخص یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بنائیگا۔ یعنی بندگی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کرے گا، لہذا مدارِ ایمان، توحید فی العبادۃ ہی بنتی ہے۔ باقی رہی توحید فی الشہود اور توحید فی الوجود تو ان کا مأخذ کلمہ طیبہ نہیں بلکہ دیگر دلائل شرعیہ ہیں جن کا ذکر حضرت اعلیٰ نے اپنی کتاب میں وضاحت سے کر دیا ہے۔

اس شبہ کے بارے میں کہ عقیدۂ وحدۃ الوجود سے خالق اور مخلوق کے درمیان اتحاد لازم آتا ہے، حضرت اعلیٰ گولڑوی نے ارشاد فرمایا کہ اکثر آدمی حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ العزیز کی عبارت ''اَوْجَدَ الْاَشْیَاءَ وَھُوَ عَیْنُھَا'' سے وہم میں پڑے ہوئے ہیں، اور اس عبارت سے خالق اور مخلوق کا اتحاد سمجھ کر حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ پر ناحق زبانِ تکفیر و تشنیع دراز کرتے ہیں، حالانکہ حاشا وکلا از روئے تحقیق حضرت شیخ اکبرؒ کی ہرگز یہ مراد نہیں ہے، کیونکہ لفظ عین کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز اپنی عین ہے یعنی بطریق حمل اوّلی چنانچہ الانسانُ انسانٌ۔ اور دوسرا معنی عین کا ''ما بہ القیام ہے'' یعنی وہ جس کے ذریعہ دوسری چیز قائم اور موجود ہو، یہاں یہی معنی مراد ہے نہ کہ معنی اول پس وھو عینہا کا یہ معنی ہے کہ اگر واجب الوجود جل جلالہٗ کا تعلق مخلوقات سے قطع نظر کیا جاوے تو مخلوق کا فی نفسہ کوئی وجود نہیں، کیونکہ مخلوق از قسم ممکن ہے اور ممکن کا وجود اور عدم فی ذاتہ یکساں ہوتا ہے۔

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے مزید فرمایا کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ کسی شخص نے بیان کیا کہ میں ایک روز حضرت سلطان العاشقین محبوب الٰہی دھلوی قدس سرہٗ کی مزار مقدس پر مراقب تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ آں سلطانؒ، برزخ میں یعنی عالم مثال میں فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کا درس دے رہے ہیں، میں نے حضرت شیخ اکبرؒ کی عبارت اَوْجَدَ الْاَشْیَاءَ وَھُوَ عَیْنُھَا (اس نے ایجاد فرمایا اشیاء کو اور وہ خود ان کا عین ہے) پیش کر کے عرض کیا کہ اس عبارت سے خالق اور مخلوق کا اتحاد سمجھ میں آتا ہے، حضرت موصوفؒ نے جواب میں قدرے تفکر فرمایا، ناگاہ حضرت شیخ اکبرؒ کی روح مبارک نے متجلی ہو کر افادۃً فرمایا کہ آپ جواب میں کیوں نہیں فرماتے کہ میں نے وَھُوَ عَیْنُھَا (وہ خود ان کا عین ہے) کہا ہے نہ کہ وَھِیَ عَیْنُہٗ (اشیاء اللہ کا عین ہیں) یہ نہیں کہا ورنہ اعتراض لازم آتا (اس مقام پر عین کا معنی جو ملفوظ سابق میں مذکور ہے، ملحوظ رکھنا چاہئے۔)

حضرت اعلیٰ گولڑوی نور اللہ مرقدہٗ نے توحید فی الوجود (یعنی کوئی نہیں ہے وجود

حقیقی، عینی سوائے اللہ کے، جسے ''ہمہ نیست، اوست'' سے تعبیر کرتے ہیں) کو آیت قرآنیہ ﴿کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ﴾ کا مشار الیہ قرار دیا ہے، آپ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ توحید فی العبادت سے متعلقہ آیات زیادہ تر مکی سورتوں میں وارد ہوئی ہیں، جس وقت کہ اسلام کی ابتداء تھی۔ جبکہ توحید فی المحبت سے متعلقہ آیات مثلاً ﴿قُلْ اِنْ کَانَ آبَاؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ﴾ نیز توحید فی المحبت سے متعلقہ احادیث نبویہ مبارکہ بھی عموماً مدینہ منورہ میں وارد ہوئی ہیں، مگر توحید فی الوجود کیلئے تو صرف کنایات اور اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے، بخلاف ہر دو پہلی قسموں کے، جن کیلئے باقاعدہ صراحۃً صیغۂ خطاب سے مخاطبین کو مکلف بنایا گیا ہے۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ہمہ اوست میں او کا مرجع حق سبحانہ وتعالیٰ من حیثُ الذات نہیں بلکہ من حیثُ الظھور ہے جیسا کہ شیخِ اکبر، حق سبحانہ وتعالیٰ کو من حیثُ الذات غنی عن العالمین اور متبائن (جدا از) خلق مانتے ہیں اور من حیثُ الظھور، مظاہر میں جلوہ فرما مانتے ہیں۔ (مکتوبات مہریہ: مکتوب نمبر ۲۷۳)

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کا استدلال بھی یہی تھا کہ اشیاء، آں ذات بحت کا عین نہیں ہیں، چنانچہ مخلوقات میں سے کسی شئ یا اشیاء کو ہم ''عینِ ھو'' بطریق حملِ اوّلی نہیں کہہ سکتے کیونکہ فرمایا گیا ہے۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی، زندیقی

اگر کوئی شخص جذبات میں آ کر کسی ایک شخص یا ذات کو ''عینِ ھو'' بطریقِ حمل اوّلی کہتا ہے تو اتحاد بین الخالق والمخلوق کے الزام کے علاوہ اس پر یہ اعتراض بھی وارد ہوگا کہ باقی اشیاء بھی تو اس ذات بابرکات کی تجلیات (تعینات اور تنزلات) ہیں جیسا کہ فرمان ذی شان ہے ﴿وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ﴾ اور ﴿ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ نیز ﴿اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾۔ لہذا ایک ہستی کی تخصیص سے مغالطہ پیدا ہوگا فافہم وتدبّر، حق یہ ہے کہ حضرت عارف جامی نور اللہ مرقدہٗ نے برحق کہا ہے۔

ہیچ صورت نتواند کہ کند بند ترا
در صُوَر، ظاہری امّا نہ اسیر صُوَری

یعنی کوئی صورت تجھے محدود اور محصور نہیں کر سکتی، باوجودیکہ تو مظاہر صُوَر میں ظاہر ہے لیکن اسیر صُوَر نہیں ہے۔

حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں درج ذیل شعر کا حوالہ دیا ہے:

؎ عالَم ہمہ، مرأتِ جمالِ ازلی ست　　مے باید دید و دم نے باید زد

یعنی　سارا جہاں آئینہ ہے جمالِ ازلی کا،　　دیدار کرو　مگر اظہار نہ کرو

”توحیدِ وجودی اور ترکِ نماز“

عقیدۂ وحدۃ الوجود کو یقین سے ادراک سے اور اذعان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس امر میں دو آراء نہیں ہیں کہ توحیدِ وجودی کا تعلق وجدان کے ساتھ ہے یعنی یہ حال ہے مقام ہے مگر قال نہیں ہے۔ جو واعظ یا صوفی لوگ اسے قال کے زور پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ سعیِ لاحاصل کرتے ہیں۔

یہی لوگ ہوتے ہیں جو ظاہر شریعت کو اس کا حق نہیں دیتے اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت میں ٹھوکر کھا جاتے ہیں، ایسے ہی کچھ لوگوں کے بارے میں ترکِ نماز کی افواہیں گردش کرنے لگتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے، آمین۔

ملفوظاتِ مہریہ میں ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا ”غرض یہ کہ وحدت الوجود کا مقتضیٰ یہ نہیں کہ خلافِ امر شارع علیہ السلام کیا جائے یا انسان حقائقِ اشیاء کا منکر ہو جائے۔ بلکہ جو شخص زیادہ کامل ہوتا ہے وہ بدرجۂ کمال متبعِ امر شارع علیہ السلام ہوا کرتا ہے، جیسا کہ حضرت شیخ اکبرؒ اور ان کے امثال، جو شخص اس مقام پر پہنچ کر امرِ شارع علیہ السلام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ وحدت الوجود کے مقتضیٰ سے واقف نہیں، بلکہ یہ چیز اس شخص کے علمی و عملی عدمِ کمال کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔ استغفر اللہ تعالیٰ واتوب الیہ۔

حضرت الشیخ الجامع للشریعۃ والطریقۃ محدث اعظم علامہ گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ اپنے تلامذہ اور معتقدین کو نماز کی تلقین وتاکید کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فداہ روحی وابی واُمی کے فرمان والا شان بُنِیَ الاسلامُ علیٰ خمسٍ الخ میں کلمۂ شہادت کے بعد اقامتِ صلوٰۃ اہم ترین رکن ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ، جو بالکل واضح ہے جس کا ترجمہ ہے: جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس نے کفر کیا۔ یہ چاہے کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ ہو، کفرِ عملی ہو یا مشابہت بالکفار ہو، تینوں صورتوں میں شدید ترین وعید ہے۔

لقاءِ آں ذاتِ مبارک کا شائق کوئی صوفی یا واعظ، نماز سے غفلت کا ارتکاب کیونکر کرے جبکہ نماز تو تحفۂ ﴿فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ ہے جسے محبوب خدا صاحبِ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ صلی اللہ علیہ وسلم نے عینِ معراج قرار دیا ہے، فرمایا الصلوٰۃ معراج المؤمنین استاذ الکل، شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ مبالغہ کی حد تک ظاہر شریعت کی پیروی فرماتے تھے۔ آپ کا مزاجِ مبارک احکامِ شرعیہ اور سننِ نبویہ سے سرِمو انحراف بھی برداشت نہ کرتا تھا۔

بہاولپور کے نامور ادیب اور دانشور جناب مسعود حسن شہاب دہلویؒ اپنی کتاب ”مشاہیر بہاولپور“ میں لکھتے ہیں۔ ”حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی شیخ الجامعہ نور اللہ مرقدہٗ پیکرِ علم وفضل، جامعِ شریعت وطریقت اور صاحبِ حال ومقام بزرگوں میں سے تھے، پورے ہندوستان میں ان کے علم وتقویٰ کی دھوم تھی، بڑے بڑے علماء وصوفیاء بھی ان کے آگے دم مارنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، شریعت کی پابندی مبالغہ کی حد تک تھی، طریقت کی رہ نوردی اور بلند پروازی میں کمال حاصل کیا تھا، عبادت وریاضت کو اس حد تک پہونچایا تھا کہ آپ کا قلبِ انور ”تجلّی ذات“ کا گنجینہ بن گیا تھا۔ علامہ پروفیسر اللہ بخش ازہریؒ ”حیاتِ ازہری“ میں لکھتے ہیں: ”شیخ الاسلام حضور استاذ مکرم علامہ گھوٹویؒ کا علم بے مثال اور عمل بھی بے مثال، نماز کا یہ حال تھا کہ پاؤں، قیام درصلوٰۃ کی وجہ سے متورم ہو جاتے تھے اور وضوء کی وجہ سے پاؤں کے تلوے پھٹے ہوئے ہوتے تھے“۔

”قلبِ مؤمن، عرشِ الٰہی ہے“

ایک شخص نے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ، آں ذاتِ بحت کا عرفان کیسے حاصل کر لیتے ہیں، حالانکہ وہ ذات تو لامحدود ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾۔

حضرتؒ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ سرور عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قلب المؤمن عرش الرحمن: ترجمہ: مؤمن کا قلب، رحمٰن کا عرش ہے، پھر آپؒ نے یہ شعر پڑھا:

؎ پرتوِ حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں

در حریمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ

ترجمہ: تیرے جمال کی تجلی تو ارض وسماء میں بھی نہیں سما سکتی، سو میں حیران ہوں کہ تو میرے سینہ میں کیسے سما گیا؟

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حصولِ علم کسبی ہے مگر عرفانِ آں ذات، شہودی ہو یا وجودی، محض وہبی ہے، جوکہ فقط عنایتِ ازلیہ سے بطور وجدان حاصل ہوتا ہے۔ البتہ جہاں تک احاطۂ آں ذات بحت کا تعلق ہے تو ایک ممکن کیلئے ناممکنات میں سے ہے، فرمان باری ہے، ﴿وَسِعَ کُرۡسِیُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضَ﴾. ترجمہ: اس کی جلوہ گاہ، آسمانوں اور زمین سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے توحید شہودی کو ایمان اور توحید وجودی کو کمال ایمان سے تمثیل دی ہے، آپ کے نزدیک ان دونوں کا تعلق صوفیاء سالکین سے ہے لیکن جو سالک نہیں وہ ان دونوں احوال سے دور ہے۔ عام مسلمان ان دونوں میں سے کسی کا بھی مکلف نہیں ہے بلکہ وہ صرف لامعبود اِلا اللہ کا مکلف ہے۔

’’عجزِ انسان ۔۔۔ تحفہ بجنابِ یزداں‘‘

۔ اے بروں از وہم وقال وقیل من　　خاک بر فرقِ من وتمثیل من

۔ اے برتر از خیال وقیاس وگمان و وہم　　وز ہر چہ گفتہ اند، شنیدیم وخواندہ ایم

۔ لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ　　سو نشانوں میں بے نشاں تو ہے

۔ او سونہڑاں شہ رگ توں وی نیڑے وَسّے　　پر حیاتی ساری اوکھا پینڈا نئیں مکدا

۔ گر خبر داری ز حیّ لا یموت　　بر زبانِ خود بنہ مہر سکوت

۔ چوں بدریا گشت واصل آبجو　　آبجو را باز از دریا مجو

۔ پرِ توِ حسنت نہ گنجد در زمین وآسمان　　در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

۔ ہیچ صورت نتواند کہ کند بند ترا　　در صُور، ظاہری اما نہ اسیرِ صُوری

۔ عالم ہمہ مرآتِ جمالِ ازلی ست　　ے باید دید و دم نے باید زد

’’بے نمازی حضرت اعلیٰؒ کی مجلس سے محروم‘‘

شیخ التفسیر مفتی حافظ محمد شفیع صاحب ملتانیؒ کے صاحبزادے مولانا مولوی حافظ عبدالبر محمد قاسم صاحب جو اپنے والد صاحب کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم

بنے، انہوں نے بیان کیا کہ ’’میری صغرسنی میں ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز ملتان میں خواجہ امام بخش صاحب تاجر چرم وپشم کے ہاں جلوہ افروز ہوئے، حضرت استاذ الاساتذہ مولانا غلام محمد گھوٹویؒ، ان کے صاحبزادے استاذ العلماء مفتی حافظ محمد عبدالحی الچشتیؒ، میرے والد گرامی شیخ التفسیر مفتی حافظ محمد شفیعؒ اور ان کی ہمراہی میں، میں خود بھی حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی زیارت کیلئے وہاں حاضر ہوئے، حضرت اعلیٰ کے خوبصورت اور گھنگریالے بال تھے، سفید شلوار قمیص، واسکٹ اور دستار، خوب جچ رہے تھے، حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے حضرت بحر العلوم مولانا گھوٹویؒ کو اپنی دائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ فرمایا چنانچہ آپ حضرت صاحب کے قریب ہی تشریف فرما ہوئے، باقی ہم لوگ حضرت الاستاذ کے قریب بیٹھ گئے۔

ہم لوگ جتنی دیر بیٹھے رہے، حضرت پیر صاحبؒ تسبیح پڑھتے رہے، ایک آدھ مرتبہ حضرت علامہ گھوٹوی کے ساتھ آہستگی سے ہم کلام ہوئے، آنے والوں میں سے جو کوئی بیعت کی درخواست کرتا، اسے بیعت فرماتے اور وظیفہ بتلاتے، جو کوئی دعاء کا خواستگار ہوتا اس کیلئے خاموشی سے دعاء فرماتے، آپ کے چہرۂ مبارک سے محویت الی اللہ خوب خوب مترشح تھی۔

اس زمانے میں مشہور تھا کہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی مجلس میں کوئی ڈاڑھی منڈا شخص یا بے نمازی شخص قدم نہیں رکھ سکتا۔

فرمان نبوی ہے: مَنۡ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَدۡ کَفَرَ. ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا، حق بات یہ ہے کہ تارکِ صلوٰۃ شخص صوفی کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ خاص طور پر توحید وجودی کو ترک نماز کیلئے بہانہ بنانا سخت باعثِ شرم ہے۔

’’ڈاڑھی، سنت نبویہ‘‘

مولانا حافظ عبدالبر محمد قاسم صاحب کا بیان ہے کہ ’’حضرت الشیخ العلامہ مولانا گھوٹویؒ تحریک پاکستان کے انتہائی سرگرم اور انتھک لیڈر تھے، مسلم قومیت اور آزادیٔ وطن کے پرجوش قائد تھے، انگریز اور ہندو کی مخالفت پر ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے، آپ کی سیاسی سوچ نہایت مثبت اور تعمیری تھی، عملی سیاست میں بھی آپ نے بھرپور حصہ لیا، اور تحریک پاکستان کو کامیاب کرا کے دم لیا۔

ایک مرتبہ آپؒ تلامذہ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا، ایک جگہ محمد علی جناح کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی، آپ کی نظر اس پر پڑی تو انکی جدوجہد کی تحسین فرمائی، بعد میں، میں نے عرض کیا کہ حضور! ڈاڑھی منڈانے کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ترجمہ: ''تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خوبصورت نمونہ ہے''۔

یہ ارشادِ قرآنی ہمارے لیے حجت اور کافی ہے، جناب قائدِ پاکستان محمد علی جناح قومی لیڈر ہیں، دینی رہنما نہیں ہیں، دین سیکھنا ہو تو علماء کرام کے پاس جاؤ۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد کی حیثیت؟''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا﴾. ترجمہ: وعدے کو پورا کیا کرو، یقیناً وعدے کی بابت پوچھا جائے گا، اسی طرح نقضِ عہد کی مذمت بھی قرآن مجید میں موجود ہے، اس لئے ایفاءِ عہد واجب ہے اور اس کا توڑنا ممنوع ہے، اس مسئلہ کی مزید توضیح درج ذیل استفتاء اور اس کے جواب میں ملاحظہ فرمایئے۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور حامیان شرع متین کہ ایک شخص نے بعد از حج روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ڈاڑھی نہیں منڈوائے گا، مگر واپسی پر اس نے ڈاڑھی منڈوا ڈالی، کیا اِس وعدہ خلافی سے اُس کے حج پر کوئی منفی اثر پڑے گا؟ کیا اس کا یہ طرزِ عمل روضۂ پاک کی بے حرمتی میں شمار ہو سکتا ہے؟

جواب:

ڈاڑھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، مگر جب اس نے اس کو اپنے اوپر لازم کیا نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ڈاڑھی نہ منڈوانے کا وعدہ کیا تو ایسی صورت میں ڈاڑھی اس کیلئے فریضے کا درجہ اختیار کر گئی، سو

مذکورہ بالا دونوں خلاف ورزیوں کے باعث اس کے حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت غیر یقینی ہو سکتی ہے، اس کے اس طرزِ عمل میں روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یک گونہ بے حرمتی کا پہلو بھی موجود ہے اسلئے وہ شخص حج کی برکت اور رحمت سے محروم رہ سکتا ہے۔

اس استفتاء وجواب کے بعد کچھ لوگوں نے مزید وضاحت کیلئے درج ذیل استفتاء ارسال کیا۔

استفتاء:

کیا ڈاڑھی منڈوانے والا شخص، حج کر سکتا ہے؟

جواب:

ڈاڑھی سنت ہے، ڈاڑھی منڈانے والا شخص حج کر سکتا ہے، کیونکہ ترک سنت ایک امر ہے جبکہ ادائیگی فرض امر دیگر ہے مگر ترک سنت پسندیدہ طرز عمل نہیں ہے۔

واضح رہے کہ یہ دونوں فتاویٰ آپ کے پیر بھائی سردار محمد امیر خان جلوانہ ہوم منسٹر ریاست بہاولپور نے حج ۱۹۳۵ء کے موقع پر حاصل کئے تھے۔

''اشعار میں رعایتِ توحید''

حضرت مولانا مولوی محمد احسن رحمۃ اللہ علیہ معلم جامعہ عباسیہ بہاولپور، جن سے میں نے شرح ملا جامی پڑھی، کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب نے حضرت الشیخ الجامع علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک فارسی شعر کی بابت استفسار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ غلط ہے ان مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ شعر فلاں شخصیت کا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ مؤول ہے یعنی اسکی تاویل لازم ہے۔

اسی طرح ایک طالب علم نے حضرت شیخ الاسلامؒ سے مندرجۂ ذیل شعر کے معنی دریافت کئے:

؎ چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول   ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

آپ نے ارشاد فرمایا کہ پیر تجھے اللہ تعالیٰ کے احکامات بتلائیں گے اور تجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھلائیں گے۔

حضرت علامہ مولانا مولوی حافظ محمد قاسم فاروقی رحمۃ اللہ علیہ جو بہاولپور میں ایک کامیاب معلم اور ایک کامیاب خطیب شمار ہوتے تھے، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوں کو منور کرنا جن کا مشن تھا۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت بحر العلوم، علامۃ العصر، شیخ الکل حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بڑے صاحبزادے حضرت نائب الشیخ، مفتی اعظم، استاذ مکرم علامہ حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی نور اللہ مرقدہٗ سے ایک شخص نے درج ذیل شعر کے بارے میں پوچھا:

ے خدا کے دامن میں، سوا توحید کے رکھا کیا ہے؟
ہم نے جو لینا ہے، لے لیں گے محمدؐ سے

حضرت نائب الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اس شعر میں مقتضائے ادب باری تعالیٰ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں توبہ کرنی چاہئے، کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد. ترجمہ: یا اللہ! تو جو عطا فرمائے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جسے تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں، کوئی کوشش، تیرے بنا، نفع آور نہیں ہوتی۔

حضرت اعلیٰ گولڑوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں ہے کہ:

''چوتھا امر یہ کہ عندالشیخ عالَم من کل الوجوہ عین نہیں، چنانچہ انہوں نے اس امر پر مواضع کثیرہ میں تشریح و تصریح فرمائی ہے، بلکہ عالَم کا تعلق حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ایسا ہے جیسے آئینہ میں نظر آنے والی صورت کا تعلق ہے، چنانچہ اس صورت کو نہ عین کہا جا سکتا ہے نہ غیر، یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے، پس بعض متاخرین کے کلام میں جو عینیت محضہ مفہوم ہوتی ہے مثلاً رباعی ذیل ہیں:

ے ہمسایہ و ہم نشین وہمراہ ہمہ اوست
در دلقِ گداؤ اطلسِ شہ ہمہ اوست
در انجمنِ فرق و نہاں خانۂ جمع
باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

ترجمہ: ہمسایہ، ہم نشین اور ہم راہ وہی خود ہے، گدڑی میں فقیر اور ریشمی لباس میں بادشاہ بھی وہی خود ہے۔ انجمنِ کثرت میں اور وحدتِ مجموع کے نہان خانہ میں بھی وہی خود ہے، قسم بخدا، وہی خود ہے۔

مذکورہ بالا رباعی، مجاز اور تسامح پر محمول ہے، کیونکہ حفظِ مراتب عند القوم (قومِ صوفیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ) نہایت ضروری امر ہے، جیسا کہ فرمایا ہے

ے ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد　　گر فرقِ مراتب نہ کنی، زندیقی

(ملفوظات مہریہ، ملفوظ نمبر ۱۷)

راقم الحروف عرض گذار ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ، حضرت اعلیٰ گولڑوی اور حضرت محدث گھوٹویؒ کے نزدیک ''ہمہ اوست'' مجاز ہے جبکہ ''ہمہ نیست اوست'' حقیقت ہے، کیونکہ فرمان الٰہی ہے: ﴿کُلُّ شَیئٍ ھَالِک اِلاَّ وَجْھَهٗ﴾۔

ترجمہ: ہرشیٔ نیست (فانی) ہے مگر ''اس'' کی ذات۔ (کیونکہ ممکن کا اپنا کوئی وجود نہیں، اپنا وجود صرف واجب کا ہے)

''مسئلہ شدِّ رحال''

جب حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف تشریف لے جاتے تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کی خاطر بعض اوقات دہلی میں بھی کچھ وقت کیلئے قیام فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ جامع مسجد فتح پوری دہلی (جہاں مفتی کفایت اللہ صاحب تدریس فرماتے تھے) کے قریب سے گذر رہے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا، آپ مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور وضو فرمایا، اتنی دیر میں کچھ طلباء آپ کے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے استاد صاحب نے بتایا ہے کہ آپ مولانا غلام محمد گھوٹوی ہیں اور اجمیر جا رہے ہیں، حالانکہ حدیث ''لا تشدوا الرحال الا الی ثلثة مساجد'' اس سفر سے منع کرتی ہے، حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہاں مستثنیٰ منہ ''الی مسجدٍ'' مقدر ہے، ورنہ تم لوگوں کا اس مدرسہ کیلئے رختِ سفر باندھنا بھی ممنوع قرار پائے گا۔ (ھٰکذا قال مولانا محمد انور شاہ کشمیری)۔

بعد ازاں آپ اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لیگئے، مولانا خدا بخش صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی آپ کے شاگرد تھے، آپ اکثر اوقات ان کے ہاں قیام فرماتے تھے، اس موقعہ پر آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔

''مسئلہ تقبیلِ قبور''

حضرت مولانا برکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ہوشیار پوری) معلم جامعہ عباسیہ نے بعض لوگوں کے سامنے تقبیلِ قبور کے بارے میں کچھ گفتگو کی، کسی نے ان سے اس کی دلیل مانگی تو انہوں نے زیب وزینت مسندِ شریعت، شہبازِ اوجِ کمالِ طریقت سید پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کی کتاب تحقیق الحق کے خاتمۃ الکتاب کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی: ''پس اقربِ صواب آں می نماید کہ کسے از ثقات و مقتدایان، تقبیلِ مزارات ہم نہ نماید، تاکہ عوام کالانعام درورطۂ ضلال نہ یفتند، چہ بہ سببِ جہل، فرقِ میانِ سجود وتقبیل کردن نہ می توانند۔''

بعد ازاں، ان لوگوں نے حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس حوالہ کی صحت کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا '' حوالہ تو درست ہے۔''

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کی سوانح حیات مہر منیر میں مرقوم ہے ''مسئلہ وحدتِ وجود کی بحث میں حضرتؒ نے دلائل قویہ سے سجدۂ تعظیمی کو ناجائز ثابت فرمایا ہے اور اگرچہ اولیاء اللہ اور مؤمنین کی قبور کی زیارت کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے مگر علماء اور مشائخ کو اکابرِ دین کے مزارات کا بوسہ لینے سے منع فرمایا ہے تاکہ عوام جو بوسہ اور سجدہ میں فرق نہیں کر سکتے سجدۂ تعظیمی کیلئے ان کے فعل کو حجت نہ بنالیں'' (مہر منیر باب دہم فصل اول)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مزارات کو بوسہ دینے سے منع فرمایا ہے۔ (بحوالہ اشعۃ اللمعات جلد اول باب زیارۃ القبور، فتاویٰ رضویہ مسئلہ نمبر ۱۵۰ بابت آداب زیارۃ قبور)۔

''روحانی افاضۂ واستفاضہ''

(الروح من أمر ربی)

برادرم مولانا ظفر علی شاہ صاحب مہتمم مدرسہ غوثیہ لودھراں نے مجھ سے بیان کیا کہ زمانہ گذشتہ میں ان کے علاقے کے علماء کرام کے درمیان، استعانت بغیر اللہ، نذر برائے اولیاء اور علمِ غیب نبوی کے بارے میں مباحثہ جات زور پکڑ گئے، جب ان حضرات سے کسی طرح ان مسائل اختلافیہ کا تصفیہ نہ ہو پایا تو انہوں نے حضرت شیخ الاسلام محدث

گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم اور فیصل بنایا اور باہم طے کیا کہ حضرت الشیخؒ جو فیصلہ صادر فرمائیں گے وہ ان سب کیلئے قابلِ قبول ہوگا، چنانچہ ان کے استفتاء کے جواب میں حضرت نے اپنا شرعی فیصلہ تحریر فرمایا جسکی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مسئلہ استعانت کے بارے میں آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تفسیر عزیزی اور مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ کی کوثر النبی کا حوالہ دیا، سوتفسیر عزیزی کی عبارت پیش خدمت ہے: ایاک نستعین کے تحت آپ لکھتے ہیں: ''اس جگہ ایک امر جاننا ضروری ہے، وہ یہ کہ مطلق استعانت غیر سے حرام نہیں، بلکہ اس طرح حرام ہے کہ استعانت چاہنے والا، اسی شخص پر بھروسہ کرے، اور یہ نہ سمجھے کہ حاجت روا خدا تعالیٰ ہے اور یہ شخص تو سبب ظاہری ہے، اور اگر ایسا اعتقاد کر کے استعانت ساتھ غیر کے کرے اور اس غیر کو مظہر عونِ الٰہی کا سمجھے سو ایسی استعانت شرع میں جائز اور روا ہے، حقیقت میں ایسی استعانت بالغیر نہیں بلکہ استعانت خدا کے ساتھ ہے۔ (راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ روحانی فیضان عند العلماء متفق علیہ ہے۔ البتہ یہ مسئلہ غیر صوفی کی سمجھ سے بالاتر ہے)۔

کوثر النبی کا اصلی، قلمی اور مستند نسخہ دستیاب ہو جاتا تو اس کی عبارت بھی پیش کر دی جاتی۔ اس کتاب کی جلد اول طبع ہوئی ہے لیکن جلد دوم طبع نہیں ہوئی۔ شاید یہ مسئلہ جلد دوم میں ہوگا، واللہ اعلم۔ ہوسکتا ہے کہ جلد اول کی طباعت میں کوئی خطا سرزد ہوگئی ہو۔

(۲) نذر برائے اولیاء کے بارے میں کتاب ہٰذا کے آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے۔

(۳) علم غیب کے بارے میں حضرت گھوٹویؒ کا تالیف کردہ مکمل رسالہ اس کتاب کے آخر میں منسلک ہے جو کہ اس موضوع پر بالکل کافی ہے۔

''لفظ نذر اور نذرانہ کا مرادی مفہوم''

مولانا محمد صادق صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے راہ چلتے عرض کیا کہ نذر برائے اولیاء کے بارے میں حضور والا کا کیا ارشاد ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ کلام، محذوف عنہ البعض ہے۔

پورا کلام یوں ہوتا ہے: ''ثواب نذر برائے اولیاء''۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نذر برائے اللہ اور ثوابِ نذر برائے اولیاء، اس لئے جہاں کہیں بھی نذر برائے اولیاء کے الفاظ استعمال ہوں تو وہاں، ثوابِ نذر برائے اولیاء ہی مراد لیا جائے۔

علاوہ ازیں آپ نے نذر کے معنی کے بارے میں فرمایا کہ تم لوگ نذر کا لفظ عربی محاورے کے مطابق لے کر حکم لگاتے ہو، حالانکہ نذرِ مشائخ دینے والے افراد نذر کا لفظ اپنی زبان کے محاورے کے مطابق استعمال کرتے ہیں، یعنی ہدیہ تحفہ اور مصرف وغیرہ، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کتاب، دیمک کی نذر ہو گئی یعنی دیمک کا مصرف بن گئی۔اسی طرح کہا جاتا ہے کہ یہ چیز آپ کی خدمت میں نذرانہ ہے یعنی آپ اس کا مصرف ہیں، یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ اور تحفہ ہے۔سو ایصال ثواب کی نیت سے اولیاء اور مشائخ کا نام لیا جاتا ہے۔ مشائخ اور اولیاء کے الفاظ، بیانِ مصرفِ ثواب کیلئے ہوتے ہیں، یہ ثواب اُن کی خدمت میں بطور ھدیہ و تحفہ ہوتا ہے۔

''علماء کی تعظیم کیلئے قیام کرنا''

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز اصحاب علم کا اکرام فرماتے اور انہیں تعظیم دیتے، چاہے وہ آپ کے مرید اور شاگرد ہی کیوں نہ ہوں۔

(۱) مندرجہ ذیل حدیث سے قیامِ تعظیمی کا جواز واضح ہے:۔

یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی، اور مسلمانوں سے غداری کے مرتکب ہوئے، ایک غزوہ کے موقع پر انہوں نے دشمنوں کے ساتھ سازش کرکے حلیف مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا۔ چنانچہ جنگ کے بعد مسلمانوں نے ان کے گھروں کا محاصرہ کر لیا، اس موقعہ پر انہوں نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلے کا اختیار دینے کی بجائے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث بنانے کا مطالبہ کر دیا، کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار تھے جو پرانے وقتوں سے بنو قریظہ کا حلیف چلا آ رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مطالبے پر حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا، جب وہ مسجد شریف کے قریب پہونچے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر انصار کو نام زد کرکے ارشاد فرمایا: قوموا الیٰ سیدکم (بخاری، مسلم) ترجمہ: تم لوگ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ، یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار کا لفظ استعمال فرمایا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افصح العرب ہونے میں اور یہ کہ آپ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے، کوئی شبہ نہیں ہے تو گریمر کا قاعدہ ہے کہ اگر مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو اس کا مادۂ اشتقاق، اس حکم کی علت ہوتا ہے، سو یہاں قیام کی وجہ حضرت سعدؓ کا

سردار ہونا ہے، نہ کہ کچھ اور، اگر زخمی ہونے کی وجہ سے قیام کا حکم فرماتے تو انصار کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بدولت پوری ''جماعت انصار'' کو ثالثی کا ایک اہم اور خصوصی اعزاز حاصل ہونے والا تھا اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب کو حضرت سعدؓ کی سیادت کو پروٹوکول دینے کا حکم فرمایا۔

(۲) قیام تعظیمی کے حق میں مندرجہ ذیل حدیث بھی واضح اعلان کر رہی ہے:۔

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يجلس معنا فی المسجد يُحَدِّثُنا فاذا قام قمنا قياماً حتی نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه. (البيهقی فی شعب الايمان، مشكوٰة باب القيام). ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں ہمارے پاس بیٹھ کر ہمیں تعلیم دیتے رہتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو ہم بھی اس وقت تک اٹھ کر کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے کہ آپ اپنے دولت خانہ میں داخل ہو گئے ہیں۔

(۳) قیام برائے اعزاز کے بارے میں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ کے حاضر ہونے پر حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی وجہ یوں لکھی ہے:

وقد كان عكرمةؓ من رؤساء قريش، وعدیؓ كان سيد بنی طے، فرایٰ صلی اللّٰه عليه وسلم تأليفهما بذلك علیٰ الاسلام. ترجمہ: حضرت عکرمہؓ روسا قریش میں سے تھے اور حضرت عدیؓ بنو طے کے سردار تھے، سو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلوں میں اسلام کی الفت پختہ کرنے کیلئے ان کو خصوصی اعزاز سے نوازا۔

(۴) حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ بھی کمالِ انکساری اور کمالِ تواضع کا ثبوت دیتے ہوئے اس نوع کے اکرام کے ذریعہ اہل علم متوسلین اور مستفیضین کی عزت افزائی فرماتے تھے، حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری پر حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کا بغرض تعلیم وتربیت، قیامِ شفقت ورحمت بھی درحقیقت تعظیم علماء کی قبیل سے ہے جس کی حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے اپنے عمل مبارک سے خوب تربیت فرمائی، یہ صوفیاء کرام کی صفات میں سے ہے کہ وہ اپنے عمل سے مسائلِ شریعت کی توضیح فرماتے ہیں۔

(۵) احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس پہلو پر بہت زور دیا گیا ہے کہ

جو شخص خواہش رکھتا ہو کہ لوگ اس کیلئے تعظیماً کھڑے ہو جائیں وہ جنت سے محروم رہے گا۔ نیز حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا داروں کیلئے تعظیمی قیام سے منع فرمایا ہے جو کہ عجمیوں کا طریقہ تھا۔

(۶) آخر میں ایک ضروری گذارش ہے کہ چونکہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدورفت مسجد شریف کی طرف ہر وقت جاری وساری رہتی تھی۔ اس لئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر آمدورفت کے موقع پر قیام کرنے سے منع نہ کیا جاتا تو وہ حضرات مشقت میں پڑ جاتے مگر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مشقت میں ڈالنا پسند نہ فرمایا۔ اس لئے انہیں بار بار اٹھنے سے منع فرما دیا۔ (ورنہ اگر ایسی صورت حال درپیش نہ ہو تو اصحاب توقیر کیلئے اعزازی قیام کا ثبوت احادیث میں مسلمہ ہے)۔

(۷) راقم الحروف کے خیال میں بڑوں کی بے ادبی کے فیشن کی حوصلہ شکنی کرنی مناسب ہے، آجکل بے توقیری کا رواج روز افزوں ہے، جو کسی طرح بھی شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سکھایا ہے کہ مَنْ لَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا، ترجمہ: جو ہم میں سے بڑے کی عزت ملحوظ نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

''کذب باری تعالیٰ، ممتنع لذاتہ ہے''

مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جامعہ عباسیہ کے جید اساتذہ میں سے تھے، آپ کو یہ شہرت حاصل تھی کہ طویل ترین درسی بحث کو مختصر ترین الفاظ میں سمو دیتے تھے، آپ میرے بھی استاد تھے اور میرے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامۃ العصر حافظ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد تھے میں نے (راقم الحروف نے) مولانا عبیداللہ صاحب سے فقہ کی منتہی کتاب دُر مختار اور کتاب الخراج للامام ابی یوسفؒ سبقاً پڑھی تھیں۔

مولانا عبیداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ وہ خانقاہ شریف حضرت محکم الدین سیرانی رحمۃ اللہ علیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے کہ حضرت بحرالعلوم علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسے اور خانقاہ کے معائنہ کیلئے وہاں تشریف لائے، کچھ علمی گفتگو ہوئی پھر حضرت گھوٹویؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جامعہ عباسیہ

میں لے جا کر معلم تعینات کر دیا۔

حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ نسبی شرف حاصل ہے کہ آپ کے والد گرامی مولانا مولوی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ بھی خانقاہ حضرت سیرانیؒ میں تدریس کے منصب پر فائز تھے، اور بہاولپوری علماء اور ہندوستانی علماء کے درمیان جو مناظرہ شوال ۱۳۰۶ھ میں بہاولپور میں ''امکان کذب باری'' کے موضوع پر ہوا تھا، وہ انہیں بہاولپوری علماء میں شامل تھے، اور کذب باری کو خارج از امکان مانتے تھے، حضرت خواجۂ خواجگان غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مناظر کے ثالث مقرر ہوئے، آپؒ نے بہاولپوری علماء کو برحق قرار دیا اور کذب باری کے امکان کو مسترد کر دیا۔ حضرت مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ بھی بہاولپوری علماء کے سربراہان میں سے تھے انہوں نے اس مناظرہ کی روداد ایک علمی اور تحقیقی کتاب کی شکل میں قلمبند کی ہے جس کا نام تقدیس الوکیل ہے حقیقت یہ ہے کہ خُلفِ وعید کو کذب قرار دینا غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا کہ کسی گناہگار کو سزا دینا یا اسے معاف کرنا میری مشیت پر موقوف ہے مثلاً ارشاد ہے:

(۱) ﴿وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾۔ ترجمہ: شرک کے علاوہ دیگر تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ جس شخص کیلئے چاہے گا بخش دے گا۔

(۲) ﴿وَعَذَابِیْ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾۔

ترجمہ: میں صرف اسی شخص کو سزا دوں گا جس کو چاہوں گا، (مگر) میری رحمت ہر ہر چیز تک پھیلی ہوئی ہے۔

(۳) ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾۔

ترجمہ: اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو، تو غلبے والا حکمت والا ہے۔

(۴) ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾۔

ترجمہ: وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزاء دیتا ہے۔

مذکورہ قرآنی فرامین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اطلاع فرما دی ہے کہ وعید پر عملدرآمد کرانا یا اسے روک دینا دونوں اسکی مشیت پر موقوف ہیں، ان تصریحاتِ قرآنیہ

کے ہوتے ہوئے خُلفِ وعید بصورتِ عفو و مغفرت کو کذب کہنا سمجھ سے بالاتر ہے، یہ کذب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

مولانا علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: معنی قولهم ''الخُلفُ فِی الوَعِیدِ کَرَم'' اَنَّ الکَرِیمَ اِذَا اَخبَرَ بِالوَعِیدِ فَلاَ یَبعُدُ مِن کَرَمِهٖ اَن یُعَلِّقه بالمشیئة''(نبراس)

ترجمہ: علماء نے جو یہ فرمایا ہے کہ خُلفِ وعید کرم ہے تو ان کا مطلب یہ ہے کہ جب کریم سزا کی وعید سناتا ہے تو اس کے کرم سے بعید نہیں ہوتا کہ وہ سزا کی وعید کو اپنی مشیت سے مشروط کر دے۔

بعض لوگوں نے مزید یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ممتنع لذاتہ پر تو قادر نہیں ہے مگر ممتنع لغیرہ پر قادر ہے، کذب چونکہ ممتنع لذاتہ نہیں بلکہ ممتنع لغیرہ ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کذب پر قادر ہے، ان لوگوں سے صرف اتنی استدعاء ہے کہ آپ لوگ براہ مہربانی یہ بتلا دیں کہ وہ غیر کیا ہے؟ جسکی وجہ سے کذب ممتنع لغیرہ ہے؟ یعنی ذرا اس غیر کی نشان دہی تو کریں جو یہاں لغیرہ میں موجود ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ، خود برائی ہے، اسلئے برائی کو، نقص کو، قبح کو، جھوٹ کا غیر کہنا سراسر غلط ہے، ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ شرک بھی ممتنع لذاتہ نہیں بلک ممتنع لغیرہ ہے کیونکہ شرک قبح ہے، نقص ہے، برائی ہے، اسی وجہ سے ممتنع ہے، لہذا شرک بھی ممتنع لغیرہ ہوا یعنی اللہ تعالیٰ اپنا شریک بناتا تو نہیں مگر بنانے پر قادر ہے لہذا شریک باری ممکن لذاتہ ہوا، تو اس استدلال کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ سوائے اس کے کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ شرک عین برائی ہے، برائی کا غیر نہیں، لہذا شریک باری ممتنع لذاتہ ہے نہ کہ ممتنع لغیرہ، اسی طرح کذب ممتنع لذاتہ ہے، باری تعالیٰ کے حق میں کذب کا امکان نہیں ہے، اور نہ ہی وہ تحت القدرۃ ہے۔ مزید براں ظلم، جہالت اور عجز کی مثالوں سے بھی اس مسئلہ کو سمجھا جا سکتا ہے یعنی ظلم، جہالت اور اس نوع کے دیگر تمام قبائح بنسبت الی اللہ تعالیٰ محالِ عقلی اور محالِ شرعی ہیں یعنی ممتنع بالذات ہیں اور تحت القدرت نہیں ہیں۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ ممتنعاتِ ذاتیہ کے خروج از احاطہء قدرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کی وجہ سے، کمالِ ذاتی باری تعالیٰ پر دھبہ نہیں آتا۔ (مکتوب نمبر ۳۶۸)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴾۔

ترجمہ: اور اللہ سے بڑھ کر کون سچا ہے؟ اس آیت سے صدق باری تعالیٰ کا وجوب ثابت ہو رہا ہے، جبکہ وجوبِ صدق باری تعالیٰ، امتناعِ کذب باری تعالیٰ کو مستلزم ہے، سو کذب باری تعالیٰ کا امکان کلیتہً مسترد ہو گیا۔

مقامِ حیرت ہے کہ 'مجوزین کذب باری' کہتے ہیں کہ ہم تو صرف امکانِ کذبِ باری کے قائل ہیں، وقوعِ کذب باری کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ وہ اس کی جو مثال پیش کرتے ہیں وہ ''خُلفِ وعید'' ہے، جبکہ خُلفِ وعید تو واقع ہے! اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔

درحقیقت اس کا جواب یہ ہے کہ خُلفِ وعید تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہگار بندوں کیلئے بخشش، عفو، رحمت، فضل اور کرم کا اظہار ہے، نہ یہ کہ اسے زمرۂ کذب میں شامل کر دیا جائے۔

عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہو، اس لئے علماء نے اس کیلئے محال کا لفظ استعمال کیا ہے، جو محال عقلی یعنی ممتنع بالذات کیلئے بولا جاتا ہے، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ محال عقلی کی اصطلاح پر چیں بجبیں ہونا مناسب نہیں ہے کیونکہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک شریعت کے احکام اور عقل سلیم کے درمیان موافقت اور مطابقت ہوتی ہے نہ کہ تباین وتضاد۔

سو، مسئلہ امتناعِ کذب باری تعالیٰ میں بھی شریعت اور عقل دونوں باہم متفق اور متحد ہیں، یہ بات نہیں ہے کہ کذب کی مذمت میں شریعت تو خاموش ہو مگر عقل ناطق ہو بلکہ درحقیقت ادلۂ شرعیہ یعنی قرآن و حدیث تو جھوٹ کو قبیح قرار دینے میں بہت ہی بلند آہنگ ہیں، لہذا مماثلتِ معتزلہ کے طعنے میں کچھ بھی وزن نہیں ہے (البتہ اگر کوئی حکمِ شرعی ماورآء عقل ہو تو پلڑا شریعت کا بھاری ہوگا، یعنی اہل السنت والجماعت کے نزدیک شریعت، عقل پر حاکم ہے، خلافاً للمعتزلہ، مگر مسئلہ زیر بحث میں شریعت اور عقل یک زبان ہیں)۔

نسبتِ کذب بسوئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، بوجہ انکی عصمت کے، ممتنع بالغیر ہے، مگر کذب باری تعالیٰ کا امتناع بوجہ ذاتِ اقدس آں سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کے ہے، اس لئے ممتنع بالذات ہے، قرآن کہتا ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴾ ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے؟ اگر کذب باری تعالیٰ بھی ممتنع بالغیر ہو تو اس صفت میں مساوات مابین اللہ تعالیٰ و انبیاء اللہ تعالیٰ ماننی پڑے گی، جبکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی صفات میں بھی لا شریک ہے،

اس کا کفو، ندّ، مثل اور حصہ دار محال عقلی، محال شرعی اور ممتنع بالذات ہے۔ اس ساری بحث سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ قرآن مجید کا کاذب ہونا محال عقلی اور محال شرعی ہے۔

اس موضوع پر مستند علماء کرام نے متعدد تصانیف قلمبند فرمائیں مثلاً:

۱۔ تنزیهه الرحمن عن شائبة الکذب والنقصان. از حضرت مولانا احمد حسن محدث کانپوری رحمۃ اللہ علیہ اس پر پروفیسر عبداللہ ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ بھی لکھی ہے

۲۔ تقدیس الرحمن عن الکذب و النقصان. از مولوی محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ تقدیس الوکیل. از حضرت مولانا مولوی غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ۔

”تحقیق سماعِ موتی، دلائل کی روشنی میں“

جناب مسعود حسن شہاب دہلوی مرحوم نے اپنی کتاب مشاہیر بہاول پور میں تحریر فرمایا ہے:۔

”جناب شیخ الاسلام، بحر العلوم، علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت علمی کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے

”جناب شیخ الاسلام بحر العلوم علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت علمی کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۱۱ء میں جب آپ حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے جاتے ہوئے، قبل از حج، بغرضِ زیارتِ دربار، دُربار حضرت سلطان الہند خواجۂ خواجگان غریب نواز سید معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ العزیز، اجمیر شریف جانے کیلئے دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اجمیر شریف جانے والی گاڑی کے روانہ ہونے میں ابھی کئی گھنٹے دیر ہے، البتہ دیوبند جانے والی گاڑی تیار کھڑی ہے، آپ یہ سوچ کر کہ چلو دیوبند بھی دیکھتے چلیں، دیوبند جانے والی گاڑی میں بیٹھ کر دیوبند پہنچ گئے اس وقت دار العلوم دیوبند میں ایک جلسہ ہو رہا تھا جس میں مولانا محمود الحسن صاحب سماع موتی کے موضوع پر تقریر کر رہے تھے اور تقریر اس بات پر ختم کی تھی کہ مشائخ احناف کے نزدیک سماع موتی کا کوئی جواز اور امکان نہیں ہے، شیخ الاسلام حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جو خاموشی سے جلسے میں آ کر پیچھے کی طرف بیٹھ گئے تھے، مولانا محمود الحسن صاحب کی تقریر ختم ہونے پر اپنی جگہ سے اٹھے اور دریافت کیا کہ آپ ان مشائخ احناف کی نشان دہی کیجئے جن کا یہ مسلک ہے، لیکن مولانا نے ان مشائخ کی تفصیل میں جانے کی بجائے

فرمایا کہ احناف سے مراد احناف ہی ہیں اور بس، اس پر حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معتزلہ بھی اپنے آپ کو احناف میں شمار کرتے ہیں مگر وہ اہل السنت والجماعت میں شامل نہیں ہیں، اس لئے ضروری ہو گیا ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں کہ کہیں احناف سے آپکی مراد معتزلہ تو نہیں، اگر ایسا ہے تو عقائد کے بارے میں معتزلہ کی رائے قابل قبول نہیں، البتہ جہاں تک اہل السنت والجماعت کا تعلق ہے تو وہ موتی کے سماع روحانی غیر عادی (بشرطِ رابطہ درمیانِ عالمِ دنیاوی اور عالمِ برزخی) کو جائز اور ممکن مانتے ہیں، اس پر مولانا محمود الحسن صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت گھوٹوی علیہ الرحمۃ نے جواب دیا ”ملتان سے“ مولانا نے پوچھا کیا آپ مولانا غلام محمد گھوٹویؒ کو جانتے ہیں؟ جب حضرت محدث اعظم علامہ گھوٹوی قدس سرہٗ نے بتایا کہ وہی غلام محمد گھوٹویؒ ہیں تو مولانا فوراً منبر پر سے اترے اور آپ کو اسٹیج پر لیجا کر بٹھایا، پھر کہنے لگے کہ ”موتی (مردے) سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں، محمود کا کیا بگڑتا ہے“۔

مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب احمد پوری علامہ جامعہ عباسیہ بہاولپور جنہوں نے دورۂ حدیث شریف، محدث اعظم شیخ الکل علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا تھا، اپنے ایک مضمون مطبوعہ روزنامہ کائنات بہاولپور (خصوصی اشاعت) میں لکھتے ہیں کہ حضرت الاستاذ العلامہ قطب الاقطاب المحدث الاعظم مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اور نائب الشیخ حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (والد گرامی علامہ ارشد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سماع موتی کے قائل تھے، دوران زمانۂ طالب العلمی، ہم دیکھتے تھے کہ حضرت الاستاذ محدث گھوٹوی قدس سرہٗ جب کبھی کسی دوسرے استاذ جامعہ کے ساتھ اس مسئلہ پر علمی، تحقیقی اورمناظرانہ بحث وتمحیص فرماتے تو ہمیشہ فریق مخالف کو لاجواب کر دیتے، حضرت کے پیش کردہ دلائلِ وافرہ، راسخہ اور نکاتِ مستنبطہ کے آگے وہ عاجز آ جاتے اور سکوتِ ہزیمت کے سوا ان کیلئے کوئی اور چارۂ کار باقی نہ رہتا۔

سماع موتی کے بارے میں چند دلائل شرعیہ اور چند نکاتِ تحقیقیہ درج ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روات ہے: اِطَّلَعَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علٰی اَھْلِ الْقَلِیْبِ فقال ھَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا فَقِیْلَ لَہٗ اَتَدْعُوْ اَمْوَاتًا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْھُمْ وَلٰکِنْ لَا یُجِیْبُوْنَ. (بخاری ما جاء فی عذاب القبر)۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہ بدر میں جھانکا، جسمیں کفار کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور فرمایا، کیا تم نے اپنے رب کا برحق وعدہ پا لیا؟ یعنی عذاب؟ کسی نے عرض کیا، کیا حضورؐ مردوں کو پکارتے ہیں؟ ارشاد فرمایا تم لوگ ان سے کچھ زیادہ سننے والے نہیں ہو، مگر وہ جواب نہیں دے رہے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، غزوۂ بدر کے تین دن بعد قلیب بدر پر تشریف لے گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر فرمایا، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ يُّجِيْبُوْا. (صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت)۔

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں جو کچھ فرما رہا ہوں اسے تم لوگ زیادہ بہتر سننے والے نہیں ہو بنسبت ان مردوں کے، مگر وہ جواب نہیں دے پا رہے ہیں۔ (الا اذا شاء اللہ)۔

(۳) سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ اِذَا انْصَرَفُوْا. (صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت)

ترجمہ: مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور لوگ دفن کر کے پلٹتے ہیں تو وہ انکی جوتیوں کی کھنکھناہٹ سنتا ہے۔

(۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم خِبَاءَهٗ عَلٰی قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا فِيْهِ اِنْسَانٌ يَقْرَاُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ، حَتّٰی خَتَمَهَا فَاَتَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم هِیَ الْمَانِعَةُ، هِیَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ. (رواہ الترمذی)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا، انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ قبر ہے، اچانک اس قبر سے ایک انسان کی آواز آنے لگی جو سورۃ ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ پڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے وہ ساری سورۃ ختم کی، وہ صحابی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ سورۃ روکنے والی ہے۔ اور اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والی ہے: (اس روایت سے حیاتِ بدنی لبعض الاولیاء، بواسطۂ فیضانِ اتباع سید الانبیاء صلی اللہ علیہ

وسلم، ثابت ہو رہی ہے جس کا ہمارے موضوع سے گہرا تعلق ہے)۔

(۵) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِیَ الَّذِیْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاِنِّیْ وَاضِعٌ ثَوْبِیْ وَاَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِیْ وَاَبِیْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمَا فَوَ اللّٰهِ مَا دَخَلْتُهٗ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَیَّ ثِيَابِیْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ. (مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور فصل ثالث)۔

ترجمہ: میں اس کمرے میں جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار پاک ہے، یونہی بے لحاظِ پردہ چلی جاتی تھی اور جی میں کہتی کہ وہاں کون ہے؟ یہی میرے شوہر اور میرے باپ، قسم بخدا جب سے عمرؓ وہاں دفن ہوئے میں اس کمرے میں بغیر سراپا بدن چھپائے نہ گئی، عمرؓ سے حیاء کے باعث۔ (اس حدیث کا بھی ہمارے موضوع سے کافی تعلق ہے)۔

(۶) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بوقت نزع اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَشُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰی اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاَنْظُرَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّیْ. (صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ)۔

ترجمہ: جب تم لوگ مجھے دفن کرو تو مجھ پر ٹھہر ٹھہر کر مٹی ڈالنا، پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا کہ ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تا آنکہ میں تم لوگوں سے انس حاصل کروں اور سوچ لوں کہ اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

(۷) حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدَهُمَا فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَكُتِبَ بَرًّا. (البیہقی فی شعب الایمان)۔

ترجمہ: جو شخص والدین کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرے اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور اسے نیک لکھ دیا جائے گا۔

حضرت الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے "وَالزِّيَارَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَفْضَلُ خُصُوْصًا فِیْ اَوَّلِهٖ وَجَاءَ فِی الرِّوَايَةِ اَنَّهٗ يُعْطٰی لِلْمَيِّتِ فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ الْاِدْرَاكُ اَكْثَرَ مِمَّا يُعْطٰی فِیْ سَائِرِ الْاَيَّامِ. (لمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)۔

ترجمہ: جمعہ کے دن زیارت کرنا افضل ہے خصوصاً اس کے پہلے پہر، روایت میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن، صاحبِ قبر کو دوسرے دنوں کی نسبت زیادہ ادراک عطا کیا جاتا ہے۔

۸۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو وہاں صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھی، کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: ''کَیْفَ اَقْنُتُ بِحَضْرَۃِ الْاِمَامِ وَھُوَ لَا یَقُوْلُ بِہٖ'' ترجمہ: میں امام صاحب کے سامنے کیونکر قنوت پڑھوں، جبکہ وہ اس کے قائل نہیں۔ (المیزان الکبریٰ فصل فیما نقل عن الامام الشافعیؒ)۔

(۹) تفسیر بیضاوی زیر آیت بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ میں ہے: ''فِیْھَا دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْاَرْوَاحَ جَوَاھِرُ قَائِمَۃٌ بِاَنْفُسِھَا مُغَایِرَۃٌ لِمَا یُحَسُّ بِہٖ مِنَ الْبَدَنِ، تَبْقٰی بَعْدَ الْمَوْتِ دَرَّاکَۃً وَعَلَیْہِ جُمْھُوْرُ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَبِہٖ نَطَقَتِ الْاٰیَاتُ وَالسُّنَنُ.

ترجمہ: یہ آیت یعنی ﴿بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ دلیل ہے کہ روحیں جواہر قائمہ بالذات ہیں اور بدنی حواس سے سراسر جداگانہ حقیقتیں ہیں، موت واقع ہونے کے بعد بھی اُسی جوشِ ادراک پر قائم رہتی ہیں، یہی مذہب ہے جمہور صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اور اسی پر آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ گواہ ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آیت ﴿بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾، صاف صاف اعلان کر رہی ہے کہ حیاتِ برزخی برحق ہے، لہٰذا بے شعوری کو اس کے انکار پر دلیل نہ بنایا جائے بلکہ جب اللہ تعالیٰ حیاتِ برزخی کی اطلاع دے رہے ہیں تو پھر ہماری بے شعوری کی کیا حیثیت ہے؟

(۱۰) امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ شفاء السقام (الباب التاسع، الفصل الخامس) میں لکھتے ہیں: ''لَا نَدَّعِیْ اَنَّ الْمَوْصُوْفَ بِالْمَوْتِ مَوْصُوْفٌ بِالسَّمَاعِ، اِنَّمَا السَّمَاعُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِحَیٍّ وَھُوَ الرُّوْحُ''۔

ترجمہ: ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جو موت سے متصف ہے وہی سننے سے بھی متصف ہے بلکہ مرنے کے بعد سننا ایک ذی حیات کا کام ہے جو روح ہے۔

(۱۱) الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ باب الجہاد میں لکھتے ہیں: ''سَبَبِیَّۃُ الْحَوَاسِ لِلْاِحْسَاسِ وَالْاِدْرَاکِ عَادِیَّۃٌ کَمَا تَقَرَّرَ فِی الْمَذْھَبِ، اَمَّا الْعِلْمُ فَبِالرُّوْحِ وَھُوَ بَاقٍ''.

ترجمہ: حواس ظاہرہ وباطنہ کا احساسِ بدنی اور ادراکِ بدنی کیلئے سببِ عادی ہونا تو مذہبِ اہل سنت میں ثابت ہو چکا ہے مگر جہاں تک علم کا تعلق ہے تو وہ تو روح سے ہوتا ہے اور وہ باقی ہے۔ (یعنی میت کو خارقِ عادت سماعِ روحی بشرطِ رابطہ درمیانِ عالم دنیوی اور عالمِ برزخی حاصل ہے)۔

(۱۲) التیسیر شرح جامع صغیر زیر حدیث من طلب العلم میں ہے: ''لَا تَظُنُّ اَنَّ الْعِلْمَ یُفَارِقُکَ بِالْمَوْتِ فَالْمَوْتُ لَا یَھْدِمُ مَحَلَّ الْعِلْمِ اَصْلًا وَلَیْسَ الْمَوْتُ عَدَمًا مَحْضًا حَتّٰی تَظُنَّ اَنَّکَ اِذَا عَدِمْتَ عَدِمَتْ صِفَتُکَ''۔ (أی صفة العلم، راقم الحروف).

ترجمہ: یہ گمان نہ کرنا کہ موت سے تیرا علم تجھ سے جدا ہو جائے گا، کیونکہ موت تو محلِ علم یعنی روح کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور نہ ہی موت، عدمِ محض کا نام ہے مبادا کہ تو یہ سمجھ لے کہ جب تو موتِ بدنی سے ہمکنار ہوا تو تیرا علم (جو قائم بالروح ہے) وہ بھی جاتا رہا۔ (معاذاللہ)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر موت سے علم ختم ہو جاتا تو پھر منکر نکیر کے سوالات کا جواز بھی ختم ہو جاتا، کیونکہ علم کے بغیر، میت کو جواب کا مکلف بنانا، تکلیف مالایطاق ہے۔

(۱۳) التیسیر شرح جامع صغیر، زیر حدیث اِنَّ ارواح الشہداء میں ہے: ''اَلرُّوْحُ الْاِنْسَانِیَّۃُ مُتَمَیِّزَۃٌ مَخْصُوْصَۃٌ بِالْاِدْرَاکَاتِ بَعْدَ مُفَارَقَۃِ الْبَدَنِ''. ترجمہ: موت کے بعد بھی، جاننے پہچاننے کی امتیازی خصوصیت روح انسانی میں باقی رہتی ہے۔

(۱۴) فتاویٰ عالمگیریہ، باب زیارۃ القبور میں ہے: ''اِنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ عِنْدَ الْقُبُوْرِ وَنَوٰی بِذٰلِکَ اَنْ یُؤْنِسَہٗ صَوْتُ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّہٗ یَقْرَأُ''۔

ترجمہ: قبروں کے پاس قرآن مجید کی تلاوت سے اگر یہ نیت ہو کہ قرآن کی آواز، صاحبِ قبر کا جی بہلائیگی تو بے شک پڑھے (یعنی وہ سنتا ہے)۔

(۱۵) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری باب قتل ابی جہل میں ہے: ''قَدْ اَنْکَرَ عَذَابَ الْقَبْرِ الْمُعْتَزِلَۃُ وَالرَّوَافِضُ مُحْتَجِّیْنَ بِاَنَّ الْمَیِّتَ جَمَادٌ لَا حَیَاۃَ لَہٗ وَلَا اِدْرَاکَ''.

ترجمہ: معتزلہ اور روافض عذابِ قبر کے منکر ہو گئے، انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ مردہ، جماد (خاک چونا وغیرہ) ہے، اس کیلئے حیات ہے نہ ادراک۔ (حالانکہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک سماعِ موتیٰ، روحی اور غیر عادی ہوتا ہے)۔

(۱۶) شرح مقاصد (المبحث الرابع، مدرک الجزئیات) از علامہ تفتازانیؒ میں ہے: ''عِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ وَغَيْرِهِمُ الْبَدَنِيَّةُ الْمَخْصُوْصَةُ شَرْطٌ فِي الْإِدْرَاكِ فَعِنْدَهُمْ لَا يَبْقَى إِدْرَاكُ الْجُزْئِيَّاتِ عِنْدَ فَقْدِ الْآلَاتِ وَعِنْدَنَا يَبْقَى وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنْ قَوَاعِدِ الْإِسْلَامِ''۔

ترجمہ: معتزلہ وغیرہ (یعنی روافض) کے مذہب میں بدن کی مخصوص ترکیب، ادراکِ جزئیات کیلئے شرط ہے، اسلئے جب بدن کے یہ آلات نہیں رہتے تو جزئیات کا ادراک بھی نہیں رہتا، مگر ہم اہل السنّت والجماعت کے مسلک میں اس ترتیبِ بدنی کے بغیر بھی روح کیلئے ادراکِ جزئیات باقی رہتا ہے، جیسا کہ قواعدِ اسلام سے ظاہر وثابت ہے۔ (کیونکہ وہ ادراک، روحی اور غیر عادی ہے۔ جس کیلئے بدن کی مخصوص ترکیب شرط نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص میت کیلئے سمع عادی کا قائل ہے تو وہ دلیل پیش کرنے کا پابند ہے)

(۱۷) کشف الغطاء از مولانا مولوی محمد اسحاق دہلوی میں ہے: ''مذہبِ اعتزال است کہ گویند میت جمادِ محض است''۔ ترجمہ: میت کو جمادِ محض قرار دینا معتزلہ کا مسلک ہے۔

(۱۸) شاہ عبدالقادر محدث دہلوی موضح القرآن میں زیرِ آیت ﴿وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ لکھتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ ''مُردوں سے سلام علیک کرو، وہ سنتے ہیں، بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے، اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سن سکتا''

(۱۹) جب ثابت ہو گیا کہ وفات کے بعد بھی روح اپنے صفات اور افعال پر باقی رہتی ہے اور یہ کہ وہ بدنی آلات سے مستغنی ہوتی ہے تو آپ سے گزارش ہے کہ جس پر آپ مٹی وغیرہ کے حائل اور حجابات دیکھ رہے ہیں وہ جسمِ خاکی ہے نہ کہ روحِ پاک، جبکہ سمع، بصر، علم اور خبر جس کے اوصاف ہیں وہ جانِ پاک ہے نہ کہ تودۂ خاک، البتہ ان امور کے لئے رابطہ درمیانِ عالمِ دنیاوی اور عالمِ برزخی شرط ہے۔

(۲۰) حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں حضرت خواجہ علاء الدین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ! ''ایک درویش نے شیخ سے سوال کیا کہ جب قبر کے اندر ادراک، بدن کو نہیں بلکہ روح کو ہے، اور عالم ارواح میں کوئی حجاب نہیں تو قبر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ شیخ نے فرمایا اس میں بہت فوائد ہیں، ایک یہ کہ جب آدمی کسی مزار کی طرف جاتا ہے تو جس قدر آگے بڑھتا ہے، اس کی توجہ کا ارتکاز بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب قبر کے پاس پہنچتا ہے تو حواسِ ظاہرہ بھی اس کی قبر کا مشاہدہ

کرتے ہیں، اب اس کی روح کے ساتھ ساتھ اس کے حواسِ ظاہرہ بھی اس کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں، سو وہ پورے ظاہر اور باطن کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ روح کا رابطہ اس جگہ سے زیادہ ہوتا ہے جہاں اس کا جسم مدفون ہے۔

(۲۱) سماعِ عادی بدنی اور سماعِ خارق للعادت روحی دو الگ الگ چیزیں ہیں، موت سے سماعِ عادی بدنی ختم ہوتا ہے نہ کہ وہ سماع جو خارق للعادت ہے، واضح ہو کہ امر خارق للعادت اگر نبی سے صادر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے، اور اگر ولی سے ظاہر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

(۲۲) متکلم اور مخاطب کے درمیان رابطہ درکار ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے ایک، عالمِ دنیا میں ہوتا ہے جبکہ دوسرا، عالمِ برزخ میں، اسلئے ارواحِ کاملین سے مخاطبت سے پہلے متکلم کو چاہئے ہوگا کہ وہ اپنی روح کی پاکیزگی اور بالیدگی اس حد تک پہنچائے کہ رابطہ ممکن ہو سکے۔

(۲۳) ارواحِ کاملین، عالمِ برزخ میں، ذکر الٰہی میں مشغول ومنہمک ہوتے ہیں، اسلئے ان سے رابطہ تب ہوگا جب وہ باذن اللہ، خصوصی توجہ سے اپنے متعلقین کی طرف مراجعت فرما ہوں گے۔

(۲۴) تلاوت کلام اللہ، شش کلمات کا ورد، درود وسلام برسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت، دلائل الخیرات کا ورد، جملہ ارکانِ اسلام اور کل احکام شرعیہ کی پابندی سے باطن کی صفائی اور روح کا تزکیہ ممکن ہے جو کہ رابطہ کیلئے واحد زینہ ہے۔

مذکورہ بالا اوراد ووظائف شیخ الاسلام قطب الاقطاب علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں سے تھے۔

(۲۵) فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾۔

ترجمہ: اہل تقویٰ کو جب کوئی جھپٹ شیطان کی پہنچتی ہے تو وہ فوراً ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں، سوا اسی وقت ان کے سامنے سب کچھ روشن ہو جاتا ہے۔

"قوالی کی حیثیتِ شرعیہ"

حضرت شیخ الاسلام مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اور حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے اوائل میں قوالی نہیں سنتے تھے۔ ایک دن حضرت قبلہ بابوجیؒ نے آپ کو اپنے ساتھ بیٹھا کر اپنے قوال کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل نعت سنانے کو کہا:

جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ — دلم زندہ شد از وصالِ محمدؐ
بہ صدق وصفا گشت بے چارہ جامیؒ — غلامِ غلامانِ آلِ محمدؐ

یہ نعت سن کر حضرت الشیخ الجامع رحمۃ اللہ علیہ پر خوب رقت قلبی طاری ہوئی اور خوب گریہ وارد ہوا، بعدازاں آپ حضرت قبلہ بابوجیؒ کی محفل سماع میں شرکت کرنے لگے، آپ فرماتے کہ حرمتِ مزامیر کی علت ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا﴾ ہے، یعنی وہ مزامیر حرام ہیں جو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں اور اللہ کے دین کا ٹھٹھہ اڑائیں۔

البتہ اس بات کا التزام رہا کہ پیر خانہ کے علاوہ محفل سماع سے احتراز برتتے تھے۔

سماع اے برادر! بگویم کہ چیست؟ — مگر مستمع رابدانم کہ کیست؟
گر از برج معنی بود طیر او — فرشتہ فرو ماند از سیراو
وگر مرد لہو است و بازی ولاغ — قوی تر شود لہوش اندر دماغ
(حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوالی کے لئے کڑی شرائط ہیں، جنکو ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔

"گانا بجانا مطلقاً حلال نہیں"

یا للعجب! ملتان کے ایک مفتی صاحب نے بیک جنبش قلم، ہر قسم کے گانے بجانے کو مطلقاً جائز قرار دیدیا، فہمِ دین رکھنے والے لوگ حیرت زدہ رہ گئے، کیونکہ اخلاقیات پر اس کے مضر اثرات واضح تھے، حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں احکامِ شرعیہ کی روشنی میں تنقیح مسئلہ کی درخواست کی گئی، آپ نے ایک دینی رہنما کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ گانا بجانا دو انواع پر مشتمل

ہے (۱) فحش گانا بجانا، جو اپنے شیطانی اثرات ونتائج کی وجہ سے ممنوع ہے، کیونکہ اس کا مآل، راہِ خدا سے دوری، فرائضِ دینیہ سے غفلت اور استہزاءِ شریعت کی صورت میں برآمد ہوتا ہے ارشاد قرآنی ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾۔ (سورۃ لقمان)۔

ترجمہ: لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو بے ہودہ اور لچرباتیں خرید کر لاتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں، بناء بر جہالت، اور اس کی تضحیک کریں، ان کیلئے رسواکن عذاب ہے۔

نوٹ: لہو الحدیث سے یہاں مراد بے ہودہ گیت بے ہودہ افسانے اور بے ہودہ ڈرامے ہیں، جن کو وہ لوگ شہر مکہ میں، سٹیج پر پیش کرتے تھے، تاکہ لوگ ان گانے بجانے والیوں کی طرف راغب ہو جائیں اور حضرت محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ لیں۔ چنانچہ اسی فاسد نتیجہ کے سبب سے گانے بجانے سے روکا گیا۔

حدیث میں اسی کیلئے لہو، معازف، مزامیر اور تغنی کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کے عدم جواز کا قول اختیار کیا ہے، سلسلۂ قادریہ کا بھی یہی کہنا ہے۔

(۲) حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے چشت اہل بہشت، بمطابق شرائطِ مقررہ، محافلِ سماع برپا کر کے، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اللہ قدست اسرارھم کی طرف اشتیاق ومحبت کو مہمیز لگاتے ہیں، ان کیلئے سوزوگداز پیدا کر کے انکی اتباع کو پرکشش بناتے ہیں اور والہانہ کیفیات کو بروئے کار لاکر، احکام شریعت پر عملدرآمد کو سہل اور مرغوب بناتے ہیں، لیکن اگر محافلِ سماع سے یہ مقاصد عالیہ حاصل نہ ہوں تو پھر ان کا کیا جواز ہے؟

سماع اے برادر بگویم کہ چیست؟ — مگر مستمع را بدانم کہ کیست؟

"نشہ کرنا حرام ہے، سب کیلئے"

دینِ اسلام میں نشہ کرنا ممنوع ہے، کلمہ گو کیلئے نشہ آور چیز کا استعمال قطعاً حرام ہے، کوئی شخص یا گروہ اس کی حرمت سے مستثنیٰ نہیں، کسی قلندر، درویش، ملنگ، صوفی یا سید

کے لئے اس کی گنجائش نکالنا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں، افیون، چرس، بھنگ اور اسی نوع کی دیگر منشیات کو نظر انداز کرنا یا ان کیلئے دل میں نرم گوشہ رکھنا، معاشرے کی تباہی کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔

قرآن مجید نے چار ناپاک اور شیطانی چیزوں کو فلاح کے منافی قرار دیا ہے جو حسب ذیل ہیں، (۱) منشیات (۲) جوئے کی جملہ انواع (۳) استھان (۴) پانسے، ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾۔

اس کے بعد فرمایا کہ منشیات اور جوئے کے ذریعے شیطان تمہیں لڑاتا ہے اور باہمی دشمنی اور نفرت کو ہوا دیتا ہے نیز ان کے ذریعے تمہیں نماز اور یادالٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔

سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ (بخاری، مسلم) ترجمہ: ہر وہ مشروب جو نشہ دے وہ حرام ہے۔

(۲) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ (مسلم، مشکوٰۃ باب بیان الخمر) ترجمہ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۳) حضرت وائل الحضرمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت طارق بن سُوَید رضی اللہ عنہ نے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے منع فرما دیا، انہوں نے عرض کیا کہ بطورِ دوا کے بناتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔ (مسلم)

(۴) مَا اَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرَقُ فَمِلْأُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ) مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ دے، اس چیز کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(۵) عن ام سلمة رضی الله عنها قالت نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ (ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ دینے والی چیز اور ہر فتور میں ڈالنے والی چیز سے منع فرمایا (معلوم ہوا کہ نشہ عقل میں فتور پیدا کرتا ہے)۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک استفتاء کے جواب میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے ثابت فرمایا کہ اگر نشہ کی حالت میں طلاق دی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے کیونکہ نشہ قابلِ رعایت نہیں بلکہ لائق تعزیر ہے، اس میں ملنگ اور غیر ملنگ کی تفریق نہیں ہے۔

''کافروں کی زبان سیکھو مگر انکا کلچر نہ اپناؤ''

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ ونجف

جامعہ عباسیہ بہاولپور میں عربی اور فارسی کے علاوہ انگریزی زبان بھی سکھائی جاتی تھی کیونکہ دینِ اسلام کی رو سے کفار کی بولی سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جس طرح کہ ان کے فنون سے استفادہ کرنا عین جائز ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''الحكمة ضالة المؤمن اين وجدها اخذها'' دانائی، مؤمن کی گمشدہ چیز ہے، سو وہ اسے حاصل کرے، جس جگہ بھی اسے پائے (ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقه، ابن ماجه باب الحكمة)۔

حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زبان ذریعۂ علم ہے، جو شخص جتنی زیادہ زبانیں جانتا ہو گا، اتنے ہی اس کے پاس تحصیلِ علم کے مواقع زیادہ ہوں گے، بولیوں کا تنوع اور تکثر، اللہ تعالیٰ کے علم اور اسکی قدرت کی وسعت کا مظہر ہے، قرآن مجید میں گوناگون بولیوں کو اللہ کی نشانیوں میں سے شمار کیا گیا ہے، ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ﴾ (سورۃ الروم) ترجمہ: آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کی ورائٹی اللہ کی آیات میں سے ہے۔ اسمیں تمام اہل جہان کیلئے نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضائل میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پرندوں کی بولیاں سکھلا دی تھیں، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پرندوں، جانوروں، درختوں، پتھروں سمیت تمام مخلوقات نیز ہر قبیلے اور ہر علاقے کی بولیوں پر عبور رکھتے تھے، سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ عبرانی زبان سیکھو، انہوں نے پندرہ دنوں میں یہ زبان سیکھ لی، تو آپ نے انہیں عبرانی خطوط کے جوابات تحریر کرنے پر مامور فرمایا۔

یہاں پر یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اغیار کی زبان سیکھتے سیکھتے کہیں نوجوان لوگ ان کے کلچر میں نہ رنگے جائیں، کیونکہ ہر زبان کے ساتھ اس کا اپنا ایک کلچر بھی چپکا ہوا ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ غیر اسلامی کلچر سے بچاؤ کی تدابیر پر بھی غور وفکر کیا جائے اور کافرانہ کلچر سے، شعوری طور پر اور سعی بسیار کے ذریعے، اپنے دینی، اسلامی، محمدی کلچر کو محفوظ بنایا جائے۔

اس مقام پر یہ تفصیل بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلچر کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک ظاہری پہلو، جو سماجی رسوم ورواجات اور معاشرتی طور طریقوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دوسرا پہلو باطنی ہوتا ہے جو سوچ، فکر، نظریہ اور عقیدہ سے عبارت ہوتا ہے، کافرانہ کلچر کا یہ پہلو خروج عن الاسلام کا دوسرا نام ہے۔

حدیث نبوی ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، جوشخص کسی قوم سے مشابہت (برائے مشابہت) اختیار کرے وہ انہیں میں سے شمار ہوگا۔(ابو داؤد، باب فی لبس الشہرۃ)

مندرجہ بالا حدیث شریف کی رو سے دونوں قسموں کے کلچر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا، مطلوب اور محبوب ہے۔

فلسطین کے محکمہ قضاء نے عدالتوں کی رہنمائی کیلئے ایک ''مجموعۃ المفتین'' نامی کتاب تالیف اور شائع کرائی یہ کتاب ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کی لائبریری میں موجود ہے، اسمیں لکھا ہے ''ضابطہ: التشبّہ بالکفار المنهی عنه ان یکون الشئ شعارا لاهلِ الکفر بحیث لَوْ رَأیٰ الناسُ مَنْ یَلْبِسُهٗ ۔ مثلاً اذا کان ملبوساً. نَسَبُوْهُ الیٰ الکفارِ مِنْ اَجْلِ لِبَا سِه وَشِعَارِه مِثْلَ طَاقِیَةِ الیهود، ولباس الرُهبَانِ، والصلیب''

ترجمہ: ضابطہ: کفار کے ساتھ جو مشابہت ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز جو اہل کفر کا ایسا شعار (شناخت، علامت، پہچان) ہوکہ اگر کوئی اسے اپنائے تو عام لوگ بھی اسے اسی دھرم کا ہی سمجھیں مثلاً، یہودیوں کا طاقیہ (ان کا مخصوص علامتی لباس) راہبوں کا خصوصی علامتی لباس نیز نشانِ صلیب گلے میں لٹکانا وغیرہ اسی طرح ہندوؤں، سکھوں وغیرہ وغیرہ کے خصوصی علامتی لباس اور دیگر رسوم، رواجات، اطوار، طریقے، ایام، تہوار وغیرہ۔

لباس کے علاوہ کفار کے دیگر شعار بھی ممنوع ہیں بشرطیکہ وہ ان کے شعار ہوں، ان کے دھرم کی علامت ہوں اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ مخصوص ہوں، شادی اور

مرگ کی ہندوانہ رسموں سے اجتناب بھی نہایت ضروری ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر کفار کے دینی اور سماجی تہوار منانا سخت منع ہے۔ دینِ اسلام میں ترمیمات کے درکھولنے والوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ:

؎ تازہ ہوا کے شوق میں اے ساکنانِ شہر
اتنے نہ در بناؤ کہ دیوار گر پڑے

''کانگریسی سوچ کے ساتھ اختلاف''

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، شرعی امور میں، مَن مانی سوچ، آزاد خیالی، بے دلیل رائے، بے ثبوت فتویٰ اور بے خوف ذہنیت کو پسند نہ فرماتے تھے، شرعی احکام ومسائل میں بے جواز اور خانہ زاد موقف اور نظریہ برداشت نہ کرتے تھے، دینی ہدایات پر حرف بحرف اور موبموعمل کرنے کے قائل تھے۔

کسی نے آپ سے استفسار کیا کہ آیا اتحاد بین المذاہب کی خاطر ایمان بالرسالت سے صرفِ نظر ممکن ہے؟ حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا ذریعہ تو ایمان بالرسالت ہے، ہدایتِ نبوی کے بغیر کوئی شخص ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا، رسولؐ کی رہنمائی کی بدولت ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، اللہ پر ایمان لانے سے پیشتر، رسولؐ پر ایمان لانا پڑتا ہے، ایمان بالرسالت تو جملہ ایمانیات کا پیش خیمہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

؎ بے وسیلے، خدانہیں ملتا۔

اگر عقل انسانی، مصنوع سے صانع تک پہونچتی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے جملہ اسماء وصفات اور اس کے جملہ فرامین وقوانین تک کیسے پہونچے گی؟

کسی نے آپ سے استفسار کیا کہ کیا اجزاءِ ایمان اور ارکانِ اسلام باہم مغائر ہیں؟ تو حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نام نہاد روشن خیالوں کی طرف سے چھیڑی گئی اس بحث کی بنیاد بھی اتحاد بین المذاہب پر معلوم ہوتی ہے، تاکہ ارکانِ اسلام سے گلو خلاصی کرا کے، دیگر مذاہبِ باطلہ کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا جائے، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، جبکہ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ارکانِ اسلام تو نصوصِ قرآن سے ثابت ہیں، کیا نصوصِ قرآن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن کہلا سکتا ہے؟

آپ نے مزید فرمایا کہ احادیث متواترہ باللفظ ہوں یا بالمعنی، دونوں موجبِ یقین وایمان ہیں اور ان کے انکار سے خروج عن الدین لازم آتا ہے، ارکانِ اسلام کے ثبوت میں اس قدر کثیر تعداد میں احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں کہ ان کا انکار ناممکن ہے، مزید اینکہ ساری امت، ارکانِ اسلام پر اجماع کر چکی ہے، اسلئے جو تفصیلات، احادیث متواترہ میں وارد ہوئی ہیں یا جن پر اجماعِ امت کا ورود ہو چکا ہے، انہیں تسلیم نہ کرنے سے ایمان کا سلب ہونا بدیہی امر ہے، اسلئے ارکانِ اسلام کا انکار کفر ہے اور ان پر عمل نہ کرنا فسق ہے۔

کانگریسی معاصر کی بعض ذومعانی اور مغالطہ آمیز تحریرات بابت جزئیات شرعیہ فقہیہ، کے بارے میں بھی حضرت شیخ الاسلامؒ سے رہنمائی حاصل کی جاتی تھی، آپؒ ان مسائل کے جوابات، شریعت کی روشنی میں بڑی وضاحت سے دیا کرتے تھے، ساتھ ہی آپ فرماتے کہ کوئی عالم ان مسائل فقہیہ کو ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا، میں اُن آزاد خیال لوگوں سے اتفاق نہیں کرتا، البتہ میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے ارادی طور پر یہی مراد لیا ہوگا، پھر بھی میری گذارش ہے کہ ایسی تحریرات سے اجتناب کرنا ضروری تھا جن سے اس قسم کے ابہامات پیدا ہوئے، الغرض بولنے اور لکھنے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے تاکہ عام آدمی، ذہنی انتشار کا شکار نہ ہو، ان لوگوں کی انہی باتوں کی وجہ سے آپؒ کا ان سے قلبی تعلق ختم ہوا۔

جہاں تک سیاسی اختلاف کا تعلق ہے تو حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طویل مشاہدے کی بنیاد پر کانگریس سے علیحدگی اختیار فرمائی اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے، حضرت گھوٹویؒ نے اِحیاءِ خلافت اسلامیہ اور قیامِ مملکتِ اسلامیہ پاکستان کیلئے شب و روز کام کیا اور انتھک کام کیا، بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ نے ۱۴ اگست ۴۷ء کو ریڈیو سے یہ نوید سن لی کہ یہ ریڈیو پاکستان ہے، یہ خوشخبری سنتے ہی آپ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد آپ نے جامع مسجد گولڑہ شریف میں نماز جمعہ کا جو خطبہ دیا اس میں آپ نے جنابِ قائد پاکستان محمد علی جناح کو مسلمانوں کا امیر قرار دیا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کانگریسی مسلمانوں کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

قائد پاکستان نے نواب آف بہاولپور سے فرمائش کی کہ ملک کے دیگر علماء کرام کی طرح، آپ علماء ریاستِ اسلامیہ بہاولپور سے بھی آئینِ پاکستان کی اسلامی دفعات کیلئے سفارشات مرتب کرائیں، چنانچہ جامعہ عباسیہ کے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسلامی دفعات کا مسودہ تیار کر کے، قائد اعظم کو ارسال کیا تھا جنھیں قراردادِ مقاصد مرتب کرتے وقت خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا، جو کہ آئینِ پاکستان کی بسم اللہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سیکولر ازم کے سخت مخالف تھے، شریعتِ اسلامیہ کو پاکستانی آئین و قانون کی بنیاد قرار دیتے تھے، قائدِ پاکستان محمد علی جناح کی حمایت صرف اسلئے کرتے تھے کہ وہ اپنی سیاسی حیثیت میں تحریکِ مملکتِ اسلامیہ کے علمبردار تھے، اور جداگانہ اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے سلسلہ میں مسلمانوں کی سیاسی قیادت کر رہے تھے۔

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے کانگریس کے اصحاب جبۂ ودستار کی عددی کثرت اور انکے دنیاوی اثر ورسوخ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، برملا تحریکِ پاکستان میں عملی حصہ لیا اور بھرپور طریقہ سے اسے فروغ دیا۔

شاید آپ کی شانِ قلندری، درج ذیل شعر سے کسی قدر جھلک رہی ہے:

قلندرانِ حقیقت بہ نیم جَو نخرند — قبائے اطلسِ آنکس کہ از ہنر عاری ست

ترجمہ: قلندرانِ حقیقت، بے ہنر (لادین) شخص کی قبائے اطلس کو آدھے جو کے عوض بھی خرید کرنے پر تیار نہیں۔ رحمھم اللہ تعالیٰ و رضی عنھم و نَوَّرَ قُبُوْرَھُم۔

”اتحاد بین المذاہب، خروج عن المذہب ہے“

ہندوستان کے کئی اشخاص جو کانگریس کے اکابرین میں سے تھے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی دوست شمار ہوتے تھے لیکن جب ان کی طرف سے اتحاد بین المذاہب کا نیا نظریہ سامنے آیا اور ان کے بعض فقہی فتاویٰ میں ان کی آزاد خیالی واضح ہوئی، نیز دو قومی نظریہ اور وجود پاکستان کی مخالفت طشت از بام ہوئی تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے برملا اختلاف کا اظہار فرمایا اور ان سے قطع تعلق کر لیا۔

البتہ اتحاد بین المسلمین آپ کو بہت عزیز تھا، آپ کوشش کرتے کہ مختلف مسالک کے درمیان جو خلیج حائل ہے اسے اختلاف تک ہی محدود رکھتے ہوئے مخالفت، عناد اور نفرت تک نہ پہونچنے دیا جائے۔ حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ تحقیق اور مباحثہ کو جائز مانتے تھے مگر اسلام کی حجامت بنانے اور دین میں کاٹ چھانٹ کرنے کو الحاد قرار دیتے تھے کیونکہ آپ شریعت سے سرمو انحراف برداشت نہ کرتے تھے۔

برصغیر کے تعلیمی اداروں کو بریلوی، دیوبندی امتیاز کے بغیر چندہ دینا آپ کا معمول تھا، حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسودات میں تحریر فرماتے ہیں: ندوۃ العلماء لکھنؤ سے جاری شدہ ایک نوٹس نمبری ۱۱۳۳ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۳۹ء دستیاب ہوا ہے، جسمیں لکھا ہے ''مبلغ پانچ روپے بابت چندہ اگست ۱۹۳۹ء ہنوز مرحمت نہیں ہوا، براہ کرم جلد عنایت فرما کر شکر گذار کیجئے، از طرف سید عبدالعلی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ندوہ سے بہتر طور پر دین اور علم سے لگاؤ رکھنے والے سنی ادارے، آپ کے مالی تعاون سے خوب فیضیاب ہوتے رہے۔ (ندوۃ العلماء کی شروعات تو مسلکِ اعتدال سے ہوئیں مگر بعد میں جانبداری کی طرف چل نکلا)

''مولانا تھانوی صاحب کا رجوع اور توبہ''

مولانا عبداللہ صاحب پرنسپل مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ نے مولانا مولوی محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت الشیخ المکرّم والاستاذ المعظم علامہ گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے قائل تھے، اس موضوع پر آپ کا رسالہ معائنہ بلاشیب (درمسئلہ علم غیب) موجود ہے جو آپ نے گھوٹہ میں اپنے استاد مولانا مولوی محمد جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں تالیف فرمایا تھا، مگر جناب مولانا اشرف علی تھانوی صاحب علمِ غیب کے قائل نہ تھے، ان کا رسالہ بھی موجود ہے۔

ایک دن حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ جامعہ کی لائبریری میں تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا کہ مولانا تھانوی صاحب کے انکارِ علمِ غیب کے بارے میں حضور کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فوراً شیخ الفقہ مولانا صاحبزادہ حافظ محمد امین صاحب چیلاوہنی، جو لائبریری کے انچارج بھی تھے، ان کو فرمایا کہ گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ

''العدل'' کی فلاں تواریخ کی فائل لے آؤ، جب وہ لے آئے تو آپ نے مولانا تھانوی صاحب کا ایک مضمون ہمیں دکھایا جس میں انہوں نے اپنی عبارت سے رجوع اور توبہ کا اقرار کیا تھا۔

اے کاش! یہ عبارت اور اسی طرح کی دیگر عبارات ان لوگوں کی کتابوں سے بھی حذف کر دی جاتیں، تاکہ اعتراض رفع ہو جاتا۔

''خواتین کے نکاح میں سرپرست کی اہمیت''

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین وحامیانِ شرع متین اس بارے میں کہ کیا شریعت مطہرہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام اس بات کی مکمل اجازت عطا کرتی ہے کہ ایک لڑکی گھر سے بھاگ جائے اور از خود کسی لڑکے سے شادی رچالے؟ یا اس قسم کی حرکاتِ شنیعہ پر کوئی قدغن لگاتی ہے؟ بینوا وتوجزوا۔

الجواب:

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب علامہ قاضی غلام صمدانی صاحبؒ آف چکوال کو املاء کرایا، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ان دنوں حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کو آشوب چشم کی تکلیف تھی چنانچہ آپ نے آنکھیں بند کئے ہوئے اس کا مفصل اور مدلل جواب مع قیدِ باب وصفحہ مجھے لکھوایا، میں آپ کے تبحر علمی اور قوتِ حافظہ پر حیرت زدہ رہ گیا۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا لبِ لباب حسب ذیل ہے:

تنقیح مسئلہ کی خاطر مندرجہ ذیل دو امور پر غور وفکر کرنا ہو گا، پہلا یہ کہ کفاءت (مماثلت درمیان ناکح ومنکوحہ) موجود نہ ہونے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ والد کو حقِ اعتراض حاصل ہے بلکہ ایسی صورت میں خود نکاح کا انعقاد ہی غیر مفتی بہ ہے، دوسرا یہ کہ والد ہی اس فیصلے کا مجاز ہے کہ آیا فلاں لڑکا اسکی لڑکی کیلئے کفو، مماثل اور موزوں ہے یا نہ؟

مذکورہ بالا دونوں امور کے بارے میں صاحب ھدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر فرماتے ہیں: الکفاءۃ فی النکاح معتبرۃ قال علیه الصلوٰۃ والسلام لا یُزَوِّجِ النساءَ إلا الأولیاءُ، ولا یُزَوَّجْنَ الا مِنَ الْاَکفاءِ، ولانّ انتظام المصالح بین المتکافئین عادۃ.
(ہدایہ ج ٢ کتاب النکاح)۔

ترجمہ: نکاح میں کفائت (مماثلت باہمی) کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خواتین کا نکاح صرف ان کے سرپرست ہی کیا کریں، نیز ان کا نکاح ہم پلہ مردوں سے ہی کیا جائے، عقلی طور پر بھی یہ بات درست ہے کیونکہ ہمیشہ کا تجربہ گواہ ہے کہ برابر سرابر کے رشتوں میں ہی مصالح (برکات وفوائد) پائے جاتے ہیں۔

المحیط، المبسوط، فتاویٰ قاضی خاں اور عالمگیری ج ١ ص ٢٩٢ میں ہے کہ بمطابق روایتِ حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ، غیر کفوٗ میں رضاء اولیاء کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور فتویٰ اسی پر ہے۔

بوقت نکاح، بالغ لڑکی سے اس کی رضامندی معلوم کرنا نہایت ہی ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے گھر سے بھاگنے کا اختیار مل گیا ہے، کیونکہ چوری چھپے کسی کو آشنا بنا لینا از روئے قرآن قطعی طور پر ممنوع ہے۔ فرمان قرآنی ہے: ﴿ولاَ مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ﴾ (سورۃ النساء: ٢٥)۔ لہٰذا خفیہ دوستی کرنا غیر قانونی ہوگا۔

غور کیجئے کہ جب ایک لونڈی کیلئے خفیہ دوستی کرنا منع ہے تو ایک آزاد، شریف، عزت دار اور باحیاء خاتون کیلئے اسکی ممنوعیت کتنی شدید نوعیت کی ہوگی؟

معلوم ہونا چاہئے کہ اکبر الکبائر میں شرک کے بعد عقوق والدین یعنی والدین کی نافرمانی کا درجہ ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ لڑکی کا گھر سے بھاگ جانا والدین کی سنگین اور بدترین نافرمانی ہے۔ اور ان کیلئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

اسی طرح الرجال قوامون میں الرجال عام ہے اور اسمیں خاوند اور باپ دونوں شامل ہیں۔

احصان کا ایک معنی بذریعہ نکاح، قلعہ میں "محفوظ" ہو جانا بھی ہے جبکہ گھروں سے فرار اختیار کرنے والے تو بے گھر ہو جاتے ہیں، دربدر ہو جاتے ہیں اور اسی طرح عام طور پر وہ ہوس زدہ لوگوں کا آسان شکار بن جاتے ہیں، حدیث نبوی میں ہے کہ بوقتِ نکاح شیطان روتا، پیٹتا ہے کہ اس لڑکے اور لڑکی نے باوقار، شریفانہ اور باحیاء طور طریق سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کی راہ اپنائی اور اس طرح ان دونوں نے اپنا آدھا دین محفوظ کر

لیا، مگر اپنے والدین، خاندان، معاشرے اور امت مسلمہ کی عزت خاک میں ملا کر خفیہ دوستی کا راستہ پسند کرنے والے لوگ، شیطان کیلئے ڈھیر ساری خوشیوں کا سامان ہی فراہم کرتے ہیں۔

جذباتی نوجوانوں کی اس قسم کی جلد باز حرکت سے دو خاندانوں کے درمیان عداوت اور نفرت جنم لیتی ہے، جو قتل وغارت تک پہنچ جاتی ہے، اور نسل در نسل چلتی رہتی ہے، اس سے معاشرہ تباہی وبربادی کے دہانے پہ جا پہنچتا ہے، حالانکہ شادی جیسا مقدس اور متبرک بندھن دو خاندانوں کے درمیاں، محبت، قربت اور خوشی کا باعث ہونا چاہئے۔

چار ائمہ کرام میں سے دو اماموں یعنی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکی کا نکاح اس کے مرد سرپرست کے بغیر کسی صورت منعقد ہی نہیں ہوتا۔(لِاَنَّ النِّکَاحَ لا یَنْعَقِدُ بِعِبَارَۃِ النِّسَاءِ عند مالک والشافعی)۔

اسی طرح احناف میں سے دو اماموں یعنی حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (فی روایۃ) اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک (فی روایۃ ابی سلیمان) لڑکی کا نکاح، اس کے سرپرست کے بغیر منعقد نہیں ہوتا (سواء کان کفوا او غیر کفو، کذا فی الخانیۃ، حاشیہ شرح وقایہ. مثل ھذا فی فتاویٰ قاضی خان) علامہ زیلعیؒ کی تخریج میں ہے کہ ان کے نزدیک اسکی وجہ یہ واضح اور صریح فرمان نبوی ہے "لاَ نِکَاحَ اِلاَّ بِوَلِیٍّ" ترجمہ: نہیں ہوتا نکاح مگر بذریعہ سرپرست کے (الا اینکہ عدالت اسے سیئی الاختیار قرار دیدے)

کفائت کے تصفیہ کی خاطر اگر مرافعہ الی القاضی کو ضروری قرار دیا جائے تو ہر سرپرست کیلئے عدالت تک رسائی اتنی آسان نہیں ہوتی، اسی طرح ہر عدالت کا عدل تک پہنچنا بھی اتنا آسان نہیں ہوتا اس لئے بچیوں کے حق میں زیادہ محتاط رویہ یہ ہونا چاہئے کہ ان کا والد خود مختار ہو، تاکہ وہ اپنی بچیوں کے حق میں بہترین راہ اپنا سکے (اذ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ الیٰ القاضی و لا کل قاضٍ یعدل)

لڑکی کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ جبلی، ذہنی اور سماجی طور پر سرپرست کی محتاج ہے، ورنہ وہ اپنا نقصان کر بیٹھے گی، جیساکہ عمومی مشاہدہ اس بات کا گواہ ہے، مسئلہ: اس امر کا فیصلہ والد کرے گا کہ آیا فلاں لڑکا اسکی لڑکی کیلئے کفوٗ، مماثل اور موزوں ہے یا نہ؟ کیونکہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ: "لاَ یُزَوِّجِ النِّسَاءَ اِلاَّ الْاَوْلِیَاءُ". (ہدایہ، ج ٢۔ کتاب النکاح)۔ ترجمہ: خواتین کا نکاح صرف انکے سرپرست ہی کیا کریں۔

مسئلہ: عدالت، اولیاء کے ناراض ہونے کی صورت میں کوئی فیصلہ ان پر مسلط نہیں کر سکتی۔ کیونکہ کفاءت کے فقدان و وجود کا فیصلہ والد کرے گا۔

مسئلہ: اگر کوئی لڑکی گھر سے بھاگ جاتی ہے تو وہ مجرم ہے، وہ من مانی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس کے غیر کفوٗ میں نکاح کر لینے سے جداگانہ اور سنگین قباحت کا حامل ہے۔

مسئلہ: حضرت حسنؒ سے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ لڑکی کا نکاح غیر ہم پلہ لڑکے سے منعقد ہی نہیں ہوتا اور فقہاء کے نزدیک فتویٰ اسی پر ہے۔

''اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ اور حضرت کانپوریؒ کا فتویٰ''

اعلیٰ حضرت جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اوصافِ حسنہ اور خصائلِ حمیدہ سے متصف تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے فضائل سے نوازا تھا مثلاً یہ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ علمِ وافر رکھتے تھے، تاجدار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی دولت سے مالا مال تھے اور شریعت کی کامل پیروی، اس کے مؤثر دفاع اور ہمہ وقت اسکی تبلیغ میں کوشاں رہتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ گرامی، استاذ العلماء فخر الصلحاء امام العصر حضرت علامہ مولانا احمد حسن کانپوری نور اللہ مرقدہٗ صدر مدرس مدرسہ فیض عام کانپور کے وطن کانپور میں بعض لوگوں نے قبرستان کی زمین پر جو کہ دفن موتی کیلئے وقف تھی، ایک مدرسہ بنام جامع العلوم کانپور کی بنیاد رکھ دی، کسی شخص کے استفتاء کے جواب میں حضرت استاذ الکل مولانا کانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ قبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانا اور وقف کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے، لیکن مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے اس کے جواز کا فتویٰ دیدیا، اب عوام وخواص حیرت زدہ تھے کہ قبرستان اور وقف کی بے حرمتی کو کیسے روکا جائے؟ مولانا وصی احمد سورتی پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے اس استفتاء کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ارسال کر دیا، اعلیٰ حضرتؒ نے صیغۂ وقف کی خلاف

ورزی اور قبرستان کی بے حرمتی کے خلاف بڑا مفصل اور مدلل فتویٰ تحریر فرمایا، اعلیٰ حضرتؒ کے فتویٰ سے حضرت مولانا کانپوری رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے، کیونکہ اس سے ان کے فتویٰ کی توثیق ہوگئی تھی۔

راقم الحروف اس مسئلہ کے بارے میں استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کے فتاویٰ کی روشنی میں کچھ تفصیل پیش کرنا چاہتا ہے، سو عرض ہے کہ:

(۱) قبورِ مسلمین کی بے حرمتی از روئے شرع ممنوع ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بسند حسن، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ.
ترجمہ: اس قبر والے کو ایذاء نہ دو۔ (مشکوٰۃ، باب دفن المیت)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے پر بیٹھے یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اسکی جلد تک پہنچ جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر چڑھ بیٹھے۔(بحوالہ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ از مشکوٰۃ باب دفن المیت)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کی ہڈی توڑنا، زندہ کی ہڈی توڑنے جیسا ہے۔(رواہ مالک، ابوداؤد، وابن ماجہ، مشکوٰۃ باب دفن المیت)۔

(۲) وقف کی مد میں، ہیئت میں صیغہ میں اور جنس میں تبدیلی جائز نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی خالی میدان، موتی کے دفن کیلئے وقف ہو تو اس میں موتی تو دفن کئے جاسکتے ہیں مگر کسی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں کیا جا سکتا، مثلاً مدرسہ، مسجد، وغیرہ بنانا۔

فتح القدیر، رد المحتار اور شرح الاشباہ والنظائر للعلامۃ البیریؒ میں ہے: اَلْوَاجِبُ اِبْقَاءُ الْوَقْفِ عَلیٰ مَا کَانَ عَلَیْهِ دُوْنَ زِیَادَةِ اُخْریٰ ، ترجمہ: وقف کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے، بغیر اس کے کہ اس پر کوئی دوسری زیادتی کی جائے۔

(۳) شہرت عامہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ یہ زمین یا چیز وقف ہے اور فلاں صیغہ اور مد میں وقف ہے، فتاویٰ خیریہ کتاب الوقف میں ہے:

"وَالْعِبْرَةُ فِیْ ذٰلِکَ لِلْبَیِّنَةِ الشرعیة، وفی الوقف یسوغ للشاهد ان یشهد بالسماع ویطلق، ولا یضر فی شهادته قوله بعد شهادته لم اعائن الوقف ولکن اشتهر عندی او اخبرنی به من اثق به ، ترجمہ: وقف ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ شرعی ثبوت سے کیا جائے گا، وقف کے ثبوت میں گواہ کیلئے مطلقاً اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ یہ وقف ہے، اگر گواہ شہادت دینے کے بعد کہے کہ میں نے خود وقف والی جگہ کا معائنہ نہیں کیا، بلکہ میرے ہاں، یہ بات مشہور ہے کہ یہ وقف ہے یا کہے کہ میں نے معتبر آدمی سے سنا ہے کہ یہ وقف ہے تو اسکی گواہی بالکل درست تسلیم کی جائے گی۔

(۴) اگر قبریں پرانی اور بوسیدہ ہو کر مٹ جائیں تو اس وقت دو صورتیں ہونگی پہلی یہ کہ وہ میدان، مردے دفن کرنے کیلئے وقف ہو، ایسی صورت میں وہاں مدرسہ یا مسجد وغیرہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ وقف کی مد میں تبدیلی کرنا منع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ میدان، وقف برائے تدفین نہیں ہے، طویل زمانہ گذرنے کی وجہ سے وہ قبریں نیست ونابود ہو گئی ہیں تو اس صورت میں علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان قبروں کی جگہ میں دوسرے مردوں کو دفن کرنا، وہاں مدرسہ یا مسجد بنانا یا زراعت کرنا وغیرہ وغیرہ جائز ہے۔

حاشیہ فتاویٰ عالمگیری الباب الثانی عشر فی الرباطات میں ہے۔

قوله قال لا، هذا لا ینافی ما قاله الزیلعی لآن المانع ههنا کون المحل موقوفا علی الدفن فلا یجوز استعماله فی غیره فلیتأمل ولیحرر۔

ترجمہ: انہوں نے وقف قبرستان کو کسی اور مصرف میں لانے سے منع فرمایا ہے، تو یہ ممنوعیت، علامہ زیلعیؒ کے قول کے خلاف نہیں کیونکہ اس ممنوعیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ قبرستان، تدفین کیلئے وقف شدہ ہے، لہٰذا اس کا استعمال مدرسہ، مسجد یا دیگر مقاصد کے لئے ممنوع ہوگا، جبکہ علامہ زیلعیؒ کا قول اس قبرستان کیلئے ہے جو تدفین کیلئے وقف شدہ نہ ہو، اسلئے اگر وہاں قبریں مٹ گئی ہوں تو وہاں دیگر تعمیرات ہو سکتی ہیں۔

(۵) وقف میں تبدیلی کی صرف ایک جائز صورت ہے، وہ یہ کہ اس علاقے کی تمام آبادی نقل مکانی کر کے کہیں دور دراز خطوں میں منتقل ہو گئی ہو اور یہ علاقہ بالکل خالی اور ویران ہو گیا ہو، تو اب اس صورت میں وقف شدہ قبرستان کو بھی کسی دوسرے مصرف میں

لانا جائز ہوگا، اس کی ایک مثال اوقافِ متروکہ بھی ہو سکتی ہے، لیکن اگر ساری آبادی نقل مکانی کر کے کہیں نہ چلی گئی ہو تو پھر صیغۂ وقف کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے:

فتاویٰ عالمگیری الباب الثالث عشر فی الاوقاف میں ہے:

ولو لم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارة وهناک مسجد محتاج الی العمارة او علی العکس هل یجوز للقاضی صرف ما استغنی عن العمارة الی عمارة ما هو محتاج الی العمارة فقال لا، کذافی المحیط۔

ترجمہ: اگر تمام لوگ نقل مکانی کر کے کہیں نہ چلے گئے ہوں مگر وقف شدہ حوض کی عمارت فالتو اور بے مصرف ہو گئی ہو تو کیا ایسی صورت میں قاضی، حوض کیلئے وقف کی گئی عمارت کو یا اس کے مال ومتاع کو مسجد کے ضروری مصرف میں لا سکتا ہے؟ فرمایا نہیں، المحیط میں بھی یہی درج ہے۔

"کم عمر حافظِ قرآن کا تراویح پڑھانا"

حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی سوانح حیات میں تحریر فرمایا ہے: "میں نے ستمبر ۱۹۳۲ء میں قرآن مجید حفظاً ختم کر لیا، اس سال رمضان المبارک دسمبر میں تھا، میں نے بعمر دہ (۱۰) سالگی مسجد چاہ فتح خاں میں پہلا مصلّٰے سنایا، اور ۲۷ رمضان کو اختتام کیا، ریاست ہذا کے فرقہ وارانہ مناظر حضرات نے نابالغ کی امامت کو چیلنج کیا، حضرت محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ بلخ کے فتویٰ کا حوالہ دیکر، ضرورتِ وقت کے داعیہ کے مدنظر اس کے جواز کو ثابت فرمایا اور الحمدللہ تعالیٰ سب نے لاجواب ہو کر سر تسلیم خم کیا۔

"میت کے جنازہ اور تدفین کا فیصلہ کون کرے؟"

حضرت مولانا مولوی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ سکنہ دین پور تحصیل خان پور ضلع رحیم خاں، حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے حلقۂ احباب میں سے تھے، جب انکا انتقال ہوا تو حضرت شیخ الاسلامؒ ان کے جنازہ میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے، وہاں کچھ لوگ مولانا دین پوری صاحب کی جائے تدفین کی بابت گفتگو کر رہے تھے، شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک جگہ کی تعیین فرما

دی جبکہ آں مرحوم کے ورثاء کسی دوسری جگہ تدفین کرنا چاہتے تھے، لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ کا ادب واحترام اور آپ کے مقام ومرتبہ کا لحاظ مانع ہو رہا تھا، اب سوال یہ تھا کہ شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں کون اس مسئلہ کو پیش کرے؟ بالآخر حضرت گھوٹوی کے چہیتے شاگرد حضرت مولانا مولوی محمد صادق مرحوم نے حضرت کی خدمت میں ایک استفتاء پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور! ایک شخص فوت ہو گیا ہے، اس کے ورثاء اسے ایک مقام پر دفن کرنا چاہتے ہیں مگر ایک بڑے عالم وفاضل بزرگ نے ایک دوسرا مقام تدفین کیلئے متعین فرما دیا ہے، اب آپ مہربانی کر کے فتویٰ صادر فرمائیں کہ آیا امور تدفین وغیرہ، میت کے ورثاء کی منشأ کے مطابق انجام دئے جائیں یا ان عالم بزرگ کی رائے کے مطابق؟ حضرت گھوٹویؒ فوراً سارا معاملہ سمجھ گئے، آپ نے فرمایا ''ورثاء کی منشاء کے مطابق''۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، تواضع اور انکسار کا پیکر تھے، آپ کے مزاج مبارک میں تکبر اور انانیت کا نام ونشان بھی ناپید تھا، مولائے روم علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

؎ کبر، شہر عقل را ویران کند

عاقلاں را گمرہ و ناداں کند

''تقلید اور اجتہاد کے دائرے الگ الگ ہیں''

قرآن مجید دستور اسلام ہے، حدیث نبوی اسکی کلید (چابی) ہے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو حضرات تفقہ اور اجتہاد کے منصب پر فائز تھے وہ مقتدیٰ اور متبوع تھے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں ان مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امتیازی اور خصوصی مقام کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، مثلاً آپ نے ارشاد فرمایا **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم**، ترجمہ: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے، ہدایت پاؤ گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو محدَّثوں میں سے شمار فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اقضاھم علی کے خطاب سے یاد فرمایا۔

خدائے بزرگ وبرتر کے فرمان ذی شان: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾۔
(ترجمہ: ہر صاحب علم سے بڑھ کر، صاحب علم موجود ہے) سے معلوم ہوتا کہ

اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کی برتری کو تسلیم کرنا، منشاءِ خداوندی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات کو عہدۂ تعلیم وتبلیغِ دین پر مأمور فرمایا ان کی تو شان ہی نرالی ہے۔

اجتہاد بھی ایک فن ہے، ''لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ'' کی تائید کلام الٰہی: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (ترجمہ: آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟) سے بخوبی ہو جاتی ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اہلِ علم اور غیر اہلِ علم برابر کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ جو حضرات **والذین لایعلمون** کے مصداق ہیں وہ مسائل سے عہدہ برا ہونے کیلئے **الذین یعلمون** کے محتاج ہیں۔

؎ پئے علم، چوں شمع باید گداخت　　کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

خدا کی شناخت کا وسیلہ اس کے اوامر ونواہی کی شناخت ہے، اوامر ونواہی کی شناخت کیلئے اہلِ علم کی تقلید کے سوا کیا چارۂ کار ہے؟ بعینہٖ ذات وصفات کی شناخت کیلئے بھی اہلِ معرفت اور اہلِ دل کی تقلید ناگزیر ہے۔

مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت محدود تھی جبکہ ان کی تقلید واتباع کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت زیادہ تھی، خیر القرون کی نظیر، آئندہ ادوار کیلئے بھی مشعل راہ ہے، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ، متبعین کی تعداد میں اضافہ ناگزیر ہوتا گیا، یہاں تک کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید پر ساری ملت محمدیہ کا اجماع ہو گیا (البتہ اہلِ تشیع اپنے ائمہ کی تقلید کرتے ہیں)۔

اب تک امتِ مسلمہ اپنے اسلاف کے خزائنِ اجتہاد سے مستفید ہو رہی ہے، اگر آج کچھ لوگ ان انہارِ علم سے روگردانی کی روش اختیار کر رہے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ راستہ خود دین سے روگردانی کی طرف جا نکلتا ہے۔

ذیل میں قرآن، وحدیث اور اہلِ علم ودانش کے دلائل کی روشنی میں مسئلہ ہذا کی تفہیم کی سعی کی گئی ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مندرجہ ذیل جملہ دلائل اور ابحاث، حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم قطب الاقطاب علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے، مناظرات کے دوران وقتاً فوقتاً پیش کردہ ذخیرۂ علمی سے گل چیں ہو کر سپردِ قرطاس کئے جا رہے ہیں:-

(۱) ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾.
(سورۃ الملک)۔ ترجمہ: اور بولے اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخ سے نجات کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی کی سن کر اس کی تقلید کریں، دوسری یہ کہ اتنی صلاحیتِ اجتہاد ہو کہ حق وصواب کو پالیں۔

(۲) ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾. (سورہ النحل)۔ ترجمہ: سو پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔

قاضی شوکانی، القول المفید فی أدلۃ الاجتہاد والتقلید میں لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد قرآن کریم اور احادیث نبویہ ہیں۔ لہٰذا علم بالقرآن اور علم بالحدیث کے ماہر سے ہی سوال کرنا جائز ہے، نہ کہ ہر کس وناکس سے۔

ہمارے نزدیک آئمہ اربعہ، ماہرینِ قرآن وحدیث تھے اس لئے ان کی تقلید جائز ہے۔

(۳) ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾.

ترجمہ: اور مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہئے کہ سب کے سب جہاد کیلئے نکلیں، سو ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر قبیلہ میں سے ایک گروہ جایا کرے، تاکہ (جو باقی ماندہ ہیں) وہ دین کی مکمل سمجھ حاصل کرتے رہیں، اور جب لوگ پلٹیں تو یہ انہیں فہمائش کریں تاکہ وہ احتیاط سے زندگی بسر کریں۔ (سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۲)۔

(۴) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾.
(النساء)۔ ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور اپنے میں سے اصحاب امر کی۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ: "وقال علی بن أبی طلحة عن ابن عباس وأولی الأمر منكم يعنی أهل الفقه والدين، وكذا قال مجاهد وعطاء والحسن البصری وأبو العالية وأولی الأمر منكم يعنی العلماء، والظاهر والله اعلم انها عامة فی كل أولی الأمر من الأمراء والعلماء كما تقدم".

ترجمہ: علی بن طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اولی الامر سے مراد فقہاء اور علماء دین ہیں، مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہ نے بھی کہا ہے کہ اولی الأمر سے علماء مراد ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ واللہ اعلم، اس سے مراد امراء اور علماء دونوں ہیں۔

علامہ قرطبی نے تفسیر قرطبی میں فرمایا ہے کہ یعنی الفقہاء والعلماء فی الدین یعنی اولی الأمر سے مراد فقہاء اور ائمہ دین ہیں۔

(۵) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مجتہد صحابہ کے بارے میں دیگر صحابہ کو ارشاد فرمایا: "اصحابی کالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم". (مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ)۔ ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

حضرت الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے **فالمراد باصحابی مخصوصون وهم السابقون علی المخاطبين فی الاسلام**، ترجمہ: اصحابی سے سینئر صحابہ مراد ہیں، (جنہیں کبار صحابہ کہا جاتا ہے)۔ اسی طرح ملا علی القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں صحابہ کرام کے مختلف درجات کا تذکرہ کیا ہے، قاضی شوکانی نے ارشاد الفحول میں تحریر کیا ہے کہ فقہاء احناف، مجتہد صحابی کے اجتہاد کو غیر صحابی مجتہد کے اجتہاد پر فوقیت دیتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء میں صحابہ کرام کے مراتبِ فقاہت واجتہاد پر خوب تبصرہ کیا ہے۔

اس ساری تفصیل سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فقیہ اور مجتہد صحابہ کی تقلید فرمایا کرتے تھے۔

(۶) صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کا یہ قول موجود ہے کہ "لا تسئلونی ما دام هذا الحبر فيكم". جب تم میں یہ عالم (ابن مسعود) موجود ہے تو تم لوگ مجھ سے مسئلے دریافت نہ کیا کرو۔

شخصی تقلید کی اس سے زیادہ واضح دلیل اور کیا ہوسکتی ہے؟

(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں شراب نوشی کی حد کے بارے میں صحابہ سے مشاورت کی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ اَخَفُّ الْحُدُوْدِ (یعنی سب سے ہلکی سزا) قذف کی حد ہے یعنی اسی (۸۰) کوڑے سو اس پر قیاس کرتے ہوئے

شراب نوشی کی حد بھی اسی کوڑے مقرر کی جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی سزا مقرر کر دی، یہ ایک صحابی کا اجتہاد تھا جس کی تمام صحابہ نے تقلید کی۔

(۸) صحیح مسلم شریف اور الاستیعاب میں ہے کہ قاضی شریحؒ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ''علیؓ سے دریافت کرلو''۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کیلئے اعلم کی تقلید جائز ہے۔

(۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا: "قد بعثت إليكم عمار بن ياسر اميراً وعبدالله بن مسعود معلماً ووزيراً وهما من النجباء من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل بدر فاقتدوا بهما وقد آثرتكم بعبد الله على نفسي". (تذکرۃ الحفاظ للعلامۃ الذہبی، ج ۱،ص ۱۳)۔

ترجمہ: میں آپ لوگوں کی طرف عمار بن یاسرؓ کو بطور امیر اور ابن مسعودؓ کو بطور معلم ووزیر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے نجباء اور اہل بدر میں سے ہیں، آپ لوگ ان کی تقلید واتباع کریں، ابن مسعودؓ کے معاملہ میں میں نے آپ لوگوں کو اپنی ذات پر بھی ترجیح دی ہے۔ اس خط میں حضرت عمرؓ کا حکم بالکل واضح ہے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

(۱۰) صحیح بخاری شریف، ج ۱،ص ۲۳۷ میں ہے کہ "عن عكرمة رضي الله عنه أن أهل المدينة سألوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر، قالوا لا نأخذ بقولك وندع قولَ زيدٍ"۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا جو طواف زیارت کرنے کے بعد حائضہ ہوگئی تھی، آیا وہ طوافِ وداع ترک کرکے جاسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ واپس جاسکتی ہے مگر اہل مدینہ کہنے لگے کہ ہم نہ تو آپ کے قول کو قبول کریں گے اور نہ ہی زید بن ثابت کے قول کو ترک کریں گے۔

بعض شروح بخاری میں اس سے زائد الفاظ بھی ہیں، ارشاد الساری، ج۳،ص ۲۰۵ میں ہے: "اَفْتَيْتَنَا اَوْ لَمْ تُفْتِنَا، زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَقُوْلُ لا تنفر حتى تطوف طواف الوداع" ۔ ترجمہ: آپ ہمیں فتویٰ دیں یا نہ دیں (ہمارے لئے برابر ہے کیونکہ) زید بن ثابت کا فتویٰ ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں جاسکتی جب تک کہ طواف وداع نہ کرلے۔

فتح الباری ج ۳،ص ۴۶۳ میں ہے رواه سعيد بن ابي عروبه في باب المناسك الذى رويناه من طريق محمد بن يحيى القطعي عن عبد الاعلى عنه قال عن قتادة عن عكرمة نحوهُ وقال فيه لا نتابعك إذا خَالَفْتَ زيد بن ثابتٍ ۔ ترجمہ: قتادہ نے عکرمہ سے ایسے ہی روایت کیا اور اس میں کہا، ''ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے جب آپ زید بن ثابت سے اختلاف کریں''۔

عمدة القاری ج ۴،ص ۷۷۷ میں ہے: "فقالت الانصار لا نتابعك يابن عباس وانت تخالف زيداً"۔ ترجمہ: ''پس انصار نے کہا ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے اے ابن عباس! جب آپ زید سے اختلاف کریں''۔

دیکھ لیجئے کہ حضرات اہل مدینہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شخصی تقلید پر کیسے جے رہے، حتی کہ ابن عباس جیسے متبحر عالم کی متابعت سے بھی صاف انکار کر دیا، اس سے زیادہ تقلید شخصی اور کیا ہوگی؟

(۱۱) صحیح بخاری شریف،ص ۹۹۷ میں ہے: "عن الاسود بن يزيدؒ قال اتانا معاذ بن جبلؓ باليمن معلماً واميراً فسئلناه عن رجل توفي وترك بنتهٗ واختهٗ فاعطى الابنة النصف والاخت النصف"۔

ترجمہ: اسود بن یزید سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ، یمن میں ہمارے پاس معلم اور امیر بن کر تشریف لائے، ہم نے ان سے اس شخص کے تقسیم ترکہ کی بابت پوچھا جو ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑ کر فوت ہوا تھا حضرت معاذؓ نے بیٹی کو آدھا ترکہ اور بہن کو بھی باقی ماندہ آدھا ترکہ دیا۔

دیکھئے اس فیصلہ میں حضرت معاذؓ نے دلیل بیان نہیں کی اور سائل نے ان سے دلیل دریافت بھی نہیں کی بلکہ محض ان کے تدین اور تفقہ پر اعتماد کرکے ان کے قول کو قبول کر لیا ہے۔ اور یہی تقلید ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں بھی تقلید کا رواج موجود تھا، اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کو بخوفِ طوالت ترک کر دیا گیا ہے۔

(۱۲) حضرت عمرؓ کا فرمان ہے: "من اراد القرآن فليأت ابياً و من اراد ان يسأل عن الفرائض فليأت زيداً ومن اراد ان يسأل عن الفقه فليات معاذاً"۔ ترجمہ: جو قرآن سیکھنا چاہے وہ اُبی کے پاس آئے، جو میراث کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن

ثابتؓ کے پاس آئے اور جو فقہی احکام ومسائل دریافت کرنا چاہے وہ معاذؓ کے پاس آئے۔ (الفاروق)۔

دیکھئے! اس ارشاد میں حضرت زیدؓ اور حضرت معاذؓ کی تقلید اور اتباع کے سوا اور کیا کہا جا رہا ہے؟

(۱۳) الاستیعاب لابن عبد البرؒ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان فرمایا: "لَا یُفْتِیَنَّ اَحَدٌ فِی الْمَسْجِدِ وَعَلِیٌّ حَاضِرٌ"۔ ترجمہ: جب علیؓ مسجد میں موجود ہوں تو کوئی دوسرا شخص ہرگز فتویٰ جاری نہ کرے، یہ فرمان بھی تقلید شخصی کی دلیل ہے۔

(۱۴) شیخ عبد الوہاب شعرانی، المیزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۰ میں لکھتے ہیں: "وکان سیدی علی الخواص رحمہُ اللہ تعالیٰ إذا سالهٗ انسانٌ عن التقلید بمذہبٍ مُعَیَّنٍ الآن، أھو واجبٌ ام لا، یقول لهٗ یجب علیک التقلید ما دُمتَ لم تصل إلی شھود عین الشریعة الأولی"۔ ترجمہ: جب کوئی شخص سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے اس زمانہ میں تقلید شخصی کے بارے میں پوچھتا تو آپ فرماتے کہ جب تک آپ شریعت مطہرہ کے سرچشمہ تک شہودی رسائی سے مشرف نہیں ہو جاتے۔ آپ پر تقلید واجب ہے۔

(۱۵) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱، ص ۱۲۳ میں لکھتے ہیں: "ھذہ المذاھب الاربعة المدوَّنة المحرَّرة قد اجتمعت الامة أو من یعتد بھا منھا علی جواز تقلیدھا إلی یومنا ھذا، وفی ذلک من المصالح ما لا یخفی"۔

ترجمہ: فقہ کے چار مکاتبِ فکر، جو کہ تدوین وتحریر کے کٹھن مراحلِ ارتقاء کو نہایت کامرانی کے ساتھ عبور کرکے مقامِ کمال پر فائز المرام ہو چکے ہیں، ان کی تقلید پر امت مسلمہ یا اس کی معتد بہ اکثریت، برابر حتی الآن اکٹھی ہو چکی ہے، اور امت کے اس عظیم اجتماع میں بڑی ہی عیاں اور واضح مصلحتیں موجود ہیں۔

(۱۶) تقلید شخصی کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی امام کو سرچشمۂ شریعت مان لیا جائے یا کتاب وسنت کی طرح، قولِ امام کو بھی مصدر شریعت کا درجہ دیدیا جائے، یہ اہل السنّت والجماعت کا نظریۂ امامت نہیں ہے (خلافاً للروافض)، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ (الف) کسی امام کا قول، اس لئے لائق تقلید ہوتا ہے کہ وہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، جو اصول، شریعت نے عطا کئے ہیں ان سے مستنبط ہے، وہ قول، خدا ورسول کی منشاً کو پورا کر رہا ہے، (ب) کوئی امام صرف اسی صورت میں اجتہاد کرتا

ہے جب مسئلہ زیر بحث منصوص نہیں ہوتا، نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی گنجائش ہے نہ تقلید امام کی۔ اجتہاد کا میدان صرف اور صرف وہ مسائل ہیں جن سے کتاب وسنت خاموش ہوں اور بس، آئمہ مجتہدین کے نزدیک حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا ممنوع اور گناہ ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: "لو کان الدین بالرئ لکان أسفل الخف اولیٰ بالمسح من اعلاہ"۔ ترجمہ: اگر دین کی بنیاد وحی کی بجائے فقط رائے پر ہوتی تو موزہ کا نچلا حصہ، مسح کے زیادہ لائق ہوتا، بجائے اوپر والے حصہ کے، اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی مکمل توضیح کرتے ہوئے فرمایا: "اذا صح الحدیث فھو مذھبی"۔ ترجمہ: جب میری رائے کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہ حدیث ہی میرا مذہب ہے۔ (ج) جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ خود بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں، لیکن اس کا اقرار کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔

معروضی حقیقت تو یہ ہے کہ فقہاء ومجتہدین نے اس ضرورت کا احساس کر لیا کہ غیر منصوص مسائل میں غور وفکر کرکے، اصول شرعیہ کی روشنی میں ان کا حل نکالا جائے، تاکہ نئے دور میں نئے مسائل جنم لینے کی صورت میں وہ اہل اسلام کی پیشگی رہنمائی کا فریضہ انجام دے کر اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو سکیں۔

جبکہ بعض دوسرے علماء نے الفاظِ حدیث کی جمع وتدوین کا فریضہ ادا کیا، کچھ نے نقدِ احادیث کا کام کیا، بعض نے ماثور تفاسیر لکھیں اور بعض دیگر نے رواۃ حدیث کے کوائف جمع کئے۔

الغرض مجتہدینِ امت نے علم فقہ اور اس کے اصول وقواعد وضع فرمائے، غیر منصوص مسائل کو منصوص احکام پر قیاس کرنا سکھایا، عللِ احکام کا کھوج لگانے کی تربیت دی، مسائلِ عصریہ کا حل، کتاب وسنت اور اصولِ شرعیہ کی روشنی میں تلاش کرنے کی اہم ضرورت کو پورا کیا، اور اس طرح اہلِ اسلام کی عظیم الشان خدمت انجام دے گئے۔

(۱۷) برادرم علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے شرح صحیح مسلم، ج ۵، میں لکھا ہے کہ آجکل ہمارے زمانے میں دو قسم کے مقلد ہیں، ایک تو عوام ہیں جو امام کے محض مقلد ہوتے ہیں اور ایک وہ علماء ہیں جو فقہی مسائل اور ان کے دلائل پر بصیرت رکھتے ہیں اور مسائل عصریہ کا حل کتاب وسنت اور اصولِ امام کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں، پہلی قسم کے مقلد صرف تقلید کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم کے حضرات امام کی اتباع کرتے ہیں"۔

دراصل بات یہ ہے کہ اس اتباع کی معقول وجہ ہے وہ یہ کہ ان علماء کی سوچ ان کے امام کی سوچ سے موافقت اور مطابقت کی حامل ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنے امام کے دلائل، کتاب وسنت کے موافق محسوس ہوتے ہیں، ان کا ذہن فطری طور پر ایسا واقع ہوتا ہے کہ انہیں اپنے امام کے اصول، طرق اور اخذ کردہ نتائج بالکل مناسب اور درست نظر آتے ہیں، اسی ذہنی، فکری، علمی، ذوقی اور وجدانی مشابہت کی وجہ سے انہیں اپنے امام کی اتباع میں مسرت اور طمانیت محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح کہ غیر مقلدین کو ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی کی اتباع میں، ذہنی مقاربت کی وجہ سے خوشی اور فخر محسوس ہوتا ہے۔

اگر آج کے دور میں نئے پیش آمدہ مسائل کے جوابات کا کھوج لگانے کی ضرورت کا احساس پیدا ہو جائے تو انفرادی طور پر جدوجہد کرنے کی بجائے، اجتماعی سطح پر اس فریضہ سے عہدہ برا ہونے کا حنفی طریقہ دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس طرح اتباع امام کا بارے دیگر ثبوت فراہم کیا جائے۔

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تشریحِ قانونِ شرعی اور اس کی تدوین وتحریر کیلئے جید علماء کرام کا ایک نمائندہ بورڈ تشکیل دیا تھا، جس میں ہر شعبہ وفن کے ماہرین موجود تھے، ان کی تعداد عام طور پر چالیس کے قریب ہوتی تھی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زیر صدارت روزانہ بورڈ کے ان اراکین علماء کرام کا بھرپور اجلاس منعقد ہوتا اور صبح سے شام تک جاری رہتا، مختلف موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے مسائل پر کھلے دل ودماغ سے غور وفکر اور بحث ومباحثہ ہوتا، اور اس طرح تراسی ہزار مسائل کا حل قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس کی روشنی میں پیش کیا گیا، اسلامی قانون کا یہ عظیم مجموعہ ۱۵۰ھ (وفات امام اعظمؒ) سے پہلے ہی مرتب ہو چکا تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ انمول علمی کارنامہ ہے اور امت مسلمہ پر ناقابل فراموش احسان ہے۔

اجتماعی اجتہاد کا حنفی طریقہ مجتہد اعظم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: "کان من سیرۃ عمرؓ انہٗ کان یشاور الصحابۃ ویناظرھم حتی تنکشف الغُمَّۃُ ویأتیہ الثُّلُجُ فصار غالبُ قضایاہ وفتاواہ مُتَّبَعَۃً فی مشارق الأرض ومغاربھا"۔ ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

طریقۂ اجتہاد یہ تھا کہ صحابۂ کرام سے خوب مشاورت اور مناظرت کرتے تھے یہاں تک کہ ابہام ختم ہو جاتا اور روشن یقین عیاں ہو جاتا، چنانچہ آپ کے اکثر فیصلے اور فتاویٰ، چہار دانگ عالم میں قابلِ اتباع قرار پائے۔ اسی فاروقی طریقہ کو امام ابوحنیفہؒ نے مشعلِ راہ بنایا۔

(۱۸) علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ تعالیٰ "مقدمہ تاریخ" میں لکھتے ہیں کہ اس اندیشہ کے پیش نظر کہ اجتہاد کے میدان میں نا اہل لوگ نہ کود پڑیں، علماء نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا۔ ابن خلدون مزید لکھتے ہیں کہ ایک امام کی تقلید اس لئے اپنائی گئی تا کہ کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی تقلید کرنے سے دین کھلونا نہ بن جائے۔

نااہل مجتہد کی مثال یہ ہے کہ شیخ مراغی سابق شیخ الأزہر کا یہ عجیب وغریب اجتہاد منظر عام پر آیا ہے کہ مجتہد کیلئے عربی زبان سے آشنا ہونا ضروری نہیں ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، حالانکہ شریعتِ اسلامیہ کا سارا اثاثہ عربی زبان میں ہے، جو شخص عربی زبان سے نابلد ہے وہ قرآن، حدیث اور کتب فقہ کی روشنی میں مسائل کا استخراج کیسے کرے گا؟ وہ عللِ احکام کا کھوج کیسے لگائے گا؟ وہ علم الصرف، علم النحو، علم المعانی والبدیع، محاوراتِ عرب، فحوائے کلام اور انداز گفتگو کے اصول وقواعد سے ناواقف ہوتے ہوئے، منشأ الٰہی تک کیسے رسائی حاصل کرے گا؟

بعض دینی کتب کے اردو یا انگریزی تراجم پڑھ لینے سے کسی شخص میں مجتہد بننے کی استعداد کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ کسی شعبۂ وفن میں لب کشائی تو اس شعبۂ وفن میں اختصاص (Specialization) کی متقاضی ہوتی ہے اور شاید آجکل کے زمانے میں اختصاص کا مفہوم سمجھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(۱۹) غیر مقلدین کے نزدیک شیخ ابن تیمیہ کو بہت اہمیت حاصل ہے، یہ لوگ ان کی بات کو بڑا وزن دیتے ہیں، انہوں نے اپنی مشہور کتاب مجموعۃ الفتاویٰ میں اجتہاد اور تقلید دونوں کو جائز قرار دیکر مقلدین کو تہمتِ شرک فی الرسالت اور الزامِ مخالفتِ حدیث سے بری کر دیا ہے، لکھتے ہیں: "والذی علیہ جماھیر الائمۃ أنّ الاجتھاد جائزٌ فی الجملۃ والتقلید جائزٌ فی الجملۃ، لا یوجبون الاجتھاد علی کل احدٍ ویحرمون التقلید، ولا یوجبون التقلید علی کل احدٍ ویحرمون الاجتھاد، وان الاجتھاد جائز للقادر علی الاجتھاد، والتقلید جائز للعاجز عن الاجتھاد، فاما القادر علی الاجتھاد فھل یجوز لہٗ التقلید؟ ھذا فیہ خلافٌ، والصحیح انہٗ یجوز حیث عجز عن الاجتھاد"۔

ترجمہ: جمہور آئمہ کے نزدیک اجتہاد جائز چیز ہے اور تقلید بھی جائز چیز ہے، وہ نہ تو ہر شخص پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام کرتے ہیں اور نہ ہی ہر شخص پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام کرتے ہیں، جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے اس کیلئے اجتہاد جائز ہے اور جو اجتہاد سے عاجز ہے اس کیلئے تقلید جائز ہے۔

البتہ یہ مسئلہ کہ جو شخص اجتہاد پر قادر ہے اس کیلئے تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اسمیں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ جس مقام پر وہ اجتہاد سے عاجز ہو وہاں اس کیلئے بھی تقلید جائز ہے۔ (اجتہاد کے دعویدار، آئندہ اوراق میں بیان شدہ شرائطِ اجتہاد پر ایک نظر ڈالیں اور ذرا اپنے گریبان میں منہ جھانک کر دیکھ لیں)۔

(۲۰) کفار ومشرکینِ مکہ، بُت پرستی میں، اپنے آباء واجداد کی تقلید غیر مشروع کرتے تھے، قرآن مجید میں اس کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوا ﴿أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ کیا مشرکین اُس وقت بھی اپنے آباء واجداد کی تقلید کریں گے جبکہ ان کے آباء نہ دین کو سمجھتے ہوں اور نہ حق کی راہ پاتے ہوں؟ اس آیت کو احناف، شوافع، موالک اور حنابلہ پر چسپاں کرنا، تقلیدِ مشروع کو، تقلیدِ غیر مشروع پر قیاس کرنا ہے جو کہ قیاس مع الفارق ہے اور ممنوع ہے، اس کا مرتکب مستوجبِ سزاء ہے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین میں اس طرزِ استدلال کی پرزور مذمت اور تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''اس میں دو رائے نہیں کہ خدائے قدوس نے صرف اس شخص کی مذمت کی ہے جس نے اپنے گمراہ آباء واجداد کی تقلید کرتے ہوئے اللہ کے دین سے روگردانی کی، البتہ جس شخص کو احکامِ شرعیہ میں اپنی سی جستجو بھی صائب نتیجہ اخذ کرنے میں کامیابی سے ہمکنار نہ کر سکے اور وہ اعلم مجتہد کی تقلید کر لے تو اس نے اچھا کیا، برا نہیں کیا، اسے اجر ملے گا نہ کہ گناہ۔

(۲۱) غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب اپنی کتاب خیر التنقید میں لکھتے ہیں ''پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے باوجود مجتہد ہونے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں تو وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر، ارتداد اور فسق کے اسباب، دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کیلئے بے علمی کے ہوتے ہوئے ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے''۔

جناب بٹالوی صاحب نے چونکہ اپنے ہم عصر مرزا غلام احمد قادیانی کو مصلح سے مجتہد، پھر ظلی وبروزی نبی اور بعدازاں نبی علی الاطلاق بنتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لئے وہ اس پرُخطر اور ہلاکت خیز راہ سے خوب واقف تھے، چنانچہ امت محمدیہ کو نصیحت کر گئے کہ اگر ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو تقلیدِ صلحاء سے اِعراض مت کرو کیونکہ اسلاف کی تقلید ہی میں عافیت ہے۔

(۲۲) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیش آمدہ اور آئندہ پیش آنے والے مسائلِ حقیقیہ اور مفروضیہ کے جوابات بڑی عرق ریزی اور دماغ سوزی سے تحریر کرا کے امت مرحومہ کے حوالے فرما دیئے، ان تحریری ذخائر وخزائنِ فقہ نے آپکی مقبولیت میں اضافہ کیا اور اس طرح یہ مدوّنات اور محرّرات آپ کی شہرت، عظمت، اتباع اور تقلید کا وسیلہ ثابت ہوئے، کچھ لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ بعض غیر حنفی مجتہدین کی روشِ ''لاادری'' زیادہ محتاط اور خالی از خطا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ خطاء اجتہادی کی صورت میں بھی صاحبِ اجتہاد کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اجر کا مستحق قرار دیا ہے، علیٰ ہذا القیاس اگر مقلد بھی لاعلمی کی وجہ سے خطاء مجتہد کی تقلید کر رہا ہو تو وہ بھی ماجور ہی ہوگا، شیخ ابن تیمیہ مجموعۃ الفتاویٰ میں لکھتے ہیں، ''واجتهاد العلماء في الاحكام كا جتهاد المستدلّين علىٰ جهة الكعبة فاذا صلّى اربعة انفس، كل واحدٍ منهم بطائفةٍ الىٰ اربع جهاتٍ، لِاعتقادِهِمْ اَنَّ القبلةَ هناك، فانَّ صلوٰة الأربعة صحيحة، والذى صلّى إلىٰ جهة الكعبة واحد وهو المصيب الذى لهُ اجران۔ ترجمہ: احکام شرعیہ میں علماء کا اجتہاد، جہتِ کعبہ کے بارے میں اجتہاد کرنے والوں کی طرح ہے، اگر چار مختلف افراد نے چار مختلف جہتوں کیطرف اپنی اپنی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، اس اعتقاد کے ساتھ کہ قبلہ ادھر ہی ہے تو سب کی نماز درست قرار دی جائے گی، حالانکہ جہت کعبہ کی طرف تو صرف ایک ہی گروہ نے نماز ادا کی ہے، مصیب صرف وہی ہے لہٰذا اس کیلئے دو اجر ہیں۔

''شرائط اجتہاد''

چند ''شرائطِ اجتہاد'' بطور نمونہ ذکر کیئے جا رہے ہیں، تاکہ اردو/انگریزی خواں طبقہ اپنے گریبان میں منہ جھانک کر دیکھ سکے۔ غیر مقلد حضرات سے گذارش ہے کہ وہ بھی ان شرائط پر ذرا غور کریں۔

(۱) مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان وادب میں ملکۂ تامہ رکھتا ہو، اسے علم الصرف، علم النحو اور علم المعانی والبدیع پر مکمل عبور حاصل ہو، الفاظ وتراکیب وضعیہ اور استعاریہ، نیز نص، ظاہر، عام، خاص، مطلق، مقید، مجمل، مفصل، فوائے خطاب، محاوراتِ زبان اور مفہومِ کلام میں تمیز کرنے کا اہل ہو، زبان سے متعلق جملہ علوم اور قواعد کا ماہر ہو، عربی سمجھنے، بولنے اور لکھنے پر کامل قدرت رکھتا ہو، فصحائے عرب اس کی تحسین کریں، الغرض فصاحت وبلاغت میں امام کے درجہ پر فائز ہو۔

(۲) کتاب اللہ کے فہم میں امتیازی شان کا مالک ہو، فکرِ قرآنی میں استغراق رکھتا ہو، تفسیر، تبیین، تذکیر اور تعمیلِ قرآن اس کا منصب ہو، احکامِ قرآنیہ اس کے دل ودماغ میں راسخ ہو چکے ہوں، مطالب ومفاہیم قرآن اسے ازبر ہوں، اس کے جملہ معاملات، قرآن کا نمونہ پیش کرتے ہوں، علومِ قرآن میں اسے اعلم الناس کا درجہ حاصل ہو۔

(۳) علم الحدیث میں اس قدر کمال حاصل ہو کہ جملہ احادیثِ احکام اس کے نوک زباں ہوں، وہ مجسم ذخیرۂ حدیث ہو، منشأ نبوی کی پہچان میں یدطولیٰ رکھتا ہو، ناسخ اور منسوخ کے علم میں فائق الاقران ہو، فرمان کے ماقبل اور ما بعد کی پرکھ رکھتا ہو، اسانید، متون، درجاتِ حدیث اور راویوں کے احوال سے خوب آگاہ ہو، علمِ اصولِ حدیث میں یکتائے روزگار ہو، علم الجرح والتعدیل کا احاطہ کرنے والا ہو، علمِ اسماء الرجال میں بے مثل ہو، صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجیم اور اجزاء وغیرہا پر نظر تام رکھتا ہو، مواقعِ تعارض، اسباب ترجیح، مناہج توفیق، مدارجِ تخصیص اور مسالکِ تاویل میں بصیرت کاملہ رکھتا ہو، شیخ الکل فی الحدیث ہو۔

مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ وہ احکام یعنی اوامر ونواہی کے معاملہ میں ضعیف حدیث کو قبول نہ کرے، کیونکہ جن علماء کرام نے بعض مقامات پر ضعیف احادیث کو بیان کیا ہے تو وہاں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ ضعیف حدیث صرف مناقب وفضائل یعنی ترغیب وترہیب میں ہی بیان ہوسکتی ہے اور بس، ان کے ہاں اس کی توجیہہ یہ ہے کہ چونکہ وہ مسئلہ پہلے ہی دلائل شرعیہ سے ثابت شدہ ہوتا ہے اس لئے اگر اس کی مزید ترغیب وترہیب کے پیش نظر کوئی ضعیف حدیث بیان کی جائے تو مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ حدیثِ ضعیف کے بہت سارے درجے ہوتے ہیں، سب کا حکم یکساں نہیں ہوتا۔

(۴) علم الفقہ اور علمِ اصول الفقہ میں بحر زخار ہو، قیاس، استحسان، استقراء، تمثیل،

مصالح مرسلہ، استصحاب حال، سد الذرائع اور فتح الذرائع کے جملہ اصول وقوانین پر حاوی ہو، کل مسائل اجماعیہ اور قیاسیہ پر اطلاع تام اور خبر عام رکھتا ہو، قیاسات کے مواقع اور طرز استنباط کی کیفیات اور ان میں غور وفکر کرنے کے مواقع کی شناسائی اور ہدایت حاصل ہو، اس کا علم خیر القرون کے اجماعی اور قیاسی مسائل سے لے کر موجودہ زمانہ کے اجماعی اور قیاسی مسائل تک پھیلا ہوا ہو،

اس کا علم فقہِ حنفی تک محدود نہ ہو بلکہ دیگر مجتہدین کے استخراجی مسائل تک وسعت رکھتا ہو، علوم عصریہ سے کما حقہا شناسا ہو، عصر حاضر کے مزاج سے واقف ہو، عمرانی مسائل کا بخوبی ادراک رکھتا ہو، تمدنیات اور سماجیات کا نباض ہو۔

(۵) تقویٰ، نور باطن اور ذکاءِ نفس سے آراستہ ہو، اغیار کی نقالی کو دین سے غداری سمجھتا ہو، جلبِ زر یا طلبِ جاہ سے پاک ہو، سراپا اخلاص ہو، امت مسلمہ کو ظلمات سے نکال کر، انوار وبرکات کی طرف گامزن کرنے کا متمنی ہو، دنیاوی زندگی کو عبورِ سبیل اور اخروی زندگی کو منزلِ مقصود مانتا ہو، اعلاء کلمۃ الحق کی راہ میں تختۂ دار سے بھی ہراساں نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کی شان کا حامل ہو اور ھُم قومٌ لا یشقیٰ جلیسھم کا مصداق اصدق ہو۔

مذکورہ بالا شرائطِ اجتہاد کیلئے مندرجہ ذیل مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۱) شرح عقودِ رسم المفتی (مقدمہ فتاویٰ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ)۔

(۲) کتاب الملل والنحل، از شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) الفضل الموہبی، از اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کتب کے علاوہ نور الانوار، مسلم الثبوت، فواتح الرحموت اور التوضیح والتلویح کا مطالعہ بھی بہت سود مند ثابت ہوگا۔

"درجات مجتہدین"

ذیل میں ہم درجات مجتہدین کا تفصیل سے ذکر کریں گے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ آئمہ اربعہ کے بعد بھی حسبِ ضرورت کسی نہ کسی درجے میں اجتہادی عمل جاری رہا، ہاں جب اہلیت اجتہاد کمزور پڑ گئی اور نااہل لوگ مدعیِ اجتہاد بن بیٹھے تو علماء نے بجا طور پر

اجتہاد کا دروازہ چوپٹ کھلا رکھنے سے انکار کردیا، اب جبکہ ضعفِ علم کے ساتھ ساتھ ضعفِ تقویٰ بھی نمودار ہونے لگا ہے تو تقاضائے احتیاط یہ ہے کہ انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اجتہاد کا حنفی طریقہ بلکہ فاروقی طریقہ اختیار کر کے حلِ مسائل کی سعی کی جائے۔

اس امر سے مجال انکار نہیں کہ آجکل کے دور میں اس بات کا کافی خطرہ موجود ہے کہ نام نہاد اسکالرز، اجتہاد کی آڑ میں افتراء علی اللہ اور افتراء علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب نہ کرنے لگیں۔ اسی طرح غیر مقلد حضرات کو چاہیے کہ وہ بھی ہر مولانا کو مجتہد کا درجہ نہ دیں۔

درجاتِ مجتہدین حسب ذیل ہیں:

(۱) **مجتہد مطلق**: یہ فقہاء اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت اور قیاسِ شرعی سے اصول وقواعد کے استخراج اور پھر ان سے فروعی احکام کے استنباط کی شخصی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ مذکورۃ الصدر ادلۂ اربعہ شرعیہ سے اخذِ مسائل میں کسی دوسرے عالم کی طرف رجوع کرنے اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے بالعموم محتاج نہ ہوں، یہ مجتہدین کرام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر دور آئمہ اربعہ تک سجادۂ اجتہاد پر جلوہ گر نظر آتے ہیں، اس دور کے بعد اس درجے کا حامل کوئی مجتہد منظر عام پر نہیں آیا۔

(۲) **مجتہد فی المذہب**: یہ وہ فقہاء ہوتے ہیں جو اصول میں کسی مجتہد مطلق کے مقلد ہوتے ہیں مگر فروع میں خود مجتہد ہوتے ہیں اور ادلۂ اربعہ شرعیہ سے احکام ومسائل کا اصولِ امام کی روشنی میں استخراج کرتے ہیں، مثلاً امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام حسن رحمۃ اللہ علیہ، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) **مجتہد فی المسائل**: یہ وہ فقہاء ہوتے ہیں جو اصول اور فروع دونوں میں کسی مجتہد مطلق کے مقلد ہوتے ہیں، یہ صرف ان مسائل کا استخراج کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کے آئمہ سے کوئی روایت نہیں ملتی، یہ حضرات، استخراجِ احکام ومسائل میں اپنے آئمہ کے اصول وفروغ کو پیش نظر رکھتے ہیں، مثلاً امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوبکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ،امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ، شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ علیہ، شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، امام فخر الدین بزدوی رحمۃ اللہ علیہ، امام فخر الدین قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) **اصحابِ تخریج**: یہ فقہاء اپنے آئمہ کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں، یہ مجمل کی تشریح اور محتمل کی تعیین، آئمہ کی قائم کردہ مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں، یہ حضرات، اظہارِ مأخذ، تبیینِ دلیل اور توضیح حوالہ بھی کرتے ہیں، مثلاً الجصاص رحمۃ اللہ علیہ، الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ المرغینانی (صاحب ہدایہ) رحمۃ اللہ علیہ، العینی رحمۃ اللہ علیہ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ، الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) **اصحابِ ترجیح**: یہ فقہاء، آئمہ کے کسی قول کو ترجیح دیتے ہوئے کہہ سکتے ہیں، ہذا اولی، ہذا اصح روایۃً، ہذا اوضح، ہذا اوفق للقیاس، ہذا ارفق للناس، مثلاً صاحبِ ہدایہ، صاحبِ قدوری اور دیگر فقہاء۔

(۶) **اصحابِ تمیز**: یہ فقہاء، ظاہر الروایۃ اور روایتِ نادرہ میں فرق کر سکتے ہیں، نیز قول اقویٰ، قول قوی اور ضعیف میں امتیاز کر سکتے ہیں مثلاً اصحاب متون جیسے صاحب درمختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع، صاحب کنز وغیرہ۔

(۷) **اصحابِ فتویٰ**: وہ فقہاء جونقل اقوال کے مجاز قرار دئے گئے ہوں، اور اجراء فتاوی کیلئے اساتذہ سے باقاعدہ سند یافتہ ہوں، مثلاً حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مفتی اعظم استاذ العلماء علامہ الحافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفتیانِ کرام۔

کسی شخص نے مقدمہ مرزائیہ بہاولپور کے ایام میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ کے ساتھ مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے امتیازی تعظیمی رویے کے بارے میں ان سے استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں دوسرے لوگوں کی نسبت اس بات کو زیادہ جانتا ہوں کہ علمِ حدیث کا کتنا وسیع سمندر حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ میں موجزن ہے۔

”غیر شرعی ایکٹ کی مخالفت“

ایک مرتبہ جب حکومت بہاولپور نے آل انڈیا اسمبلی کے منظور کردہ طلاق ایکٹ (تنسیخ نکاح مسلماناں ایکٹ) کو حدود ریاست میں نافذ کرنا چاہا تو اس کی خلافِ شرع دفعات کی مخالفت کرتے ہوئے اخبارات میں بہت احتجاج کیا گیا، چنانچہ ریاست ہذا کے وزیر اعلیٰ نے حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے بحثیت شیخ

الجامعہ اس کے بارے میں سفارشات مانگیں، حضرت الشیخ نے اس ایکٹ میں ترامیم کرکے اسے شریعت کے سانچے میں ڈھالا مگر آپ کی سفارشات کو صرف جزدی طور پر قابل غور قرار دیا گیا، چنانچہ خواص وعوام اس ایکٹ کے غیر شرعی دفعات کے خلاف اپنی بے اطمینانی اور اضطراب کا برابر اظہار کرتے رہے، ستم اینکہ ہائی کورٹ پنجاب لاہور نے بھی اس ایکٹ کی جو تشریح کی وہ شریعت کے سراسر خلاف تھی۔ چنانچہ مسلمانان ریاست بہاولپور نے نئے وزیر اعلیٰ تک رسائی حاصل کرکے انہیں بحیثیت سربراہ عدالت معلّی ایک درخواست دی اور ایکٹ مذکور میں ضروری ترمیم کرنے کا مقدمہ پیش کیا۔ (حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس میں پیش پیش تھے)۔

اس پر کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے، بایماء نواب آف بہاولپور، حکومت کی ہدایت پر وزارت تعلیم نے شعبہ امور شرعیہ کی طرف سے ایک تحریک اٹھائی اور حضرت شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کی خدمت میں لکھا کہ آپ دوبارہ اپنی تفصیلی سفارشات مرتب کرکے ارسال فرمائیں تاکہ واضح ہو کہ شریعت محمدیہؐ کی ہدایات اس بارے میں کیا ہیں؟ حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ محمد عبدالحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا خلاصہ اپنے مسودات میں درج فرمایا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے، وھو ھذا:۔

”گذارش ہے کہ ایکٹ مذکور کی دفعہ نمبر۲ ضمن نمبر۲ کے اندر شرعی نگاہ سے نقص موجود ہے اور ہائی کورٹ پنجاب نے جو اس قانون کی تشریح کی ہے اس نے شرعی مخالفت قانون ہذا کو بہت زیادہ کر دیا ہے۔ شرع شریف میں حکم ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو روٹی، کپڑا اور مکان دے اور یہ ہر سہ امور مرد پر فرض ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرآن شریف میں ارشاد ہے: ﴿وَعلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾. نیز ارشاد ہے: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ﴾. نیز ارشاد ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾. حدیث شریف میں ہے: لھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف. ان آیات وحدیث کا مطلب یہ ہے کہ مرد پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو روٹی، کپڑا اور مکان دے بلکہ فقہ حنفی میں تو یہاں تک ہے کہ اگر بیوی کسی معزز گھرانے کی ہے اور اپنے ماں باپ کے گھر غلام اور لونڈیاں اس کی خدمت میں رہتی تھیں تو مرد اس کے لئے ایک یا دو نوکرانیاں رکھ دے اور ان کی تنخواہ خاوند عطا کرے بلکہ گھر کا کام اگر بیوی نہ کرے تو خاوند شرعاً اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔

الغرض عورت کے حقوق کی نگہداشت کے بارے میں اگر تمام لٹریچر جمع کیا جائے تو دنیا حیران ہو جائے۔ قرآن شریف میں ایک پوری سورۃ عورتوں کے متعلق ہے اور اس کا نام ہی ”سورۃ النساء“ ہے (عورتوں کی سورت) دینا کی تمام آسمانی کتابوں میں سے صرف ایک قرآن ہی ہے جس کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ کچھ مدت سے مسلمانوں نے اسلامی تعلیم سے منہ موڑ لیا ہے، لہٰذا ان کے اندر ہر شعبۂ زندگی میں ہزاروں خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ عورتوں کے بارے میں بھی ان کی جہالت اور ناواقفی اپنا رنگ ظاہر کئے بغیر نہیں رہی۔

بے استطاعت مسلمان بھی بعض اوقات تعدد ازدواج کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور پہلی بیوی کو بیوی تصور نہیں کرتے یہ ان کے احکام قرآن شریف سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ بعض مسلمان کہیں ناجائز تعلق پیدا کرکے اپنی منکوحہ کو انسان بھی نہیں سمجھتے حتیٰ کہ وہ نان ونفقہ کو محتاج ہو جاتی ہیں یا مبتلائے معصیت ہو جاتی ہیں۔ بعض مسلمان نہ ہی اپنی منکوحہ کو طلاق دیتے ہیں اور نہ ہی خرچ دیتے ہیں اور نہ ہی اس سے تعلقاتِ زن وشوہر قائم رکھتے ہیں پس وہ عورتیں ان کے پنجۂ استبداد سے نکلنے کیلئے ارتداد اختیار کر لیتی ہیں۔

پہلے تو ان مفاسد کی شروعات ہوئیں مگر جوں جوں مسلمان، مذہب سے ناواقف ہوتے گئے اور تعلیم اسلام سے منہ موڑتے گئے عورتوں پر ظلم زیادہ ہوتے گئے تا آنکہ اسلامی گھر دوزخ کا نمونہ بن گئے۔ عیسائی مشنریوں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے فتنۂ ارتداد نے یہ صورت اختیار کر لی کہ بعض اضلاع میں مرتدات کی مستقل بستیاں آباد ہوگئیں اور مسلمانوں میں ایک عام ہیجان پیدا ہوگیا اور تمام مسلمان مفکرین ان مفاسد کی روک تھام کی تجویزیں سوچنے لگے، وقت نازک تھا حالات قطعاً ناموافق تھے، فرصت سوچنے کی بھی مفقود تھی ایسے وقت میں ایک مسلمان مفکر نے سنٹرل اسمبلی میں یہ بل پیش کر دیا اور فوراً پاس ہوگیا۔ اس ایکٹ نے کسی حد تک فتنۂ ارتداد کو تو روک دیا ہے اور مردوں کے پنجۂ استبداد سے عورتوں کو نکالنے کا سامان کر دیا ہے مگر چونکہ اس قانون کو پیش کرنے والے آنریبل ممبر اگرچہ بہت بڑے قانون دان تھے اور ان کی نیت بھی نیک تھی مگر اسلامی شرعی قانون سے کما حقہ واقف نہ تھے اس واسطے نادانستہ طور پر بعض غیر شرعی امور بھی انہوں نے اس ایکٹ میں درج کر دیئے۔ مثلاً اسی دفعہ نمبر۲، ضمن نمبر۲ کو ہی لے لیجئے اس میں بھی بہت سے غیر شرعی پہلو موجود ہیں، جن کو عنقریب بیان کروں گا، پس اس ایکٹ کی

اب یہ حالت ہے کہ اگر بعض مفاسد کو روکتا ہے تو بعض مفاسد پیدا بھی کرتا ہے اور جب ہائی کورٹ پنجاب کی تشریح کو بھی دیکھا جائے تو یہ ایکٹ قرآن شریف کی منشا کے صریح خلاف ہو جاتا ہے یعنی منافع کم اور مفاسد زیادہ ہیں۔ قرآن شریف کی صریح مخالفت کی موجودگی میں کسی نفع کی کیا امید ہو سکتی ہے؟

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اسلئے بھی کہ انہوں نے اپنے مالوں سے کچھ خرچ کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں مگر آخری ذمہ داری مردوں کی ہے اور گھر کی سلطنت کا حاکمِ اعلیٰ مرد ہے۔ اس واسطے کہ مردوں کے قوائے جسمانی قوی ہوتے ہیں۔ روزی کمانے، ملک اور قوم کا انتظام اور حفاظت مرد ہی کرتے ہیں اور عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ مرد عورت کا کنٹرولر ہے، اس کی عزت وحرمت، آرام وآسائش کا ذمہ دار ہے۔ پس لازم ہے کہ جب عورت پر مال خرچ کرے تو عورت اس کی اطاعت کرے۔ مگر ہائی کورٹ پنجاب کی تشریح کے یہ لفظ (بلکہ زوجہ اش خود اس کوتاہی یا غفلت کی موجب ہو تو بھی نکاح فسخ ہونا چاہیے) صاف ظاہر کرتے ہیں کہ عورت اپنی خود سری سے خاوند کے ساتھ آباد نہ ہونا چاہے، کتنی ہی نافرمان ہو پھر بھی اس کا نان ونفقہ مرد پر لازم ہوگا، اگر نہ دے تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ یہ قرآن شریف کی صریح مخالفت ہے۔ اسی طرح ایکٹ کے یہ الفاظ (خواہ اسکی غفلت یا کوتاہی اس کے قید ہو جانے یا اس کے بیمار ہو جانے آہ) شرع کے خلاف ہیں۔

بیماری کی حالت میں مرد کو اپنی بیوی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے مگر یہ تشریح عین اس وقت عورت کو فسخِ نکاح کا حق دیتی ہے۔ (بلکہ فسخ کرانے کی دعوت دیتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ سورۂ روم میں فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾۔ (الآیۃ)۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نہایت شاندار طریقہ سے بیویوں کے پیدا کرنے کی حکمت ومصلحت بیان فرماتے ہیں یعنی بیوی کی غرض وغایت یہ ہے کہ مرد کو اس عورت سے سکون اور اطمینان حاصل ہو اور اطمینان پیدا کرنے کیلئے یہ چیز ودیعت کی گئی ہے کہ تمہارے درمیان آپس میں محبت اور ایک دوسرے پر رحمت کرنے کا جذبہ پیدا کیا گیا ہے۔ پس معلوم

ہوا کہ منشاء ربانی یہ ہے کہ مرد کو بیوی پر اطمینان اور اعتماد ہو مگر ایکٹ ہذا کی یہ دفعہ اور اس کا یہ ضمن اور اس کی تشریحِ مذکور، مرد اور عورت کے درمیان بے اطمینانی اور بے اعتمادی کی فضاء پیدا کرتی ہیں۔ معمولی سی شکر رنجی ہوئی تو بیوی نے خرچ لینے سے انکار کر دیا اور دعویٰ تنسیخ نکاح کر دیا۔ عورت کا احساس نازک ہے وہ جلدی خفا ہو سکتی ہے، ان میں انجام بینی کا مادہ بھی بہت زیادہ نہیں ہوتا، اسی واسطے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کو حق طلاق نہیں دیا۔ قرآن پاک میں ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح (۲۳۷:البقرہ) ترجمہ: وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے انّ الذی بیدہ عقدۃ النکاح حقیقۃً الزوج فان بیدہ عقدھا وابرامھا ونقضھا وانھدامھا۔ مگر ایکٹ ہذا بالخصوص دفعہ ہذا ضمن ہذا نے خرچ نہ دینے پر چاہے کوئی مجبوری یا عارضی وجہ ہی ہو فسخ نکاح کا حق بھی عورت کو دیدیا ہے۔ ہاں خلع کا حق عورت کیلئے ضرور ہے مگر اس کا معقول طریقۂ کار ہے۔ الغرض عورتوں پر ظلم اور تعدی کو روکنا ضروری ہے مگر خود عورتوں کو ظالم اور متعدی بنانا جائز نہیں، لہٰذا گذارش ہے کہ اس ایکٹ کی تمام دفعات کو شرع شریف کے موافق کر دیا جائے۔ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ مرد پر عورتِ منکوحہ کا روٹی، کپڑا اور مکان فرض ہے مگر بعض منکوحہ عورتیں ایسی بھی ہیں جن کا نفقہ مذکورہ مرد پر فرض نہیں رہتا بلکہ ساقط ہو جاتا ہے ان کی فہرست ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) وہ بالغ عورت جس کا نکاح ہو چکا ہو مگر عورت خود یا اس کا ولی رخصتی کر دینے سے انکاری ہو۔

(۲) وہ عورت جو ناشزہ ہو یعنی بغیر حقِ شرعی خاوند کے گھر سے نکل گئی ہو، اور اگر کسی شرعی حق کے باعث نکل جائے تو نفقہ واجب ہے مثلاً مہر معجّل خاوند نہیں دیتا اس واسطے ماں باپ کے گھر چلی گئی ہے یا مرد کی اجازت سے اپنے رشتہ داروں کے گھر گئی ہے تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

(۳) عورت منکوحہ بہت چھوٹی ہو موانست کے قابل نہ ہو۔

(۴) عورت منکوحہ کسی جرم کی پاداش میں قید ہوگئی ہو لیکن اگر مرد نے خود اپنے قرض کی وجہ سے قید کرائی ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور اس طرح اگر مرد جیل میں عورت سے ملاقات کر سکتا ہو تو بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ اس جگہ یہ امر ملحوظ رہے کہ اسلام میں قیدیوں کو سرکاری خرچ اس وقت ملتا ہے جبکہ انہیں اپنا خرچ نہ مل سکے۔

(۵) وہ منکوحہ عورت جو کسی غیر مرد کے ساتھ فرار ہو گئی ہو۔

(۶) وہ منکوحہ عورت جو اپنے ذاتی مکان میں سکونت رکھتی ہو یا والدین کے گھر سکونت رکھتی ہو اور مرد کو اندر آنے سے روک دے۔

(۷) وہ منکوحہ عورت جس کو مرد اپنے گھر لے جانا چاہتا ہو مگر عورت خاوند کے گھر جانے سے انکاری ہو۔

(۸) وہ عورت منکوحہ جو مرتد ہو گئی ہو، اس واسطے کہ اس ملک میں بوجہ ارتداد، نکاح باطل نہیں ہوتا اور اس ایکٹ میں بھی یہ درج ہے۔

(۹) وہ عورت منکوحہ جو خاوند کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے مرد محرم کے ساتھ حج بیت اللہ کو چلی گئی ہو۔ اگر خاوند بھی ساتھ ہی حج کو گیا ہو تو نفقہ دینا ہوگا۔ واضح ہو کہ عورت کا اکیلے یا کسی نا محرم کے ساتھ حج کو جانا ممنوع ہے۔

(۱۰) وہ عورت جس کو نکاح کرنے سے پہلے معلوم ہو کہ جس مرد کے ساتھ اس کا نکاح ہو رہا ہے وہ مفلس ہے اور مزدوری بھی نہیں کر سکتا اس علم کے ہوتے ہوئے خوشی سے نکاح کیا ہو تو پورا نفقہ واجب نہیں، جتنا میسر ہوا وہی ملے گا۔ ان تمام صورتوں میں اگر عورت دعویٰ کرے کہ خاوند مجھے نفقہ نہیں دیتا تو فسخ نکاح خلاف شرع شریف ہے پس ایکٹ ہذا کے دفعہ نمبر۲ ضمن نمبر۲ میں ایسی تبدیلی عبارت میں فرمائی جائے کہ یہ تمام مستثنیٰ ہو جاویں۔

(۱۱) وہ عورت منکوحہ جس کا خاوند دولت مند ہو مگر بوجہ بخل اور کنجوسی اپنی بیوی کو جو اس کی مطیع ہے خرچ نہیں دیتا تو اس صورت میں عورت کو یہ حق شرع شریف نے دیا ہے کہ وہ خاوند کے مال سے اپنا نفقہ برابر نہ زائد نہ کم نکال لے۔ اس کو چوری نہیں کہا جا سکتا بلکہ استیفاء حق ہے اور اگر بیوی عدالت میں دعوی دائر کرے کہ مرد نفقہ نہیں دیتا تو فوری طور پر فسخ نکاح جائز نہیں بلکہ حاکم مرد کو حکم دے کہ اتنا نفقہ عورت کو ہر ماہ دیا جائے اور کوئی معتبر آدمی مرد سے ضامن لے ورنہ اس کو قید کی دھمکی دے۔

(۱۲) وہ منکوحہ عورت جس کا خاوند متعنت ہے یعنی نفقہ دینے کی قدرت رکھتا ہے مگر عمداً نفقہ نہیں دیتا اور بیوی کو تکلیف دینا چاہتا ہے۔ اس کے وجوہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ مرض آجکل مسلمان قوم میں بالعموم پائی جاتی ہے اور یہ عورتوں پر بڑا ظلم ہے کہ نہ طلاق ہے نہ نفقہ اور نہ زن وشوہر کے تعلقات ہیں اور یہی وہ مصیبت عظمٰی ہے جس کے باعث عورتیں فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں قانونِ اسلامی کی دو

الگ الگ تشریحیں ہیں۔

(الف) حاکمِ وقت بعد دعویٰ منجانب بیوی کے کہ خاوند نفقہ نہیں دیتا عورت کو حکم دے کہ قرض لے کر گذارہ کرے اور خاوند کے نام وہ قرض لکھا جائے۔ اس صورت میں قرضہ خاوند کے نام لکھا جائے گا اور خاوند ہی مدیون ہو گا۔ عورت کے نام نہ قرض ہوگا نہ وہ مدیون ہو گی اور نہ ہی اداء قرض کی ذمہ دار۔ مناسب ہے کہ حاکم وقت اس کا بندوبست خود کرے۔

(ب) دوسری تشریح یہ ہے کہ عورت حاکم کے پاس جب دعویٰ کرے کہ میرا خاوند نفقہ نہیں دیتا تو حاکم خاوند کو بلا کر ایک میعاد مقرر کرے کہ ایک ماہ یا دو ماہ تک مثلاً اپنا طرز عمل بدل ڈالو اور عورت کو خرچ دیا کرو۔ اس مدت کی تعیین حاکم کی رائے پر منحصر ہے حتی الامکان عورت کی حالت کا لحاظ ضروری ہے۔ جب یہ مدت مقررہ گذر جائے اور خاوند اپنے طرز عمل کو نہ بدلے بلکہ خرچ نہ دینے پر ہی مصر رہے تو حاکم اس مرد وعورت کے درمیان تفریق کر دے یعنی ڈگری فسخ نکاح کی صادر کر دے۔

اس زمانہ میں چونکہ عورت کیلئے اتنا قرض لینا کہ ہمیشہ یعنی عمر بھر کیلئے کافی ہو ممکن نہیں اور نہ ہی وہ قرض خاوند کے نام درج ہو سکتا ہے، نیز نفقہ کے علاوہ تعلقات زن وشوہر بھی تو قائم رہنا ضروری ہیں تاکہ کہیں معصیت میں مبتلا نہ ہو جائے، اس واسطے پہلی تشریح ناممکنِ عمل ہے اور دوسری تشریح پر ہی عمل لازم ہے اور یہی ایکٹ ہذا کے دفعہ نمبر ۲، ضمن نمبر۲ کا منشا ہے مگر اس کی عبارت شرعی احکام کے موافق نہیں لہٰذا عبارت کی تبدیلی اس طرح فرمائی جائے:۔ ”جو خاوند بیوی کے نفقہ میں کوتاہی کرے حالانکہ بیوی میں کوئی ایسا امر نہیں پایا جاتا جس امر سے شرع شریف کے رو سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، بلکہ خاوند متعنت ہے تو خاوند کو بلا کر حاکم اسے اپنا طرز عمل بدلنے اور خرچ دینے کی ایک مدت مقرر کرے جو عورت کے حسب حال ہو۔ اگر اس مدت میں خاوند نے خرچ نہیں دیا اور طرز عمل نہیں بدلا تو دوسری پیشی پر جو اس مدت کے انقضاء پر تھی مرد اور عورت کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ (اگر طرز عمل بدلنے کا دعویٰ کیا گیا ہو تو) طرز عمل کی تبدیلی کا اطمینان کر لیا جائے کہ ہنگامی ہے یا پائیدار (دوامی) اور یہ اطمینان حاکم جس طرح چاہے کرے (وہ ذمہ دار ہے)۔

دستخط“۔

(غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور)

”عربی زبان وادب پر دسترس“

پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایک بین الاقوامی اور بین الجامعاتی اَدبی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور نے مقالہ پیش کیا، جس کا موضوع یہ تھا کہ عربی زبان اپنی وسعت، ہمہ گیری، قدرتِ اظہار، شانِ ابلاغ، حسن تاثیر، محکم ضوابط صرفیہَ ونحویہ، قطعی قواعد بلاغیہَ وبدیعیہ، حلاوتِ صوتیہ، فصاحتِ لفظیہ، بلاغتِ معنویہ، بالیدگیَ وسہولت، پرشکوہ کلمات، پرمغز ترکیبات غرض ہر وصف میں لاثانی اور اچھوتی زبان ہے۔

اس مقالہ سے آپ کے جواہر ادبیہ کا منصہَ شہود پر ظہور تام ہوا تو ہر طرف آپ کے علم وادب کے چرچے پھیل گئے۔ اور اہل دانش اس سوچ میں پڑ گئے کہ آپ جیسا بحر العلوم اگر شہر بہاول پور کی بجائے شہر لاہور میں بیٹھ کر افادہَ وافاضہ کی مسند سنبھال لے تو بہت ہی مناسب ہو گا۔ چنانچہ آپ کو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہَ عربی واسلامیات کی صدارت اور اورنٹیل کالج لاہور کی پرنسپل شپ کی پیش کش کی گئی، اسی طرح سندھ یونیورسٹی کی طرف سے بھی استدعا کی گئی۔ مگر آپ نے ان سب سے معذرت فرمائی، اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو جامعہ عباسیہ کے ساتھ قلبی وذہنی لگاؤ، دوسری یہ کہ اگر آپ ادھر چلے جاتے تو مقدمہ مرزائیہ بہاولپور کی پیروی نہ ہو سکتی اور امت مسلمہ اتنے بڑے تاریخ ساز، اساسی فیصلے سے محروم رہ جاتی۔

اس مقالہ کے بعد ایک ہندو عربی دان کے سوالات کے آپ نے ایسے دنداں شکن، مفصل اور مدلل جوابات دیئے کہ وہ مبہوت ہو گیا۔ آپ کے اصحاب کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے ٹھہرے ہوئے سمندر میں اچانک طوفانی ارتعاش برپا ہو گیا ہے یا موسمِ برسات میں پُرجوش برکھا، غضبناک گرج، چمک کے ساتھ برس رہی ہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے نائب الشیخ، مفتی اعظم، شیخ الحدیث حضرت علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسودات میں اس پورے مقالے کو درج فرمایا ہے، جو ہدیہَ ناظرین ہے، وہو ہذا:۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أما بعد فإن الكاتب المحترم هارون غصن استاذ الخطابة ومدير المحفل الأدبي في كلية القديس نُشِرَتْ لهُ مقالةٌ في مجلة "الهلال" المصري اثبت فيها فقر اللغة العربية واسبابهُ وعلاجهُ.

وأني مطبوعٌ على حب العربية وجبلتي تبنو عن كل اتهامٍ ووَهْنٍ ينسب إلى العربية. والحمد لله على ذلك فهزتني تلك المقالة وازعجتني فصرتُ اجهد نظري وافرغ فكري في مطاوي هذه المقالة حتى اجتلىٰ جلية الحال فتحقق لي بعد هذا الامعان والاجهاد أنّ ذلك الكاتب المحترم لم ينصف في ذلك الحكم فَنَشَطْتُ إلى إبْرَازِ مَزَالِقِه على منصة الظهور فكتبتُ مقالةً في ردّها. فلما فُرِضَ عليَّ حضور هذا الاحتفال فقيد المثال واجلت نظري في برنامجه عزمتُ عرض هذه المقالة حذاء هذه الفضلاء رجاءً أن يقبلوها مسامحين عن الخطاء.

قال الكاتب المحترم "هارون غصن الخوري" (يقال للكاهن، الخوري).

"ما من كاتبٍ عصريٍ عانىٰ صناعة الانشاء باللغة العربية أو الترجمة بها ولم يشعر عن عجز هذه اللغة في التعبير عن آلاف المخترعات والأمور الخيالية والتصورات التي استحدثها الزمان، أجل لو نهض الشعراء الجاهليون والمخضرمون والإسلاميون والأمويون والعباسيون واقطاب اللغة في جميع تلك العصور وحاولوا التعبير عن مستحدثات العصور المتأخرة لوقفوا عاجزين حائرين".

قلتُ هكذا الحال في كل لغةٍ، لا تختص هذه الفاقة بالعربية وحدها، فإن اللغة تعبيرٌ لما في الوجود أو في الضمير وإن لم يكن شيء، لا في الوجود ولا في الخيال، لم يكن هناك سبيلٌ لِأَيِّ لغةٍ إلىٰ تعبيرهِ ولكن إذا استحدث الزمان أو اَهلُهٗ خيالاً أو تصوراً أو مخترعاً واحتاجت أمةٌ إليها أو نشطتْ لرواجها فيما بينها، استحدث أهل تلك اللغة عباراتٍ و دوالٍ عليها.

هل يمكن الادّعاء للفرنسية أنها في بادئِ بدئها حين عانىٰ كُتّاب صناعة الانشاء بها أو الترجمة بها وُجِدَتْ فيها عباراتٌ وإلفاظٌ لكل معنىً وخيالٍ؟ والحال أنّها عند الكاتب المحترم من اَغْزَرِ الالسنة مادةً وأوسعها تعبيراً وأطرعها تصويراً؟ لا والله.

والشاهد عليه نص هذا الكاتب فى نفس هذه المقالة قال: "أن تاريخ اللغات يؤكّد لنا أن اللغات فى بدء الأمر لم يكن لها سوابق (Prefixes) ولا لواحق (Suffixes) بل كان لها جذور فقط وهذه السوابق واللواحق كانت فى الأصل الفاظاً قائمةً بذواتها ثم التصقت بالجذور بصورةٍ مقتضبةٍ وبالتصاقها هذا صارت أدواتٍ غير قائمة بذواتها فاللاحقة (ment) صاغ منها الفرنسيون آلافاً من الظروف.

نعم لو لم يكن التعبير عن مخترعٍ أو تصورٍ أو خيالٍ بالعربية لِعَدَمِ "أمكان" اختراعِ الألفاظِ بطريقٍ من الطرق لكان وَجْهاً للحكمِ بفقرِها، ولكن لم يَثْبُتْ هذا بَعْدُ بَلْ ثَبَتَ نقيضُهُ.

أمّا ما قال المرحوم إبراهيم يازجي ونقلهُ ذلک الكاتب مستشهداً به على دعواه فهذا المرحوم قد ذهل عن بدء نشأة العربية القديمة فإن العرب بعد ما سَدُّوا دون سياستهم وسلطنتهم على أكثر أجزاء الأرض سُدُوداً جنديةً ونظامية أخذوا يترعرعون فى الآداب والفنون فهم أولاً حفظاً لدينهم اخترعوا الصرف والنحو والاشتقاق والبلاغة بأنواعها والفقه وأصوله والحديث مع الأصول وعلم التفسير، وبالجملة ما يفوق الحصر والعدَّ. وثانياً ترجموا جم العقليات باللغة العربية وصاغوا لهذهِ اللغة اصطلاحات وأسامى لكل مسمّى ومعنى ففى تلک الاحانين لم يضق نطاقها ولم تفتقر بل تمطت بصلبها وأحاطت بالإصطلاح لكل فنٍ بقضه وقضيضه.

فلولا ما بنا من خوفِ املالِ ذالک الكاتب المحترم لكنا نختار أحد هذهِ الفنون حتى يختبر ذالک الكاتب اصطلاحاته ثم نحكِّمُهُ بين فقرها وغنائها وَإِنْ نشط الكاتب المحترم فَلْيَفِتْ لَفْتَةً إلىٰ الطب ثم ليحكم ما شاء، ما غادرت العربية شيئا من الاصطلاح بدون السياق فهل فقرت دون هذا أو ذالک؟ وقس عليه الصناعات.

يقول ذالک المرحوم ليت شعرى ما يصنع أحدٌ لو دخل المعارف الطبيعية والصناعية ورأى ماثَمَّه من المسميات العضوية وغير العضوية من أنواع الحيوان وضروب النبات وصنوف المعادن وعاين ما هناک من الآلاتِ والأجزاء و أراد العبارة عن شيءٍ من هذهِ المذكورات ثم ما هو فاعلٌ لو أراد؟ والكلام فيما

يحدث كل يومٍ من المخترعات المتنوعة وَمَا لِكُلّ ذالک من الأوضاع والحدود والمصطلحات التى لا تغادر جليلاً ولا دقيقاً إلاّ تدلُّ الفرنسية عليه بلفظه الخاص.

قلتُ أيها المسكين إذَا اتَّزَنَتِ العربية بهذا الميزان فَإنّها ترجح علىٰ كل لغةٍ سواها فأنها عانتْ هذه الشدائد منذ القرون وضربتْ خيامها علىٰ كل مسمّى عضويّ وغير عضويّ. نعم! اللغات سوى العربية كالفرنسية وَبَقِيَّتِهَا من لغاتِ أوربا إنِ ادَّعىٰ لإنفسها فقراً لهذا الوجه فهذا فِيْ حِيَزِ الْإِمكَانِ فإنّ الاختراع والاستحداث لَمْ يَنْتَهِ أمره إلىٰ الآن فَمِن الممكن أن تفتقر تلک اللغاتُ دون مخترعٍ اذ لا تشهد التجربة لتلک اللغات فيما سلف، أما العربية فلاختبارها أحقُّ أن يدّعى لها الغناء فوق ما يدّعى لِلُغَةٍ هى فى الامتحانِ بَعْدُ، وما شهد لها الوجود والواقع فى سَالِفِ الْعَصْرِ، لكن المرحوم إبراهيم والكاتب المحترم عَكَسَا الْمَنْطِقَ والدليلَ، يُدَّعىٰ للفرنسية الغناء وللعربية الفقر فياللعجب!

وما أظرف قول المرحوم إبراهيم ثم ما هو فاعلٌ لَوْ أَرَادَ الكلامَ فيما يحدث كُلَّ يومٍ؟ لا نفعل شيئا بل ننظر إلىٰ المتكلمين بلغات أوربا فإن صاغوا للحادث كل يومٍ دالاً صِغْنَا الدالَّ وان قيل انهم وجدوا الدال لهذ الحادث فى لغتهم مستعملاً فى هذا الحادثِ (وموجوداً قبل الحادث) فهذا باطل، إذْ إسْتِعْمَالُ دَالٍ علىٰ حادثٍ إنما يتصوره العالَمُ البشرىُ بعد حدوث الحادث، أما قبل حدوثها فخارجٌ عن حوزة العقل.

فنقول إذا صنعوا عَرَبَةً وصاغوا لها (Car) نصوغ لها سيارة وإذا صنعوا مركباً هوائياً وصاغوا لها (Aero plane) نصوغ لها طيارة فهذا ما نَصْنَعُ ونفعل، لواردنا الكلام فيما يحدث كل يزم. ثم بعد ذلک أدعىٰ الكاتب المحترم غناء اللغة العربية فى العصور الماضية لكنّ الاهمال وَسُوْءَ الْإِسْتِعْمَالِ صَيَّرَاهَا؟ ضَيِّقَةً وفقيرةً. وهذا مما يقضى منه العجب لأنّ الغناء كما يقول الكاتب هو غزارة المادة والاتساع فى طرق التعبير بحيث لا يَشُذُّ عَنْهُ مُخْتَرَعٌ وخيالٌ استحدثه الزمان فإن كانت العربية فى عصورها السالفة أغنىٰ لغات الأرض مادةً وأعظمها اتساعاً فى طرق التعبير بنص هذا الكاتب ويكون معنى الغناء كما ذكرهُ واقر به، فلا نسلّم أنّ العربية

لا یمکن منها صَوْغُ الدالّ علی المخترع والخیال المستحدث.

إذ لا فارق بین مخترعٍ ومخترعٍ وخیالٍ وخیالٍ فهل هذا إلا نَقْضٌ من الکاتب لکلامه السابق حین قال لو نهض الشعراء الجاهلیون إلی أن قال لَوَقَفُوا عاجزین حائرین ثم أنه لم یفصّلِ الأهمالَ وسوءَ الاستعمالِ ولم یمثّلْ لهما مثالاً حتی یفهم المراد وَکَأَنَّ الکاتب یظن کلامهٗ صدر من فوه النبوة لکن الزمان زَمَانُ الاستدلال وشان الکاتب شان الاستدلالیین. ثم أخذ ذالک الکاتب المحترم یخترع للعربیة أسباب الفقر فقسّم الأسباب إلی ثلثةٍ. وجعل الأوّل عائداً إلی العربیة إذ قال أن الاشتقاق مؤسس علی عددٍ معلومٍ من الصیغ المحدودة بمعناه مِنْ مثلِ وَزْنِ اَفْعَلَ واسْتَفْعَلَ کما هو واردٌ فی علم الصرف والحال أن لدینا معانٍ کثیرةٌ لا یمکن أن یعبر عنها بصیغ الا فعال العربیة مثل الألفاظ المرکبة فی اللغات الأفرنجیة لأن الصیغ فی العربیة لها معنی واحدٌ لا معنیً مزدوجٌ مَعَ اَنَّ کَثِیْراً مِنَ الاَلْفَاظِ فی اللغاة الأفرنجیة یُعَبِّرُ عَنْ مَعْنیً مُزْدَوِجٍ لأنها مصوغةٌ من جَذْرَیْن مثل (Bero-meter) (Anemometer) (Thermometer) وأمثال هذهٖ الألفاظ المنتهیة بلفظة (Meter) تعد بالمأة فی لغة أهل أوربا.

قلت هذا الکاتب مع کونه محترماً عندنا لا نمتنع من کلمة الحق فی حقهٖ وهو أنه لا یفکر أصلاً أو لا یعلم أسلوبة التفکیر وَیُعِیْبُ علی العربیة بفقد صیغ فعلیةٍ دالةٍ علی معنی مزدوجٍ مدعیاً وجودها فی اللغاة الأفرنجیة ثم یمثل لهذهٖ الصیغ الفعلیة الدالة علی معنیً مزدوجٍ فی اللغاة الأفرنجیة بمثل (Thermometer) مع أنَّ کلّ واحدٍ من اهل العلم یعرف أنها لیست صِیَغاً فعلیةً.

ونقول أیضاً اَنَّ هذا غلطٌ لِاَنَّ فی العربیة صِیَغاً فعلیةً لها معنیً مزدوجٌ کقولنا سبَّح وسلَّم اے قال سبحان اللّٰه وقال السلام علیکم وظنّی بالکاتب وقد اظهرتهٗ أنه لا یفکر حق التفکیر فإن الصیغ الفعلیة فی دلالتها علی المعانی اَتْبَاعٌ لمصاردها واشتقاق المصدر لیس مُؤَسَّساً علی عددٍ معلومٍ حتی یعالج الکاتب الفاضل لتعبیر معنیً مزدوجٍ شدةً فیتدرج إلیٰ فقر اللغة العربیة.

وقد استشعر بهذه الوقعة حتی نراه متلافیاً فی الحاشیة إذ یقول لا ننکر أن العرب قد استخدموا هذه الطریقة فی سالف العصور واطلقوا علیها اسم (النحت)

فصاغوا الفاظاً مثل حمدل من الحمد لِلّٰہ وبسمل من بسم اللّٰه لکن هذه الألفاظ لاتکاد تتعدی العشرة وقد أغلق هذا الباب فی وجه اللغة "من قرون" ولکن ما مکث هذا الکاتب حتی زاد نغمةً فی الطنبور حیث یقول لکن هذه الألفاظ إلی آخره۔

نقول إنْ صَحَّ هذا الإحْصَاءُ فلا یضرنا فإن النحت منوطٌ بالحاجةِ والضرورةِ ولهذا بعینهٖ أغلق هذا الباب إنْ صَحَّ أنه أغلق والحال أن قولهم حنفزلی بمعنی (حنفیٌّ معتزلیٌّ) ینبیٔ عن انفتاح الباب قال الکاتب المحترم السبب الثانی لیس فی العربیة صِیَغٌ تؤدی أغلب معنی السوابق واللواحق ثم مَثَّلَ له عدة امثالٍ ثم قال هذه السوابق واللواحق فی لغات أوربا یتجاوز عددها فی الغالب ستین فلو فرضنا أنهم صاغوا بکل أداةٍ نحو ثَلْثَمِأَةٍ کلمةٍ لحصل ۱۸ ألف کلمة وهذا غیر موجودٍ فی اللغة العربیة إذ لیس فیها صیغٌ تؤدی تلک المعانی.

قلت أنی کررت مطالعة هذا السبب واجهدتُ نظری بل کلما جَدَّدْتُ مطالعتهٗ زِدْتُ تعجباً علی تعجبٍ إذ لا یشک عاقل إن لِکل لغةٍ خصائص کما ان اللغة العربیة یصاغ فیها اسم الفاعل وسائر المشتقات علی نهجٍ مخصوصٍ مفروغٍ عنه فی الصرف ولم یعهد ذالک لِلُغَةٍ اُخریٰ فهذا الأمر بمحضهٖ هَلْ یورث فَقَرَ کُلِّ لغةٍ سویٰ العربیة؟

هب لیس فی العربیة سوابق ولا لواحق فلم یزد فیها هذا العدد من الألفاظ کما زاد فی لغة الأفرنجیة فهذا بعد التسلیم خاصةٌ لتلک اللغات کما للعربیة خواصٌ اُخریٰ فاین هذا من الفقر؟

إنما نعرف معنی الفقر وقد أقربه هذا الکاتب أن یُعَرّیٰ معنی واحدٌ أو عددٌ عن الدالّ علیه فإن کان مما فرض علی الکاتب أن یثبت للعربیة فقراً فکان علیه أن یذکر معنیً حادثاً بسبب هذه السوابق واللواحق ثم یدل بدلیل یطمئن به القلب علی فقر الدال علیه فی العربیة أما محض التشدق بالسوابق واللواحق وتکثر أعداد الألفاظ بحسبما فلیس فقراً للغةٍ أخریٰ فإن تکثر الألفاظ بنحوٍ مخصوصٍ بلغةٍ دون أثبات خلو معنی عن دال علیه إنْ کانَ لِفَقْرِ لغةٍ قلنا أنا نستدل لفقر لغاتِ أوربا بتمامها بما للعربیة خواص وبما أن لها کثرة الألفاظ بحسبما وبما أن فی العربیة مائتین وثمانین لفظاً للطیر وخمسمأة للأسد وألف لفظة للسیف ومثلها للبعیر وأربعة

الاف لفظة للداهية وهل يلفت الكاتب المحترم إلى مقالته ثانيا فيبين الفرق بين السَّبَبَيْنِ الأول والثانی. أما الوجه الثالث "إنَّ انقطاعَ عهدِ العلمِ فی العرب حَالَ أيضاً دُونَ تَقَدُّمِ اللغةِ وَأَدَّىٰ إلى اصابتها بالفقر والعجز وَقَدْ مَرَّ عَلَىٰ ذالک العهد قرونٌ توصل فيها العقل البشری فی غير بلادنا إلى استنباط الآلات المخترعات الطبعية والزراعية والتجارية والصنعية، فبلغت المسميات فی مختلف العلوم والصناعات فی وجهها، والعربية ثابتٌ فی موقفٍ واحدٍ لانَّ باب الاجتهاد قد اوصد فی وجهها وليس فی سنن الخلق ما يوجب ذالک الايصاد بالنظر إلى اللغة، فصارت اللغة إلى ما صارتْ إليه من العجز والفقر" (انتهى).

قلتُ هذا لا يمس جانب العربية مَسَّةً أصلا بل هو راجع إلى العرب المتكلم بهذه اللغة، وَالحقّ اَنَّ الْمُشَاهَدَة الْمُجَرَّبَة والمعاينة المكررة تسوق إلى اَنَّ العربية لا تُبَارِيهَا لُغَةٌ فی هذا الميدانِ فَإنَّ عَالَم البشرية شَرْقَهُ وَغَرْبَهُ قبل عهد الإسلام لم يكن يعرف شيئاً مما استحدثه الإسلام من العلوم والفنون وقد ترجم أهل الإسلام جميع علوم الأوائل دقَّها وجلَّها، كل ذالک موجُودٌ فی هذه اللغة الغنية الوسيعة، فما رؤيت العربية فی شانٍ من شؤنٍ مُفْتَقِرَةً إلى لغةٍ أخرىٰ وفقيرةً فی نفسها بل عَدَّتْ باطفاف الكيل ما تمنىّٰ منها المستحدثون والمترجمون.

ثم قال الكاتب المحترم هل يمكن معالجة هذا الفقر؟ نعم يمكن وَدَلَّكَ على ذالک برهانٌ لغویٌ وبرهانٌ اعتباریٌ وحاصل الأول أن تاريخ اللغات يؤكِّدُ اَنَّ اللغات فی بدء الأمر لم يكن لها سوابق ولا لواحق بل كان لها جذورٌ فقط ثم جعلتْ بعضها سوابق وبعضها لواحق وبعضها جذوراً والتصقت وحدثت ألفاظ كثيرة ثم مثّل لها ثم اشهد لها بما لنا غنیً عن ذكرها وحاصل الثانی امران (١) لم يكن فی اللغة العربية القديمة كل صيغ التی نراها الآن. (٢) قد ادخل الادباء فی نهضة الآخيرة سَالِفَةَ لا. ثم استنتج فی المانع عن فقر اللغة وامكان اغنائها بترويج استعمالِ لا سالفة وقال ما لمانعٍ أيضاً من ادخال اشد اللواحق لزوماً لللغة العربية من مثل (Anti) و(Auto) ولاحقتين (Meter) و(Grafe) وما لمانعٍ أيضاً من اقتباسِ لواحق من مثل Affixes من لغاتٍ أجنبيةٍ إذا صعب علينا ايجاد لواحقَ مقتضبةٍ من جذورٍ عربيةٍ. (انتهى).

قلت لاحاجة للعربية إلى سوابق ولواحق أجنبيةٍ فانَّ كلمة لا وغير وليس ومعدوم ولام التعريف واشباهها سوابق فی العربية وياء النسبة والمصدر وتاء التانيث والفاعل والتنوين والواو والياء للجمع الصحيح وحركات الأعراب لَوَاحقُ يمكن أن يصاغ منها ألف ألف كلمة بل للعربية أوساطٌ أيضاً من مثل وزن التصغير وجمع التكسير، أما نصحةُ لأهل العربية بِإدْخَالِ اللواحق الأجنبية فنحن نشكر الفاضل لهذا الصنيع لكن لا نتقبل مشورتهُ لأن لغتنا اغنىٰ اللغاتِ عن لواحقَ أجنبيةٍ سواءٌ كان اشد لزوماً لها أو أكثر نفوراً فإن به تشويهاً لوجهها الجميل بل قضاء عليها ثم فی عدد آخر لهذهِ المجلة نُشِرَتْ مقالةٌ أخرىٰ لهذ الكاتب المحترم وهی فی الحقيقة ردٌ منه للوجه الأول لفقر اللغة مع مناقضته لما قال فی هذا العدد حيث قَالَ هٰهُنا اَنَّ الألفاظ النحوية لا تتعدىٰ العشرة ففی ذالک العدد يقول فنحتوا بضعة عشرة (انتهى قدر الحاجة). على أن الحق كذب الكل فإن النحت (دو یا زیادہ لفظوں کو ملانا مثلاً حمد لہ، بسملہ، حوقلہ (لاحول آہ) الفذلکہ (فذلک کذا وکذا کہنا یا لکھنا، راقم الحروف، شبلی) شُرِطَ بالحاجة وما ذُكِرَ من عدم استعمال العرب هذه الطريقةَ فی العلوم فليس هذا إلا لكون لغتهم غنيةً غزيرة المادة لاتحتاج إلى النحت بل فی جذورها ما يكفی لاداء كل معنیً ومسمیً لكل علم وفن الا ما قل لايجاد الطريقة، وَلْيَكُنْ رسماً معتاداً أن احتاج ابناء العربية فی شیء إليه، وفی العربية كفاية وافرة لتلک الرسوم. وفات الكاتب المحترم ان العرب كما عندهم طريق النحت كذلک طريق آخر أوسع منه سموه طريق المزج كقولنا بعلبک وسيبويه إلى غير ذالک فهذا مع سهولته يصاغ به ألفاظ غيرمتناهيةٍ.

وما تذرع به إلى الصاق لواحقَ أجنبيةٍ بجذور لغتنا الغنية من استعمال بعضِ الفاظِ فارسيا بالتعريب أو بابقاء الأصل كصورة خانه و بيمارستان فهذا لا ينهض حجة فإن المتلفظين بها لا يعبأ بهم لقلتهم مع غناء العربية عن هذا فَلْنُنَوِّرْ هذهِ المقالة بنابغة الزمان علامة العراق السيد المحمود الشكری الآلوسی رحمه الله قال رحمه الله فی كتابه بلوغ الادب.

قد سمعتُ بَعْضَ مَنْ لاخلاق له من الناس أنه أدعى أَنَّ لغات الأفرنج اليوم أوسع من لغة العرب بناءً على ما حدث فيها عن ألفاظ وضعوها لمعانٍ لم تكن فی

القرون الخالية والأزمنة الماضية فضلاً عن أن تعرفهُ العرب فتفوه به أو تتخيله فتنطق به ولا يخفاك أن هذا كلام يشعر بعدم وقوف قائله على منشاء السعة وَاَنَّهُ لَمْ يَغُصْ بحار فنون اللغة حتى يعلم أَنَّ المزية من اين حصلتْ وأما ما ذكر من أَنَّ مفردات العربية غير تامةٍ بالنظر إلى ما استحدث بَعْدُ من الفنون والصنائع مما لم يكن يخطر بال الأولين فهو غير شَيْئٍ على العربية إذ لا يسوغ لِوَاضِعِ اللغة اَنْ يَضَعَ اسماءَ لمسمياتٍ غير موجودةٍ وإنما الشَّيْئُ علينا الآن في أن نستعير هذه الاسماء من اللغات الأجنبية مع قدرتنا علىٰ صَوْغِهَا من لغتنا على اَنَّ أكثر هذه الاسماء هو من قبيل اسم المكان أو الآلة، وصوغ اسم المكان والآلة في العربية مطردٌ من كل فعلٍ ثلاثي فما الحاجة إلى ان نقول فبريقه وكرخانه ولا نقول معمل ومصنع أو نقول بيمارستان ولا نقول مستشفىٰ أو نقول ديوان ولا نقول مأمراً ونقول اسطرلاب ولا نقول مِنْظَر والعرب اليوم بخسوا اللغة حقها فإنهم عدلوا عنها إلى اللغات الأجنبية من غير سببٍ موجبٍ (إلى أن قال) وإنما اللَّوْمُ علينا حالة كوننا قد ورثنا لغتهم وشاهدنا هذه الأمور بِأَعْيُنِنَا ولم نتنبه لِوَضْعِ اسماء لها على النسق الذى الفتهُ العرب وهو الاختصار والايجاز (انتهى كلامهُ). ثم نلتقى الكاتب المحترم بعد أول فرصة والحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

تکملہ در شرحِ عوامل قیاسیہ ومعنویہ

از تصنیفاتِ فاضل امجد علامۃ الزمان مولوی غلام محمد گجراتی ثم ملتانی دامت افادتہٗ

بسم الله الرحمن الرحیم وبه نستعین

میگوید حضرت اُستاذی ومولائی وسیّدی وسندی المشتہر بغلام محمد گجراتی ثم ملتانی نحمدہٗ ونصلی ونسلّم علی رسولہ الکریم۔ چوں مصنفِ علام فارغ شد از نظمِ عوامل سماعی شروع کرد عواملِ قیاسی را پس گفت: بیت

بعد ازیں ہفتِ قیاسی اسم فاعل مصدر است		اسم مفعول ومضاف وفعل باشد مطلقا
پس صفت باشد کہ آں مانند اسم فاعل است		ہفتم اسمِ تام باشد ناصب است تمیز را

اگرچہ قبل ازیں معلوم شدہ بود کہ عواملِ قیاسی ہفت اند پس بائیستی کہ بلحاظ تغایرِ اجمال وتفصیل وبودنِ تاسیس اصلِ کلام ذکرہفت بودن قیاسی را مطرود فرمودے لیکن نظر بایذانِ اتمامِ بحث عوامل سماعی واعلام بشروع بحث قیاسی وارتباط بین الکلامین وتقیید ہفتِ قیاسی باسم فاعل آہ کہ تغایر را مشعر می بود حکمِ مذکور را اعادہ فرمودہ وگفتہ بعد ازیں بگویم کہ ہفت قیاسی اسم فاعل ومصدر واسم مفعول ومضاف وفعل مطلقا وصفت واسم تام است۔

''فعل''

ہر چند مصنفِ علام قدس سرہ اسم فاعل وغیرہ را بر فعل مقدم فرمودہ مگر نظر بہ اصالتِ فعل وبودن اُو عمدہ در عمل وعدم ضرورتِ شعریہ کہ مصنف قدس سرہ را مضطر نمودہ بود فعل را مقدم سازیم ومیگوئیم فعل عمل میکند مطلقا وگفتہ اند کہ مراد از اطلاق کہ در فعل معتبر است عدم تقیید است از قیود کہ معتبر اند در اِعمالِ باقی عواملِ قیاسی مثلاً اعتماد بر اشیائیکہ بجائی خود مذکور اند وزمانۂ حال یا استقبال وبعضے افاضل ملتان قدس سرہ فرمودہ اند اظہر آنست کہ مراد تعمیم است ازیں قیود تاکہ متضمن ومشتمل باشد بر تعمیمات کہ بعض شُراحِ مائۃِ شیخ عبد القاہر کردہ اند از تعمیماتِ ثلاثہ لازم ومتعدی بسوئی واحد واثنین وثلاثہ بودن، ماضی ومضارع بودن، امر ونہی بودن واظہر آنست کہ ازاں ہم عام است چنانچہ خود شاں ایماء باں فرمودہ اند از معلوم ومجہول بودن ومنفی ومثبت بودن ثلاثی ورباعی بودن مجرد ومزید

بودن۔ متصرف وغیر متصرف الا آنکہ مکفوف باشد بما کافۃ یا زائد باشد کہ دریں صورت بوجہ عمل ناکردن حاجت بایں تعمیم مساس نمیکند۔ ومراد از ما کافۃ ہموں کافہ عملِ رفع است کہ مختص است بکفِّ اِعمالِ افعال اما کافۂ عملِ نصب ورفع پس بوجہ اختصاصِ دخولش بر أنّ وأخواتها وکافہ عملِ جر کہ اتصالش منحصر است بر حروف وظروف از مـا نـحن فيه خارج است وماکافہ مذکورہ بر سہ فعل داخل میباشد قلّ وکثر وطال بعضے قصر ما وکان ما ونعما را نیز ازینہائی شمار کردہ اند وگفتہ اند کہ ایں ہر سہ فعل بوجہ مشابہتِ ربّ مثلش مکفوف گردیدہ اند بما از عمل، ومشابہتِ اینہائے ظاہر است، قلّ وکثر محتاج بیان نیند وطال ازیں مر کہ طول بدونِ کثرتِ صورت نہ بندد۔ ومدخولِ ایں ما دریں حالت بجز جملہ فعلیہ نباشد چنانچہ فرمودہ است شاعرے

؎ قلما يبرح اللبيبُ إلىٰ ما　　　يورث المجد داعياً او مجيباً

وایں قلما بمعنی نفی باشد وطالما وکثر ما بمعنے دوام کـذا سـمعت من الاستاذ المحقق مـولانـا جـمال الدين عليه الرحمة. وآنچہ بمعنے قلت وکثرت شہرت یافتہ وبسیاری از ادباء کہ آوازۂ علو کعب شاں در فنِ ادب بفلک الافلاک رسیدہ بداں تکلم شاں مسموع شدہ است غیر معتبر است وعبد ضعیف (غلام محمد عفی اللہ عنہ) در اثنائے این تحریر در حواشیٔ شمنی نص دریں معنی یافتہ فـلـله الحمد پس قلما بمعنی نفی است وجار مجرور متعلق است بہ داعیاً ومثلش در مـجیبا مقدر باید کرد پس حاصلِ معنی آنکہ عاقل دائم می خوانند یا جواب دہند بسوئی امور ہائی کہ مورثِ مجد میباشد وآنچہ در قول مرار کلبی بفتح میم وتشدید راء از قول اُو:

؎ صددتُ فاطولتُ الصدود وقلما　　　وصال على طول الصدود يدوم

واقع شدہ است، نحاۃ را دروی شغب بسیار است اولا نقل اُو می بایست کرد وبعدش آنچہ بہ ساعدِ توفیق خیر رفیق در ذہن قاصر القاء کردہ خواہد شد بیان خواہد گردید إن شـاء الـله القدير القاهر. سیبویہ فرمودہ است در کتاب خود يـحتملون قبح الكلام حتى يضعوهُ فى غير موضعه لأنـه مستقيم ليس فيه نقصٌ فقال ذلك الشعر ثم قال وإنما الكلام قل ما يدوم وصال، وبعض مصنفین ازیں کلام فہمیدہ اند کہ مراد او ضرورتِ شعریہ است وبہ ہمیں صوب میلانِ بعض شارحین شواہد کتاب سلیبویہ یافتہ شدہ چنانچہ مصنفین مؤمـیٰ الیـہ در کتابِ خود فرمودہ فـقال سيبويه ضرورة وبعض شارحین بایں الفاظ نص کردہ اراد وقـلما يدوم وصال فقدم واخـر مـضـطـرًا لاقـامة الـوزن وبعد ازیں اختلاف کردہ اند ناظرینِ کلام سیبویہ کہ وجہ

وباعثِ ضرورت چیست، پس گفتہ اند کہ حق قلما آں بود کہ اتصال ور زیدے باوے فعل صریح، وشاعر اتصالِ فعلِ مقدر کردہ است وصالٌ مرفوع بہ یدوم محذوف کہ تفسیرش بمذکور شدہ است، وبعض دیگر آوردہ اند کہ حقِ فاعل آنست کہ از فعل مؤخر بود پس شاعر مقدم کرد آنرا۔ ورد کردہ است ایں را بعض سادۂ کرام کہ تقدیمِ فاعل نزد بصریہ بحالِ ما جائز نیست چہ در نظم چہ در نثر، زیرا کہ در حدّ فاعل ماخوذ است تقدیم بر فعل وبعد آنکہ فاعلش تواند خواند وبعض ارشاد کردہ اند کہ وجہ ضرورت آنست کہ شاعر جملہ اسمیۂ را قائم مقام جملہ فعلیہ نمود کہ ایرادش دریں مقام ضروری بود وگاہے باشد کہ اسمیہ بجائے فعلیہ آوردہ میشود چنانچہ شاعرے گفتہ است

؎ يقولون ليلےٰ ارسلت بشفاعةٍ　　　إلىّ فهلا نفس ليلے شفيعها

وبعض در جواب اصل اشکال گفتہ اند کہ ما زائدہ است کافہ نیست ووِصَالٌ فاعل قلَّ است ومبتدء نیست، وایں قول نیز سخیف است زیرا کہ "ما" را بعد قَـلَّ ورُبَّ زائدہ برائے ہمیں غرض می آرند کہ متصل شود بآنہائے فعل وباشد ایں ہر دو حروف مع افعالِ مدخولہ از کلماتِ مخترعہ وبعض گفتہ ایں "ما" وقتیکہ بریں افعال وارد میباشد مصدریہ باشد لیکن تومیدانی کہ ما مصدریہ قبلِ فعل می آید ومتصل میشود باوّلِ او وبآخر نمے پیوندد وتحقیقِ مقام آنست کہ تقید کردہ شود کلامِ سیبویہ وبیان کردہ شود محصلِ او۔ پس میگوئیم قول اُو ویـحـتـمـلـون معطوف است بر مـا سبق اعنی قوله ويبلغون نہ بر قولِ وے فهـم يُجرّون كما لا يخفى۔ وغرض او ازیں کلام آنست کہ بیان کند آں امور را کہ در نثر جائز نیستند وجواز آنہائی از حیز نظم متجاوز نیست ودر نظم نیز گاہے گاہے نہ عادۃً پس گوید گاہے باشد کہ برداشت میکنند قبح الکلام را تا آنکہ وضع وذکر میکنند او را در غیر موضعِ وے یعنی کلمۂ را در موضعے کہ در نثر حق او آں موضع نبود، در وے می نہند، ومقدم ومؤخر میسازند بجہتِ حصولِ استقامت ودفعِ نقص یعنی استقامتِ وزن یا قافیہ حاصل گردد ونقصِ وزن یا قافیہ زائل گردد، ومراد از نقص مصطلحِ علمِ عروض نیست کہ عبارت است از مجموعِ کف وعصب زیرا آنکہ ہیچ رُکنے از ارکانِ بحرِ طویل کہ شعر مذکور ازاں بحر است قبول نکند نقص را کمـا صـرح بـه ائـمة فنّ العروض ونیست مرادِ او از استقامت، استقامتِ وزن زیرا کہ در وزن قبل تقدیمِ مذکور نیز محذورے لازم نمی آید زیرا کہ ابتداء وعجز ہر دو اول مقبوض ثانی محذوف است آرے استقامت قافیہ نمی بود بعد تقدیم حاصل گردید چنانچہ از اشعارِ دیگر قصیدہ معلوم میشود قال ؎

صرمت ولم تصرم وانت صروم — وكيف تصابي من يقال حليم
وليس الغواني للجفاة ولا الذى — له عن تقاضي دينهن هموم
ولكن من يستنجز الوعد تابع — مناهن حلاق لهن اثيم

وازیں کلام ہمچو روز روشن، لائح میگردد کہ وجہ ضرورت تقدیم است کہ در نثر حق او تاخیر است پس اختلافے کہ در توجیہ کلام سیبویہ کردہ اند بیجا است ومنشاش نیست مگر اینکہ نہ فہمیدہ اند کلام او را۔ وازیں کلام نیز واضح شد کہ ردّ بعض سادۂ کرام تقدیم فاعل بند آنکہ تقدیم او مطلقاً جائز نیست در نظم نہ در نثر محل تامل است فليتامل۔ باید کہ رجوع کنیم بسوئ آنکہ بودیم در وے پس گوئیم تعمیم بوجہے کہ شامل بود مکفوف را غیر مرضی است زیرا کہ کلام در فعل عامل است ومکفوف عامل نتواں گردید الا بر رائے طائفۂ کہ نقل کلام آنہا در دروس سابقہ نمودہ ایم، ومیتوان گفت کہ ہمیں است بنائے کلام بعضِ افاضلِ ملتان قدس سرہٗ لیکن انصاف آنست کہ کلام شاں دریں محل، در غیرِ محل واقع شدہ است كما لا يخفىٰ على أولى النهى! وہم چنین تعمیم کہ فعل زائد را شامل بود مراد نباید داشت بوجہ عدم عمل چنانکہ شاعرے گفتہ است ۔ سراة بني أبي بكر تسامى = على كان المسوّمة العراب وچونکہ مقصود بحث از احوال است کہ عارض می شوند فعل را از جہتِ عمل لہذا دیگر حیثیات را و احوالے را کہ ازینہا عارض می شوند کہ از ما نحن فيه بمعزلٍ است مقطوع النظر باید کرد۔
فعل عمل می کند برفع در فاعل فقط اگر معلوم لازم یا نازل منزلۂ لازم باشد اگر متعدی معلوم بود نیز رفع دہد فاعل را ونصب دہد مفعول را و اگر متعدی مجہول بود رفع دہد مفعولِ ما لم يُسَمَّ فاعلہٗ را مثال اول قام زيدٌ مثالِ ثانی لا يبصرون ، مثالِ ثالث ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْراً ، مثالِ رابع ضُرِبَ زَيْدٌ ورفع ونصب ہر دو عام اند لفظی باشند یا تقدیری یا محلّی وامثلہ بوجہ وضوح، بر طبعِ وقادِ عزیزان حوالہ کردہ شوند، بعض فضلاء فرمودہ اند رفعِ محلی عبارت است از بودنِ اسم در موضعے کہ اگر آنجا اسمِ معرب بودے ہر آئینہ مرفوع بودے لفظاً یا تقدیراً و در افواہِ خاص وعام ہمیں معنی شہرت یافتہ است اما عبد ضعیف (غلام محمد عفی اللہ عنہ) در اثنائے ایں تحریر نظر غائر در تحقیق ایں معنی کرد وکلام قوم شکر الله مساعيهم الجميلة را تفحص کرد، امر بر خلافِ مزعوم کافہ یافت، آیا ندیدۂ کہ ائمۂ نحو تصریح فرمودہ اند کہ عمرو در مثل ان زيداً قائم وعمرو محلا مرفوع است و در قول شاعر ۔ ولا اب وابنا مثل مروان وابنه، ابن را محلا مرفوع میتوان خواند باوجودیکہ صدقِ تعریفِ مذکور بر ہر دو جائز نیست کہ تقدیرِ وقوعِ معرب،

منافی است تحقیق وقوعِ معرب را پس اقرب آنست کہ ایں تفسیر رفعِ محلی است کہ در اسم مبنی باشد اما تفسیر مطلق رفعِ محلی اینست کہ اسم واقع شود در موضعے ومحلے کہ آنجا مرفوع بودنش ممکن باشد بہ امکان نفس الامری و وقوعِ آں اسم در آنجا باعتبارِ نفسِ اسمیت مانعِ رفع نباشد، اعم است از آنکہ ملتبس باشد برفع یا نہ۔ و دریں جا وارد میشود اشکالے مشہورہ، تقریرش آنکہ رفع دادن فعل مر فاعل را لازم نیست چنانچہ شاعرے گفتہ است ۔ قد سالمت الحيات منه القدما . الافعوان والشجاع الشجعما . وذات قرنين ضموزاً ضرزماً بنصب الحيات و اُو فاعل است وجواب ایں اشکال بچند وجوہ تواں داد، اول اینکہ اشکال مذکور بر تقدیر نصب الحیاۃ وارد می شود وما تسلیم نکنیم ایں روایت را، بلکہ رفع کہ موافقِ قیاس است متعین است وانصاف آنست کہ دریں وقت ارتفاع آماں از ثقات رواۃ لازم آید کہ ام الجرامُش تواں گفت وقتیکہ روایت نصب در کتب ثقات مذکور است ہیچ اعتذارے در رد ایں روایت مسموع نمی تواند شد ابن ہشام در مغنی وحواشی بانت سعاد ہر دو روایت ذکر کردہ، آرے سخن در عدالت ثقات میتوان کرد لیکن این الثرى من الثريا، علم اسناد خصوصاً اسناد نحو از عالم مرتفع گردید فوا ویلا۔ دوئیم آنکہ گاہے جائز میدارند نصب فاعل ومفعول ہر دو بجہتِ امن از التباس چنانکہ جائز میدارند رفع ہر دو قال الشاعر ۔ تواهق رجلاها يداها و رأسه . فتب لها حلف الزميلة رادف. دریں جا مناسب می نماید کہ عزیزاں را اطلاع دہم بر مسئلہ کہ اکثر مردم ازاں غافل اند پس باید دانست کہ در اعرابِ فاعل ومفعول چہار وجہ جائز است رفع ہر دو، نصب ہر دو، ونصب فاعل و رفع مفعول مثل كسر الزجاج الحجر وخرق الثوب المسمار و رفع فاعل ونصب مفعول وہمیں وجہ اخیر شائع وذائع است وما سوائی او بجز شعر واقع نہ شود مگر بر سبیل شذوذ بشرط امن از التباس۔ ہمیں است مسموع از اساتذۂ کرام ومذکور در کتب علمائے اعلام، الا آنکہ بعض شراح از حواشی تسہیل لابن ہشام نقل کردہ اند کہ او، روا داشتہ بلا ضرورت واختیار، رفع ہر دو را در مثل ضارب زید عمرو، ومختار بعض المؤلفہ نیز ہمیں است، وجائز نیست تقدیم فاعل بر فعل وسرّ در وے ایں است کہ غرضِ متکلم از تقدیم زید در زید قام تعیین محل فائدہ است وایقاع مخاطب در انتظار فائدہ زیرا نکہ حظِ فائدہ خبر است تا حکم بعد انتظار وطلب حاصل شود و واقع فی النفس گردد وازیں جا گفتہ اند کہ زید قائم مفید تقوّی است چنانکہ در علمِ بیان بابسطِ تام مذکور شدہ است پس اگر تقدیم قام کردہ شود انعکاسِ غرضِ مطلوب لازم آید یعنی تعیین فائدہ وانتظار محل او وتفویت

تَقَوِّیْ که هر عربی بدون تخصیص می فهمد و در محل انکار زیدٌ قامَ گوید برائے دفع انکار نه قام زیدٌ، الابضربِ من المسامحة ونقل کرده اند از کوفیه جوازِ تقدیمِ فاعل، او شان زعم کرده اند که در زیدٌ قامَ، زیدٌ را فاعل گردانیم وکلام را محمول بر تقدیم وتاخیر، احتیاج بسوئ اضمار کردن نیفتد واهون است تغییرِ محل از اثباتِ معدوم واین مبنی است بر اصلے از اصول ایشان که مهما امکن اعتبار ضمیر نباید کرد ومتفرع میشود بریں اصل مسائلے که در محل خود مذکور اند ومخفی نیست که کلام شاں بعد آنکه مبنی است بر معدوم بودنِ ضمیر مستتر خلافِ وجدانِ هر عربی قح وتصریح جم غفیر از علمائے بلاغت است که زیدٌ قام مفید تَقَوِّی است نه قام زیدٌ لیت شعری چه فرق کنند درین وقت میانِ فاعل ومبتداء، و جائز است تقدیمِ مفعول بر فعل بمعنی امکانِ خاص در مثل ضربت زیداً وبمعنی امکان عام بمعنی امتناع در چند صور، اول آنکه فعل ملتبس بود بنونِ تاکید ثقیله وخفیفه شاید که تقدیم مفعول دریں وقت باتلبس بنونِ تاکید، متنافر گردد زیرا انکه تقدیم مفعول دلالت کند بر عدم اهمیت فعل والا از مرتبۂ خود موخر نبودے وتاکید بنون برخلاف آں هدایت کند فیتنا فران دوئیم اشتباهِ مفعول بغیرِ خود بسبب تقدیم چنانچه ضرب یونس عیسی زیرا انکه اگر عیسی را مقدم کرده شود احتمال باشد که مبتدء بود سویم مفعول فعل تعجب بوجه عدم تصرف در معمول وے چهارم آنکه ناصب مفعول، صلۂ حرف باشد مثل عجبتُ من ان ضربتُ زیداً بوجه عدم جوازِ فصل درمیانِ حرفِ موصول وصلۂ آں وبمعنی الوجوب نیز درچند جا، اول: مفعول که متضمن باشد معنی استفهام یا شرط را مثل ایهم ضربتَ وایهم تضرب اضرب، دویم: مضاف بسوئ او مثل غلام ایهم ضربتَ، سویم: مفعول آن فعل که بعد فائے اَمَّا باشد بشرط توسط درمیان اما وفائے او، وفقدانِ منصوب ماسوا این متوسط مثل واَمـا الیتیم فـلا تقهر ونزاع واقع شده است درمیان بصریه وکوفیه درچند صور (اول) زیداً غلامُهُ ضَرَبَ (دویم) غـلامَ أخیه ضرب زیدٌ (سویم) أیَّ شيءٍ اراد اَخَذَ زیدٌ، منع کرده اند هر سه را کوفیه، وجائز داشته اند بصریه، کوفیه گویند که در صورت اولی اعنی زیداً غلامُهُ ضَرَبَ، زیداً بچند وجوه متاخر است اول از جهتِ غلامُهٗ زیرآنکه زیداً، مفعولِ خبرِ غلامُهٗ است وتاخیرِ خبر، اصل است پس معمولِ او بالاولی مستحق تاخیر است، دویم، از جهت ضرب زیرا که معمولِ اوست ومعمول از عامل متاخر باشد سویم از جهتِ فاعلِ ضرب زیرا انکه مفعول از فاعل متاخر میباشد پس اضمار قبل الذکر لازم آید۔ وبصریه گفته اند تقدیم لفظی کافی است ومانند که کوفیه دعوائ امتناع ترکیب مذکور میکنند نه مرجوحیتِ تقدم وراجیتِ تاخر پس آنچه در

بعض متون متینه اشعار بمرجوحیتِ تقدم واقع است از قبیلِ مـالا یعبابه است و درصورت ثانی وثالث مرجع ضمیر مجرور در غلامه ومرفوع در اَرَادَ فاعل است پس اگر تقدیرش قبل مفعول کرده شود لازم آید تقدیم فاعل بر فعل وآن جائز نیست جوابش آنکه تقدیر تقدیم مفعول ضروری نیست بل تقدیر تاخیر مفعول هم ممکن است و اگر تسلیم کرده شود تقدیر تقدیم فاعل پس لابد است از تقدیر تقدیم فعل نیز بنابر لزوم تقدم فعل بر فاعل پس لا محاله مفعول مؤخر باشد وتقدیم فاعل بر فعل نیز لازم نمی آید۔ واگر گفته شود که در صفحه سابقه گذشته است که تقدیم فاعل بر فعل نزد کوفیه جائز است پس این استدلال ایشان چگونه مستقیم باشد گویم که تقدیم فاعل نزد ایشان در انجا جائز است که از تقدیمش تقدیم بر مفعول لازم نیاید بـخـلاف مـا نـحن فیـه پس آنچه در بعض متون متینـه آورده است که این دلیل ایشان یا خبط و یا کذب است لائق اعتماد نیست مع هذا جائز است که طائفه از ایشان قائل بعدم جواز تقدیم فاعل باشد و امتناع مسئله مذکوره هم مذهب ایشان باشد فافهم وجائز نیست حذف فاعل بخلاف مفعول که حذفش جائز است بدانکه این مقدمه مشهور بین الجمهور است تا آنکه انکار کرده اند نحاة، مرکسائی را در تجویزِ او حذفِ فاعل سید سند قدس سرہٗ در شرحِ مفتاح فرموده است وتـجویز الکسائی حذف الفاعل مردود وترکیب ما ضرب واکرم الا انالم یوجد فی کـلام الـعرب فلم یعتدَّ به وان حملهُ الجمهور علی حذف الفاعل وعلامه تفتازانی قدس سرہٗ نیز در شرحِ مفتاح تصریح کرده است بایں الفاظ وأما مـا جوّزه الکسائی من حذف الـفـاعـل فـی بـاب التنازع، والجمهور فی مثل ما ضرب واکرم الا انا، فلم یوجد فی کـلام العرب ورضی نیز در شرحِ کافیه باین کلمات نص کرده است والـکـسـائـی یحذف الفاعل حذراً من الاضمار قبل الذکر فحاله کما قیل: فکنتُ کالساعی الی مثعبٍ.. موائلاً من سَبَل الراعد، وذلک لأن حذف الفاعل اشنع من الاضمار قبل الذکر آه لیکن برین مقدمه اشکال وارد میشود بچند وجوه از حذف فاعل مصدر وحذف فاعل در مثل مـا ضـرب ومـا اکرم الا انا و در اَسْمِعْ بهم وَاَبصِرْ که هر دو فعل تعجب اند و بهم نزد سیبویه فاعل است و در اضـربـن واکـرموا القوم بحذف الواو در هر دو جا، و در مثل ضُـرب زیدٌ بربنائے مجهول وجواب داده اند ازین وجوه اما از اول پس باین نهج که مصدر مثلِ جوامد است زیرانکه موضوع است برائے حدث ساذج از نسبتِ فاعل پس تقاضا نمی کند فاعل را تاکه متصور شود حذفِ او پس این از قبیلِ عدمِ فاعل باشد نه از حذفِ فاعل، بخلافِ فعل

وصفات عاملہ کہ نسبت بسوئے فواعل در مفاہیمِ شان ماخوذ است دتوان گفت کہ اقتضائ
فواعل ازیشان انتفا ورزیدہ است اما از ثانی پس باین وجہ کہ محذوف درباب تنازع نسیًا منسیا
محذوف میشود و درمثل ما ضـرب واکرم الا انا حذف نسیًا منسیا نمیتوان گفت زیرانکہ لازم
آید وجود فعل بلا فاعل پس این از باب تنازع نیست بلکہ دریںجا تقدیر فاعل است وآنچہ منع
است حذف فاعل نسیًا منسیا نہ تقدیراً وباین طور کہ مثل این ترکیب در کلام فصحائے عرب
واقع نہ شدہ اما از ثالث پس باین طرز کہ مذہب جمہور این نیست وکلام بر مذہب ایشانست
وبایں طریقہ کہ عدمِ جوازِ حذف در وقتے است کہ فاعل بر صرافتِ خود باقی باشد و در ما نحن
فیہ صرافت منتفی ست بوجہِ لزومِ جار، اما از اخیرین پس بایں روش کہ ضمہ کہ جزو واو است
قائمقامِ واو است اقامۃً للجزء مقام الکل پس فاعل موجود است اما از اخیر بایں شکل کہ
ممنوع حذفِ فاعل تنہا بدون حذفِ فعل است و دریںجا ہر دو محذوف اند وایں چنیں رواست
خصوصاً ہر یک را قائم مقامے است (۱) فعل مجہول، فعل معلوم را (۲) مفعول، فاعل را و
مخفی نہ ماند کہ حذف دو نوع است یکے آنکہ اسقاط کردہ شود کلمہ را لفظاً ومراد باشد معنًی
واین را تقدیر گویند دویم آنکہ اسقاط کردہ شود کلمہ لفظاً ومعنًی تا آنکہ لفظے کہ تقاضایش میکرد
ازوے مستغنی است واین را نسیًا منسیا میخوانند وجوابِ اول مبنی است بر اینکہ حذفے کہ
ممنوع است از نوعِ اول است زیرانکہ مصدر را مقتضی للفاعل قرار دادہ وبر او متفرع کردہ
کہ این از قبیلِ عدمِ فاعل است کہ او را حذف نسیًا منسیا گویند کہ حکم بامتناعِ او ہیچ کس
ندادہ است وآنچہ از حذفِ فاعلِ ممتنع است نیست مگر اینکہ فعل اقتضایش کند و ذکرش مطوی
کردہ شود کہ او را تقدیر گویند وجواب ثانی مبنی است براینکہ حذف فاعل کہ محذور است از
نوعِ ثانی است زیرا اینکہ مجیب اعتراف کردہ است کہ در مـا ضـرب واکـرم الا انـا تقدیر
فاعل است کہ جائز است نہ حذف نسیًا منسیًا کہ ممنوع است پس در ہر دو جواب منافاۃ
وتباین بیـن است وبعض افاضل قدس سرہٗ فرمودہ اند قول باین نہج کہ در باب تنازع حذف
نسیًا منسیا میباشد خوش مغلطہ است والا لازم آید کہ فعل متعدی در مثل ضـربـت واکرمت زیداً
منزل بمنزلہ لازم باشد وخارج گردد از دائرہ باب تنازع بوجہ عدم اقتضائ مفعول را دریں
وقت پس اقرب آنست کہ گفتہ شود دریں صورت فاعل از صرافتِ نوعِ خود بر آمدہ است
ومُتَزَیِّیْ بِزَیّ مستثنٰی گردیدہ است ومشہور است ومن تَزَیَّیٰ بِزَیِّ قوم فھو منھم وآنچہ بعضے
گفتہ اند کہ مثل ما ضرب واکرم الا انا در کلام عرب یافتہ نہ شدہ است اگرچہ قائلِ وے

بحارِ علم وجبالِ کمال اند لیکن بحکم لکـل عـالمٍ ھفوۃٌ نیز بحکم الـمـجتھـد یخطی ویصیب،
دریں مقام غلطی کردہ اند صاحبِ منہل گفتہ کہ امام جمال الدین ابن مالکؒ بریں ترکیب،
شاہدے از قولِ شاعر آوردہ است ۔

ما صاب قلبی واصباہ وتیمہٗ　　　اِلاَّ کواعبُ من ذھل بن شیبانا

پس تحقیق دریں مقام آنست کہ حذف فاعل وحدہ جائز است قـال تعالی ثم بدا
لھم مـن بـعـد ما راُوا الأیات لَیَسْجُنُنَّہٗ ای بدا لھم رایٌ وآنچہ قوم دریں مقام میگویند کہ
فاعلِ ایں فعل مصدرِ آں (یعنی بـدا، ای بـدا لھـم بدءٌ) است کلامی است غیر محصل چہ معنی
حدثی در مفہوم فعل ماخوذ است پس لازم آید حصولِ کلام از فعل فقط و ارجاعِ ضمیر، مورثِ
تفاوت وتغایر نمی شود لیت شعری چگونہ حکم کرد قرائح بجوازِ اسنادِ فعلِ معلوم بسوئ مصدرِ مطلق
مع تصریحِ شان بامتناعِ اسنادِ فعلِ مجہول بسوئ وے وتجہیل ایشان کہ فاعلِ مطلق در مفہومِ
فعل، ماخوذ است۔

”مصدر“

دویم از عوامل قیاسیہ مصدر است وشیخ ابن حاجبؒ قدس سرہٗ فرمودہ است
الـمـصدر اسم الحدث الجاری علی الفعل وچونکہ توہم میشود از لفظ حدث لزوم صدور در
مصدر واعتبارش مخلِ تعریف بود بوجہ عدم اطرادِ تعریف وفقدانِ شمول او دریں وقت مثل طول
وقصر وموت وحیاۃ راپس تفسیر کردہ است بعض اکابر حدث را وفرمودہ الـحـدث مـعنی قائم
بـالـغـیـر سـواءٌ صدر عنہ کالضرب او لم یصدر کالطول وچونکہ وارد میشود برین تعریف
مثلِ سواد وبیاض وقتیکہ معنئ شاں سیاہی وسپیدی باشد بلکہ جملہ اعراض تسعہ چنیں اند لہٰذا
بعض دیگر قیدے دیگر اعتبار فرمود وگفت بـل الـحـدث ھو المعنی القائم بالغیر من حیث
انـہ قائم بغیرہٖ وتشید کرد ارکانِ او را از کلام سید سندؒ کہ در حاشیہ شرح المطالع فرمودہ لیس
الحدث عبارۃ عـن الـمعنی مطلقا والا لکان کل معنی حدثا بل الحدث منسوب الی
الـفـاعـل بـأنہ قائم بہ فیکون مشتملا علی النسبۃ الی موضوعٍ ما پس اعراض بوجہ عدم
اعتبار نسبت در مفہوم شان خارج شوند واضافت، نفس نسبت است پس خارج است از
حدث بوجہ بودنِ او معنی لازم النسبت نہ نفس نسبت ورد کردہ است این را بعض اَلِبّاء بوجوہ
عدیدہ اول آنکہ در تعریف حدث لفظ صدور واقع شدہ است وصدورِ ضرب مع النسبت متصور

نمیشود آرے صدورِ نفسِ ضرب واقع وممکن است پس حدث، نفسِ ضرب باشد دویم آنکہ شارح رضی گفتہ معنی المصدر عرض لا بد له فی الوجود من محل یقوم به لکنه وضعه الواضع لذلک الحدث مطلقاً من غیر نظر الی ما یحتاج الیه فی وجوده وان الواضع نظر فی المصدر الی ماهیة الحدث لا الی ما قام به فلم یطلب اذن فی نظره لا فاعلا ولا مفعولا بعد ازاں جواب گفتہ اند از اصل اشکالِ خود شان کہ مراد از قیام بالغیر قیام بشرط الحدوث والتجدد است وتعیین کردہ اند این توجیہ را بسیارے از فضلاء لیکن نظرِ غائر حکم میکند کہ امر بخلافِ مزعوم شان است وضالۂ ما در استفسارِ معنی حدوث وتجدد است پس اگر مراد از تجدد، وجودِ شئ بطریقِ عدمِ قرار وعدمِ اجتماعِ اجزائے اوست چنانچہ فلاسفہ در وجودِ حرکت وزمان بیان میکنند چنانکہ از کلام شان فہمیدہ میشود کہ فرمودہ اند فیخرج جمیع الاعراض سوی الفعل والانفعال پس این مغلط است زیرانکہ بسیارے از معانی مصادر آنی اند کہ وجودِ شان باین نہج از ممتنعات است مثل وصول وانطباق ومحاذات واگر مراد از تجدد عدمِ دوام بمعنی الوجود بعد العدم مطلقاً است پس جمیع اعراض درین معنی برابر اند وصفات باری را اعراض نتواں گفت زیرانکہ مثبتین، اعراضِ متعین، متحیز را منقسم بسوئ جوہر وعرض میکنند کما صرح به فی شرح المواقف وحواشیه وآنچہ رد کردہ است کلام سید سندؒ را در شرحِ مطالع بدلیلِ منافاتِ او بلفظِ صدور وکلامِ رضیؒ پس جواب ازان مبنی بر مقدمہ است کہ گوید گاہے باشد کہ امرے جزوِ مفہومِ امری دیگر میباشد مگر جزوِ مدلول ومصداق او نباشد مثل عدم عمٰی کہ جزوِ مفہوم عمٰی است وجزوِ مصداق وے نیست وگاہے جزوِ مفہوم وجزوِ مصداق ہر دو باشد مثل حیوان کہ جزوِ مفہوم انسان است ومصداق او بنا بر وجود کلی طبعی پس میتوان گفت کہ نسبت الی موضوعٍ ما در مفہوم حدث ماخوذ است نہ در مصداق بخلاف فعل پس آنچہ سید سندؒ قدس سرہٗ حکم کردہ باشتمال حدث برنسبت، مراد شان مفہوم حدث است نہ مصداقِ حدث چنانچہ سید قدس سرہٗ در حواشی مطالع فرمودہ المعتبر فی الکلمة الحقیقة ما صدق علیه الحدث کالضرب مثلا لا مفهومه ولا استدراک وآنچہ رضی بعدم اشتمال نسبت حکم کردہ مرادش مصداق حدث است ومراد از صدور نیز مصداق است زیرانکہ صدورِ مفہوم، صورت نہ بندد پس تحقیقِ تعریف آنست کہ مصدر اسم حدث ای معنی قائم بالغیر است کہ در مفہوم آن معنی نسبت الی موضوع ما معتبر است نہ در مصداق وے وآن اسم جاری میشود بر فعل بخلاف اسمائے اعراض کہ مفہوم بعض، نفسِ نسبت است و در مفہوم بعضِ دیگر،

نسبت معتبر نیست پس فرق میان حدث واعراض این است کہ در وجود ہر یک را قیام بالغیر لازم است و در مفہوم اول نسبت ماخوذ است نہ در مفاہیم اعراض وصواب آنست کہ اعراض از قید جریان خارج میشوند زیرانکہ معنی مصدر بالضرورت از قبیل جواہر نیستند پس بالضرورت عرض باشد لاستحالة الخلو منهما ومراد از جریانِ مصدر بر فعل آنست کہ بعد اشتقاقِ فعل از مصدر صحیح بود مفعول مطلق بودن از مصدر وآنچہ رضی گفتہ این لفظ مشترک است درمیان چند معنی مثل جریِ مصدر بر فعل بالمعنی المذکور وجریِ اسم فاعل بر مضارع بمعنی موازنت در حرکات وسکنات وجریِ صیغۂ صفت برشئ بمعنی بودنِ شئ مبتداء ویا ذوالحالؔ یا موصوفؔ یا موصولؔ واولی آنست کہ حد از استعمال الفاظ مشترکہ محفوظ باشد مردود است باین کہ ہر یک را محلے مقرر ومشہور است پس این قرینہ حالیہ رافع است ابہام را کہ از لفظ مشترک پیدا میشود وعدم استعمال مشترک در حدود مشروط بعدم قرینہ است وآنچہ گفتہ بجائے جریان، اشتقاق ذکر کردے پس لازم آید تخصیصِ تعریف بر مذہب بصریہ پس متصور نمیشود در وے خلاف کہ واقع شدہ است درمیان بصریہ وکوفیہ در اصالتِ فعل ومصدر، بصریہ گویند مصدر اصل است وفعل فرع وکوفیہ برعکس واختلاف در وضع است کہ وضع کدام است کہ او اصل باشد ودیگر ازوے بتغیر ماخوذ کردہ شود بصریہ گویند کہ ہر فرع از اصل ساختہ شود چنانچہ خاتم از فضہ پس باید کہ در فرع یافتہ شود آنچہ دراصل مع امر زائد کہ غرض از صوغ باشد وہمین است حالِ فعل بالنسبة الی المصدر کہ باشد در وے معنی مصدر مع زیادت یکی از ازمنۂ ثلاثہ و ازینجا بصریہ گویند کہ لفظ مصدر ظرفست بمعنی موضعِ صدورِ فعل وکوفیہ گویند فعل عمل می کند در مصدر وچونکہ واضع نظر کردہ است در وقتِ وضع بسوئے حالتِ ترکیبی کلمات ونظر در حالتِ ترکیبی مصدر و وضع او باین نہج کہ در ترکیب بیاید بجز آنکہ قبلِ وضعِ او فعل را وضع کند ممکن بنود لہذا قبلِ وضعِ مصدر، فعل را وضع کرد وصوغِ فرع از اصل در زیادتی منحصر نیست بلکہ آنچہ ضروری است تغیر است وتغیر بزیادتی ونقصان ہر دو متصور ومعقول میشود آیا نہ بینی کہ از شجر کبیر سریر صوغ میکنند بدون زیادت وازینجا کوفیہ گویند کہ لفظ مصدر مصدر میمی است بمعنی اسم الفاعل یعنی صادر عن الفعل پس آنچہ رضی گفتہ است در رد دلیل کوفیہ ومغالطةٌ لانه قبله بمعنی ان الاصل فی وقت العمل ان یتقدم لفظ العامل علی لفظ المعمول والنزاعُ فی انّ وضعهٗ غیرُ مقدمٍ علی وضع الفعل فاین احد التقدمین عن الاخر منشاش عدم فہم کلام کوفیہ است وحق درینجا از کوفیہ تجاوز نمیکند وہمین تصریح کردہ است بعض اساتذہ کرام رحمہم اللہ

تعالٰی و از قید اشتقاق خارج میشود ہر اسمیکہ ولالت کند بر معنی مصدر ومشتق نمیشود ازوے فعل وآن بحکم استقراء سہ اند اول آنکہ بآخرش یائے مصدری پیوندد دویــم آنکہ دلالت بر معنی حدث کند لیکن از لفظ وے فعلے ماخوذ نبود مثلِ سبحان بناء بر مشہور سوم اسم مصدر مثل مصدر میمی و ہر لفظے کہ بر معنی حدثی دلالت نکند لیکن مستعمل درآں معنی شود مثل عطاء و از ہمیں قبیل است مثل ویل ویح چونکہ لازم نیست کہ ہر کہ مفعول مطلق باشد مصدر باشد پس استدلال بنصب اینہا بر مصدریت اینہا پس اعتراض بر قید اشتقاق کہ ایں مضر است متوجہ نمیشود کما لا یخفی وتغییر ازینہا بلفظِ مصدر مبنی بر مسامحت است فتدبر ومصدر عمل میکند مثل عملِ فعلِ خود بشروط اولؔ آنکہ مفرد بود دویمؔ آنکہ اسم ظاہر بود نہ ضمیر سویمؔ آنکہ مکبر بود نہ مصغر۔ چہارمؔ آنکہ ولالت نکند بر مرّہ۔ پنجمؔ آنکہ مقترن بحال نباشد۔ ششمؔ آنکہ معرف باللام نباشد ہفتمؔ آنکہ مفعولِ مطلق نبود لیکن بوقتیکہ قائم مقام فعل نباشد۔ ہشتمؔ آنکہ متاخر از معمول نباشد۔

’’اسمِ فاعل‘‘

سویم از عواملِ قیاسیہ اسم فاعل است وتعریف کردہ است شیخ ابن حاجبؒ اسم فاعل را باین طور اسم الفاعل ما اشتق من فعل من قام به بمعنى الحدوث ومراد از فعل معنی لغوی فعل است اعنی مصدر است زیرآنکہ قیام معنی اصطلاحی صورت نہ بندد آرے سیرا فی اسم فاعل را از فعل وفعل را از مصدر مشتق میگوید وگفتہ است شیخ مذکور در شرح کافیہ قوله ما اشتق من فعل يدخل فيه المحدود وغيره وقوله من قام به يخرج منه ما سوى المحدود الا الصفة المشبهة وقوله بمعنى الحدوث يخرج الصفة المشبهة لأن وضعها على ان تدل على معنى ثابتٍ واعتراض کردہ اند کہ تعریف مذکور بر اسم تفضیل صادق می آید پس مانع نہ گردد زیرانکہ او نیز گاہے مشتق بود از مصدر برائے ذاتے کہ قائم باشد باوے فعل بمعنی الحدوث چوں اَضرَبُ واگر گفتہ شود کہ مراد آنست کہ تمام ما وضع له او من قام به الفعل باشد واسم تفضیل اگرچہ موضوع باشد برائَ من قام به الفعل لیکن مع زیادت پس لازم آید خروج باسمِ فاعل کہ مشتق برائے مغالبہ باشد زیرانکہ او مع دلالت او بر من قام به الفعل دلالت بر غلبہ و زیادت نیز میکند فما هو جوابكم فهو جوابنا ونیز وارد میشود صیغِ مبالغہ و ازینجا اسنادِ اخراجِ اسم تفضیل بسوئَ قول شیخ بمعنی الحدوث کردہ اند وجواب دادہ اند از خروج اسم الفاعل کہ از باب مغالبہ بنا کردہ شود مثل كارمنى مكرمة

وانا كارم کہ آن موضوع است برائے ذاتیکہ قائم باشد باوے غلبہ در معنی مصدر نہ برائے ذاتے کہ قائم باشد باوے معنی مصدر وغلبہ، ومخفی نیست پس بعضی گفتہ اند کہ اسم تفضیل اگرچہ مشتق بود برائے ذاتے کہ قائم باشد باوے فعل بمعنی الحدوث لیکن حدوث کہ در مفہوم اسم فاعل ماخوذ است مقید است باحد الا زمنة الثلاثه وحدوث کہ در مفہوم اسم تفضیل است بمعنی تجدد است لیکن التزام ایں امرِ خیالی مستبعد است زیرانکہ کہ ہیچ امر کہ دلالت قطعی بر تقیید حدوثِ ماخوذ در اسم فاعل باحد الا زمنة الثلاثة کند یافتہ نہ شدہ الا آنکہ اِعمالِ او مشروط است بہ شرط زمانِ حال واستقبال واشتراط مذکور برین تقیید دلالت نمیکند بلکہ گاہے بر خلافِ وے دال باشد توان گفت زیرانکہ اگر امر چنین بودے احتیاج اشتراط نیفتادے وبعض گفتہ اند کہ اسم فاعل کہ صوغ کردہ شود برائے مبالغہ موضوع باشد برائے غلبہ در معنی مصدر نہ برائے معنی مصدر مع غلبہ وزیادت پس تمام موضوع لہ او من قام به الفعل یعنی غلبہ در معنی مصدر است وخروج صیغ مبالغہ مضر نیست بوجہ نبودنِ شان از افراد معرف زیر انکہ ابن مالکؒ در شرح تسہیل گفتہ کہ اشتراطِ جریانِ اسم فاعل غیر صیغ مبالغہ است لیکن عبارت تسہیل برخلاف وی دلالت میکند کما لا يخفىٰ على من طالع التسهيل وصیغۂ او از ثلاثی مجرد بر فاعل می آید و از غیروے بر وزنِ مضارع مگر بجائے حروف المضارعة میم مضموم آوردہ شود وما قبل آخر او مکسور کردہ شود، میکند عملِ فعلِ خود لازم ومتعدی بشروط معنی حال واستقبال واعتماد بر صاحب خود باہمزہ ونفی ونحاۃ اگرچہ درین مقام تفصیل واجمال کردہ اند اما بضرورت مقام، اقتضائَ ایشان را ترک میدہم ومیگویم عملِ او یا در فاعل باشد یا مفعول یا در جار ومجرد مجرور وظرف ویا در حال ومفعول مطلق واشتراط معنی حال واستقبال در صورتِ اُولیٰ نیست قال الرضى اما اسما الفاعل والمفعول فعملهما فى مرفوع هو سببٌ جائز مطلقا سواء كان بمعنى الماضى أو بمعنى الحال والاستقبال او لم يكونا لاحد الازمنة الثلاثة بل كانا للاطلاق المستفاد منه الاستمرار وذلک لان ادنى مشابهةٍ للفعل يكفى فى عمل الرفع لشدة اختصاص المرفوع بالفعل و درصورتِ ثانیہ شرط است زمانۂ حال واستقبال قال الرضى انما اشترط فيه الحال والاستقبال للعمل فى المفعول لا فى الفاعل و درصورتِ ثالثہ ورابعہ اشتراطِ مذکور نیست قال بعض الفضلاء فى حواشيه على الفوائد الضيائية اعلم ان كون العمل مشروطاً بشرطِ معنى الحال والاستقبال لكلٍ من اسم الفاعل اللازم والمتعدى من غير استثناءٍ يوجبُ كونَ عملهٖ

فی الفاعلِ والظرف والحال والمفعول المطلق مشروطا به مع انه لیس کذلک الا ان یقال اطلق الکلام بناء علی شهرة عدم الاشتراط ۔ وظاہر آن کہ شرطِ اعتماد عام است مخصوص نیست بعمل در چیزے معنی حال واستقبال یا اعتماد مطلق یا نہ، ظاہر کلام نحاۃ اجتماع شرطِ معنیٔ حال واستقبال نیست اما اجتماع او باعتماد بر حرف نفی واستفہام پس رضی گفتہ کہ ظاہر کلامِ نحاۃ دلالت کند بر اشتراطِ اجتماع، اما چنین نیست کذا فی بعض الحواشی وصواحب او مبتدء و ذو الحال وموصوف و لام موصولہ ونیز شرطِ است عدم تصغیر وعدمِ توصیف او خلا فالمن زعم خلافه باقی ماند دریں جا اشکال مشہور کہ واقع شدہ در کلام مقدس وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ واسم فاعل عمل میکند در مفعول باوجود فقدان شرائطِ عمل و ازیں جا کسائی گفتہ شرط نیست درعملِ اسم فاعل زمانۂ حال واستقبال وجواب دادہ است رضی کہ باسط دریں آیت بمعنی حال است لیکن حال حکائی است نہ تحقیقی وشرط معنی حال است مطلقاً ونقل کردہ است از اندلسی معنی حال حکائی باین عبارت قال الاندلسی معنی حکایة الحال ان تقدّر نفسک کانک موجودٌ فی ذلک الزمان او تقدر ذلک الزمان کانهٗ موجودٌ الآن وصواب آنست کہ این تاویل وجواب از قبیلِ آب ندیدہ موزہ کشیدہ است زیر انکہ بسطِ ذراع در زمانِ اخبار نیز بود زیر انکہ سیاق آیت بریں دلالت میکند پس باوجود تحقق حال تحقیقی چگونہ قول بحالِ حکائی از ہم چنین ائمہ صادر شدہ آرے اگر کسائی گوید کہ نیست اشتراط یکے از ازمنہ درعملِ اسم فاعل بلکہ بر تقیدِ استمرار نیز عمل میتوان کرد و در استدلال خود این آیت آرد قوم را چارہ بجز تسلیم نیست وحملِ کلام او بریں معنی ممکن است و وارد میشود اشکالِ دیگر کہ اسم فاعل در یا طالعاً جبلاً عمل میکند باوجود فقدانِ شرطِ اعتماد بر یکے از اشیاء معتمد علیها قال الفاضل العصامُ هذا المثال من المزالق النحوية فانه لا معتمد لعمل طالعاً وبعض گفتہ کہ اعتماد بر موصوف مقدر است وفاضل ہندی در ارشاد فرمودہ است کہ اصل او یا ایها الطالع جبلا است حذف کردہ شدہ لام برائے اکتفاء کردن بر یا پس نماند احتیاج بسویٔ ایُها وبعض گویند اعتماد کردہ است بر حرف نداء وکلام نحاۃ در مقام اعتماد صفت مخل است ومولانا اللہ داد جونپوریؒ در حاشیہ شرح ہندی گفتہ است قال الرضی الاعتماد علی موصوفٍ مقدّرٍ غیرُ معتبر عند الجمهور وجعل یا طالعاً جبلاً من کلام المولدین ثم لما لم یصح الاکتفاء بالموصوف المقدّر للاعتماد وجب ان لا یکتفی بالموصول المقدّر أیضاً بل اولٰی لکثرة حذف الموصوف وقلة حذف الموصول ولا یستقیم ما

قال الشارح فی الارشاد قال الفاضل العصام فی شرح الکافیة ولشهرة التمثیل فی کتبهم اجترء البعض فقال ما یعتمد علیه الصفة حرف النداء فاعتمد علی التمثیل وظن الخلل فی ما یعتمد علیه الصفة فی مقام التفصیل وبعض محشینؒ گفتہ اند کہ رضیؒ اعتماد بر موصوف مقدر مطلقاً را غیر معتبر نگفتہ بلکہ وقت قوتِ قرینہ جائز داشتہ وپوشیدہ نماند کہ اگرچہ این معنی در عبارت رضی بالتصریح آوردہ شدہ اما تصریح او کہ قول نحاۃ یا ضارباً غلامهٗ کہ قول ایشان یا طالعاً جبلاً نیز ازیں قبیل ست کلامیست غیر مستند بکلام موثوق بہ حکم میکند کہ تقدیرِ موصوف در یا طالعاً جبلاً جائز نیست وکلام در مقام حذفِ موصوف بوجہ مطلق بودن، اگرچہ ایماء میکند بجواز یا طالعاً جبلاً اما تخصیص او بوجہے کہ یا طالعاً جبلاً را شامل نبود ضروری است بجہت ارتفاع تدافع ہر دو کلام رضی هذا ولعل الله یحدث بعد ذلک امراً۔

''اسم مفعول''

چہارم از عوامل قیاسی اسم مفعول است وتعریف کردہ است او را شیخ ابن حاجبؒ در مقدمۂ نحو کہ آن اسمے است مشتق از مصدر، موضوع برائے ذاتیکہ فعل بروے واقع شود وحال او درعمل واشتراط مانندِ اسم فاعل است ازوی قیاس باید کردہ ہم چنین تصریح کردہ اند متاخرین وعدم تقید تعریف بالحدوث مبنی است بر استغناء بوجہ عدم صدق تعریف بر صفت مشبہ۔

''صفتِ مشبہ''

پنجم از عوامل قیاسیہ صفت مشبہ است وتعریف کردہ است آنرا بعض مؤلفین بآنکہ او اسمے است مشتق از فعل لازم برائے من قام به الفعل بمعنی الثبوت وعلما را اختلافست در معنی ثبوت، بعض گفتہ اند کہ مراد از ثبوت استمرار است وبعض گفتہ اند مراد مطلق اتصاف است ووصف کردہ است ثانی را بعض مؤلفین کہ ہمون تحقیق است وتائید کردہ شدہ است اول بتصریح سیدِ محققین در شرح مفتاح واعتراض کردہ است بر اول رضی باین عبارت والذی اری أن الصفة المشبهة کما انها لیست موضوعة للحدوث لیست أیضا موضوعة للاستمرار فی جمیع الازمنة لان الحدوث والاستمرار قیدان فی الصفة ولا دلیل فیهما علیهما فلیس معنی نحو حسن الوجه فی الوضع الا ذو حسن سواءٌ کان فی بعض الازمنة أو جمیع الازمنة ولا دلیل فی اللفظ علی احد القیدین کما کان فی اسم الفاعل وهو غلبة

استعماله فی الحدوث ومن ثمه تحول الصفة عند قصد الحدوث اليه فجعلها حقيقةً فی احدهما تحكمٌ والاصل ان تقول هی حقيقة فی القدر المشترک بينهما وهو الاتصاف بالجنس مطلقا وشاید کہ از ہمیں اعتراض فاضل تفسیر کردہ است کلام ابن حاجب را بمطلق اتصاف ووصف کردہ است بعض مؤلفین ایں قول را بہ تحقیق، وظاہر آنست کہ مراد از ثبوت استمرار است ومطلق اتصاف مدلول اسم فاعل است قال السيد السندؒ فی شرح المفتاح أن الصفة المشبهة للاستمرار واسم الفاعل للاطلاق ومعنی كونه بمعنى الحدوث انه قابلٌ لاعتبار الحدوث فيه بخلاف الصفة فيصح ان يقال زيدٌ ضارب غداً او الآن او امس وکلام او صریح است درینکہ وقتِ قصدِ حدوث تحویل میکنند صفت مشبہ را با اسم فاعل واگر مدلول او مطلق اتصاف بود پس چرا تحویل کردند و اگر گفتہ شود کہ مرادِ او قصدِ نص بر حدوث است چنانچہ این نیز از تصریحاتِ او است پس گویم نابودنِ صفت مشبہ نص در حدوث یا بوجہ غلبۂ استعمالِ او است در استمرار یاظہور اطلاق در استمرار غالب در استمرار یا ظہور اطلاق در استمرار بر تقدیر اول متناقض گردد با کلام او ولا دليل فی اللفظ زیرانکہ کلام او بر ایں دلالت میکند کہ غلبۂ استعمال اسم فاعل در حدوث دلالت میکند بر بودنِ او موضوع برائے حدوث وچون استعمالِ صفت مشبہ در استمرار غالب گردید تناقض لازم آمد ومجرد ظہور عقلی مانع نمی گردد از نص بودنِ او در حدوث تا احتیاج بسوئے تحویل افتد علاوہ اینکہ جمیع مقدمات کلام اُو ادعائی اند وعمل میکند مثل عمل فعل بشرط اعتماد فقط زیرانکہ اشتراطِ زمان منافیِ مدلول است ورضی وتابعینِ او گویند کہ وجہ عمل مشابہتِ او باسم فاعل است درمعنی زیرانکہ حسن وضارب ہر دو بمعنی ذوحسن وذوضرب اند و وارد میشود بر ایشان کہ اسم فاعل خود بوجہ تشابہ لفظی ومعنوی او بافعل است واین صفت مشبہ باوجود بودنِ او فرعِ اسم فاعل چونکہ بمجرد تشابہ، عملِ فعلِ کند والا لازم آید مزیتِ فرع بر اصل وباتباع سید محقق قدس سرہٗ این اعتراض از سر ساقط است زیرانکہ استمرار بدونِ حال واستقبال صورت نہ بندد ومع ہذا دلالت بر ماضی نیز کند پس متاکد گردد فرعیتِ او ومتشابہ گردد جمیع اصنافِ فعل را بدانکہ صفت مشبہ یا معرف باللام باشد یا معرف بالاضافۃ یا مجرد از ہر دو ومعمولِ او یا معروف باللام باشد یا معرف بالاضافۃ یا مجرد از ہر دو وبر ہر تقدیر یا مرفوع باشد یا منصوب یا مجرور پس جملگی مسائل ہژدہ اند ومثال ہر یک این است حَسَنَ وجهه برفع معمول ونصب او وجراو وحسن الوجه ہم چنین این تسعہ امثلہ اند کہ صفت درینہا مجرد از لام باشد وتسعۂ دیگر کہ

صفت در انجا معرف باللام باشد بریں قیاس وایں جدول را لازم گیر۔

الصفة معرفة باللام والمعمول مرفوع	الحسن الوجہ ق	الحسن وجہہ اح	الحسن وجہ ق
الصفة مجرد عن اللام والمعمول مرفوع	حسن الوجہ ق	حسن وجہہ اح	حسن وجہٌ ق
الصفة معرفة باللام والمعمول منصوب	الحسن الوجہ اح	الحسن وجہہ ح	الحسن وجہاً اح
الصفة مجردة عن اللام والمعمول منصوب	حسن الوجہ اح	حسن وجہہ ح	حسن وجہاً اح
الصفة معرفة باللام والمعمول مجرور	الحسن الوجہ اح	الحسن وجہہ ممتنع	الحسن وجہ ممتنع
الصفة مجردة عن اللام والمعمول مجرور	حسن الوجہ اح	حسن وجہہ خلافیہ	حسن وجہ اح
	المعمول باللام	المعمول مضاف	المعمول مجرد عن اللام والاضافۃ کلیہما

وتقسیم مسائل مذکورہ باعتبار صحت وبطلان وحسن وقبح اینست کہ دو ازین مسائل ممتنع اند بالاتفاق و واحد مختلف فیہ است چہار قبیح اند ودوحسن ونہ احسن اند واین بیت فارسی مسموع از استاذ محقق مرحوم مغفور ضابطہ است

دو حسن و نہ احسن　　قبیح است چار

دوممنوع و واحد خلافی شمار آنچہ دوممنوع اند یکے از ایشان صفت است معرف باللام کہ مفرد باشد ومضاف باشد بسوئ معمول خود کہ آن معمول نیز مضاف باشد یا بسوئ ضمیر موصوف مثل زيد الحسن وجهه ویا مضاف باشد بسوئ اسمی کہ او مضاف باشد بسوئ ضمیر موصوف مثل زيد الحسن وجه غلامه وہمچنین زيد الحسن وجه غلام اخيه ووجہ امتناعش اینکہ فائدہ اضافت لفظی نیست مگر تخفیف در لفظ واین جا تخفیف یافتہ نمیشود پس اضافت باطل شد ووجہ فقدانِ تخفیف اینکہ تخفیفِ صفت منحصر درچند صور (۱) حذف تنوین (۲) حذف نون (۳) حذف ضمیر بارز وآوردنِ ضمیر مستتر مثل الحسن الوجه کہ اصلش الحسن وجهه بود پس ہر گاہ اضافت کردند صفت مانند صفت بے فاعل پس اعتبار کردند در صفت ضمیر مستتر وحاجت نماند بسوئے ضمیر بارز پس حاصل شد تخفیف در لفظ و در مانحن فیہ ہیچ یکے از اصناف تخفیف حاصل نیست زیرانکہ الحاق تنوین باوجود لام تعریف ممکن نیست وضمیر بارز باقی است دویم آنکہ صفت معرف باللام باشد ومضاف باشد بسوئ معمول مجرد از لام واضافت، مثل الحسن وجه ووجہ امتناعش مشہور اینست کہ این اضافت مفید تخفیف است بحذف ضمیر واستتار او در صفت لیکن اضافت معرفہ بسوئ نکرہ در اضافتِ معنوی چونکہ ممتنع است لہذا در لفظی ہم ممتنع باید تا فرع مخالفِ اصل از ہر وجہ نباشد وتحقیق اینست کہ الحسن وجه دراصل

الحسن وجها بود یا الحسن وجهۂ بالرفع فاعل بود، درصورت اولی تخفیف نیست و در صورتِ ثانیہ اگرچہ تخفیف ہست اما مشابہت باصورتے کہ دروے ہیچ وجہ تخفیف نیست مستوجبِ اشمئزاز گردید یا وجہ مشہور وآنچہ مختلف فیہ است اینکہ صفت مجرد باشد از لام ومضاف باشد بسوئے معمولِ خود کہ مضاف باشد بسوئ ضمیر موصوف مثل حسن وجهۂ بصریان گویند ممتنع است وکوفیین گویند جائز است وجواز او نزد بصریین مع الاستقباح در شعر فقط مخل نیست امتناع را کہ او شاں قائل اند بوے زیر انکہ ضرورت، محظورات را مباح میکنند وجہ اشمئزاز اینکہ اضافت بعض تخفیف کردہ شود وتخفیف بحذف ضمیر راجح است از تخفیف بحذف تنوین پس ترکِ اعلیٰ مع امکانِ او واختیار ادنے ترجیح مرجوح است ووجہ جواز حصول تخفیف است فی الجملہ۔ وچہار قبیح الحسن الوجه وحسن الوجه والحسن وجه وحسن وجه اند کہ درہمہ معمول مرفوع است وجہ استقباحِ شان فقدانِ رابط است ودو حسن حسنٌ وجهه والحسن وجهه اند کہ معمول در ہمگاں منصوبست وجہ حسن ایشان کہ مشتمل اند بر ضمیر محتاج الیہ ووجہ عدم احسنیت ایشان اینکہ مشتمل اند بر زائد از قدرِ حاجت ونہ(۹) احسن الحسن الوجه والحسن الوجه وحسنٌ الوجهَ وحسن الوجهِ والحسنُ وجهاً وحسنٌ وجها وحسن وجهِ والحسن وجهُهٗ وحسن وجهه اند۔ ووجہ احسنیت ایشان اینکہ مشتمل اند بر رابط محتاج الیہ بلا زیادت ونقصان وضابطہ اینست کہ ہر مسئلہ کہ در وی ہیچ یکے از ضمیر نباشد قبیح است وآنچہ در وے دو بود حسن وآنچہ دردے یک بود احسن۔

”مضاف“

ششم از عوامل قیاسیہ مضاف است بدانکہ اختلاف است در عاملِ مضاف الیہ، بعضی گویند عامل در وے حرفِ جر است زیر انکہ قیام معنے اضافت بامضاف الیہ بوجہ حرفِ جر است زیرانکہ معنی غلامُ زیدٍ حصول لزید است واگر گفتہ شود کہ حرفِ جر مقدر چگونہ عمل توان کرد گویم حذفِ جر محذوف نسیًا منسیا نیست بلکہ مضاف قائم است مقامِ وے وعمل مقدر کہ چیزے قائم باشد مقامِ وے جائز است بلا ضعف مثل عملِ ربّ مقدرہ وقتِ قیام واو یا فاء یا بل مقامِ او واگر گفتہ شود پس لازم آید بنائے مضاف بسببِ تضمنِ او معنی حرف، گویم مضاف متضمن نیست بلکہ دال است بروی ولامِ خود موجود است حکماً بوجہ بقائے عملِ او وبعض گویند کہ عامل معنی اضافت است ورد کردہ است این را رضی بایں طور کہ اگر مراد از اضافت نسبت است بین المضاف والمضاف الیہ پس باید کہ ہمون نسبت عمل کند در

فاعل ومفعول وبعض گویند عامل در وے مضاف است زیرانکہ عمل مقدر ضعیف است از موجود وترجیح مرجوح محال است واگر حرفِ جر مقدر بودے مثل غلام زید نکرہ بودے نہ معرفہ مثل غلام لزید زیرانکہ مقدر مثل ملفوظ است، باقی ماندہ دریخجا اشکالے مشہور کہ عامل در مضاف الیہ باضافت لفظی کدام است اگر حرف مقدر گویم صورت نہ بندد زیرانکہ قول بتقدیر حرفِ جر مختص باضافت معنوی است وہم چنین معنے اضافت زیر انکہ معنی اضافت عامل نتوان شد واگر نہ، لازم خواہد آمد انجرار جمیع معمولات بلکہ عامل آن معنے اضافت کہ بسبب حرف جر حاصل شدہ باشد ومضاف نیز نمی توان شد ورنہ لازم آید رافع وجارّ بودن یک اسم، وجواب آن از کلام ابن حاجبؒ این چنین فہمیدہ شود کہ حرف جر در آنجا نیز مقدر باشد وشارح رضی گفتہ کہ جر در وے بوجہ تشبیہ او بہ مضاف حقیقی است۔

”اسمِ تام“

ہفتم از عوامل قیاسیہ اسم تام است واسم تام آن اسم است کہ تام باشد بتنوینِ ملفوظ مثل رطلٌ زیتًا یا بہ تنوینِ مقدر مثل غیر منصرف ومبنی یا بنون تثنیہ یا شبہ جمع مثل منوان سمنا ومثل عشرون رجلاً یا باضافت مثل على التمرة مثلها زبداً یا بنفس خود نہ بچیزے ماسوا ازین مثل ضمائر مبہمہ مثل وبه رجلا واسماء الاشارة مثل بهذا مثلاً نزدیک بعض ومعنے تمام بودن اسم اینست کہ اسم برجائے باشد کہ باوجود آن حالت اضافتِ آں جائز نہ باشد واسم باوجود ایں، مستحیل الاضافت است كما لا يخفى واگر گفتہ شود کہ ایں اسم چگونہ نصب دہد تمیز را گویم چونکہ اسم بایں اشیاء تمام گردد مشابہ گردد فعل را تام باشد بافاعل پس تمیز کہ بعد از اسم مذکور آید مشابہ باشد مفعول را کہ بعد از فاعل محلِ اوست پس چنانکہ مفعول منصوب باشد اسم مذکور ہم منصوب خواہد شد۔

”اسم تفضیل“

بدانکہ از عوامل قیاسیہ اسم تفضیل نیز است زیر انکہ نصب میدہد حال را وتمیز را ومفعول فیہ را بلا شرط شئے ورفع میدہد اسم تفضیل فاعل ظاہر را بشرائط مذکورہ در مسئلہ کحل ومعلوم نیست وجہ شمردن مصنفؒ او را از عوامل قیاسیہ وبعض شراح گفتہ اند کہ اسم تفضیل یا برائے زیادتی فاعل باشد یا مفعول یا صفت مشبہ پس ملحق باشد بہ یکے ازینہائے پس حاجت بہ شمار کردنِ او از عوامل علیحدہ نیست ودیگر نیز اعذار باردہ گفتہ شدند کہ ترک آنہا

از ذکرِ شاں اولیٰ و احسن است۔

''عواملِ معنویہ''

قال المصنف رحمۃ اللہ علیہ بیت

عامل فعل مضارع معنوی باشد بداں ۔ این چنین معنی بود عامل یقین در مبتداء

چون فارغ شد مصنف علیہ الرحمۃ از تعدید عواملِ لفظیہ شروع کرد عواملِ معنویہ پس گفت عامل فعل آہ عامل معنوی نزد ناظم اقتفاء بشیخ عبد القاہر در دو منحصر است وعامل معنوی نزدیک بعض شارحین کلام عبد القاہر این است ما یعرف بالقلب ولیس للّسان فیہ حظ چونکہ حظ نکرہ است در حیز نفی پس معنی فعل کہ مستفاد میشود از حرف تنبیہ وحرف اشارہ کہ عامل باشد در حال عامل لفظے خواہد شد زیرانکہ لسان را حظے ازوے باشد بوجہ ملفوظ بودنِ اسمے کہ دال باشد بر آن معنی وعامل معنوی نزد ناظم اقتفاء بشیخ عبد القاہر در دو منحصر است عاملِ مبتدء وعاملِ رفع در مضارع۔

''عاملِ مبتداء''

عاملِ مبتداء، ابتداء است وتفسیر کردہ اندش بآنکہ او تجرید کردنِ اسم است از عوامل لفظیہ برائے اسناد پس این معنے بوجہ اقتضائے او ہر دو مبتداء وخبر را، عامل است در ہر دو، واعتراض کردہ اند کہ تجرید امر عدمی است پس مؤثر چگونہ توان شد پس باید کہ تفسیر کنند بآنکہ او گردانیدنِ اسم است در صدر تحقیقاً وتقدیراً وجواب دادہ اند ازینکہ چیست مراد از عدمی بودنِ تجرید، اگر مراد معدوم بودنِ او در خارج است پس گردانیدنِ مذکور نیز بوجہ امر اعتباری بودن، موجود فی الخارج نباشد و اگر مراد این است کہ عدم در مفہوم او داخل است پس استحالۂ مؤثر بودنِ او مسلّم نیست زیرانکہ دخولِ عدم در مفہوم، مانع از تاثیر نمی تواں شد، وصاحب عباب فرمودہ کہ ابوعلی گفتہ است ان المراد من التجرید کون المبتدأ اولاً لثان وذلک الثانی حدیث عنہ وکسائی گفتہ است کہ ہر یکے از مبتداء وخبر عامل است در دیگر، وارد میشود بروے کہ مرتبۂ عامل تقدم است بر معمول وچون ہر یکے عامل باشد پس لازم آمد متقدم بودن ہر یکے بر دیگرے وآن دَور است ودر تعیینِ عاملِ مبتداء اضطراب است کہ ذکر کردہ ایم او را در وافی مع دفع او۔

''عاملِ مضارع''

عاملِ رفع در مضارع نزدیک بعض، تجردِ اوست از نواصب وجوازم ونزد بعض، واقع بودن موقع اسم ونزد بعض، حروفِ مضارعت، واعتراض کردہ شدہ است بر قائلین وقوع کہ رفع او در مواضعے کہ وقوع ممکن نیست مستلزم تخلف است در اثر ومؤثر، و او چونکہ محال است پس قولِ مذکور محال باشد وجواب او در مبسوطات خصوصاً شرح وافی مسمے بہ جوف الفراء کہ این فقیر غلام محمد عفی اللہ عنہ نظر بر امتنانِ حق تعالیٰ شروع کردہ است بر وجہ بسیط است وہمچنین کلام بر مذاہبِ دیگر۔

ہذا وباللہ التوفیق بروز ہفت وبیست رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ در مسجد جنوبی گھوٹہ شریفہ باختتام رسید بتوفیق ایزدی وعنایت الٰہی اللھم اجعل خاتمۃ امری مع الایمان واحشرنی فی زمرۃ جملۃ الصالحین بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ ومن آمن بہ اجمعین.



باب ہشتم

کتاب مستطاب مسمّٰی بہ

”معائنہ بلا شیب“

(در مسئلہ علمِ غیب)

تصنیف لطیف

حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی

قدس سرہٗ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد اور ثناء لاتعداد ولا تحصیٰ واسطے اس خالقِ پاک کے کہ خلق الانسان o علمہ البیان جس کا فرمان ہے اور درود لامحدود اس رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ علمک مالم تکن تعلم جس کی شان ہے اور تحفۂ سلام اِلٰی یوم القیام آل اطہار پر اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم پر کہ جن کے حق میں علّمتم مالم تعلموا صادق بیان ہے ۔ اَمّا بعد واضح ہو کہ استحکام امورِ اہلِ اسلام، اتحادِ ملت اور محبت باہم پر مبنی ہے چنانچہ آیت: ﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ اس پر شاہد ہے اور بربادی کا باعث، فتنہ وفساد اور نزاع وجدال ہے، چنانچہ آیت: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ اس پر دال ہے۔

زمانۂ ظہورِ اسلام سے اہلِ اسلام میں ایسی محبت اور مؤدّت چلی آ رہی ہے کہ بھائیوں سے بھی زیادہ باہمی الفت رکھتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے بعض بھائیوں نے ایسا فساد اور فتنہ مچایا کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ضد کر کے ایک جنگ برپا کر دی۔

اب جو ہمارے شہر ملتان میں چھیڑ چھاڑ یارسول اللہ کہنے سے منع کرنے کی شروع ہوئی تو بعض بھائیوں نے شرک اور کفر تک کا فتویٰ لگا دیا جبکہ دوسری طرف نے جواب پر کمر باندھی، رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بحث اس بات میں شروع ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیبات پر اطلاع نہیں ہے۔ چنانچہ ان بھائیوں نے ایک بیچارے طبیب صاحب مسمّیٰ مولوی رحیم بخش کو کہ وہ ایک سیدھے سادے آدمی ہیں اور فقیر (شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹویؒ) کے بھی بڑے مہربان ہیں، نشانہ اور آڑ بنا کر ایک رسالہ ان کے نام پر چھپوا کر شائع کیا۔

رسالہ مذکورہ اگرچہ اُن کے مطلوب کے کسی قدر برخلاف بھی ہے مگر وہ چالاک بھائی بڑے خوش ہو کر بزعم خویش کہتے پھرتے ہیں کہ ہمارے رسالے میں صریح سندات ہیں، ہمارے مخالف اس کا جواب کہاں سے لائیں گے؟ اگر انکل پچو جواب بنائیں گے تو چار سطر کے جواب سے اُڑا دیئے جائیں گے۔

باعث قلم اٹھانے کا اوّل تو اظہارِ حق اور طلبِ ثواب ہے۔ دوسرا یہ کہ جناب طبیب صاحب اتفاقاً ایک روز بوہڑ دروازہ ملتان میں فقیر کو ملاقی ہوئے اور اپنا رسالہ عطا

فرمایا اور ساتھ ہی کہا کہ اس رسالے میں فکر فرما کر جو حق بات ہو اس سے مجھے مطلع فرما دیں، طبیب صاحب میرے خیال میں حقیقت پسند آدمی ہیں۔ چنانچہ بندہ نے قلم اٹھایا، تیسرا یہ کہ بعض علماء وصلحاء برگزیدگانِ خدا (اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف دار العلوم گھوٹہ شریف کی طرف اشارہ ہے) کہ جن کے حکم سے فقیر کو سرتابی کی مجال نہیں۔ فقیر کو حکم فرمایا کہ یہ رسالہ اس قابل نہیں کہ علماء اس کا جواب لکھیں لہٰذا تم اس پر قلم اٹھاؤ اور حق ظاہر کر دو۔

اگرچہ فقیر کو چنداں مایۂ علمی نہیں مگر مسلمان بھائیوں کی خدمت میں جو کچھ کہ فقیر کے ذہنِ فقیر میں آتا ہے بعون اللہ وحسن توفیقہ لکھ کر پیش کر دیتا ہے، کیونکہ حق کو چھپانا گناہ کبیرہ ہے۔

قال الطبیب سوال: عوام الناس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کل کا کل دیدیا ہے کیا یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط؟ جواب از طبیب:- یہ اعتقاد محض غلط ہے کیوں کہ اگر دیا گیا ہوتا تو پھر خدا پاک اپنی کتاب میں ان کی طرف مخاطب ہو کر یہ نہ فرماتا کہ:

﴿قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الانعام، آیت: ۵۰)

ترجمہ: کہدے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ غیب کی بات کو جانتا ہوں آہ۔

نیز فقہاء علیہم الرحمۃ علمِ غیب کو خدا جل شانہ، کا خاصہ تحریر نہ کرتے۔ چونکہ عوام الناس نہیں جانتے کہ خاصہ کہتے ہی کس کو ہیں؟ اس وجہ سے وہ دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ خاصۃ الشئ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ، انہوں نے کبھی سنا نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ چیز کا خاصہ وہی امر ہوتا ہے جو صرف اس میں پایا جائے اور اس کے سوا اور کسی میں نہ پایا جائے اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اصطلاح شرع میں علمِ غیب کے کیا معنی ہیں؟ صرف لغوی معنی سن کر دھوکہ میں پڑے پھرتے ہیں۔

اقول جناب طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں کو کہو کہ علماء معتبرین کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان وما یکون کا عطا فرمایا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے:-

يقول قام فينا النبي صلى الله عليه وسلم مقاماً فاخبرنا عن بدءِ الخلق حتىٰ دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم. (بخاري، باب بدء الخلق، ٤٢٥)	ترجمہ: حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا اور ہمیں آغاز آفرینش سے لیکر، اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے تک اور اہل جہنم کے جہنم میں داخل ہونے تک کے جملہ احوال سے مطلع فرما دیا۔

اور احمد بن محمد خطیب قسطلانیؒ نے ارشاد الساری میں حدیث مذکور کی شرح میں لکھا ہے:۔

ودلّ ذٰلِکَ علىٰ اَنّهٗ صلى الله عليه وسلم اخبر بجميع احوال المخلوقاتِ منذ ابتدء ت إلىٰ ان تفنى، إلىٰ ان تبعث، وهٰذا من خوارق العادات ففيه تيسر القول الكبير فى الزمن القليل آه.	ترجمہ: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کے تمام احوال سے مطلع فرما دیا، ابتداء سے فنا تک، بلکہ دوبارہ زندہ ہونے تک، یہ چیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے، یہ چیز تھوڑے وقت میں بہت زیادہ گفتگو کا میسر ہو جانا ہے۔

اور مسلم شریف کتاب الفتن واشراط الساعۃ جلد ثانی میں حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال صلّى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فنزل فصلّى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل فصلّى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فاخبرنا بما كان وبما هو كائنٌ.	ترجمہ: حضرت ابو زیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر چڑھے، پس خطاب فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا، آپ منبر سے اترے، نماز ظہر پڑھائی، پھر منبر پر چڑھے پس خطاب فرمایا، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، آپ منبر سے اترے، نماز عصر پڑھائی، پھر منبر پر چڑھے پس خطاب فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ اس خطاب میں آپ نے بتلایا وہ کچھ جو ہوا ہے اور ہونے والا ہے۔

اور اسی طرح مسلم شریف میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے:

قال اخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم بما هو كائنٌ إلى يوم القيامة (كتاب الفتن واشراط الساعة).	ترجمہ: حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ نبی کریمؐ نے وہ کچھ بتلایا جو قیامت تک ہونیوالا ہے۔

اور حافظ محی السنہ بغویؒ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل (سورہ الرحمٰن آیت ۳، ۴) میں لکھا ہے:

قال ابن كيسان خلق الانسان يعني محمدًا صلى الله عليه وسلم علّمه البيان يعني بيان ما كان وما يكون لانهٗ صلى الله عليه وسلم كان يبيّن عن الاولين والآخرين وعن يوم الدين.	ترجمہ: اللہ نے انسان کامل یعنی حضرت محمد کو پیدا کیا اور انہیں سکھایا ما کان وما یکون کا بیان، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولین اور آخرین کے بارے میں نیز روز جزاء کے بارے میں خوب بیان فرمایا کرتے تھے۔

اور انہی حافظ محی السنہ بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل (آل عمران، آیت ۱۷۹، المائدہ: ۱۰۱) میں مزید لکھا ہے:۔

قال السدى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضتُ عليَّ امّتى فى صورها فى الطين كما عرضتُ علىٰ آدم واعلمتُ من يؤمن بى ومن يكفر بى فبلغ ذٰلک المنافقين فقالوا استهزاءً زعم محمد (صلى الله عليه وسلم) انّه يعلم من يؤمن بهٖ ومن يكفر، ممن لم يُخلق بعد، ونحن معهٗ وما يعرفنا فبلغ ذٰلک رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام على المنبر فحمد الله واثنىٰ عليه ثم قال ما بال اقوام طعنوا فى علمي، لا تسئلوني عن شيءٍ فيما بينكم وبين الساعة إلاّ انباتكم بهٖ	ترجمہ: حضرت سدیؒ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت آدم کی طرح مجھ پر میری امت کی صورتیں (جبکہ وہ ابھی مٹی میں تھیں) پیش کی گئیں اور مجھے بتلایا گیا جو ایمان لائے گا اور جو کفر کرے گا، آنحضور کی یہ بات منافقوں تک پہنچی تو وہ استہزاء کے طور پر کہنے لگے کہ حضرت محمدؐ کا دعویٰ ہے کہ مومن اور کافر کے بارے میں انہیں علم ہو گیا جبکہ وہ لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے مگر ہم آپ کے ساتھ رہتے ہیں، ہمارے بارے میں علم نہ ہو سکا، ان کی یہ بات رسول اللہؐ تک پہنچی، پس آپ

فقام عبد الله ابن حذافة السهمي فقال من أبي يارسول الله صلعم قال حذافة فقام عمرؓ فقال يارسول الله صلى الله عليه وسلم رضينا بالله رباً وبالاسلام ديناً وبالقرآن اماماً وبك نبياً فاعف عنا عفى الله عنك فقال النبي صلى الله عليه وسلم فهل انتم منتهون؟

منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے علم کے بارے میں طعنہ زنی کا ارتکاب کیا ہے، تم لوگ مجھ سے سوال نہ کرو گے اِس وقت سے لیکر قیامت تک پیش آنے والی کسی چیز کی بابت، مگر میں تمہیں اس کا جواب دوں گا، پس ابن حذافہ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حذافہ، پس حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے، ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر، قرآن کو اپنا پیشوا مان کر اور آپ کو اپنا نبی مان کر، پس آپ ہمیں معاف فرما دیں، پس حضورؐ نے فرمایا کیا اب تم لوگ باز آنے والے ہو؟

مسلم شریف، باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک اکثار سوالہ جلد ثانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن انسؓ سالوا نبي الله صلى الله عليه وسلم حتى احفوه بالمسألة فخرج ذات يوم فصعد المنبر فقال سلوني لا تسئلوني عن شيءٍ إلاّ بيّنتُهُ لكم فلما سمع ذلك القوم اَرَمُّوا ورهبُوا ان يسالوه ان يكون بايدي امر قد حضر قال انسؓ فجعلت التفت يميناً وشمالاً فإذا كلّ رجل لافّ رأسهُ في ثوبه يبكي فانشأ رجلٌ من المسجد كان يلاحي فيدعى بغير ابيه

ترجمہ: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوالات کرنے شروع کر دیئے تو ایک دن آپؐ تشریف لائے، منبر پر چڑھے اور فرمایا، پوچھو مجھ سے! تم جو کچھ بھی پوچھو گے، میں اس کا جواب دوں گا، جب لوگوں نے یہ سنا تو ڈرے کہ کہیں ایسی بات نہ پوچھ بیٹھیں کہ ان کا کچا چٹھا سامنے آ جائے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دائیں بائیں نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ہر آدمی کپڑے میں منہ چھپا کے

فقال يا نبي الله من أبي قال أبوكَ حذافة ثم انشأ عمر بن الخطاب فقال رضينا بالله رباً وبالاسلام دينا وبمحمدٍ صلعم رسولاً عائذاً بالله من سوء الفتن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لم اَرَ كاليوم قط في الخير والشر، انّي صوّرت لي الجنة والنار فرأيتهما دون هذا الحائط.

رو رہا تھا، ایک شخص نے، جس کی ولدیت کے بارے میں لوگ چہ مگوئیاں کرتے تھے، کھڑے ہو کر پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا، حذافہ، پس حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم راضی ہیں اللہ کو رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر اور حضرت محمدؐ کو رسول مان کر، ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں فتنوں کے شر سے، رسول خداؐ نے فرمایا کہ خیر وشر کے لحاظ سے آج کے دن جیسا دن میں نے پہلے نہیں دیکھا، جنت اور دوزخ میرے سامنے پیش کئے گئے، پس میں نے انہیں اس دیوار کے برابر دیکھا۔

اور اسی مسلم شریف، باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک اکثار سوالہ، جلد ثانی میں حضرت اَبو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے:

سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن اشياء كرهها فلمّا أكثر عليه غضب ثم قال للناس سلوني عما شئتم فقال رجلٌ مَنْ أبي. قال أبوك حذافة فقام آخر فقال مَنْ أبي، قال أبوك سالم مولى شيبة. (بخاري باب الاعتصام، ۲۱۵۱).

ترجمہ: حضرت اَبو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ چیزوں کی بابت سوالات پوچھے گئے جنہیں آپ نے پسند نہ فرمایا، جب سوالات کی کثرت ہوئی تو آنحضورؐ خفا ہوئے اور فرمایا، پوچھو جو چاہو! ایک شخص نے کہا، میرا باپ کون ہے؟ فرمایا، حذافہ! دوسرے نے پوچھا، میرا باپ کون ہے؟ فرمایا سالم مولیٰ شیبہ۔

اور بخاری شریف میں روایت ہے:

عن انس رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حین زاغت الشمس فصلی الظهر فلما سلّم قام علی المنبر فذکر الساعة وذکر أن بین یدیها اموراً عظاماً ثم قال من احب أن یسأل عن شیءٍ فلیسئل عنه فواللّٰه لا تسئلونی عن شیءٍ إلا اخبرتکم به ما دمتُ فی مقامی هذا قال انسؓ فأکثر الناس البکاء وأکثر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان یقول سلونی فقال انسؓ فقام إلیه رجلٌ فقال این مدخلی یارسول اللّٰه فقال النار فقام عبداللّٰه بن حذافة فقال من أبی یارسول اللّٰه قال أبوک حذافة قال ثم أکثر ان یقول سلونی سلونی. (بخاری، کتاب الاعتصام حدیث نمبر ۲۱۵۴)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سورج ڈھلنے کے بعد، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھائی، پھر منبر پر کھڑے ہوئے، پس قیامت کا تذکرہ کیا اور فرمایا، اس سے پہلے بڑے بڑے امور ظاہر ہوں گے، جو شخص کچھ بھی پوچھنا چاہتا ہو، وہ پوچھ لے، قسم بخدا! تمہارے ہر سوال کا میں یہیں جواب دوں گا، لوگ رونے لگے، حضور اکرمؐ بار بار فرماتے پوچھو! ایک شخص نے پوچھا، میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا آگ میں! عبد اللہ بن حذافہ نے پوچھا، میرا باپ کون ہے؟ فرمایا، حذافہ! پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے، پوچھو مجھ سے! پوچھو مجھ سے!

اور حافظ محی السنہ بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل میں سورہ البقرہ، آیت ۱۴۳ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے:

قال قام فینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوماً بعد العصر فما ترک شیئاً إلی یوم القیامة إلاّ ذکرهٗ فی مقامهٖ ذلک حتّٰی إذا کانت الشمس علی رؤس النخل واطراف الحیطان فقال اما أنه لم یبق من الدنیا فیما مضٰی منها إلاّ کما بقی من یومکم هذا، الاَ وانّ هٰذهِ الاُمَّة توفی سبعین امةً هی اخیرها واکرمها علی اللّٰه تعالٰی۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز عصر کے بعد خطاب فرمایا، پس کچھ نہ چھوڑا تا روز قیامت، مگر اس سب کا ذکر فرما دیا، یہاں تک کہ جب دھوپ، کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے بالائی کناروں تک پہنچ گئی، تو فرمایا کہ دنیا کا اتنا وقت باقی ہے جتنا کہ آج کے دن کا یہ وقت۔ سن لو! یہ امت، ستر امتوں کو پورا کرتی ہے، یہ ان سب کی آخری اور برتر امت ہے، اللہ کے ہاں۔

اور تفسیر روح البیان میں سورہ الانعام، آیت ۵۰ میں لکھتے ہیں:

فانهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم یخبر عما مضٰی وعما یکون باعلام الحق وقد قال علیه الصلاة والسلام لیلة المعراج قطرتْ فی حلقی قطرةٌ فعلمتُ بها ما کان وما سیکون فمن قال ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لا یعلم الغیب فقد اخطأ فیما اصاب.

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ اور آئندہ کے احوال سے بہ اطلاع الٰہی، مطلع فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی شب میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا، اس کے ذریعہ سے میں نے گزشتہ اور آئندہ کے احوال جان لئے۔ پس جس نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب امور کو نہیں جانتے تو اس نے خطا کی، جہاں اس کی پہنچ ہوئی۔

اور تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ:-

در بحر الرائق میفرمایند کہ آں علم ما کان وما سیکون است کہ حق سبحانہ درشب اسریٰ بداں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمودہ چنانچہ در احادیث معراجیہ آمدہ است کہ در زیر عرش بودم کہ قطرہ در حلق من ریختند فعلمتُ بها ما کان وما سیکون پس دانستم آنچہ بود وآنچہ خواہد بود۔

ترجمہ: بحر الرائق میں فرمایا کہ حق سبحانہٗ نے شب اسراء کو، گزشتہ اور آئندہ کا علم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، جیسا کہ معراج کی احادیث میں ہے کہ میں عرش کے نیچے تھا کہ ایک قطرہ میرے حلق میں ڈالا گیا، پس میں نے ماکان وما سیکون (جو تھا اور جو ہوگا) کو جان لیا۔

اور حضرت علامہ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ شریف میں لکھا ہے۔

فان من جودک الدنیا وضرتها ومن علومک علم اللوح والقلم

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کی جود سے ہے دنیا اور آخرت، اور آپ کے علوم سے ہے، علم لوح اور قلم کا۔

اور امام محی الدین محمد بن مصطفٰی المعروف بشیخ زادہؒ نے شرح قصیدہ مذکورہ میں لکھا ہے:-

والعلم اما بمعناه أو بمعنى المعلوم أى من معلوماتك المعلومات الحاصلة منهما وَلَعَلَّ اللّٰهَ اطّلعهُ على جميع ما فى اللّوح وزادهُ أيضاً لان اللوح والقَلَمَ متناهيان فما فيهما متناهٍ ويجوز احاطة المتناهى بالمتناهى، هذا على قدر فهمك وأمّا من اكتحلت بصيرتهُ بالنور الالٰهى فيشاهد بالذوق ان علوم اللوح والقلم جزءٌ من علومهٖ كما هِيَ جزءٌ من علم اللّٰه سبحانه لأنهٗ عليه الصلوٰة والسلام عند الانسلاخ عن البشرية كما لا يسمع ولا يبصرُ ولا يبطش ولا ينطق إلاّ بهٖ جلتْ قدرتهُ وعمتْ نعمتهٗ كذلك لا يعلم إلاّ بالعلم الذى لا يحيطون بشىءٍ منه إلاّ بما شاء كما اشار إليه بقوله وعلّمك ما لم تكن تعلم. (ص ۲۱۹).

ترجمہ: علم کا معنی یا تو جاننا ہے یا اس سے مراد معلومات ہیں، یعنی آنحضورؐ کی معلومات میں سے ہیں وہ معلومات جو کہ لوح میں درج ہیں، یہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو لوح کی معلومات سے زیادہ معلومات مرحمت فرمائی ہوں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوح وقلم تو متناہی ہیں ہی، جبکہ متناہی کا، متناہی کو احاطہ کرنا بھی ممکن ہی ہے، یہ بات تو فہم عمومی کے مطابق تھی، مگر جس شخص کی بصیرت کو نور الٰہی سے منور کر دیا گیا ہو تو وہ اپنے ذوق سے مشاہدہ کرتا ہے کہ لوح وقلم کے علوم، آنحضورؐ کے علوم کا بعض ہیں جیسا کہ وہ (علومِ لوح و قلم اور علومِ نبوی) اللہ تعالیٰ کے علم کا بعض ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عوارض بشریہ سے انسلاخ کے وقت، اللہ تعالیٰ کے سمع، بصر، بطش اور نطق کا مظہر ہوتے ہیں، تو اس وقت اس کے علم کے بھی مظہر ہوتے ہیں، جس قدر کہ اللہ تعالیٰ چاہے، چنانچہ فرمایا ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾، وہ اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا اللہ چاہے، جیسا کہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾، اس ذات علام الغیوب نے آپؐ کو سکھایا وہ کچھ جو آپؐ نہیں جانتے تھے۔ (نیز فرمایا ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾)

اور فاضل کامل عمر بن احمد الخربوتی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح قصیدہ مذکور میں لکھا ہے۔

قال الشعرانیؒ فی کتاب الیواقیت والجواهر فان قلتَ هل اطلع احدٌ من الاولياء على عدد الحوادث التى كتبها القلم على اللوح إلى يوم القيامة فالجواب قال الشيخ فى الباب الثامن والستين بعد المأة من الفتوحات المكية نعم انا ممن اطلعهُ اللّٰهُ على ذٰلك، قال الشيخ اطلعنى اللّٰه على عدد امهات أم الكتاب وهى ماة ألف نوع وتسعة وعشرون الف نوعٍ وستمائةِ نوعٍ وكل نوعٍ منها يحتوى على علومٍ. (صفحه ۲۱۹).

ترجمہ: عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے، پس اگر آپ پوچھیں کہ کیا کوئی ولی ان حوادث متعددہ پر مطلع ہوا ہے جنہیں قلم نے لوح پر تاقیام قیامت لکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب ۱۶۸ میں لکھا ہے کہ ہاں! میں ان میں سے ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس امر پر مطلع فرمایا، مجھے اللہ تعالیٰ نے امہاتِ ام الکتاب متعددہ پر مطلع فرمایا جن کی تعداد ایک لاکھ انتیس ہزار اور چھ سو انواع ہے۔ ان میں سے ہر نوع علومِ کثیرہ پر مشتمل ہے۔

اور علامہ خربوتی مزید لکھتے ہیں:

ثم اعلم أنّ العلمَ مصدرٌ مضافٌ إلى فاعلهٖ أى علم اللوم والقلم بالاشياء فاحتاج إلى القول بانّ لهما ادراكاً وشعوراً وقيل انه مضافٌ إلى المفعول أى علم الناس باللوح وقيل ان اللّٰه اطلعهٗ عليه الصلوٰة والسلام على ما كتب القلم فى اللوح المحفوظ وزادهٗ أيضاً لان اللوح والقلم متناهيان فما فيهما متناهٍ ويجوز احاطة المتناهى بالمتناهى قال شيخ زاده هذا على قدر فهمك واما من اكتحلت بصيرتُهٗ بالنور الالٰهى فيشاهد بالذوق ان علوم اللوح والقلم جزءٌ من علومهٖ كما

ترجمہ: پھر جان لو! کہ (الف) علم مصدر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی لوح وقلم کا اشیاء کو جاننا، اس صورت میں لوح وقلم کیلئے ادراک اور شعور ماننا ہوگا۔ (ب) علم اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، یعنی لوگوں کا لوح وقلم کو جاننا۔

کہا گیا ہے کہ جو کچھ قلم نے لوح پر لکھا، اللہ تعالیٰ نے اس پر آنحضورؐ کو اطلاع بخش دی، اور مزید آگہی بھی بخشی، کیونکہ لوح وقلم متناہی ہیں تو جو کچھ علم ان میں ہے، وہ بھی متناہی ہے، لہٰذا متناہی، متناہی کا احاطہ کرسکتا ہے، شیخ زادہ نے فرمایا، یہ بات تو فہم عمومی

هی جزء من علم الله سبحانه. وحاصل المعنى انه عليه الصلوٰة والسلام هو الواسطة في افاضة المنح المتعلق بالظاهريات أو الباطنيات من المبدإ الأول في الكائنات العلوية والسفلية. (صفحه ۲۱۹، ۲۲۰).

کے مطابق تھی مگر جس شخص کی بصیرت کو نور الٰہی سے منور کر دیا گیا ہو تو وہ اپنے ذوق سے مشاہدہ کرتا ہے کہ لوح وقلم کے علوم، آنحضورؐ کے علوم کا بعض ہیں جیسا کہ وہ (علومِ لوح و قلم اور علومِ نبوی) اللہ تعالیٰ کے علم کا بعض ہیں۔

حاصل معنی یہ ہے کہ مبدأ اول سے کائنات علویہ اور سفلیہ میں جو افاضۂ جود وعطاء بمتعلق ظاہریات وباطنیات، وقوع پذیر ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس میں واسطہ اور وسیلہ ہیں۔

اور امام شیخ ابراہیم باجوریؒ نے شرح قصیدہ مذکورہ میں لکھا ہے:۔

فان قيل إذا كان علم اللوح والقلم بعض علومه صلى الله عليه وسلم فما البعض الآخر أُجيبَ بان البعض الآخر هو ما اخبره الله من احوال الآخرة لان القلم إنما كتب في اللوح ما هو كائن إلى يوم القيامة كما تقدم في الحديث.

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ جب لوح وقلم کا علم، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا بعض ہے، تو دوسرا بعض کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا بعض وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو احوالِ آخرت کی بابت اطلاع فرمائی ہے، کیونکہ لوح میں تو قیامت تک کے احوال ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اور علامہ شیخ خالد ازہری نے شرح قصیدہ بردہ میں لکھا ہے:۔

وعلم اللوح والقلم من علمك وانت الحقيق بذالك والمعوّل في الشفاعة عليك ولا اقطع رجائي منك.

ترجمہ: لوح وقلم کا علم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا حصہ ہے، آپؐ اسی کے حقدار ہیں، شفاعت میں آپؐ پر بھروسہ ہے میں آپ سے اپنی امید منقطع نہیں کروں گا۔

حضرت ملّا علی قاریؒ نے شرح قصیدہ مذکورہ میں لکھا ہے:۔

وكون علمهما من علومه صلى الله عليه وسلم ان علومه صلى الله عليه وسلم تتفرّع إلى الكليات والجزء يات وحقائق ودقائق وعوارف ومعارف يتعلق بالذات والصفات وعلمهما يكون سطراً من سطور علمه ونهراً من بحوره صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: علمِ لوح وقلم، علومِ محمدی کا ایک حصہ ہے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم، کلیات، جزئیات، حقائق، دقائق، عوارف اور معارف پر متفرع ہوتے ہیں، جن کا تعلق ذات اور صفات سے ہے، علمِ لوح وقلم، علومِ محمدیؐ کے سطور میں سے ایک سطر ہے اور آپؐ کے علمی سمندروں میں سے ایک نہر ہے۔

اور قصیدہ ہمزیہ میں لکھا ہے:۔

لک ذات العلوم من عالم الغیـ ـب ومنها لآدم الآسماء

ترجمہ: عالم الغیب جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ کی طرف سے آپؐ کیلئے ذات العلوم ہے جبکہ آدم علیہ السلام کے لئے صرف اسماء ہیں۔

اور امام فاضل شیخ سلیمان جُملؒ نے حاشیہ قصیدہ ہمزیہ میں لکھا ہے:۔

لانّ أكثر علوم نبينا صلى الله عليه وسلم تتعلّق بالمغيبات بدليل فعلّمتُ علم الاوّلين والآخرين في الحديث المشهور ولانّه اختصّ به صلى الله عليه وسلم من حيث الاحاطة، لعلمه عليه السلام بالكليات والجزئيات فلا ينافي ذلك اطلاع الله تعالى لبعض خواصه على كثير من المغيبات.

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر علوم کا تعلق مغیبات سے ہے، کیونکہ حدیث مشہور میں ہے کہ "پس مجھے اولین اور آخرین کا علم سکھایا گیا" نیز آنحضورؐ کو بلحاظ احاطۂ (غیب اضافی) اس کا اختصاص حاصل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلیات اور جزئیات کو شامل ہے، یہ اس کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص اولیاء کو کافی مغیبات پر (بذریعہ کشف) اطلاع عطا فرما دے۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء معتبرین کا یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان وما یکون کا عطا کیا گیا ہے، اس بارے میں ہم اور بھی بہت حوالہ جات اور نقول پیش کر سکتے ہیں مگر خوف طوالت کے باعث انہیں پس انداز کر کے رسالہ کی حقیقت کا آغاز کرتے ہیں۔

جناب طبیب صاحب! سب سے اول آپ یہ بات یاد رکھیں کہ غیب دو قسم ہے (۱) مطلق (۲) اضافی، غیب مطلق وہ ہوتا ہے جو غائب علی سبیل الاستقلال ہو یعنی اس پر کوئی دلیل قائم نہ کی گئی ہو، نہ ہی وہ حواس یا بداہتِ عقل کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر کسی کو مطلع فرمایا ہو بلکہ وہ مستقل طور پر خفی اور پوشیدہ ہو، اضافی وہ ہوتا ہے جو بالاستقلال غیب نہ ہو بلکہ حجابات ذہنیہ یا حسیہ کے حائل ہونے کی وجہ سے پوشیدہ ہو اس پر کوئی دلیل قائم کی جا سکتی ہو، وہ بذریعہ رفعِ حجاب، بذریعہ نصب دلیل اور بذریعہ اعلامِ الٰہی معلوم یا مشہود ہو سکتا ہو۔

اب آپ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ وہ علمِ غیب جو ذات باری عز اسمہٗ کے ساتھ مخصوص ہے وہ غیب مطلق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ما کان وما یکون کا علم عطا کیا گیا ہے وہ علمِ غیب اضافی ہے۔

رجم الشہاب علی ابن عبد الوہاب میں جو کہ مکہ مکرمہ کے علماء کرام نے تصنیف فرمائی ہے، لکھا ہے:۔

والغيب الخاص به تعالىٰ هو الغيب المطلق لا الغيب الاضافي وعلم تمام اللوح المحفوظ غيبٌ اضافيٌ ثبت حصولهٗ لغيره تعالىٰ، ليس غيباً مطلقاً كما هو مصرحٌ في كتب الحديث والتفسير.	ترجمہ: جو علمِ غیب، اللہ کا خاصہ ہے وہ غیبِ مطلق ہے نہ کہ غیبِ اضافی، علم تمام لوح محفوظ کا غیب اضافی ہے جو آنحضور کو حاصل ہے، یہ غیب مطلق نہیں ہے جیسا کہ حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں تصریح موجود ہے۔

اب آپ ان چالاک بھائیوں سے کہیں کہ یہ بات کہ ''اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کل غیب اضافی کا علم دیدیا ہے''۔ تو اگر کل سے مراد تمام علم لوح محفوظ ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ بعض علم لوح محفوظ پر تو حضرات اولیاء کرامؒ کو بھی اطلاع دی گئی ہے جیسا کہ حضرت شیخ اکبرؒ کا فرمان وقیع الشان قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ دہلوی فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:۔

العارف ينجذب إلى حين الحق فيصير عبد الله فيتجلّى لهٗ كل شيءٍ.	ترجمہ: عارف، بارگاہِ حق کی طرف کھنچ جاتا ہے پس وہ ولی، اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ بن جاتا ہے، پس اس کیلئے ہر (ہر اضافیہ/تعلیمیہ ہے) شئ منکشف ہو جاتی ہے۔

لہذا انکار ''علم تمام لوح محفوظ'' کا بنسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محض تعصب ہوگا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:۔

فرأيتهٗ وضع كفهٗ بين كتفي حتى وجدتُ برد انامله بين ثديَيّ فتجلّى لي كل شئ وعرفت. (أحمد، ترمذی، مشکوٰة باب المساجد).	ترجمہ: پس میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا، حتی کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پس ہر شئ میرے سامنے جلوہ گر ہوئی، اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔ (یہاں ''کل'' اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے کیونکہ قرائنِ کثیرہ اس پر شاہد ہیں)۔

جناب طبیب صاحب! اُن چالاک بھائیوں سے پوچھیں کہ وہ آیت شریفہ کا یہ ترجمہ کیسے کرتے ہیں کہ ''کہہ دو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی بات کو جانتا ہوں''؟ جبکہ لا اعلم الغیب کے جملہ میں جو لفظ لا کا واقع ہوا ہے نفی مدخول کیلئے نہیں بلکہ لا اقول کی نفی کو یاد دلانے کیلئے ہے جیسا کہ تفسیر جلالین سورہ الانعام، آیت ۵۰ میں لا اور اعلم کے درمیان انّی کا لفظ بڑھا کر اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں:۔

ولا انّی اعلم الغيب ماغاب عنّی ولم يوحَ اِلَیّ.	ترجمہ: اور نہ یہ کہتا ہوں کہ جو غیب میری طرف وحی نہیں کیا گیا، اسکو جانتا ہوں۔

اور شیخ سلیمان جملؒ نے جلالین کے حاشیہ میں لکھا ہے:۔

ولا اعلمُ الغيبَ، معطوفٌ "علی عندی" باعادةِ النافی كما اشارَ إليهِ المفسِّرُ بما قدَّرَهٗ.	ولا اعلم معطوف ہے ''علی عندی'' پر لا نافی کی تکرار کے ساتھ، جیسا کہ مفسر نے انّی مقدر مان کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور تفسیر مدارک التنزیل میں لکھا ہے:۔

ومحلّ لا اعلم الغیب النصبُ، عطف علٰی محل عندی خزائن اللہ لانّہٗ من جملۃ المقول کانّہٗ قال لا اقولُ لکم ھذا القولَ ولا ھذا القولَ.

ترجمہ: لا اعلم الغیبَ محل کے لحاظ سے منصوب ہے، اور عندی خزائن اللہ پر معطوف ہے، کیونکہ یہ مقولہ ہے لا اقول کا، نہ کہ قُل کا، (اسی لئے لا کے بعد انّی مقدر ہے) گویا کہ یہ فرمایا گیا ہے کہ نہ میں یہ بات کہتا ہوں اور نہ یہ بات۔

اور مولانا عصام الدین نے تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں تصریح کی ہے:۔

وکلمۃ لا فی لا اعلم مذکّرۃٌ للنفی لا نافیۃٌ ولم یجعل من جملۃ مقول قُل لان المقصود نفی دعویٰ مالکیۃ خزائن اللہ ونفی دعویٰ علم الغیب لیکونا شاھدین علی نفی دعویٰ الالوھیت.

ترجمہ: کلمہ لا، لا اعلم میں، گذشتہ نفی (لا اقول) کی یاد دہانی کیلئے ہے، نفی مدخول (اعلم الغیب) کیلئے نہیں، کیونکہ یہ قُل کا مقولہ نہیں، بلکہ لا اقول کا مقولہ ہے، (اسی لئے لا کے بعد انّی مقدر ہے) اس آیت سے مقصود، خزائن اللہ کے ملک علی الاطلاق (بغیر عطاء) کے دعویٰ کی نفی نیز علم غیب علی الاطلاق (بغیر عطاء) کے دعویٰ کی نفی ہے تاکہ دعوائے الوہیت کی نفی پر شاہد ہوں۔

پس معلوم ہوا کہ آپ لوگوں نے جو ترجمہ کیا ہے وہ حقیقت کے مطابق نہیں، بلکہ ترجمہ مطابقِ حقیقت یہ ہے کہ ''میں نہیں کہتا کہ میں جانتا ہوں چھپی چیز کو''۔

آپ لوگ شاید تفسیر حسینی کے ترجمہ کو دیکھ کر غلطی کا شکار ہوئے ہیں کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ ''من نمیدانم غیب را'' وہ ترجمہ بھی حقیقت کے مطابق نہیں، بلکہ صحیح ترجمہ فارسی یہ ہے کہ نمیگوئیم کہ میدانم غیب، قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فارسی ترجمہ یہ لکھا ہے کہ نمی گوئیم کہ من علم غیب دارم، بہت تعجب ہے کہ آپ نے ان کے ترجمہ کو بھی چھوڑ دیا۔

الغرض آیت شریفہ میں اس کلمہ کا یہ مقصود ہے کہ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں خود غیب دان ہوں، اس آیت شریفہ سے تو نفی دعویٰ علم غیب ذاتی کی ثابت ہوئی نہ نفی علم غیب عطائی کی، لہٰذا آپ لوگوں کا استدلال باطل ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حالات قبل پیدائش آدم علیہ السلام اور حالات عرش بریں کے اور حالات آسمانوں اور زمینوں کے اور حالات بہشت اور اعلیٰ علیین کے اور حالات دوزخ اور اسفل السافلین کے اور حالات امم سابقہ کے اور حالات فتنۂ وفساد کے اور حالات ملاحم اور خروج دجال کے اور نزول عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے اور حالات قبر وحشر ونشر کے اور حالات میدان قیامت کے اور حالات نعیمِ بہشت اور جحیمِ دوزخ کے جن سے کتب احادیث بھری ہوئی ہیں سب کے سب بیان فرما دیئے ہیں، یہ سب غیب کی باتیں ہیں۔

اب آپ لوگ ان تفصیلات مذکورہ بالا مندرجہ درکتب احادیث کے باوجود اپنے خود ساختہ ترجمہ کا جو جواب دیں گے، ان علماء اہل سنت کی طرف سے جنہوں نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان وما یکون کا عطا کیا گیا ہے، ان کی طرف سے بھی وہی جواب سمجھیں۔

افسوس! یہ طبیب صاحب، چنداں علوم شریفہ اور فنون وقیعہ سے بہرہ نہیں رکھتے تاکہ علم کے معنی میں اور غیب کے معنی میں کچھ بحث کی جاتی، لیکن مجبور ہو کر خاصہ کی بابت کچھ بیان کیا جاتا ہے کیوں کہ خاصہ کی بحث انہی چالاک بھائیوں نے چھیڑی ہے۔

جناب طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے کہیں کہ خاصہ محمول ہوا کرتا ہے اور حمل کئی قسم پر ہے اور خاصہ لازم اور مفارق اور لازم الماہیت اور لازم الوجود الخارجی اور لازم الوجود الذہنی اور لازم بیّن اور غیر بیّن ہوتا ہے۔ نیز بیّن اور غیر بیّن بالمعنی الاعم اور بالمعنی الاخص ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان وما یکون کا علم حاصل ہونا کون سے خاصہ الٰہیہ کے منافی ہے؟ تاکہ ہم اس پر کلام کریں، نیز واضح ہو کہ خاصہ تو عرضی ہوتا ہے جبکہ ''علم'' صفات اللہ میں سے ہے، اب آپ لوگ جب علم الٰہی کو عرضی کہہ رہے ہیں تو بتائیں کہ کس مذہب پر بنا رکھی ہے؟ نیز آپ لوگ علم غیب کو جو خاصۂ باری عز اسمہٗ کہہ رہے ہیں اور استدلال میں خاصہ کی تعریف یعنی ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ ذکر کر رہے ہیں، تو بتائیں کہ وجود سے کون سا وجود مراد ہے؟ اور ظرفیت سے ظرفیت حقیقی مراد ہے یا مجازی؟ اگر مجازی ہے تو مجاز مستعار ہے یا مرسل؟ جبکہ مستعار چارقسم ہے اور مرسل چوبیس قسم ہے، اب بتائیں کہ مستعار یا مرسل کی کون سی قسم مراد ہے؟

ان چالاک بھائیوں سے کہیں کہ آپ جو کہتے ہیں کہ ہم صرف لغوی معنی سن کر دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ آپ لوگ خود بھی تو آیات کے ترجمہ میں اسی لغوی معنی کو استعمال کرتے ہیں اور اپنے خود ساختہ اصطلاحی معنی کا کسی جگہ ترجمہ آیات اور احادیث میں نشان تک نہیں دیا، شاید آپ لوگ خود ہی دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

قال الطبیب، سوال، اصطلاح شرع میں علم غیب کے معنی کیا ہیں؟

جواب: ہر ایک غائب شئ کے دائمی محیط علم کو اصطلاح شرع میں علم غیب کہتے ہیں، جیسا کہ کلام اللہ اور کتب احادیث اور کتب فقہ کی عبارات سے جن کو اس رسالہ میں تین فصل پر منقسم کیا جاتا ہے، اظہر من الشمس ہے۔

اقول، طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے کہیں کہ آپ نے جو قبل ازیں ولا اعلم الغیب کا ترجمہ کیا ہے، اس میں نہ تو ہر ایک شئ کا لفظ استعمال کیا ہے اور نہ دائمی اور نہ محیط ہونے کا کہیں ذکر کیا ہے، اسی طرح باقی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ اور اقوال فقہاء کے تراجم میں کہیں بھی اپنے مذکورہ من گھڑت اصطلاحی معنی کا اشارہ تک نہیں دیا اس کے باوجود اظہر من الشمس کہتے جاتے ہو؟ واہ رے صاحب واہ، آپ لوگ دراصل درج ذیل شعر کا مصداق ہیں جو کہ غلط بیانی اور خلطِ مبحث کا شاہکار ہے۔

؎ **چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا   الا یا أیها الساقی ادر کأساً وناولها**

اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ما کان وما یکون کا علم بالتدریج عطا فرما دیا تھا۔

قال الطبیب: پہلی آیت شریفہ جو عقیدہ حقہ پر دال ہے: ﴿قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾۔ (سورہ ہود، آیت ۳۱)۔

اقول: طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے کہیں کہ عقیدہ حقہ جو اول باعث تالیف رسالہ ہذا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رب العالمین جل شانہٗ اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کا جواب الزامی تعلیم فرما رہا ہے، یعنی ''کہدو میں دعویٰ عندیت خزائن اللہ کا اور دعویٰ غیب دانی کا نہیں کرتا''۔

اگر آپ لوگ علماء اہل سنت کے ترجمہ پر کوئی اعتراض پیش کرنا چاہیں تو مدلل اعتراض پیش کیجئے کیونکہ بغیر دلیل کے کوئی دعویٰ قبول نہیں کیا جا سکتا، ہاں البتہ آپ کے

ترجمہ کی تغلیط پر علماء کرام ٹھوس اور معقول وجوہات قائم کر سکتے ہیں، ان میں سے چند ایک یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔ اول، یہ کہ آیت شریفہ میں نفی دعویٰ علم غیب کی ہے، جیسا کہ حوالہ جات پیش کئے جا چکے ہیں، نہ کہ نفی علم غیب کی، جبکہ نفی دعویٰ علم الشئ اور نفی علم الشئ میں بہت فرق ہے۔ ان دونوں میں تلازم کسی وجہ سے بھی نہیں، خصوصاً جوابِ الزامی کے موقعہ پر، لہٰذا آپ کا ترجمہ جو کہ نفی علم غیب پر مبنی ہے، درست ثابت نہ ہوا۔

دوسرا یہ کہ وہ چالاک بھائی خود قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر مغیبات پر اطلاع ہے، لہٰذا ہم کہیں گے کہ اب جو جواب آپ لوگ اپنے ترجمہ سے دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے بھی سمجھیں، کیونکہ آپ کا ترجمہ ''اور نہ غیب کی بات کو جانتا ہوں'' خود آپ کے عقیدہ کے بھی خلاف ہو گیا ہے۔

تیسرا یہ کہ علماء کرام کہیں گے کہ ''ولا اعلم الغیب'' کے بعد ''إلا ما علمنی ربي'' مقدر ہے، اس کا قرینہ قول باری تعالیٰ: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ ہے، اور دوسرا قرینہ قول باری تعالیٰ: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ ہے اور تیسرا قرینہ وہ احادیث کثیرہ ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں اور جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

چونکہ ان بھائیوں کو اتباع مفسرین کا دعویٰ ہے لہٰذا نفی علم غیب کا محمل واضح کرنے کے لئے چند نقول پیش کی جا رہی ہیں۔

علامہ اسماعیل حقیؒ اپنی تفسیر روح البیان سورہ ہود، آیت ۳۱ میں رقم طراز ہیں:

ولا اعلم الغیب إلا باعلامه

ترجمہ: اور میں غیب نہیں جانتا مگر اللہ کے بتلانے سے۔

علامہ نیشاپوریؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لا اعلم الغیب'' تکون فیه دلالة علی أنّ الغیب بالاستقلال لا یعلمهٗ إلا اللّٰه. (سورہ الانعام، آیت ۵۰)۔

ترجمہ: لا اعلم الغیب میں اس امر کی دلیل ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی غیب مطلق اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قاضی بیضاویؒ اپنی تفسیر انوار التنزیل میں لکھتے ہیں:-

(ولا اعلم الغیب) ما لم یوح الیَّ ولم ینصب علیه دلیلٌ.

ترجمہ: میں غیب نہیں جانتا جب تک میری طرف وحی نہ کی جائے اور غیب پر دلیل قائم نہ کی جائے۔

اور تفسیر خازن میں ہے:۔

المعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی اللّٰه تعالٰی.

ترجمہ: معنی یہ ہے کہ میں اس وقت تک غیب نہیں جانتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے اطلاع نہیں دیتا۔

صاحب تفسیر جلالین نے آیت زیر نظر میں الغیب کا مرادی مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

ولا انی اعلم الغیب ما غاب عنی ولم یوح الیَّ.

ترجمہ: میں اس غیبِ مطلق کو جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا جو مجھ سے غائب ہو اور میری طرف وحی نہ کیا گیا ہو۔

علامہ اسماعیل حقیؒ نے روح البیان میں اس آیت کو جواب الزامی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

انَّ اللّٰه تعالٰی امر نبیهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم ان یکلّم الکفارَ علی قدرِ عقولهم فقال قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰه، علی انها عندی ولکن لا اقول لکم.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ کفار سے ان کی عقل کے مطابق بات چیت کریں، چنانچہ ارشاد باری ہوا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں نہیں بتلاتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، باوجودیکہ وہ میرے پاس ہیں لیکن تمہیں بتلاتا نہیں، (کیونکہ اذن نہیں ہے)۔

اور اسی تفسیر روح البیان میں ہے:۔

فانهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم کان یخبر عما مضٰی وعما سیکون باعلام الحق وقد قال

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے بتلانے سے گذشتہ اور آئندہ کے احوال بتلایا

علیه الصلوٰة والسلام لیلة المعراج قُطِرتُ فی حلقی قطرةٌ فعلمتُ ما کان وما سیکون فمن قال ان نبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا یعلم الغیب فقد اخطأ فیما أصاب. ولا اقول لکم أنی ملکٌ وان کنت عبرت عن مقام الملک حین قلت لجبرئیل تقدم فقال لو دنوتُ انملةً لا حترقتُ. (سورہ الانعام، آیت ۵۰)۔

کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا، شبِ معراج میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا پس میں نے ما کان وما یکون کو جان لیا، پس جو کہتا ہے کہ آپ غائب امور کی بابت علم نہیں رکھتے تھے اس نے خطا کی، جہاں اس کی پہنچ ہوئی، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، اگرچہ میں مقامِ مَلک سے بہت آگے عبور کر چکا ہوں جب میں نے جبریل سے کہا آگے چلو تو اس نے کہا کہ

اگر یک سرِ موئے برتر پرم		فروغ تجلّی بسوزد پرم

اس ساری طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لا اعلم الغیب کی تشریح میں اس فقیر نے جو کہا ہے کہ یہاں ''الا ما علمنی ربی'' مقدر ہے، نیز ہی مفسرین کرامؒ نے جو اس کو نفی دعوائے علم غیب پر محمول کیا ہے نہ کہ نفی علم غیب پر، نیز اصحاب تفاسیر نے ''الا باعلامه تعالٰی اور الا ان یطلعنی اللّٰه تعالٰی'' اور ''ما لَمْ یُوحَ الیَّ وَلَمْ یُنصبُ علیه دلیلٌ'' کو جو مقدر قرار دیا ہے تو ان سب تعبیرات کی اساس اور بنیاد خود اسی آیت مبارکہ میں موجود ہے کیونکہ خود اسی آیت میں ہی فرما دیا گیا ہے کہ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحیٰ اِلَیَّ﴾ اور اس کے بعد مزید فرما دیا گیا ہے کہ ﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ﴾، فقیر پوری آیت نقل کرتا ہے تاکہ آپ لوگ ایک مرتبہ پوری آیت پڑھ لیں:

﴿قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ﴾.

ترجمہ: اے میرے نبی آپ کہہ دیں کہ میں تم کو نہیں بتاتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ کہتا ہوں کہ بغیر وحی کے غیب دان ہوں اور نہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے، کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں کیا تم غور نہیں کرتے؟

تصریح الٰہی ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحیٰ اِلَیَّ﴾ صاف بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی کا نزول ہوا، جبکہ یہ امر مسلّم ہے کہ وحی الٰہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک علم الٰہی کی ترسیل کا ذریعہ بنی، اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب اضافیہ کا مکمل علم عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات وصفات کا عرفان موہوب فرمایا، آپؐ کو دنیا اور آخرت کے جملہ امور سے آگہی بخشی، آپؐ پر اسرارِ ہدایت اور رموزِ تعلیم وتربیت افشاء کئے۔ اصولِ جہاں بانی تعلیم فرمائے، ضابطہ ہائے فصلِ خصومات منکشف کئے اور اس طرح اکمالِ وحی کا فیضان، تبیانِ کلی کی صورت میں نمودار ہوا اور تبیانِ کلی (تبیاناً لکل شئ) کا نتیجہ کمالِ وضوح کی صورت میں برآمد ہوا، اب آپ لوگ ہی بتائیں کہ کمالِ وضوح کے بعد خفاء اضافی اور غیوبیت غیر حقیقیہ کا نام ونشان بھی باقی رہ سکتا ہے؟

تذکرۂ تنزیلِ وحی کے بعد کمالِ مشاہدہ، کمالِ رؤیت اور کمالِ بصارت کا تذکرہ فرمایا، ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ﴾۔ ترجمہ: اے میرے نبی کہہ دیں کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ جل شانہٗ نے ذات نبیؐ کو البصیر ''دیکھنے والا'' اور دیگر لوگوں کو الاعمیٰ ''نابینا'' قرار دیا، اگر اس بصارت سے، عام انسانی بصارت مراد ہوتی تو دوسرے لوگوں کو ''الاعمیٰ'' کیوں کہا جاتا؟ معلوم ہوا کہ ''بصارت نبیؐ'' ایسی بصارت ہے کہ تمام انسانوں کی بصارتیں اس کے مقابلہ میں ''اندھا پن'' ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بصارت تو کروڑوں کہکشاؤں کی وسعت میں خلاقِ کل کے دیدار تک عروج کر جاتی ہے، آیت ﴿أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى﴾ ترجمہ: کیا تم لوگ ان صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہو اس امر کی بابت جسے وہ مشاہدہ کرتے ہیں؟ مشاہدۂ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لانے والوں کیلئے سخت توبیخ ہے۔ بالکل اسی طرح آیت زیرنظر ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ﴾ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو البصیر اور دیگر لوگوں کو آپؐ کے مقابلہ میں الاعمیٰ تسلیم نہ کرنے والوں کیلئے سخت زجر ہے، یہ واضح رہے کہ سورہ التکویر میں حضرت جبریلؑ کی رؤیت کا ذکر ہے لیکن سورہ النجم میں خالقِ جبریلؑ کے دیدار کا تذکرہ ہے، زیادہ بحث کی یہاں گنجائش نہیں۔

حضرت علامہ اسماعیل حقیؒ صاحب تفسیر روح البیان کے قول کہ عندیۃ خزائن اللہ اور دعوائے عندیۃ خزائن اللہ میں فرق ہے، کی تصدیق مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

دارمیؒ نے اپنی سنن، باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابو مویہبہؓ سے نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

ثم اقبل علیّ فقال یا أبا مویهبة انی قد اوتیت بمفاتیح الدنیا.	پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اے ابو مویہبہؓ مجھے دنیا کی چابیاں عطا کی گئیں۔

مسلم (کتاب الفتن واشراط الساعۃ) میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ زَوَىٰ لِیَ الْاَرْضَ فرأیتُ مشارقها ومغاربها''.	ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا، پس میں نے دیکھا زمین کے مشارق کو اور زمین کے مغارب کو۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''واعطیتُ الکنزین الاحمر والابیض''.	ترجمہ: مجھے دونوں خزانے عطا کر دیئے گئے، سرخ اور سفید۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ما کان وما یکون کے بارے میں بخاری شریف اور مسلم شریف اور ان کی شروح اور دیگر حوالہ جات ابتداءِ رسالہ میں بیان ہو چکے ہیں۔

قال الطیب: ﴿قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾۔ (الاعراف، آیت: ۱۸۸)۔

ترجمہ: کہہ نہیں اختیار رکھتا ہوں اپنی جان کے واسطے نفع اور ضرر کا مگر جتنا چاہے اللہ اور اگر میں ہوتا جانتا غیب کی بات، البتہ بہت لے لیتا میں بھلائی سے اور نہ لگتی مجھ کو برائی۔

اقول: اس آیت شریفہ کو بھی آپ کے عقیدہ کے ثبوت سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اعلم الغیب کے بعد بھی الا ما شاء اللہ مضمر ہے۔ اس کا قرینہ ما قبل ہے، کیونکہ ﴿قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ کے بعد الا ما شاء اللہ مذکور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی مشیت تو ہر چیز میں جاری وساری ہے، لہٰذا جب بتصریح قرآن کریم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بنا پر اپنے نفع اور نقصان کے مالک ہو سکتے ہیں تو غائب امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بناء پر کیوں نہیں جان سکتے؟

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور ارادے سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع مغیبات اضافیہ کا علم عطاء فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اللہ تعالیٰ کے اعلام کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالذات عالمِ غیب نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو علمِ غیب مخصوص بالباری تعالیٰ ہے وہ غیب مطلق کا علم ہے کیونکہ غیب مطلق وہ ہوتا ہے جو بالاستقلال غائب ہو، اس پر کوئی دلیل نصب نہ کی گئی ہو، اور نہ ہی بذریعہ وحی اس پر مطلع کیا گیا ہو، جبکہ غیب اضافی وہ ہوتا ہے جس پر دلیل قائم کی جا سکتی ہو، جو بداہت عقل اور رفع حجابات کی صورت میں حواس کی گرفت میں آ سکتا ہو یا وہ جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلا دیا ہو، (غیبِ اضافی کو مغیبات کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاسکتا ہے)۔

فقیر نے جو کہا ہے کہ الا ما شاء اللہ مضمر ہے تو اس کی دوسری اساس تصریح قرآنی ولا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شاء ہے جس کا ترجمہ ہے اور وہ اللہ کے علم میں سے کسی شیٔ کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا اللہ چاہے۔

جناب طبیب صاحب! یہ آیت ہمارے اور تمہارے اوپر مشترک الورود ہے کیونکہ آپ لوگ بھی قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر مغیبات پر اطلاع حاصل ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں آپ نے لکھا ہے کہ ''نہ یہ آنحضرت صلعم کو غیب میں سے بالکل آگاہی دی ہی نہیں گئی، یہ تو صریح آیات کی مخالفت اور صحیح احادیث کا الٹ ہے''۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ خود آپ کے عقیدے کی رو سے بھی آپ کا ترجمہ کہ ''اگر میں ہوتا جانتا غیب کی بات'' غلط ہو گیا، پس آپ خود اپنے ترجمہ کا جواب دیں۔

آیت زیر نظر کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ سلیمان جملؒ نے حاشیہ جلالین میں لکھا ہے:۔

لقائل ان یقول قد اخبر صلی اللہ علیہ وسلم عن المغیبات وقد جاءت احادیث فی الصحیح بذلک وھو اعظم من معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فکیف الجمع بینہ وبین قولہ تعالیٰ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر واجیب انہ یحتمل ان یکون قالہٗ علی سبیل التواضع والادبِ، المعنی لا اعلم الغیبَ الا ان یطّلعنی اللہ تعالیٰ علیہ و یقدّرہٗ لی ویحتمل ان یکون قال ذلک قبل ان یطلعہٗ اللہ عزوجل علی علم الغیبِ فلما اطلعہٗ اللہ اخبر بہٖ کما قال فلا یظھر علی غیبہٖ احداً الا من ارتضٰی من رسول أو یکون خرج ھذا الکلام مخرج الجواب عن سوالھم ثم بعد ذلک اظھرہ اللہ تعالیٰ علی اشیاء من المغیبات فاخبر عنھا۔

ترجمہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مغیبات سے آگاہ کرنا تو ایک حقیقت ثابتہ ہے، احادیث میں اس کی تصریحات موجود ہیں، یہ تو آنحضورؐ کے اعظم معجزات میں سے ہے، تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کی تطبیق آیت ولو کنت اعلم الغیب آہ کے ساتھ کیسے ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل، تواضع اور ادب بارگاہ ایزدی ہے، یعنی مطلب یہ ہو گا کہ میں غیبی امور کو نہیں جانتا مگر اللہ کے اطلاع کرنے اور اس کے مقدر کرنے سے، دوسرا جواب ہے کہ جب آنحضورؐ نے لو کنت اعلم الغیب آہ فرمایا تو اس وقت آپؐ اُن (امتحانی تکالیف جیسے) غیبی امور کو نہیں جانتے تھے، بعد میں جب اللہ نے آپؐ کو اطلاع بخشی تو آپ نے بھی باخبر فرمایا، جیسا کہ آیت فلا یظھر علی غیبہٖ سے مترشح ہوتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت لو کنت اعلم الغیب آہ کفار کے سوالات لا طائل تحتھا کے دفع کرنے کیلئے جواباً نازل ہوئی، بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغیبات پر تدریجاً (یعنی شیئاً فشیئاً) دسترس عطا فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی بتلا دیا۔ (غیبِ اضافی کو مغیبات کہا جاتا ہے)۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر القرآن العظیم میں ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:۔

امرهٔ اللّٰه تعالیٰ ان یفوض الامور إلیه تعالیٰ وان یخبر عن نفسه انه لا یعلم الغیب المستقبل ولا اطلاع له علی شیٔ من ذلک الا بما اطلعه اللّٰه تعالیٰ. (الاعراف، ۱۸۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمائیں اور اپنے بارے میں کہیں کہ میں غیبِ مستقبل کو نہیں جانتا، اور نہ ہی میں اس پر آگاہ ہوں، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر مجھے اطلاع بخشی ہے۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ پچھلی آیت اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور نبی کریمؐ کو کفار مکہ کی باتوں کا جواب تلقین فرمایا گیا ہے۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن امور کا مطالبہ کر رہے تھے ان کا صدور درحقیقت الوہیت (الٰہ ہونا) کے زمرے میں آتا ہے۔ کیونکہ وہ جس قسم کی قدرت ذاتیہ کاملہ غیر متناہیہ اور جس قسم کے علم ذاتی کامل غیر متناہی کی نمائش کے متمنی تھے وہ نبوت ورسالت کے دائرے سے ماوراء تھی۔ اس قسم کی قدرتِ مطلقہ اور علمِ مطلق تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے، یہی وجہ ہے کہ انہیں یہ نکتہ سمجھانے پر ہی سارا زور دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت تو اللہ کی مشیت کے تابع اور آپؐ کا علم اللہ کی عطا کے ماتحت ہے۔

امتِ عیسویہ کمالاتِ نبوت اور کمالات الوہیت کے مابین فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی ''اعتقادِ الٰہیتِ مسیح'' کی آفت مہلکہ میں گرفتار ہوئی۔

معلوم ہوا کہ ان آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور قوت کی نفی مقصود نہیں بلکہ نبوت والوہیت کے امتیاز پر دلیل قائم کرنا مطلوب ہے، جیسا کہ مفسرین نے تصریحات فرمائی ہیں۔

حضرت امام بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ میں کیا خوب فرمایا ہے:۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارىٰ فِىْ نَبِيِّهِم.

ترجمہ: چھوڑ دو اس (الوہیت) کو جس کا نصاریٰ نے اپنے نبی میں دعویٰ کیا۔

کفار مکہ کے مطالبہ کی توجیہہ ''طلب معجزہ'' سے کی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکمتِ الٰہیہ نے ایمان کو ''مشاہدۂ معجزات'' کا محتاج اور تابع نہیں بنایا بلکہ یؤمنون بالغیب فرما کر ایمان بالغیب کی ترغیب دی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہود کے مطالبہ ''لن نؤمن

لک حتی نری اللّٰه جهرة'' کے جواب میں ''فأخذتهم الصّعقة'' کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔ اسی لئے کفار مکہ کے بار بار مطالبوں کے باوجود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت کے رازہائے سربستہ کو آشکار نہیں کیا کیونکہ خدا کا یہی حکم تھا۔

دراصل ایمان مقبول عند اللہ وہ ایمان ہے جو فہم سلیم اور ذوق باطنی سے پھوٹتا ہے اسی لئے ایمان وایقان کو تصدیق بالقلب اور انسان کی اپنی منشأ کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ ارشاد ہوا: ﴿مَن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر﴾ چنانچہ ایمانِ حقیقی وہ ہے جس نے ذہنی آمادگی اور بے لاگ تفکر وتدبر سے ''نمو'' پایا ہو، اس کے برعکس وہ ایمان کمالِ انسان اور فخر ولد آدمؑ نہیں جو جبر کی کسی صورت کا مرہونِ منت ہو، حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

موجبِ ایماں نباشد معجزات
بوئے جنسیت کند جذب صفات
معجزات از بہر قہر دشمن است
بوئے جنسیت سوئے دل بردن است
قہر، گردد دشمن اما دوست نے
دوست کے گردد بہ بستہ گردنے
برزند از جان کامل معجزات
برضمیر جان طالب چوں حیات

ترجمہ: معجزات ایمان کا سبب نہیں ہوتے جنسیت کی خوشبو ہی صفات کو جذب کرتی ہے معجزے تو اسلئے ہوتے ہیں کہ دشمن دب جائے لیکن جنسیت کی خوشبو دل تک پہونچنے کیلئے ہوتی ہے۔ جبر، دشمن تو بناتا ہے مگر دوست نہیں بناتا وہ شخص بھلا دوست کیا ہوگا جو گردن سے پکڑ کر لایا گیا ہو پیغمبر اپنا معجزانہ روحانی اثر براہ راست روحِ طالب پر ڈالتا ہے، اثرِ حیات کی مانند۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر وہ معجزے ظاہر فرمائے جو فکر کو مہمیز لگائیں نہ وہ جو کہ تفکر وتدبر کی جولان گاہ کو محدود بنا دیں، اسی لئے تو حکمتِ الٰہیہ نے معجزات کے اندر کسی قدر خفاء اور پوشیدگی کا عنصر شامل کر دیا، تاکہ معجزہ سے، دیکھنے والے میں مجبوری کی کیفیت پیدا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی یہی حکمتِ بالغہ، مطالباتِ کفار کے عدم ایفاء کا موجب بنی۔

حقیقت یہ ہے کہ ''القدیر'' نے اپنی قدرت کو کھلم کھلا، برسر عام بے نقاب وبے حجاب نہ کرنے کا فیصلہ فرمایا ہوا ہے، مگر افسوس ہے کہ اِن آیاتِ مبارکہ کو ''قوت وعلمِ نبوی'' کی نفی پر محمول کرنے والے کم فہم انسانوں کا ذہنِ نارسا، اس حقیقت کا ادراک کرنے سے یکسر قاصر رہا۔

کفار مکہ، جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کا مطالبہ کیا کرتے تھے، تو ان کے اس مطالبہ کی اساس اور بنیاد، دنیاوی لالچ اور مادی منفعت ہوتی تھی، وہ کہتے تھے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے کاروباری نفع ونقصان سے پیشگی آگاہ کر دیں یا ان کیلئے ریگ زاروں کو پلک جھپکنے میں لہلہاتے کھیتوں اور گھنے باغات میں تبدیل کردیں، تب ہی وہ آپؐ پر ایمان لائیں گے ورنہ نہیں۔

درحقیقت مطالبۂ کفار، کائناتی نظام میں کارفرما ''اسبابِ مادیہ ظاہرہ'' کی مکمل اور کھلے عام تعطیل کا مطالبہ تھا، مگر چونکہ حکمتِ الٰہیہ کا فیصلہ، تسبیب کو بالعموم برقرار رکھنے کا ہے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمان ''قل لا املک'' کے ذریعہ مظاہرۂ تعطیلِ اسباب سے روک دیا گیا، اس سے انتفاء ''قدرت وعلم نبوی'' مستنبط نہیں ہوتا، کیونکہ معجزہ تو ''خلق الٰہی'' ہوتا ہے اور تعطیلِ اسباب، تحت القدرۃ الالٰہیہ ہے۔

اس میں دقیق اور عمیق نکتہ یہ ہے کہ منصبِ نبوت ورسالت کھیتیاں اُگانا اور تجارتی پیش گوئیاں کرنا نہیں بلکہ ''نذارت وبشارت'' ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾۔ مزید نکتہ اس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام تر وقت، آپ کا علم، قوت اور توجہ ''صلاحیتِ ایمان'' رکھنے والے حضرات ہی کی تعلیم وتربیت اور اصلاح پر خرچ ہونے چاہئیں نہ کہ کفار کے بے سروپا مطالبات کی تکمیل پر۔

بمصداق قاعدہ ''القرآن یفسر بعضہٗ بعضاً'' خود قرآن مجید نے بارہا وضاحت کر دی ہے کہ ''امر خارق للعادت'' کے صدور کے بعد کفار کیلئے مہلت منجانب اللہ ختم ہو

جائے گی، کیونکہ اتمامِ حجت کے بعد اصرار علی الکفر، استحقاقِ عذاب کا موجب ہوتا ہے، جبکہ حال یہ ہے کہ حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آمد کا مقصد نجات از عذاب ہے، اصلاحِ احوال ہے، خوش بختی اور تحصیل انعامات ہے، اسی وجہ سے بتعمیل ''قل لا املک'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع، درگذر اور صبر کی روش اختیار فرمائی اور کفار کی جلد بازی، تمسخر اور فرمائش کو پرکاہ بھی اہمیت نہ دی۔ اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ اور نافذ کردہ اس حکمت عملی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری یا لاعلمی تصور کرنا سخت نامناسب ہے۔

علاوہ ازیں اطلاع علی الغیب کے بکثرت اور برملا مظاہرے میں مخلوق خدا کی عیب کشائی کا امکان ہوتا ہے، اسلئے اس سے اجتناب، حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ان سوالات پر تا اذن الٰہی، خاموشی، توریہ یا ملفوف گفتگو فرماتے جس میں کسی قسم کی ''مخفیات پر اطلاع'' ہوتی، اس سے عدم اطلاع کا نتیجہ اخذ کرنا نادانی ہے، حافظ محی السنہ بغویؒ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۷۹ اور سورۂ المائدہ، آیت ۱۰۱ میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی صورتیں مجھے دکھا دی گئیں جبکہ وہ ابھی مٹی میں تھے اور مجھے بتلا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا؟ تو منافقین آپس میں کہنے لگے کہ ہماری تو آپ کو خبر نہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ مجھ پر ایمان کون لائے گا، اور کفر کون کرے گا؟ جبکہ ابھی وہ لوگ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے فرمایا، ما بال اقوام طعنوا فی علمی؟ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ میرے علمِ غیب کے بارے میں طنز کا ارتکاب کیا؟ آپؐ بار بار فرمانے لگے کہ پوچھو مجھ سے، میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا، اب کچھ لوگوں نے سوالات پوچھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ٹھیک ٹھیک جوابات دیئے۔ اس پر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور بار بار آپ سے معافی کے خواہستگار ہوئے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو معاف فرما دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا، کیا تم لوگ اب باز آنے والے ہو؟

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

عن السدیؒ انه قال غضب رسول الله صلی الله علیه یوماً من الایام فقام خطیباً فقال سلونی فانکم لا تسالونی عن شیءٍ إلا انبأتکم به فقام إلیه رجل من قریش من بنی سهم یقال لهٗ عبد الله ابن حذافة وکان یطعن فیه فقال یارسول الله مَنْ أبی؟ فقال أبوک فلانٌ فدعاه لابیه فقام إلیه عمر بن الخطاب فَقَبَّلَ رِجْلَهٗ وقال یارسول الله رضینا بالله رباً وبک نبیاً وبالاسلام دیناً وبالقرآن اماماً فاعف عنا عفیٰ الله عنک فلو یزل حتی رضی صلی الله علیه وسلم. (سورہ المائدہ، آیت ۱۰۱)

ترجمہ: حضرت سدیؒ راوی ہیں کہ ایک دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (منافقین کے طعنۂ قلتِ علمی پر) خفا ہوئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا، پوچھو مجھ سے! میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا، ایک شخص کھڑا ہوا جس کی ولدیت کے بارے میں طعنہ زنی کی جاتی تھی، وہ کہنے لگا مَنْ اَبِی؟ میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے! حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے، آپؐ کے قدم مبارک کو چوما اور عرض کیا یارسول اللہ! ہم راضی ہیں اللہ کو رب، آپؐ کو نبی، اسلام کو دین اور قرآن کو پیشوا مان کر، آپ ہمیں معاف فرما دیں، حضرت عمرؓ بار بار یہ التجا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے۔

آں ذات سبحانہٗ جل شانہٗ وعز برہانہٗ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر "لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت" کی تنزیل برائے تلقینِ ادب الٰہی ہے، کیونکہ کمال ادب باری عز اسمہٗ کا یہی تقاضا ہے کہ علم کو اپنی بجائے اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، ورنہ وجود باجود آنجنابؐ منور الوجود علیہ اکمل صلوات الودود، بتمامہ خیر کثیر اور نورٌ علی نور ہے، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں برائی کا نام ونشان بھی نہیں، بلکہ جو شخص حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی عیب یا برائی کا قائل ہو وہ عند المحققین کافر ہے، معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جو عوارضِ بشریہ اور جو جو تکالیف بھی پیش آئیں وہ تو محکِ امتحانی تھیں، ان سے تو تابش اور لمعانِ گوہر نبوت، مزید در مزید بڑھتی گئی، جیسا کہ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔

؎ چو شد معیار او آں سنگ کارے نشد ظاہر بجز کامل عیارے

لہٰذا جب تالی یعنی "لا ستکثرت" محمول بر ادب ہوا تو مقدم یعنی نفی علم غیب مستفاد از لو کنت اعلم الغیب بھی محمول بر ادب ہوگا، کیونکہ مقدم اور تالی میں ملازمہ ہوتا ہے۔

جناب طبیب صاحب! ان بھائیوں سے کہیں کہ گذشتہ صفحات میں جو تفسیری توجیہات اس فقیر کی طرف سے مذکور ہوئی ہیں وہ ان آیات مبارکہ کی تفہیم کیلئے کافی ووافی ہیں، لیکن اگر یہ لوگ ضد کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کیلئے خیر کثیر کی نفی کی گئی ہے تو پھر میں جواباً عرض کروں گا کہ خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر عطا کی گئی ہے کیونکہ خدائے پاک جل شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً﴾ اور ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ (أی خیراً کثیراً)۔

نیز تاج ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سجایا اور ﴿عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً﴾ کی خلعت سے بھی آپ کو ممتاز فرمایا اور رتبہ انا حاملُ لواءِ الحمدِ یومَ القیامةِ، تحتہٗ آدمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ بھی عطا فرمایا تو اب کونسی خیر باقی رہ گئی ہے جو آپ کو عطا نہیں ہوئی؟

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات کے باب المعراج میں لکھا ہے "از فضل وکمال ہمہ او را حاصل است" ترجمہ: تمام کا تمام فضل اور تمام کا تمام کمال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج، عرش بریں پر بلا کر اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرمایا، جبکہ حضرت جبریل جیسے فرشتے صل علی محمد کہہ کر پیچھے رہ گئے اور خدائے پاک نے اپنے محبوب کو آسمانوں کی سیر کرائی، بہشتوں اور دوزخوں کا ملاحظہ کرایا اور حالات ماضیہ اور مستقبلہ سے آگاہی بخشی تو اب کونسی خیر باقی بچ گئی؟

مزید برآں ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ آپ کی شان ہے، خود خدائے پاک آپ کا مداح اور ثناء خوان ہے، ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ آپ کی عظمت کا نشان ہے، ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً﴾ نُطقِ رحمان ہے اور ﴿الرَّحْمَٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾، علام الغیوب کا فرمان ہے تو اب آپ لوگ نشان دہی فرمائیں کہ خیر کثیر کا وہ کونسا مرتبہ ہے جو دستِ قدرت سے چوک گیا ہے؟

جناب طبیب صاحب! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو عظمتِ شانِ علمِ باری عز اسمہٗ کا نظارہ فرما رہے ہیں اور اس کے ادب کے سامنے اپنے علم کو ذرہ بھر مشاہدہ کر رہے ہیں اس لئے فرما رہے ہیں ولا اعلم الغیب، مگر تم لوگ اتنی جسارت نہ کرو کہ اپنے نبی کے علم کا انکار کر دو یا اس کو اتنا قلیل قرار دیدو کہ القلیل کالمعدوم ہی بنا دو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انکارِ دعوائے علم کی توضیح کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان فرمایا ہے جو کہ صحیح مسلم میں ہے کہ:

قَامَ موسیٰؑ خطیباً فی بنی إسرائیل فَسُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ قال أنا اعلم فَعَتَبَ اللّٰهُ علیه إذ لم یرد العلم إلیه.	ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل سے خطاب فرما رہے تھے کہ کسی نے پوچھا "سب سے زیادہ صاحبِ علم کون ہے؟ تو آپ نے کہا کہ میں، پس اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلم ہونے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ فرمایا تھا۔

مندرجہ ذیل قرآنی آیت سے بھی یہی سبق حاصل ہو رہا ہے

یومَ یَجمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فیقولُ مَاذا اُجِبتُم، قالُوا لا عِلمَ لَنا، اِنکَ انتَ عَلّامُ الغیوبِ. (المائدہ:۱۰۹)	ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس دن رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا کہ آپ کو (اپنی امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا؟ تو وہ کہیں گے کہ (تیرے سامنے) ہمارا علم کسی شمار میں نہیں کیونکہ تو علام الغیوب ہے (کما روی عن ابن عباس، ھٰکذا نقلہٗ ابن جریرؒ)

مسئلہ ہذا مانند ہے استعمال لفظِ مثل کے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرما دیں، ﴿اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم﴾ مگر نہیں جائز کہ ہم کہیں انما ھو بشر مثلنا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تو بشری ہے، مگر زمین اور عرش بریں کا فرق ہے، اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے بپاس ادب دعوائے مثلیت کلیہ، ناجائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالاتِ ظاہرہ وباطنہ سے مالا مال فرما کر ساری خیر آپ پر نچھاور فرما دی، آپ کی روح، عقل اور قلب کا کیا پوچھنا، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کا بدن ایسا لطیف اور نظیف بنایا کہ عرش بریں پر ایک لمحہ میں پہنچ گیا اور پسینہ مبارک کی خوشبو ایسی کہ تمام کائنات کا مجموعی مشک وعنبر اس کے آگے شرمسار۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جس کوچہ سے ایک مرتبہ گذر جاتے تو روزہا روز تک وہاں سے خوشبو کی لپٹیں آتی رہتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک تلخ سے تلخ پانی میں ڈالا گیا تو وہ شیریں ہوگیا۔ نابینا شخص کی آنکھ میں لگایا گیا تو وہ بینا ہوگیا، ٹوٹی ہوئی ٹانگ کی ہڈی پر ہاتھ پھیرا تو وہ پہلے کی طرح جڑ گئی۔ آشوب چشم کیلئے آپ کا لعاب مبارک پیغام شفاء ثابت ہوا، آپ کے سایہ کو زمین پر نہ پڑنے دیا بلکہ بادلوں کو آپ کے سر مبارک کے اوپر چھتری بنا دیا، ایک بانصیب نے آپ کا بولِ طاہر نوش کر لیا تو وہ پیٹ کے امراض سے محفوظ ہوگیا، آپ کے بدن پر مکھی وغیرہ نہ بیٹھتے تھے۔ آپ کے براز کو زمین فوراً کھا جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم از سرتا پا خیر ہی خیر ہیں۔ خلاصۃ المرام کے طور پر عرض ہے کہ روح المعانی میں علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا گیا ہے اور اسے راجح قرار دیا گیا ہے۔

یحتمل ان یکون ھذا القول منه علیه الصلوٰۃ والسلام علی سبب التواضع والادبِ والمعنیٰ لا اَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلاّ اَنْ یُّطْلِعَنِیَ اللّٰهُ تعالیٰ علیه وَیُقَدِّرَهُ لِی.	ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول، از راہ تواضع اور از راہ ادب فرمایا، جس سے مراد یہ ہے کہ میں تو غیب نہیں جانتا، ہاں مگر اس وقت جب اللہ تعالیٰ مجھے اس پر مطلع فرما دے اور اسے میرے لئے مقدر کر دے۔

جناب طبیب صاحب! ان بھائیوں سے پوچھو کہ وہ کونسی خیر ہے جو آپ لوگوں کے نزدیک آں سید الانبیاء والمرسلین اور محبوب ذاتِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء نہیں فرمائی گئی؟ نیز وہ کونسا سوء اور کونسی برائی ہے جو آپ لوگوں کے نزدیک آں ذاتِ بابرکات اور منبع رشد وخیرات صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق ہوگئی؟ آپ لوگ ذرا لحاظ اور خیال کرو اور اتنی بے ادبی میں قدم نہ رکھو، بلکہ توبہ تائب ہوکر تسلیم کر لو کہ کلمہ "لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء" کا محمول ہے اس مراد پر کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم الٰہی سے اور امر الٰہی سے، بلحاظِ کمالِ ادبِ باری تعالیٰ جل شانہٗ وعز برہانہٗ اور بلحاظِ

کمالِ تواضع بحضور آں ذاتِ مالکِ کل، بطور تعمیل حکم آں شہنشاہ معظم تبارک وتعالیٰ یہ فرمایا، جیسا کہ محقق مفسرین نے تصریح کی ہے۔

جناب طبیب صاحب! اگر ان بھائیوں نے اس آیت "لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء" کی تقریر استدلال نہیں فرمائی تو فقیر عرض کر دیتا ہے، وہ یہ ہے کہ کلمہ "لَوْ" موضوع ہے برائے انتفاء خبر کے، بسبب انتفاء شرط کے، اب لاستکثرت اور ما مسنی میں سے جو مثبت مذکور ہے وہ منفی ہوگا اور جو منفی ہے وہ مثبت ہوگا۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ مقصود اس کلام "لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء" کا ان بھائیوں کے اعتقاد کے موافق یہ نکلا کہ بہت بھلائی میں نے نہیں لی، اور مجھ کو برائی لگ گئی ہے، بہ سبب اس کے کہ میں غیب نہیں جانتا، استغفر اللہ تعالیٰ۔

سو یہ فقیر اس پر عرض کرتا ہے کہ برائی کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو نام ونشان بھی نہیں، بلکہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی عیب تھا یا کوئی برائی تھی، سو ایسا شخص اہل حق کے نزدیک دین اسلام سے باہر نکل جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان بھائیوں کو خلجانِ ذہنی کا عارضہ لاحق ہے ورنہ جو جو تکالیف بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئیں تو وہ محض محک امتحانی تھیں، جن سے تابش، لعان اور چمک دمک جوہر نبوت کی مزید در مزید بڑھتی جاتی تھی، جیسا کہ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا:

چو شد معیار او آں سنگ کارے ———— نشد ظاہر بجز کامل عیارے

جناب طبیب صاحب! آپ اپنے ان بھائیوں کو یہ اہم نکتہ سمجھا دیں کہ ان امتحانی تکالیف (عوارضِ بشریہ) کی حکمت یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات بلند ہوتے رہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ خوش خبری نازل فرما دی کہ ﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ نیز فرمایا: ﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ﴾

عوارض بشریہ کو نقص شمار کرنا سخت نادانی ہے بلکہ یہ چیز فضیلت ہے اور موجبِ فضائل کثیرہ ہے۔ ان امتحانی تکالیف سے بعض لوگوں کا امتحان مقصود ہوتا ہے۔

قال الطبیب، چوتھی آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ہے (سورۃ لقمان، آیت ۳۴)

اول: سب سے پہلے فقیر یہ عرض کرتا ہے کہ علم القرآن تک رسائی کا ذریعہ اور وسیلہ علم التفسیر اور علم الحدیث ہے، اس لئے آپ کسی آیت قرآنیہ کی مراد الٰہی معلوم کرنے کی غرض سے تفاسیر اور احادیث کی طرف رجوع کیا کریں۔ اگر آپ محض اپنی رائے سے قرآن مجید کی تأویل وتعبیر کریں گے تو یہ تأویل بالرائے ہوگی، جبکہ تأویل بالرائے اور تفسیر بالرائے وساوس نفسانیہ میں سے شمار ہوتی ہے، کیونکہ وہ مبنی بر دلیل نہیں ہوتی۔

اگر کوئی شخص جملہ تفاسیر اور جملہ احادیث نبویہ کو برطرف کر دے اور من مانی تشریحات کرنے لگے تو اس کی تشریحات مردود قرار دی جائیں گی، جملہ تفاسیر کو نظر انداز کرنا ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کے زمرے میں آتا ہے اور حدیث نبوی کے برخلاف رائے قائم کرنا ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ﴾ کے فرمان واجب الاذعان کے تحت شامل ہو کر استحقاقِ وعید الٰہی کا موجب بنتا ہے۔

جناب طبیب صاحب! آپ کے ان بھائیوں کا اصل مسئلہ قلتِ علم ہے پورے اصول وفروع پر ان کی نظر نہیں ہے، پورے ذخیرۂ تفسیر وحدیث کا مطالعہ کریں گے تو ان پر بات واضح ہوگی، دین ایک وحدت ہے اس کی جملہ تعلیمات باہم مربوط ہیں، لہٰذا جو شخص ان کے اندر انتشار پیدا کرے گا وہ خود فکری انتشار کا شکار ہوگا، علم بالاحادیث اور علم بالتفاسیر کے بغیر آپ کے سادہ لوح بھائیوں کو ٹھوکر لگ گئی ہے جس طرح کہ وہ مذکورۃ الصدر آیت مبارکہ سے اخذِ مراد میں اوندھے منہ گر پڑے ہیں۔

اس مختصر مگر ضروری نصیحت کے بعد فقیر عرض کرتا ہے کہ آپ اس آیت مبارکہ کی تفسیر معلوم کرنے کیلئے الحافظ اسماعیل بن کثیر القرشی کی تفسیر القرآن العظیم کا مطالعہ فرمائیں، ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

ھذہ مفاتیح الغیب التی استاثر اللہ تعالیٰ بعلمھا فلا یعلمھا احدٌ الا بعد اعلامہ تعالیٰ بھا. (سورۃ لقمان، آیت ۳۴)	ترجمہ: یہ غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے پس کوئی شخص ان کو نہیں جانتا مگر اسکے بعد کہ اللہ تعالیٰ اسے انکا علم عطا کر دے۔

آپ لوگوں کو یہ ضابطہ بارہا سمجھایا جا چکا ہے کہ جہاں کہیں بھی علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں "اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر" کی قید تسلیم کی جائے گی، چنانچہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اس آیت میں بھی حافظ ابن کثیر نے "الا بعد اعلامہ تعالیٰ بھا" کی قید ظاہر کر کے اسی ضابطۂ کلیہ کی یاد دہانی کرا دی ہے۔

فقیر پہلے ہی عرض کر چکا ہے کہ مغیبات کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بقدرِ عطاء الٰہی ہے اور بالتدریج ہے اور علم محیط بالاستقلال تو مخصوص ساتھ ذات باری عز اسمہٗ کے ہے۔

چنانچہ علامہ شیخ احمد صاوی مالکیؒ اپنی تفسیر صاوی میں تحت آیت ﴿یسئلونک عن الساعۃ﴾ لکھتے ہیں:۔

وھذا قبل اعلامہ بوقتھا فلا ینافی انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یخرج من الدنیا حتی اعلمہ اللّٰہ تعالی بجمیع مغیبات الدنیا واللآخرۃ.

یہ جواب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ وقتِ قیامت عطا کرنے سے پیشتر ہے، لہٰذا یہ اس بات کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور کو دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے، دنیا اور آخرت کے تمام مغیبات کا علم عطا کر دیا تھا۔

نوٹ: واضح ہو کہ مغیبات کی اصطلاح، غیب اضافی کیلئے وضع کی گئی ہے تاکہ غیب مطلق اور غیبِ اضافی میں امتیاز قائم ہو جائے۔

جناب طبیب صاحب! ان بھائیوں سے پوچھیں کہ آپ جو کہتے ہیں کہ علم قیامت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا جبکہ ہم نے گذشتہ اوراق میں اس کا اثبات کامل طور پر کر دیا ہے، مزید براں یہ لوگ اس بارے میں کیا فرمائیں گے کہ جملہ احوال یوم قیامت کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیئے ہیں جیسا کہ کتاب اللہ اور کتبِ احادیث قیامت کے احوال سے بھرے ہوئے ہیں، چند مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تذکرہ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:۔

قال حدثنی ام الفضلؓ قالت مررتُ بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال انکِ حاملٌ بغلامٍ فاذا ولدتِہٖ فأتینی بہ فلمّا ولدتُ اتیتُ النبیَّ فاذّن فی اُذُنِہٖ الیمنیٰ واقام فی اُذُنِہٖ الیُسریٰ وَاَلْبَأَہٗ فِیْ رِیْقِہٖ فَسَمَّاہُ عبد اللّٰہ فقال اِذھبی بابی الخلفاء (الحدیث).

ترجمہ: حضرت ام الفضلؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گذری تو آپ نے فرمایا، تیرے شکم میں بیٹا ہے، جب وضع حمل ہو تو میرے پاس لانا، سو جب بیٹا پیدا ہوا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے اس کے دائیں

کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا، پھر فرمایا، خلفاء کے باپ کو لے جا۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے (باب فضائل علیؓ میں) روایت بیان فرمائی ہے کہ:

اِنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یوم خیبر لا عطینَّ ھٰذِہِ الرایۃ رجلاً یفتح اللّٰہ علٰی یَدَیْہِ یحبُّ اللّٰہ و رسولَہٗ وَیُحِبُّہٗ اللّٰہُ ورسولُہٗ. (الحدیث)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا، میں یہ جھنڈا (کل) ایک ایسے شخص کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں، اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا، وہ شخص خدا ورسول سے محبت کرتا ہے اور خدا و رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

اور ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں سہل بن حنظلہ سے باب فضل الحرس فی سبیل اللہ تعالیٰ میں روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

فجاء رجلٌ فارسٌ فقال یارسول اللّٰہ اِنّی انطلقتُ بین ایدیکم حتی طلعتُ علٰی جبل کذا و کذا فاذا انا بھوازنَ علٰی بکرۃِ آبائھم بظُعُنِھِمْ وَنَعَمِھِمْ وشائھم اجتمعوا الٰی حُنینَ فتَبَسَّمَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقال تلک غنیمۃ المسلمین غداً ان شاء اللّٰہُ تعالٰی. (الحدیث)

ترجمہ: پس ایک سوار آیا اور کہا یارسول اللہ! میں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو دیکھا کہ بنو ہوازن سب کے سب اپنے اہل وعیال، اونٹوں اور بکریوں سمیت حنین کی طرف جمع ہو رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیا اور فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، کل یہ سب کچھ مسلمانوں کیلئے مالِ غنیمت ہوگا۔

نیز امام مسلم نے اپنی صحیح باب عرض مقعد المیت، جلد ثانی، میں حضرت انسؓ سے ایک قصہ حضرت عمرؓ کا روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:۔

اِنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یُرینا مصارع أھل بدرٍ بالامسِ یقولُ ھذا مصرعُ فلانٍ غداً اِن شاء اللّٰہ تعالٰی وھذا مصرعُ فلانٍ ان شاء اللّٰہ تعالٰی قال فقال

ترجمہ: حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن پہلے ہی ہمیں اہل بدر کی قتل گاہیں دکھاتے رہے، آپؐ فرماتے کہ انشاء اللہ کل یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہوگی

عمرؓ فو الذی بعثہ بالحق ما اخطئوا الحدود التی حدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.	اور یہ فلاں کافر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آنحضور کو مبعوث فرمایا کہ کفار کیلئے جو جو جگہ آپؐ نے مقرر کی، وہ لوگ ٹھیک وہیں پہ گرے۔

قال:۔ پس واضح ہوا کہ ماحصل مرقومہ آیات کا یہی ہے کہ ہر ایک غیب شئ کا دائمی محیط علم جس کو علم غیب کہتے ہیں آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں اور نہ کسی اور کو، نہ یہ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب میں سے بالکل آگاہی دی ہی نہیں گئی یہ تو صریح آیات کی مخالفت اور صحیح احادیث کا الٹ ہے نعوذ باللہ منہا بلکہ سچا اعتقاد یہی ہے کہ آں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع انبیاء واولیاء پر اور ان کے علم شریف کو جمیع انبیاء علیہم السلام کے علم پر فضیلت ہے، ہاں جو لوگ عوام کالانعام یا خواص کالعوام ہیں وہ اس کے معتقد ہیں کہ آنجناب صلعم کا علم خدائے پاک کے علم کے برابر ہے، اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف وہی جو استاد اور شاگرد میں ہوتا ہے۔ یعنی آنجنابؐ کا علم بذاتہٖ نہیں بلکہ خدا کا دیا ہوا ہے۔

اقول: طبیب صاحب! ان بھائیوں سے پوچھیں کہ آپ نے قبل ازیں آیاتِ قرآنیہ کا جو ترجمہ لکھا ہے اس سے تو علم غیب کی علی الاطلاق نفی ہوتی ہے مثلاً ولا اعلم الغیب کا آپ نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''نہ میں غیب کی بات کو جانتا ہوں'' اور ولو کنتُ اعلم الغیب کا آپ نے یہ ترجمہ کیا ہے ''اگر میں ہوتا جانتا غیب کی بات''، مقام حیرت ہے کہ آپ لوگوں نے ان تراجم میں نہ کسی قید ''ہر شئ'' کی لگائی ہے اور نہ ہی ''دائمی محیط ہونے کی کہیں تصریح کی ہے، اس تضاد بیانی کے باوجود آپ چالاکی سے ''واضح ہوا'' بھی ساتھ ہی کہتے جاتے ہیں۔

اس تضاد بیانی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو مسئلہ علم غیب کا مکمل ادراک نہیں ہے، آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کل کائنات کو شامل ہونے کے باوجود متناہی ہے اور متناہی جہات سے ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم لامتناہی ہے، آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عطائے الٰہی سے ہے جبکہ اللہ کا علم ذاتی ہے، آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہر آن اور ہر لمحہ بڑھایا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازل سے کامل ہے۔

لوح وقلم کا علم، علوم نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک حصہ ہے مگر اس کے باوجود علمِ نبوی علم الٰہی کا بعض ہی ہے۔

نیز آپ نے جو یہ کہا ہے کہ، ''نہ یہ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب میں سے بالکل آگاہی دی ہی نہیں گئی''، اس سے تو معلوم ہوتا ہے آپ تو اقرار کرتے ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی قدر غیب کی باتوں کو جانتے ہیں۔ لہٰذا آپ لوگوں پر لازم ہے کہ اپنے ترجمہ کا جواب دیں جس میں آپ نے آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی علی الاطلاق نفی کی ہے، پھر جو کچھ آپ جواب دیں گے علماء معتبرین جو فرماتے ہیں کہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان وما یکون کا عطا کیا گیا ہے، ان کی طرف سے بھی وہی جواب سمجھیں۔

اور آپ نے جو فرمایا تھا کہ خاصۃ الشئ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ، وہ بھی ٹوٹ گیا، اس کا جواب بھی آپ پر لازم ہے کیونکہ آپ نے بھی کہہ دیا ہے کہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا تھوڑا بہت علم دیدیا گیا ہے۔

توضیح مسئلہ کیلئے فقیر عرض کرتا ہے کہ آپ لوگ غیب مطلق اور غیب اضافی کو خلط ملط نہ کیا کریں، مخصوص بالباری تعالیٰ علم غیب مطلق ہے نہ کہ علم غیب اضافی (Relative)۔

واضح رہے کہ غیب دو قسموں پر منقسم ہے۔

(۱)　**غیب مطلق:** یہ وہ ہوتا ہے جو غائب علی سبیل الاستقلال ہو، اس پر کوئی دلیل قائم نہ کی گئی ہو، نہ ہی وہ بداہتِ عقل یا حواس کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر کسی کو مطلع کیا ہو، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مخفی اور پوشیدہ ہو، اس کا علم خاصۂ خدا ہے۔ اس کی کوئی مثال پیش کرنے سے انسان عاجز ہے۔

(۲)　**غیب اضافی:** یہ وہ ہوتا ہے جو Relative ہو۔ علی سبیل الاستقلال نہ ہو، اس پر کوئی دلیل قائم کی جا سکتی ہو، وہ تو حجابات ذہنیہ یا حجابات حسیہ کے حائل ہونے کی وجہ سے اوجھل ہو، وہ بذریعہ رفعِ حجاباتِ عقلیہ اور حسیہ، بذریعہ نصبِ دلیل، اور بذریعہ اعلام و اطلاع الٰہی، معلوم یا مشہود ہو سکتا ہو۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی دین ہے، کسی کو تھوڑا دیتا ہے اور کسی کو زیادہ۔ مگر سرور کونین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کا کل علم غیب اضافی تدریجاً مرحمت فرما دیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم غیر متناہی کے سامنے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا متناہی علم ایسے ہے جیسے سات سمندروں کے سامنے ایک قطرہ، اسی لئے اسے بنسبت علم باری تعالیٰ بعض بھی کہہ دیتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہر آن اور ہر لحہ بڑھتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ازلی، ابدی اور ذاتی ہے۔ اس امر کی وضاحت ضروری ہے اللہ تعالیٰ کا علم اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کسی ذرہ کے بارے میں بھی یکساں یا مماثل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم کسی ذرہ کے بارے میں بھی غیر متناہی وجوہ سے ہے اور اس ذرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم بے کراں اور بے حد وحساب ہے جس کے سلسلہ کی کوئی انت اور انتہاء نہیں ہے۔ جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اس ذرہ کے بارے میں متناہی جہات سے ہے۔

جناب طبیب صاحب! آپ کے بھائیوں اور ہمارے درمیان نزاع یہ ہے کہ اہل السنّت والجماعت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت اور کثرت کے قائل ہیں جبکہ بعض لوگ علمِ محمدیؐ کی کوتاہی اور کم مائیگی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ کہنے لگتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے انجام کی بھی خبر نہ تھی، معاذ اللہ۔ (حوالہ کیلئے البراہین القاطعہ ملاحظہ ہو، شبلی)

جناب طبیب صاحب! یہ جو ان چالاک بھائیوں نے کہا ہے کہ خواص کا اعتقاد ہے کہ آنجناب صلعم کا علم خدائے پاک کے علم کے برابر ہے، یہ بالکل غلط ہے۔ خواص تو بجائے خود عوام کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے، اس بات کو ان بھائیوں نے محض دھوکہ دہی کی غرض سے درج کیا ہے۔ اس میں تو کوئی بحث ہی نہیں، بحث تو علم کونین میں ہے، کونین کا علم جناب باری عزّ اسمہٗ کے علم کے آگے ایک قطرہ بھر بھی نہیں، تفسیر روح البیان سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۵ میں لکھا ہے:۔

قال بعض الکبار علم الأولیاء من علم الأنبیاء بمنزلة قطرةٍ من سبعة أبحُرٍ وعلم الأنبیاء من علم نبینا محمد صلی اللّٰه علیه وسلم بهذه المثابة وعلم نبینا علیه الصلوٰة والسلام من علم الحق سبحانهٗ بهذهِ المنزلة فالعلم الذی اوتیه العباد وإن کان کثیراً فی نفسِهِ لکنَّهٗ قلیلٌ بالنسبة إلی علم الحق سبحانهٗ.

ترجمہ: بعض اکابرین نے کہا ہے کہ اولیاء کا علم بنسبتِ علم انبیاء علیہم السلام کے، ایسے ہے جیسے ایک قطرہ بنسبت سات سمندروں کے، اسی طرح انبیاء کرام کا علم بنسبتِ علم سید الأنبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا ہی ہے۔ اور اسی طرح علم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بنسبتِ علم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ایسا ہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم

السلام کا علم اگرچہ فی نفسہٖ کثیر ہے مگر بنسبتِ علمِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے قلیل ہے۔

اور شیخ عبد الوہاب الشعرانی کی کتاب الیواقیت والجواہر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ قلم نے لوح محفوظ میں حوادثات سے قیامت تک لکھا ہے بعض اولیاء کرام کو ان پر کافی کچھ اطلاع دی گئی ہے۔

نیز کلام رجم الشہاب علی ابن عبد الوہاب سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام علمِ لوح کا غیب اضافی ہے اور عبارت ان کی یہ ہے:

وتمامُ علم اللوح المحفوظ غیبٌ اضافیٌ ثبتَ حصولهٗ لغیرہٖ تعالیٰ.

ترجمہ: لوحِ محفوظ کا تمام علم، غیب اضافی ہے، لہٰذا اس کا غیرِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو حاصل ہونا ثابت ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے:

﴿قُل لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّکَلِمَاتِ رَبِّیْ آہ﴾ (سورۃ الکہف، آیت ۱۰۹) نیز ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِن شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِن بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰہِ﴾ (سورہ لقمان، آیت: ۲۷)۔

مراد ازیں کلمات نزد اہلِ تحقیق، فضائل وکمالات وحقائق ومعارفے است کہ حضرت ذو الجلال والاکرام بر خاصگانِ درگاہِ خود از انبیاء واصفیاء خصوصاً بر سید انبیاء وسند اصفیاء افاضہ نمودہ والا آنچہ صفتِ حق وشانِ ذاتِ مطلق ست منزہ و مقدس ست کہ بایں تمثیل وتنظیر نمایند۔ (مدارج النبوۃ، باب سوم، ص ۷۳)

ترجمہ: اہل تحقیق کے نزدیک ان کلمات سے مراد وہ فضائل وکمالات، حقائق ومعارف ہیں جو کہ حضرت رب ذو الجلال والاکرام نے خاصانِ بارگاہ خود از انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام خصوصاً سید الانبیاء، سند الاصفیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر افاضہ فرمائے۔ ورنہ جو کچھ کہ صفتِ حق اور شانِ ذاتِ مطلق ہے، وہ تو اتنی منزہ اور مقدس ہے کہ تمثیل اور تشبیہ کی مجال وہاں نہیں ہے۔

جب آیت ﴿وَمَا أُوتِیتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِیلاً﴾۔ ترجمہ: اور تم لوگ (روح کے بارے میں) علم قلیل دیئے گئے ہو، نازل ہوئی تو یہودیوں نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ما اعجب شانک ساعةً تقول ومن یؤت الحکمة فقد أوتی خیراً

کثیراً، وساعۃً تقول ھذا. سو جواباً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں، یہود اور مشرکین کے طعنۂ قلتِ علمی کو مسترد کرتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں آیات نازل فرمائیں، جن کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کی شان یہ ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں، اس سے یہود پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ان لامحدود اور لامعدود کلمات الٰہیہ سے جو فضائل، کمالات، علوم، حقائق، معارف، معانی اور مفاہیم حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل حاصل ہو رہے ہیں۔ ان کو ضبط شمار میں یا حیطۂ خیال میں لانا بھی کسی مخلوق کی گنجائش سے وراء الوراء ہے، کیونکہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور برکاتِ علم جو کہ تنزیل کلمات الٰہیہ غیر متناہیہ سے پھوٹ رہے ہیں وہ بھی تو ہر آن اور ہر لحہ رو بہ ترقی اور رو بہ اضافہ ہی ہیں۔ لہٰذا نزولِ علوم قرآنیہ جاری اور ازدیادِ علمِ نبوی ساری ہے۔ سو اس کا تقابل تورات سے کرنا جو کہ خود قید اختتام کے ساتھ ساتھ، قید اختصار کے ساتھ بھی مقید ہے۔ قطعاً خلاف انصاف ہے۔ تقابلِ تورات بہ قرآن اور تقابل موسیٰ علیہ السلام بہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کرنا، قوم یہود کیلئے تفضیح اور تشنیع کا موجب اور مجوّز ہے، باقی رہا یہودیوں کا یہ خیالِ خام کہ نزول تورات کے ساتھ ہی کلمات الٰہیہ غیر متناہیہ کا خاتمہ ہو گیا ہے، حقیقت ظاہرہ، قاہرہ، مرئیہ، ثابتہ، بینہ کی تکذیب ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کلمات الٰہیہ لا نہایۃ ہیں تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ان کے فیوضات، تاثیرات اور برکات بھی، بوجہ آخری نبی ہونے کے، (علی التقریب) لامحدود ہی ہیں، جب اس ذات جلّ جلالہٗ وعم نوالہٗ کا خزانہ بے عدّ اور بے حدّ ہے تو اس کی نوازشات بھی اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جبکہ وہ خاتم النبیین بھی ہیں، بے حصر اور بے قصر ہی ہیں۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کا یہی لب لباب ہے، آپ کی تفسیر بطنِ آیت ہے، جیسا کہ فرمان ہے ﴿ولکلِّ آیۃٍ ظہرٌ وبطنٌ﴾۔

قال الطبیب: اور ہلاس سونگھتے وقت عوام کو کہتے ہیں کہ ہمارا یہ ہلاس سونگھنا بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو رہا ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ ہلاس سونگھنا تو درکنار ہمارے دلوں کا سب حال بھی آنحضور صلعم کو معلوم ہے، سو وہ محض غلطی پر ہیں کیوں کہ جب آنجناب کو قادر ذو الجلال کا یہ ارشاد ہوا کہ اے محمدؐ تو کہہ دے، لا اعلم الغیب یعنی میں نہیں جانتا غیب کی بات جس طرح پہلی اور تیسری آیت سے ظاہر ہے سو

یہ عقیدہ حقہ کے حق ہونے پر ایسا کافی ثبوت ہے کہ جس کے خلاف قرآن مجید اور احادیث شریفہ اور فقہ متبرکہ میں پایا جانا ناممکن ہے اور اسی وجہ سے مخالف لوگ کوئی ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے کہ جس میں علم کا لفظ غیب کے لفظ سے ملا کر اس کا اثبات آنحضرتؐ کے واسطے کیا گیا ہو۔

اقول: ان بھائیوں سے پوچھیں کہ جب اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیر﴾ کے مطابق ہر شئی پر قادر ہے تو پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاس سونگھنے پر کیوں مطلع نہیں کر سکتا؟ حالانکہ ہلاس سونگھنا غیب اضافی ہی ہے، اور غیب اضافی کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم گذشتہ اوراق میں دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔

معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی شخص کے ہلاس سونگھنے پر مطلع ہونا کسی قباحت شرعیہ یا کسی استحالۂ عقلیہ کو مستلزم نہیں۔

اور جو آپ نے لکھا ہے کہ آنجنابؐ کا دلوں کا حال پر مطلع ہو جانا غلط ہے اور آپ لا اعلم الغیب کے ترجمہ کو دلیل لاتے ہو، حالانکہ آپ نے خود ہی شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس کلام کو نقل کیا ہے:۔

پس اومی شناسد گناہانِ شمارا و درجات ایمانِ شمارا واخلاص ونفاقِ شمارا۔ الخ	ترجمہ: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہچانتے ہیں تمہارے گناہوں کو، تمہارے درجاتِ ایمان کو، تمہارے اخلاص کو اور تمہارے نفاق کو۔

اور خطیب قسطلانیؒ کا کلام مواہب لدنیہ میں بھی اس کی تائید کرتا ہے ان کی اصل عبارت اس طرح ہے:۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یَعْلَمُ احوال الأمۃ ونیاّتھم و عزائمَھُم وخواطرھم.	ترجمہ: یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں امت کے احوال کو، انکی نیتوں کو، ان کے عزائم کو اور ان کے دلی کھٹکوں کو۔

اور ایسا ہی شیخ عبدالحق وغیرہم اور ایسا ہی مدارک التنزیل کے مندرجہ ذیل کلام سے واضح ہے:

فجئنابک یا محمد علیٰ ھٰؤلاءِ ای امتک شھیدًا حالٌ ای شاھدًا علی من آمن بالایمان وعلیٰ من کفر بالکفر وعلیٰ من نافق بالنفاق (النساء: ۴۱)۔

ترجمہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو آپکی امت پر گواہ بنائیں گے، یعنی مؤمن کے ایمان پر، کافر کے کفر پر، اور منافق کے نفاق پر۔

اب آپ لوگ یا تو شاہ عبدالعزیزؒ پر فتویٰ لگائیں کہ وہ قرآنی آیت کے منکر ہیں کیوں کہ درجاتِ ایمان اور اخلاص اور نفاق تو دلوں کے احوال ہیں۔

نیز خلیفۂ ثالث امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ نے اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللّٰہ کا مصداق ہو کر ایک شخص کے دل کا حال معلوم کر لیا اور انہیں بتا بھی دیا، امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں فراست ایمانی کے بارے میں کافی تحریر فرمایا ہے۔

مؤمن کے دل کا نور تو ایسا ہے کہ عرش بریں تک رسائی رکھتا ہے بہشت اور دوزخ کے آئندہ حالات کو دیکھ لیتا ہے، دل کے احوال اس کے سامنے کیا چیز ہیں علامہ جلال الدین سیوطیؒ، البدور السافرہ میں طبرانی اور بزاز سے روایت کرتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال کیف اصبحتَ یا حارثة قال اصبحتُ مومناً حقاً قال فان لکل حقٍ حقیقةٌ فما حقیقة ایمانک قال حذفتُ نفسی عن الدنیا، کانّی انظر الی عرش ربی بارزاً والی أھل الجنة فی الجنة یتزاورون والی أھل النار فی النار یتعادون فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انتَ مؤمنٌ نوّر اللّٰہ قلبک وعرفتَ فالزم۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے حارثہ! تمہاری صبح کس کیفیت میں ہوئی؟ عرض کیا حضور! میری صبح مؤمنِ حقیقی کی کیفیت پر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو علائقِ دنیا سے کاٹ دیا، تو گویا عرش الٰہی کو ظاہراً دیکھا، نیز دیکھا کہ اہل جنت، جنت کے اندر ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں، اور اہل جہنم، جہنم کے اندر ایک دوسرے کی دشمنی میں مصروف ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مؤمن ہو، اللہ نے تمہارے دل کو منور اور باعرفان بنا دیا ہے، اسی کیفیت سے چمٹے رہو۔

جب مومن کے نورِ فراست کا یہ حال ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا پوچھنا ہے؟ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ یہ عقیدہ مذکورہ کے حق ہونے پر ایسا کافی ثبوت ہے الخ سو عرض ہے کہ عقیدہ حقہ جو باعث تالیف میں آپ نے تحریر کیا ہے آیات شریفہ کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے، ثبوت اور کافی ثبوت تو خود رہا۔ ہاں اگر عقیدہ حقہ یہ قرار دیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیبات پر اطلاع نہیں دی گئی تب تو آپ لوگوں کے نزدیک نام نہاد ثبوت تو بن جائیگا مگر کافی پھر بھی نہ ہو گا کیونکہ آپ لوگ قائل ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب میں سے آگاہی دی گئی ہے جیسا کہ قبل ازیں مفصل طور پر گذر چکا ہے پھر آپ نے جو ترجمہ آیات شریفہ کا لکھا ہے اُس سے آپ کو جواب دینا لازم ہوگا اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ مخالف لوگ کوئی ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے کہ جس میں علم کا لفظ غیب کے لفظ سے ملا کر اُس کا اثبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کیا گیا ہو، سو عرض ہے کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مغیبات پر مطلع ہونا اس بات پر موقوف ہے جو آپ نے لکھی ہے تو آپ لوگ بھی قائل ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب میں سے آگاہی دی گئی ہے، پھر آپ لوگوں نے اگر کسی آیت شریفہ میں علم کا لفظ غیب کے لفظ سے ملا ہوا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دیکھا ہے تو ہمیں بھی مطلع فرمائیں۔

توضیح مسئلہ کیلئے فقیر عرض کرتا ہے کہ گذشتہ اوراق میں آیاتِ قرانیہ اور احادیث نبویہ درج کی جا چکی ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیبِ اضافی کے علم کا اثبات بخوبی ہو جاتا ہے۔

جناب طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے پوچھیں کہ ہزارہا احکام شرعیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں سینکڑوں ثواب اور عقاب اور سینکڑوں حج اور صیام میں اور سینکڑوں نکاح، طلاق اور عتاق میں اور سینکڑوں مباحات اور منہیات میں اور سینکڑوں صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں اور سینکڑوں حدود اور قصاص اور میراث میں نیز سینکڑوں حالات قبر، حشر اور نشر کے اور سینکڑوں حالات یوم القیامت کے اور سینکڑوں نعم بہشت اور نقم دوزخ کے جن سے کتاب اللہ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھرے ہوئے ہیں یہ سب مغیبات یعنی غیوب اضافیہ کے بیان میں ہیں پھر آپ لوگ اگر ان کے مغیبات ہونے کا انکار کریں تو یہ محض تکابرہ قبیحہ غیر مسموعہ ہوگا اور اگر اقرار کریں تو کہیں لفظ علم کا

غیب کے لفظ سے ملا ہوا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کتاب اللہ کتب احادیث میں دکھا دیں۔

قال الطبیب: پس وہ علم غیب کی نفی کی صریح آیات کو چھوڑ کر عوام الناس کو دھوکہ دینے کیلئے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں مغالطہ دینے کی گنجائش ہو سکے جیسا کہ سورۃ بقرہ پارہ دوئم کے شروع میں موجود ہے ﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾، ترجمہ: وباشد رسول شما بر شما گواہ زیر آنکہ مطلع ست بنور نبوت بر مرتبہ ہرمتدین بدین خود کہ کدام درجہ از دین من رسیدہ باشد وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی، محجوب ماندہ است کدام ست پس اوی شناسد گناہان شما را و درجات ایمان شما را واعمال نیک وبد شما را واخلاص ونفاق شمارا تا آخر عبارت تفسیری عزیزی۔

پس صاف ظاہر ہے کہ آیت کریمہ مذکورہ ہٰذا میں نہ علم کا لفظ مذکورہ ہے نہ علم غیب کا اور نہ کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے علم غیب کا اثبات سمجھا جائے، صرف شہید کا لفظ مذکورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ قیامت کے دن اپنی امت کے عادل اور صادق ہونے کی گواہی دیں گے جیسا کہ جناب شیخ عبدالحقؒ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح فارسی کے باب الحساب والقصاص میں، تحت حدیث ابو سعید خدریؓ ﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾ پر تحریر فرمایا ہے وباشد پیغمبر شما بر شما گواہ، گواہی دادنِ ایشاں بر مردم چناں کہ گواہی دادن امتیاں بر قوم نوح کہ رسانید نوح علیہ السلام بشما آنچہ فرستادہ بر وے از دین، وبودن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گواہ بر ایشاں چنانکہ در حدیث دیگراست کہ چوں امم انبیا علیہم السلام منکر شوند کہ کسے چیزے نہ رسانید پس انبیاء کرام امت محمدیہ را گواہ بگیرند وایشاں گواہی دہند وپرسیدہ شود ازیشاں کہ شما چہ دانید واز کجا گواہی دادید برایشاں، گویند کہ ما کتاب اللہ را ناطق یافتیم بداں پس گواہی دادیم بگواہی وے، پس ازاں امم انبیاء سخن در صدق و عدالت ایں امت کنند پس آنحضرت تعدیل وتزکیہ ایشاں کنند وگواہی دہند کہ ایشاں عادل وصادق اند۔

اور اسی طرح ہے بیان مفسر شاہ عبدالعزیزؒ کا جوکہ اس سے پہلے تحت آیت مذکورہ کے مرقوم ہو چکا ہے اور مفسر ممدوح نے جو یہ لکھا ہے کہ اومطلع ست بنور نبوت بر مرتبہ ہرمتدین بدین خود الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی وقتاً

فوقتاً کشف حاصل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ آنجناب کو اپنے مقتدیوں کا حال کشفاً معلوم ہو جاتا تھا جیسا کہ نواب قطب دین نے مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ مظاہر حق میں باب ما علی الماموم کی حدیث **اراکم امامی ومن خلفی** کے نیچے لکھا ہے اور اسی معنی کی مؤید ہے حدیث: **تعرض علّی اعمال امتی یوم الاثنین والخمیس** ورنہ یہ معنی مراد لینا کہ آنحضرت کو ہر وقت ہرشی کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے آیات مذکورہ بالا اور احادیث مرقومہ در فصل درم سے معارض اور مخالف ہے لہٰذا مفسرین اور فقہاء میں سے کسی نے یہ معنی مراد نہیں لیا صرف حاشیہ جمل میں بطور احتمال اس کو بیان کیا ہے اور احتمالی بات ظاہر ہے کہ شکی ہوتی ہے یقینی نہیں ہوتی مگر مطلبی لوگ جنہوں نے دین کو اپنے مطلب اور اپنی خواہش کے مطابق کر رکھا ہے عام لوگوں کو مغالطہ دینے کی غرض سے حاشیہ جمل کا قول ذکر کرتے ہیں اور الزام کے خوف سے احتمال کا لفظ بیان نہیں کر سکتے۔

اقول: طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے پوچھیں کہ تمام احکام شرعیہ اور تمام حالات ماضیہ اور تمام حالات مستقبلہ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دیئے ہیں جن سے کتاب اللہ اور کتب احادیث رسول اللہ بھرے ہوئے ہیں کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ان سب سے اطلاع علی المغیبات ثابت نہیں ہوسکتی؟ کیا علم الغیب کے لفظ کے وارد ہونے کی حاجت ابھی باقی ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے **وعلّمک مالم تکن تعلم**، جلالین میں لکھا ہے:

وعلّمک مالم تکن تعلم من الاحکام والغیب.	ترجمہ: اور اللہ نے آپکو سکھایا وہ جو آپ نہیں جانتے تھے یعنی احکام اور غیب۔

اور مدارک التنزیل میں لکھا ہے:-

وعلّمک مالم تکن تعلم من امور الدین والشرائع او من خفیاتِ الأمور وضمائر القلوب (النساء: آیت ۱۱۳)	ترجمہ: **وعلّمک مالم تکن** سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین وشریعت کے امور سکھائے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوشیدہ امور اور دلوں کے بھید بتلا دیئے۔

اور بیضاوی میں لکھا ہے:-

من خفيات الأمور أو من أمور الدين والاحكام (سورة النساء: آيت ١١٣)

ترجمہ: اللہ نے آپ کو سکھائے پوشیدہ امور یا امور دین اور احکام۔

اس میں شک نہیں کہ امور دین اور شرائع اور احکام اور ضمائر قلوب سب اضافی غیوب یعنی مغیبات ہیں، واضح ہو کہ لفظ او کا مدارک اور بیضاوی میں منع خلو کے واسطے ہے جیسا کہ جلالین کی کلام دلالت کرتی ہے، کیونکہ انہوں نے الاحکام اور الغیب کو جمع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کہ علام الغیوب ہے، **وعلمک مالم تکن تعلم** کے بعد فرمایا **وکان فضل اللہ علیک عظیماً**، جو اس امر کی تصریح خاص ہے کہ اس نے نبی کو جو علوم تعلیم فرمائے ہیں وہ اس کے فضلِ عظیم کا شاہکار ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے:

﴿وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء فآمنوا بالله ورسوله﴾ (سورة آل عمران: ١٧٩)۔

ترجمہ: اور اللہ تم لوگوں کو غیب پر اطلاع نہیں بخشنے کا۔ البتہ اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جنہیں وہ چاہتا ہے (کہ انہیں اضافی غیب کا علم تام دے) پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔

بیضاوی میں لکھا ہے:۔

روى ان الكفرة قالوا ان كانَ محمدٌ صلى الله عليه وسلم صادقاً فليخبرنا من يؤمن بالله ومن يكفر فنزلت. وعن السديؒ انه صلى الله عليه وسلم قال عرضتُ علّي امتي وأُعلمتُ من يؤمن بي ومن يكفر بي فقال المنافقون انه يزعم انّه يعرف من يؤمن به ومن يكفر ونحن معه ولا يعرفنا فنزلت. (آل عمران: ١٧٩)

ترجمہ: روایت ہے کہ کفار نے کہا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو بتائیں کہ کون ایمان قبول کرے گا اور کون کفر اختیار کرے گا؟ تو آیت: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ﴾، نازل ہوئی۔

حضرت سدیؒ راوی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت میرے سامنے پیش کی گئی اور مجھے بتلایا گیا جو جو مجھ پر ایمان لائے گا اور جو کفر کرے گا، اس پر منافقین

کہنے لگے کہ حضرت محمدؐ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مؤمن اور کافر کو جانتے ہیں، حالانکہ ہمیں تو پہچانتے نہیں (کہ ہم منافق ہیں) تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

اور مولانا عصام الدین نے بیضاوی کے حاشیہ میں لکھا ہے:۔

مناسبة هذه الآية برّد قولهم انّ الرسول يجتبيٰ بالاطلاع على الغيب ولكن ليس له ان يشارك غيرهُ معهُ في هذا العلم الّا باذن الله في ما يأذنه فهو يعرف كفركم ولا يظهرُ لاجتنابه بتلك المعرفة.

ترجمہ: اس آیت سے منافقین کے قول کی تردید یوں ہو رہی ہے کہ وہ رسول جنہیں اللہ نے اطلاع غیب کیلئے چن لیا ہے، انہیں اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کو اس اطلاع میں شریک کریں سو وہ اس علم غیب میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو شامل کرنے کے مجاز نہیں ہیں، چنانچہ رسول اللہؐ تو منافقین کو جانتے ہیں لیکن برملا اس کا اظہار نہیں کر سکتے کیونکہ آپ منافقین کے علم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

واضح رہے کہ بعد ازاں جب منافقوں کا اصرار حد سے بڑھا تو آنحضرتؐ نے اللہ کے اذن سے ان لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا اور بار بار فرماتے رہے سلونی، سلونی۔

پھر یہ بھی وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام منافقین کی نشان دہی کا امر فرما دیا۔

جناب طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے کہیں کہ آپ جو کہتے ہیں اور نہ کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے کہ جس سے آنحضرتؐ کے واسطے علم غیب کا اثبات کیا جائے، صرف شہید کا لفظ مذکور ہے جس کا مطلب یہ ہے الخ۔

حالانکہ لفظ ﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ کا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اطلاع علی المغیبات کو بہت عمدہ طور پر ثابت کر رہا ہے۔ کیوں کہ یہ شہادت تزکیہ کی ہے پس یہ آیت عبارۃ النص کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم اپنی امت کی مزکی ہوں گے اور مزکی ہونا بدون مشاہدہ احوال مزکیٰ کے غیر ممکن ہے پس یہ آیت شریفہ اقتضاء النص کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال کو مشاہدہ کر رہے ہیں بلکہ اپنی امت کے احوال کو تا ادائے شہادت یاد بھی رکھنے والے ہیں علامہ بیضاویؒ کی عبارت اور مولانا عصام الدین کی عبارت حاشیہ بیضاوی شریف میں اسی مقصود کو ادا کر رہی ہیں۔ عبارت بیضاوی کی یہ ہے:۔

فیوتیٰ بمحمّدٍ فیسئل عن حالِ امتہ فیشہد بعدالتھم وھذہِ الشھادۃ لھم لکن لَمّا کان الرسول کالرقیب المھیمن علیٰ امتہ عدّی بعلیٰ (البقرۃ: ۱۴۳)

ترجمہ: پس حضرت محمدؐ کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے حال کے بارے میں دریافت کیا جائے گا، پس آپ انکے عادل ہونے کی شہادت دیں گے، یہ شہادت اگرچہ امت کے حق میں ہو گی لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اوپر نگہبان اور نگران ہیں اس لئے ''علیٰ'' کا حرف استعمال کیا گیا ہے۔

اور عبارت مولانا عصام الدینؒ کی یہ ہے:۔

عدّی بعلیٰ ای علیکم شھیدًا و الشھید یتضمن معنی الرقیب فعدّی تعدیتہٗ لأن ھذِہ الشھادۃ تزکیۃٌ وَالْمُزَکِّیْ لا بدّ اَنْ یکونَ مراقباً علی احوال الْمُزَکیٰ فَاِذَا شَھِدَ عنہ الرشد والصلاح یشھد بعدالتِہٖ ویزکیہٖ.

ترجمہ: یہاں ''علیٰ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہاں شہید کا لفظ نگہبان اور نگران کے معنی پر مشتمل ہے، اس گواہی کا مقصد واساس تزکیہ کرنا ہے، تو گواہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام احوال پر نگاہ رکھنے والا ہو، سو جب وہ کسی کی نیک چلنی کو ملاحظہ کریگا، تب ہی اس کے عادل ہونے کی گواہی دے گا اور اس کا تزکیہ کرے گا۔

اسی واسطے شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ او مطلع ست بنور نبوت الخ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور نبوت کی بدولت مطلع ہیں الخ اور اسی لئے علامہ قسطلانیؒ نے المواہب میں لکھا ہے:۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلم احوال الأمۃ و نیاتھم وعزامھم وخواطرھم.

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے احوال، انکی نیتیں، ان کے عزائم اور ان کے دل کھٹکوں کو جانتے ہیں۔

جناب طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے کہیں کہ آپ خود اقرار کر چکے ہیں کہ لفظ شہید کا یہ مطلب ہے کہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دِن اپنی امت کے عادل اور صادق ہونے کی گواہی دیں گے، جبکہ کسی کے عادل ہونے کی گواہی وہ شخص دے سکتا ہے جو اس کے احوال سے پورا واقف ہوتا ہے اور یہ شہادت آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی سنائی نہیں ہوسکتی کیوں کہ سنی سنائی گواہی سے تزکیہ گواہ کا نہیں ہو سکتا، جبکہ مفسرین کرام نے تزکیہ کی تصریح کی ہے۔

خاص طور پر اس آیت شریفہ میں لفظ علیکم کا اقتضاء النص کے ساتھ دلالت کرتا ہے کہ یہ شہادت مشاہدہ کی ہے سنی سنائی نہیں ہے جیسا کہ عبارتِ بیضاوی میں اور عبارت مولانا عصام الدین میں وضاحت سے مرقوم ہوا اور اسی مطلب کو مدارک کی عبارت ادا کر رہی ہے چنانچہ اس میں لکھا ہے:۔

روی انّ الامم یوم القیامۃ یَجْحَدُونَ تبلیغَ الانبیاءِ فیطالبُ اللّٰہ الأنبیاءَ بالبینۃ علیٰ انھم قد بَلَّغُوْا، وھو اعلم، فیؤتی بأمۃ محمّدٍ فیشھدون ـــــــــــــــــــــ، فیؤتیٰ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَیُسأَلُ عَنْ حَالِ اُمَّتِہٖ فَیُزَکِّیھِمْ وَیَشْھَدُ بِعَدَالَتِھِمْ والشھادۃ قد تکون بلا مُشَاھَدَۃٍ کالشھادۃ بالتسامع فی الأشیاء المعروفۃ، ولمّا کان الشھید کالرقیب جیئی بکلمۃ الاستعلاءِ کقولہ تعالیٰ کنتَ انتَ الرقیبَ علیھم انتھٰی. (مدارک سورۃ البقرۃ: آیت ۱۴۳).

ترجمہ: روایت ہے کہ قیامت کے دن، امتیں، انبیاء کی تبلیغ کا انکار کریں گی، اللہ تعالیٰ انبیاء سے تبلیغ کا ثبوت مانگیں گے، پس امت محمدیہ انبیاء کے حق میں گواہی دے گی۔ ـــــــــ پھر حضرت محمدؐ سے انکی امت کے بارے میں دریافت کیا جائیگا آپ انکو پاک اور عادل قرار دیں گے کبھی کبھی گواہی بغیر مشاہدہ کے ہوتی ہے، جیسا کہ معروف اشیاء کے بارے میں صرف سن کر گواہی دے دینا، لیکن یہاں چونکہ گواہ نگہبان اور نگران کے معنی میں ہے اس لئے لفظ ''علیٰ'' استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ آیت ﴿کنت انت الرقیب علیھم﴾ میں ہے۔ (اس لئے یہ شہادت مبنی بر مشاہدہ ہے)۔

جناب طبیب صاحب! آپ ان چالاک بھائیوں سے پوچھیں کہ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ ''اومطلع ست بنور نبوت الخ کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت کو کبھی کبھی وقتاً فوقتاً کشف ہوتا رہتا ہے''۔ آپ لوگ یہ تو بتائیں کہ شاہ عبد العزیز کی عبارت کا کون سا لفظ ''کبھی کبھی'' پر دلالت کر رہا ہے؟ اور یہ دلالت کون سی ہے؟ آیا مطابقی ہے یا تضمنی ہے یا التزامی ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ جب موجب اطلاع کا نور نبوت ہے تو کیا آپ لوگوں کے نزدیک نور نبوت بھی عیاذاً باللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی چھین لیا جاتا ہے؟

اور آپ نے جو یہ کہا ہے کہ اسی معنی کی مؤید ہے حدیث تعرض علیّ اعمال امتی الخ۔ جناب طبیب صاحب کچھ تو آپ بھی غور فرمائیں، جو کچھ وہ چالاک بھائی کہہ دیتے ہیں آپ بلا تأمل آنکھوں پر رکھ لیتے ہیں، ذرا تعصب کو دور کر کے غور کریں کہ ''او مطلع ست بنور نبوت'' کا کیا معنی ہے؟ اور ''تعرض علیّ اعمال امتی'' کا کیا معنی ہے؟ اور کبھی کبھی وقتاً فوقتاً کشف حاصل ہوتا رہتا ہے کا کیا معنی ہے؟ جب آپ غور کریں گے تو خود بخود یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے احوال، نیات اور وارداتِ قلبیہ کا مشاہدہ کرنا ایک امر ہے اور ملائکہ کی طرف سے اعمال امت کی روئیداد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ میں پیش کرنا امرِ دیگر ہے۔ خاتم المحدثین حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب میں علماء امت کا اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:-

قد اجمعوا علی انّہ صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ علی الدوام ویرزق فی قبرہٖ وان جسدہٗ الشریف لا یاکلہ الأرض وان روحہٗ القدسیة لما تجردت عن العلائق البدنیة الدنیویة صار لھا قوة الاتصال بالملأ الأعلی و ارتفع جمیع حجبھا فیریٰ صلی اللہ علیہ وسلم ما یصل إلیہ من الأمة من سلامٍ وصلوةٍ وغیرھما کالمشاھد وتبلیغ الملک مع ذلک انما ھو لمزید التکریم والتشریف انتھیٰ۔

ترجمہ: اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ آنحضرتؐ، حیات دائمی سے متصف ہیں، آپ کو قبر انور میں رزق دیا جاتا ہے، آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی، جب آپ کی روحِ قدسی عوارضِ بدنی دنیاوی سے علیحدہ ہوئی تو اسے ملأ اعلیٰ کے ساتھ اتصال کی قوت حاصل ہوگئی، اور تمام حجابات اٹھ گئے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے درود وسلام اور دیگر سب کچھ خود ہی مشاہدہ فرماتے ہیں اسکے باوجود فرشتوں کا پہونچانا، مزید تکریم اور تشریف کیلئے ہوتا ہے۔

اور یہ جو کہا ہے ''کہ آیات مذکورہ بالا اور احادیث مرقومہ در فصل دوئم سے معارض اور مخالف ہے''۔ تو عرض یہ ہے کہ آیات مرقومہ بالا کو کچھ تعارض اور تخالف نہیں اس امر سے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیبات یعنی غیوبِ اضافیہ پر اطلاع دی گئی ہے، تعارض اور تخالف کا قول ان چالاک بھائیوں کی محض دھوکہ بازی ہے، جیسا کہ فقیر مکمل تفصیلی دلائل کے ساتھ واضح کر چکا ہے اور احادیث مرقومہ در فصل دوم کا حال بھی فقیر عرض کرے گا، انشاء اللہ تعالیٰ اور ثابت کرے گا کہ یہ لوگ محض وہم کا شکار ہیں۔

اور یہ جو ان چالاک بھائیوں نے کہا ہے ''لہٰذا مفسرین اور فقہاء میں سے کسی نے یہ مطلب نہیں لیا'' الخ تو ان پر لازم ہے کہ کسی فقہیہ کی کتاب کی عبارت تو دکھلائیں کہ فقہاء نے اس آیت شریفہ کا کیا مطلب لیا ہے؟ جہاں تک مفسرین کی عبارات کا تعلق ہے تو وہ فقیر سے سنیئے، عبارت بیضاوی کی عصام الدین کی اور مدارک کی تو اوپر گذر چکی ہیں، عبارت معالم التنزیل کی یوں ہے:-

ویکون الرسول مُعَدِّلاً وَمُزَکِّیاً لکم وَذٰلِکَ اَنَّ اللّٰہ تعالٰی یجمع الأولین والآخرین فی صعیدٍ واحدٍ ثم یقول لکفار الأمم الماضیة ألم یأتکم نذیر فینکرون ویقولون ما جاء نا من بشیر ولا نذیر فیسئل اللّٰہ الأنبیاء علیھم السلام عن ذلک فیقولون کذبوا قد بلّغناھم فیسئلھم البینة وھو اعلم بھم اقامةً للحجة فیؤتی بامة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیشھدون لھم انھم قد بلّغوا.......... ثم یؤتی بمحمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَیُسئلُ عن حالِ اُمَّتِہٖ فَیُزَکِّیھم ویشھد بصدقھم. (البقرة: ۱۴۳)

ترجمہ: اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اوپر گواہ ہوں گے اور تمہاری تعدیل اور تزکیہ کریں گے، یعنی اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کریں گے پھر پچھلی امتوں کے کفار سے، ڈر سنانے والوں کے بارے میں دریافت کریں گے، تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا، پھر اللہ تعالیٰ انبیاء سے اس بارے میں دریافت کریں گے، وہ حضرات کہیں گے کہ کفار نے جھوٹ بولا ہے، ہم نے انہیں تبلیغ کی تھی، پھر ان سے ثبوت مانگا جائے گا تو امتِ محمدیہ کو پیش کیا جائے گا، سو وہ گواہی دیں گے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام نے تبلیغ فرمائی تھی-------- پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کو لایا جائے گا اور ان سے ان کی امت کے بارے میں پوچھا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پاک قرار دیں گے اور ان کے صادق ہونے کی شہادت دیں گے۔

اور ایسا ہی تفسیر احمدی میں ہے جس کے آخر میں یہ عبارت ہے:۔

فیؤتی بمحمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فیشهد بعد التهم وذلک قولهٗ تعالیٰ فکیف اذا جئنا من کل امةٍ بشهیدٍ وَجئنا بک علیٰ هولاء شهیداً وهذهِ الشهادة وان کانت لهم لا علیهم لکن لما کان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کالرقیب المهیمن علیهم عدّی بعلی، انتهی.

ترجمہ: پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا، آپ اپنی امت کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ﴿فکیف اذا جئنا من کل امةٍ بشهیدٍ وجئنابک علی هولاء شهیداً﴾، یہ گواہی اگرچہ امتِ محمدیہ کے موافق ہوگی نہ کہ مخالف، لیکن چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگہبان اور نگران ہیں اس لئے "لهم" کی بجائے "علیهم" فرمایا گیا ہے۔

اور آپ نے یہ جو کہا ہے کہ احتمالی بات شکی ہوتی ہے تو جناب طبیب صاحب! ان سے کہیں کہ (۱) احتمالی بات کے مرادِ کلام ہونے میں تو شک بعض مقام میں ہو سکتا ہے مگر وہ احتمالی بات ممکن الوقوع بلکہ متحقق الوقوع یقیناً ہوا کرتی ہے، خصوصاً آیات قرآنیہ میں، ورنہ تو اس کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا۔ (۲) مزید ایں کہ آپ تأمل تو کریں کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آیت قرآنیہ میں جو احتمال بیان کیا جائے تو وہ احتمال، شرک اور کفر پر منتج ہو؟ (۳) مزید در مزید ایں کہ تفسیر جمل آیت ہذا یعنی ﴿وَیَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیْکُمْ شَهِیْداً﴾ میں تو "احتمال" کے لفظ کا نام ونشان بھی نہیں۔ پھر آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ عام لوگوں کو مغالطہ دینے کی غرض سے حاشیہ جمل کا قول ذکر کرتے ہیں اور الزام کے خوف سے احتمال کا لفظ بیان نہیں کرتے، اسکا جواب یہ ہے کہ حاشیہ جمل تو ہمارے شہر ملتان میں موجود ہے، آپ کسی ایسی کتاب کا نام لیتے جو ہندوستان میں موجود نہ ہوتی۔ تب بھی کچھ بات بن جاتی اور دھوکہ دہی طشت از بام نہ ہوتی۔ لیجئے صاحب! حاشیہ جمل موجود ہے، اس میں اس آیت شریفہ یعنی ﴿وَیَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیْکُمْ شَهِیْداً﴾ کے معنی میں لفظ "احتمال" نکال کر دکھلا دیں، واہ رے صاحب واہ! کیا خوب!

؎ چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

دھوکہ بازی اور مغالطہ دہی کی پوری پوری داد وصول کر کے پھر دوسروں کی پیشانی پر اس کا نشان دیتے ہو؟

اللهم احفظنا واخواننا من هذه الصنیعة القبیحة.

قال الطبیب: اسی طرح آیت ﴿فلا یظهر علی غیبهٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول﴾، پڑھ پڑھ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غیب کی سب باتیں ظاہر کر دی ہیں، حالانکہ ان کا یہ قول مفسرین کی تفسیر کے سراسر خلاف ہے، چنانچہ علامہ نسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مدارک میں لکھا ہے، "الا من ارتضیٰ من رسول" ای الا رسولاً قد ارتضاه بعلم بعض الغیب لیکون اخبارهٗ عن الغیب معجزةً لهٗ فانه یطلعهٗ علی غیبهٖ ماشاء، انتهی.

اقول: جناب طبیب صاحب! ان بھائیوں کو کہو کہ بنسبت علمِ الٰہی کے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بعض (ذرہ بھر) ہے۔ مگر یہ بعض بھی اتنا وسیع ہے کہ سب احوالِ امت یا سب وقائعِ دنیا تک محدود اور منحصر نہیں ہے، جیسا کہ آیات اور احادیث سے علم نبوی کی وسعت ثابت ہے بلکہ اس امر میں کوئی اشتباہ نہیں کہ لوحِ محفوظ پر جو کچھ قلمِ تقدیر نے لکھا وہ سارا کا سارا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ وسیع کا صرف بعض ہے۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل اسلام کے متفقہ عقیدے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ؎ وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بوستان باب سوم میں فرمایا:

؎ ولے اہل صورت کجا پے برند — کہ ارباب معنیٰ بملکے درند

؎ کہ گر آفتاب ست یک ذرہ نیست — وگرہفت دریا ست یک قطرہ نیست

علامہ بحر العلوم نے شرح مثنوی میں لکھا ہے "دل عالم کبیر ہے باعتبار معنیٰ کے، صغیر ہے باعتبار صورت کے، اور جہان عالم صغیر ہے باعتبار معنیٰ کے، کبیر ہے باعتبار صورت کے۔ جناب طبیب صاحب! بعض لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو اتنا قلیل سمجھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے انجام کی بھی خبر نہ تھی، معاذ اللہ۔ (حوالہ کیلئے البراہین القاطعہ ملاحظہ ہو، شبلی)

قال الطبیب: علامہ ابو السعود حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: الا رسولاً ارتضاہ لاظھارہٖ علی بعض غیوبہٖ المتعلقة برسالتہٖ.

اقول: ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ علم دنیا اور آخرت کا بنسبت علم باری عز اسمہٗ کے بعض ہی ہے۔ لہٰذا لفظ "علی بعض غیوبہٖ" کا مخالف نہ ہوگا۔ البتہ قول علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ کا "المتعلقة بالرسالة" ظاہر کے اعتبار سے تو محلِ نظر ہے، کیونکہ لفظ "المتعلقة" ظاہر کے اعتبار سے صفت ہے اور لفظ "غیوبہٖ" اس کا موصوف ہے، حالانکہ جو غیوب متعلقہ بالرسالت ہیں، ان تمام کے تمام پر "رسولؑ" کو اطلاع ہونی ضروری ہے، ورنہ تو متعلق بالرسالۃ نہ رہیں گے۔

جناب طبیب صاحب! دیکھو، ان بھائیوں نے علامہ کی ادھوری عبارت نقل کی ہے، سو فقیر عرض کرتا ہے کہ اظہار الاحد علی الغیب اور اظہار الغیب لاحدٍ میں فرق ہے۔ (۱) سو اظہار الاحد علی الغیب کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہٗ اپنے بندے پر مغیبات (غیوب اضافیہ) کو ایسا منکشف کر دیوے کہ وہ مغیبات اس کے آگے حاضر ہو جاویں اور اس بندے کو ان پر دسترس حاصل ہو جاوے جیسا کہ علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "فلا یطلع علٰی غیبہٖ اطلاعاً کاملاً ینکشف بہٖ حلیة الحال انکشافاً تاماً موجباً لِعَیْنِ الیقینِ" اس کی وضاحت کر رہی ہے۔

اس کی مزید توضیح مسلم شریف، جلد ثانی، باب توقیرہٖ صلی اللہ علیہ وسلم وترک اکثار سوالہٖ کی مندرجہ ذیل حدیث نبوی کر رہی ہے۔ "اِنّی صُوِّرتْ لِیَ الجنةُ والنارُ فرأیتُھا دُوْنَ ھذا الحائطِ" (یہ عین الیقین ہے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور دوزخ کا معائنہ اور مشاہدہ کرایا گیا) یہ مشاہدہ اتنا قریبی تھا کہ جنت اور دوزخ سامنے والی دیوار کے فاصلہ پر نظر آ رہی تھیں۔ (۲) اور معنی اظہار الغیب لاحدٍ، اعم ہے، خواہ موجب عین الیقین کا ہو یا نہ ہو بلکہ مفید علم الیقین کا یا ظنِ غالب کا ہو۔

جب آپ نے یہ سن لیا تو جواب علامہ ابو السعود کا خود ان کی اپنی عبارت سے حاصل ہو گیا، یعنی خود علامہ کی اپنی عبارت کی رو سے "وقت قیام الساعة" کا ایسا علمِ کامل جو موجبِ انکشاف تام اور موجبِ عین الیقین (معائنہ ومشاہدہ) کا ہو، اس وقت تک ابو السعودؒ کے نزدیک، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہ تھا، سو اس سے واضح ہو گیا کہ ان کی یہ بات مستلزمِ نفی مطلقِ "علم" وقت قیام الساعة کی نہیں ہو سکتی، جیسا کہ احادیث دالّ

ہیں بر "علم" وقت قیام الساعة برائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر یہ فقیر انہیں مفصلاً بیان کرے گا۔

جناب طبیب صاحب! ان بھائیوں کو حاشیہ پر جو تفسیر علامہ ابو السعود کی تھی، اس میں سے تھوڑا سا لفظ جو بادی النظر میں ان کو مفید تھا، نظر آ گیا، لیکن جو اصل تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیچ میں تھی، وہ ان کو نظر نہ آ سکی۔ خیر فقیر خود ہی اس کا متعلقہ حصہ نقل کر دیتا ہے، وہ یہ ہے: "وعندی اَنَّ الآیَةَ لا دلالَةَ فیھا علٰی شیءٍ مما قالوہ، والذی یدلّ علیہ انّ قولہٗ "علی غیبہٖ" لیس فیہ معنٰی عمومٍ، فیکفی فی العمل بمقتضاہ اَن لا یُظْھِرَ تعالٰی خَلْقَہٗ علٰی غیبٍ واحدٍ من غیوبہٖ فَنَحْمِلُہٗ (ای غیباً واحداً) علٰی وقتِ وقوعِ القیامةِ، فیکون المرادُ من الآیةِ اَنَّہٗ تعالٰی لا یُظْھِرُ ھذا الْغَیْبَ (ایْ وقتَ وقوعِ القیامة) لِاَحَدٍ، فلا یبقٰی فی الآیة دلالةٌ علٰی انہٗ تعالٰی لا یُظْھِرُ شیئاً من الغیوب لِاَحَدٍ، انتھی.

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ "علٰی غیبہ" میں عموم نہیں ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک غیب مثلاً "وقوعِ قیامت کا وقت" کسی شخص (غیر رسول مرتضیٰؑ) پر منکشف نہ کرے اور باقی غیوب منکشف کر دے تو اس صورت میں بھی فرمانِ الٰہی "فلا یُظْھِرُ علٰی غَیْبِہٖ اَحَداً" درست ہوگا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ جب امر منفی در آیت فلا یظھر علی غیبہٖ اَحَداً میں ایک غیب (مثلاً وقوع قیامت کے وقت) کا اظہار وانکشاف (برائے غیر رسول مرتضیٰؑ) ہے، جو کہ مستثنیٰ منہ ہے، تو وہ رسول مرتضیٰؑ کیلئے لا محالہ ثابت ہوگا، کیونکہ "مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ" مستثنیٰ ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مستثنیٰ منہ سے نفی کی جاتی ہے، وہ مستثنیٰ کیلئے ثابت کی جاتی ہے۔

سیاقِ آیت رسول مرتضیٰؑ کی فوقیت ثابت کرنے کیلئے ہے، لہٰذا اگر رسول مرتضیٰؑ پر بھی وہ ایک غیب (مثلاً وقوع قیامت کا وقت) منکشف ہونے سے رہ جاتا ہے تو رسولؑ کی فوقیت کیسے ثابت ہوگی؟ جبکہ آیت ہذا کا مقصد ہی یہ ہے کہ غیرِ رسول کے علم سے رسولؑ کے علم کو برتر واعلیٰ قرار دیا جائے۔

امام رازیؒ کی اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ غیرِ رسول پر وقوع قیامت کا وقت منکشف نہیں ہوتا جبکہ رسول مرتضیٰؑ پر یہ منکشف کیا جاتا ہے، فالحمد للہ۔

قال: تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے ''الا من ارتضٰی من رسول'' ترجمہ: مگر کسے کہ پسند می کند، وآں کس رسولے باشد خواہ از جنس ملک مثل جبریل علیہ السلام وخواہ از جنس بشر چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وموسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کہ او را اظہار بر بعضِ غیوبِ خاصۂ خود مے فرماید تا آں غیوب بمکلفین برساند۔

اقول: جناب طبیب صاحب! ان بھائیوں سے کہو کہ علامہ ابو السعود نے ''ماسوائے عین وقت قیام الساعۃ'' کے باقی سب مغیبات پر اطلاع، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بتلا دی ہے۔ (جبکہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو السعود کی ''ماسوائے وقت قیام الساعۃ'' کی بات کو اڑا دیا ہے) سو اب پہلے تو ابو السعود پر فتویٰ لگاؤ کہ تمہارے ترجمہ بابت آیت ''لا اعلم الغیب'' کے منکر ہیں، پھر شاہ عبد العزیز پر فتویٰ لگاؤ، کیونکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں کیونکہ تم نے علم غیب (بغیر تفریق غیبِ مطلق اور غیبِ اضافی) کو خاصۂ خدا کہا تھا اور اسے عقیدہ حقہ ٹھہرایا تھا۔ شاہ صاحب نے اسے جڑ سے اکھیڑ ڈالا، یعنی آپ لوگوں نے جس کو ''لا یوجد فی غیرہ'' کہا تھا شاہ صاحبؒ نے اس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلکہ دوسروں میں بھی مثل جبریلؑ اور موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں، بلکہ مکلفین میں بھی اس خاصہ کو موجود قرار دے دیا، اب شاہ عبد العزیز پر جو چاہو فتویٰ لگا دو، اسی طرح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فتویٰ داغو، کیونکہ انہوں نے تو ''عین وقت قیام الساعۃ'' کے انکشاف تام موجبِ عین الیقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت مان لیا۔

قال الطبیب: بیضاوی نے آیت کریمہ ﴿وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ کے معنی میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب پر تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ، یہ خطاب کیا ہم لوگوں کو ہی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ''بَلْ نَحْنُ وَ اَنْتُمْ'' یعنی ہم تم سب کو۔

اقول: جناب طبیب صاحب! دیکھ لو کہ آپکے یہ بھائی کتنے چالاک اور دھوکہ باز ہیں، اس آیت ﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ میں خطاب، کفار کی طرف تھا، جو کہ روح کے بارے میں سوال اٹھانے والے تھے۔ چنانچہ کفار سائلین نے اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے یہ پوچھا تھا کہ آیا اس خطاب سے صرف ہم کفار ہی مختص ہیں؟ جیسا کہ بیضاوی کا ما قبل اور ما بعد صاف دلالت کر رہا

ہے کہ پوچھنے والے کفار تھے نہ کہ صحابۂ کرام تو ان کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا بلکہ ہم (ملتِ اسلامیہ، امتِ محمدیہ) اور تم (کفار ومشرکین) سب اس میں شامل ہیں، ان چالاک بھائیوں نے کفار کی جگہ صحابہ لکھ مارا۔

افسوس! کہ ان چالاک لوگوں کا یہ فہم اور جرأت ہے کہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قلتِ علم اور آپ کا جہل ثابت کر رہے ہیں، نعوذ باللہ من ہذہ الجرأۃ، استغفر اللہ۔

آیت ﴿وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ کے نزول کے بعد یہود نے کہا ''ما اعجب شانک، ساعۃً تقول ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً، وساعۃً تقول ھذا؟'' پس مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئی ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ آہ﴾ اس کے شانِ نزول میں محققین نے فرمایا ہے کہ کلمات اللہ سے اس آیت میں، اور کلمات ربی سے آیت ﴿قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ﴾ میں، مراد وہ حقائق اور معارف ہیں جو ذات پاک جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اپنے محبوب کریم سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر افاضہ فرمائے ہیں، جیسا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کا کلام مفصلاً پہلے گذر چکا ہے۔

قال الطبیب: تفسیر کبیر اور تفسیر نیشاپوری میں زیر آیت ﴿ولو کنت اعلم الغیب﴾ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل اور اس کا علم محیط ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت کم ہے اور علم محیط نہیں ہے۔

اقول: اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت، علم اور اسی طرح جملہ صفات کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، علم اور دیگر صفات سے نہیں ہوسکتا، اگر تفہیم مسئلہ کیلئے مقابلہ کیا جائے تو حق یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا علم سات سمندروں سے سمجھایا جائے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایک قطرہ سے سمجھایا جائے گا۔

البتہ جہاں تک نبوی صفات کی وسعت فی نفسہٖ اور ان کی کاملیت فی ذاتہٖ کا تعلق ہے تو عقل انسانی کی مجال نہیں ہے کہ وہ کمالاتِ نبوت کا احصاء کر سکے یا ان کی وسعت کو ناپ سکے۔

جناب طبیب صاحب! آپ ان چالاک بھائیوں سے فرمائیں کہ حضرت سلیمان

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیر حضرت آصف بن برخیا، طرفۃ العین (پلک جھپکنے) میں تخت بی بی بلقیس کا سینکڑوں کوسوں سے حاضر کر دیویں اور بعض اولیاء کرام کو وہ قدرت منجانب اللہ عطا کی جاوے کہ دریا کے اوپر سے گذر جاویں مگر قدم تر نہ ہو، اور دریا کے اوپر مصلّٰے بچھا کر چلے جاویں، نیز ؎ فرشتہ فرو ماند از سیر او، انہیں کی شان ہو اور ایسا ہی ؎ بیک نعرہ کوہے زجا بر کنند، انہیں کی عظمت کا بیان ہو، نیز علوم اولیاء کا یہ حال کہ کافی کچھ لوحِ محفوظ پر مطلع ہوں، جب اولیاء کرام کا یہ حال ہو تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا کیا پوچھنا؟ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ قوت عطا فرمائی کہ عصا مار کر دریا کو بارہ ٹکڑے کر دیا اور طمانچہ رسید کرکے حضرت عزرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی، حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ قوت عطا فرمائی گئی کہ کئی اکمہ اور ابرص کو ساعتِ واحدہ میں تندرست اور خوبصورت بنا دیا۔ اسی طرح مردہ کو قم باذن اللہ کہہ کر پل بھر میں زندہ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی عظیم الشان معجزات سے نوازا گیا، میرے اور آپ کے آقاء ومولیٰ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شرف، عظمت، کرامت اور قوت عطا کی گئی کہ اس کے مظاہر لاتعد ولاتحصیٰ ہیں، مختصراً اینکہ رفتار کے وقت پتھر نرم ہو جائیں کہ پاؤں مبارک کو اذیت نہ پہنچے اور ریت سخت ہو جاوے تاکہ پاؤں مبارک دھنس نہ جاویں، نیز جب کسی درخت کو بلا بھیجیں تو برابر جڑوں کو کھینچتا ہوا چلا آوے اور جب چاند جیسے جرم علوی کی طرف انگشت مبارک کا اشارہ فرماویں تو دو ٹکڑے ہو جاوے اور آفتاب کو غروب کے وقت واپس پلٹا دیویں تاکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز پڑھ لیویں اور لیلۃ اسریٰ میں ہزاروں برس کی مسافت لحہ میں طے کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے گذر جاویں، جبکہ ملائکہ پیچھے رہ جائیں۔ بھلا صاحب! اس سے زیادہ کیا قوت چاہتے ہو؟ حالانکہ جسم منور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین سے عرش پر زمانۂ قلیل میں پہنچ جاوے اور عرش بریں سے سیر کل سموات اور سیر جنت وغیرہا۔ نیز سیر کل طبقاتِ زمین وغیرہ کرکے اقل قلیل زمانہ میں واپس آکر اپنے خانۂ منور کو مشرف فرماویں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وسیع کا وہ درجہ کہ تمام احکام شرعیہ جن کا شمار کرنا امر لا یطاق ہے، تمام حالات ما کان وما یکون کے حافظ ہوں، بلکہ درجہ ما نفدت کلمات اللہ کا آپ کو حاصل ہو۔

جناب طبیب صاحب! آپ اپنے بھائیوں سے پوچھو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی قوت اس درجہ کی کامل نیز علم اس درجہ کا شامل، پھر اب قلت فی نفس الامر اور قصور فی نفس الامر مراد ہے؟ یا کہ بہ نسبت قدرت وعلم ایزدی کے؟ اگر ثانی کہیں تو اس میں تو بحث ہی نہیں ہے، کسی نادان سے بھی پوچھو تو وہ بھی اس میں ذرہ بھر شک نہ کرے گا۔ لیکن اگر آپ لوگوں کی مراد اول ہے، جیسا کہ یہود، مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ نے کہا تھا تو اس کا جواب خود خدائے پاک جل جلالہٗ وعم نوالہٗ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشادات میں بارہا فرما چکے ہیں، لیکن جناب طبیب صاحب! بعض لوگوں کا کیا علاج ہے جو یہاں تک کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو تو اپنے انجام کی بھی خبر نہ تھی، معاذ اللہ ایسے لوگوں کی اصلاح کی بھی کچھ فکر کرو۔

قال الطبیب: پہلی حدیث عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انکم تحشرون حفاۃً عراۃً غرلاً ثم قرء کما بدأنا اول خلقٍ نعیدہٗ آہ فاول من یکسیٰ یوم القیامۃ ابراھیم وانّ ناساً من اصحابی یؤخذ بھم ذات الشمال فاقول اصیحابی اصیحابی فیقال انھم لن یزالوا مرتدین علی اعقابھم مذ فارقتھم (وفی روایۃٍ اخریٰ) فاقول سحقاً سحقاً لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حالات سے بے خبر ہیں۔

اقول: جناب طبیب صاحب! اپنے بھائیوں سے پوچھو کہ کیا اس حدیث شریف کے تمام جملے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے علمِ غیب ثابت نہیں کر رہے؟ جبکہ اس کے ایک ایک لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب مستقبل کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں:

؎ چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد　　عیب نماید، ہنرش در نظر

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی ظاہری میں جانتے ہیں کہ میری امت، دن قیامت کے پا برہنہ، ننگے بدن، بے ختنہ محشور ہوگی، یہ غیب کی بات نہیں تو اور کیا ہے؟ اور ایسا ہی فاول من یکسیٰ یوم القیامۃ ابراھیم، یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، یہ غیب کی بات نہیں تو کیا ہے؟ نیز یہ کہ یؤخذ بھم ذات الشمال، غیب کی بات نہیں تو کیا ہے؟ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ فلاں فلاں لوگ دین میں رد وبدل کریں گے، جیسا کہ لفظ اعرفھم دلالت کر رہا ہے، اور فرشتے مجھ کو یہ کلمہ انک لا تدری ما احدثوا بعدک

کہیں گے، جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو پہچانتے ہیں اور ان کا دین میں تبدیلیاں کرنا بھی جانتے ہیں تو پھر کونسا دقیقہ باقی بچ گیا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے اوجھل رہ گیا؟ اگر مانا جائے کہ کوئی دقیقہ باقی رہ گیا ہے تو ان چالاک بھائیوں سے پوچھو کہ تم لوگ حدیث نبوی: تُعرَضُ عَلَيَّ اعمالُ امتی یوم الاثنین والخمیس آہ ، ترجمہ: میری امت کے احوال ہر سوموار اور ہر جمعرات کو میرے اوپر پیش کئے جاتے ہیں۔ کو مان چکے ہو اور اسے بالکل صحیح تسلیم کر چکے ہو تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دقیقہ کیونکر مخفی رہ گیا؟ اور یہ جو ان چالاک بھائیوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کا بدعتی ہو جانا اور مرتد ہو جانا معلوم نہ تھا تو یہ بات اس حدیث کی رو سے غلط ہے کیونکہ یہ حدیث صاف صاف بتلا رہی ہے کہ ان لوگوں کا بدعتی اور مرتد ہونا آپ کو بخوبی معلوم تھا، تبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام کو ان کے بارے میں پیشگی اطلاع دی ہے۔ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی اطلاع نہ دیتے تو تم لوگوں کو بھی معلوم نہ ہوتا، لہٰذا ان چالاک بھائیوں کا یہ دعویٰ غلط ہو گیا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب کا ہوتا تو ان کا بدعتی اور مرتد ہونا ضرور معلوم ہوتا، اب ہماری تقریر سے واضح ہو گیا کہ استثناء نقیض تالی کا باطل ہے تو نتیجہ بھی باطل ہوگا اور نتیجہ نقیض مقدم کی تھی جب نقیض مقدم کی باطل ہوئی تو مقدم ثابت ہوا۔

اور یہ جو ان لوگوں نے کہا ہے کہ اول اصیحابی اصیحابی کہنا پھر سحقاً سحقاً کہنا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا احوال معلوم نہ تھا۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے صیغۂ تصغیر (برائے تحقیر) استعمال فرمایا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا احوال معلوم نہ ہوتا تو ان کے لئے یہ صیغہ استعمال نہ فرماتے۔ جناب طبیب صاحب! آپ کے بھائیوں کی سمجھ الٹی ہے کیونکہ یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پہچانتے تھے کہ فلاں فلاں لوگ مرتد ہو جائیں گے اور احداثِ بدعت کریں گے اور یہ بھی جانتے تھے کہ میں یہ لفظ کہوں گا، پھر فرشتے مجھ کو یہ بات کہیں گے، پھر میں یہ لفظ کہوں گا، بھلا صاحب! وہ کونسی چیز ہے جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بے خبر ہیں؟

بڑے تعجب کی بات ہے کہ وہ چالاک بھائی خود تو غیب کی بات بتلا رہے ہیں اور غیب دان بنے بیٹھے ہیں مگر جس مُظہر المغیبات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات سے

یہ غیب کی باتیں سن سن کر بیان کر رہے ہیں، ان سے اطلاع علی المغیبات (الغیوب الاضافیہ) کی نفی ثابت کرنے کی کوشش عبث کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع علی المغیبات حاصل نہیں ہے، واہ رے بھائیو! قربان ہو جاؤں، آپ کی چالاکی پر، ؎ چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

قال الطبیب: دوسری حدیث عن عمر بن الخطاب قال بینما نحن عند رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ طلع علینا رجلٌ شدید بیاض الثیاب آہ اور صاف طور پر فرمایا کہ قیامت کا علم مجھے تجھ سے زیادہ نہیں یعنی جس طرح اس کے وقت کا پتہ تجھے نہیں ہے، اس طرح مجھے بھی نہیں ہے۔

اقول: ان چالاک بھائیوں سے پوچھو کہ یہ مراد اور نتیجہ یعنی جس طرح اس کے وقت کا پتہ تجھے نہیں ہے آہ کہاں سے نکالا ہے؟ اور کونسا لفظ ما المسئول عنها باعلم من السائل میں سے آپ کی مراد اور نتیجہ پر دلالت کرتا ہے؟ بلکہ درحقیقت یہ لفظ تو بالمطابقت دلالت کرتا ہے نفیِ زیادۃ پر نہ کہ نفیِ نفسِ علم پر، اس لفظ سے تو صاف مفہوم ہو رہا ہے کہ علم الساعۃ دونوں یعنی سائل اور مسئول عنہا کو حاصل ہے مگر علمِ مسئول عنہا، علمِ سائل سے زیادہ نہیں، محاورۂ لغتِ عرب کا اسی پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ کہا جاوے کہ ما زیدٌ باعلم من عمرو ، یہاں نفیِ زیادۃ کی مقصود ہوتی ہے نہ کہ نفیِ نفسِ علم کی، کاش آپ لوگ لغتِ عرب سیکھنے پر وقت لگاتے!

جناب طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں سے پوچھو کہ تمہارے نزدیک تو بندہ کے باطن کا حال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جانا، شرک کے زمرے میں آتا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشتے جبریل کے باطن کا حال بتا دینا تو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر تمہارے نزدیک شرک ہوگا۔ تو پھر بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علی نبینا وعلیہ السلام کے باطن کا حال کیونکر بتا دیا؟

قال الطبیب: تیسری حدیث عن رافع ابن خدیجؓ قال قدم نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وهم يؤبرون النخل آہ۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نامعلوم امر کے معلوم کرنے میں اور ہر معلوم کی معلومیت قائم رکھنے میں محتاج الی اللہ ہیں۔

اقول: جناب طبیب صاحب! اپنے ان سادہ دماغ بھائیوں کو ذرا سمجھاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات محض اس لئے فرمائی کہ توکل جیسی صفت بلندپایہ

کی طرف متوجہ فرمائیں۔ جب کوئی بندۂ خدا، توکّل کی اعلیٰ کیفیت سے متکیف ہو جاتا ہے تو اسباب کی تاثیر کی بجائے وہاں جذبۂ توکل کی تاثیر کارفرما ہو جاتی ہے، لیکن عمومی طور پر چونکہ یہ اسباب کا جہان ہے اسلئے بعد ازاں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تأبیر کی اجازت بخشی، یہ امر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کی نشان دہی کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ شکایتِ نقصان، ان لوگوں کی تسلی کے واسطے، اپنی جانب اس کو موڑ دیا، یہ آپ کی طرف سے کمال اظہار عبودیت تھا۔ اس میں نکتہ یہ تھا کہ ان لوگوں کی دل شکنی نہ ہو، اس امید پر کہ بالتدریج وصف توکل کی تلقین سے وہ لوگ اس مقام کو پالیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے، اسباب کے استعمال کی اجازت تو مرحمت فرما دی، ورنہ جب نقصان ہوا تھا تو اگر وہ لوگ اسے برداشت کر لیتے تو یقیناً توکل کا غیبی نتیجہ اور اس کی برکت آئندہ ضرور برآمد ہوتی۔ ارشاد قرآنی ہے ﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ ترجمہ: جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کو کافی ہو جاتا ہے۔ اس سال تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تأبیر (پیوندکاری) سے محض اس لئے بھی منع فرمایا تھا کہ اس سال زیادہ پھل نہ آنے کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بے سود مشقت اٹھانے سے روک دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین اور آسمان کی پیدائش سے لیکر تادخول جنت سب حالاتِ ماضیہ ومستقبلہ سے تو خوب خوب مطلع اور خبردار ہوں لیکن نزولِ وحی کی سہولت حاصل ہونے کے باوصف بھی اس چیز سے آگاہ نہ ہوں، یہ عقیدہ آپ ہی کو مبارک ہو! کسی نے بد اندیش کے بارے میں کیا خوب کہا ہے: ؎

ور ہنرے داری وہفتاد عیب — دوست نہ بیند بجز آں یک ہنر
چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتِ علم کہ جس سے کتاب اللہ اور کتب احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھرے ہوئے ہیں، افسوس کہ ان چالاک بھائیوں کی نظر ان پر نہ پڑی، صرف ایک چیز تأبیرِ نخل پر نظر جا پڑی، اور یہ جو کہا کہ ہر وقت محتاج الی اللہ ہیں۔ کسی وقت، خدا سے مستغنی نہیں، سو عرض ہے کہ کسی اہل اسلام سے پوچھو کہ

کوئی چیز کسی امر میں کسی وقت، خالقِ عالم سے مستغنی ہے؟ یہ آسمان جو مدت دراز سے پیدا ہوئے ہیں، اپنے دوام میں یا اپنے افعال میں آیا کسی وقت مستغنی ہو جاتے ہیں؟ ادنیٰ اہل اسلام بھی یہ بات نہ کہے گا، ایسی دھوکہ بازی کی باتیں بنا بنا کر آپ کو سناتے ہیں اور یہ جو کہا ہے کہ جیسا کہ عوام کا اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہر وقت ہر شئ کو محیط ہے، سو عرض ہے کہ عوام کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ علم کے کیا معنی ہیں؟ آیا علم کا معنی حصول صورۃ الشئ فی العقل ہے؟ یا حاضر عند المدرک ہے؟ جو وہم، شک، ظن اور یقین سب کو شامل ہے، یا اذعان النسبۃ غیر قابل الزوال ہے؟ یا استحضار المسائل ہے؟ یا نفس المسائل ہے؟ یا ملکۃ الاستنباط ہے؟

اسی طرح عوام تو محیط کے معنی کو بھی نہیں جانتے، پھر ان عوام کی طرف نسبت اعتقاد کی کرنی جس کو وہ جانتے ہی نہیں، دھوکہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟

ہاں اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حال کی خبر ہے (باطلاع اللہ تعالیٰ) تو البتہ درست ہے اور مان لینے کی بات ہے۔

جناب طبیب صاحب! آپ اپنے ان بھائیوں سے پوچھو کہ آپ جو اس پر شرک صریح کا فتویٰ لگا رہے ہو، تو ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ شرک صریح کس امر سے لازم آتا ہے؟

(۱) اگر ''ہر وقت'' سے لازم آتا ہے تو ہر وقت سے ہر وقت بعد النبوۃ مراد ہے؟ یا زمانہ ازلیہ، مگر زمانہ ازلیہ کا ارادہ تو خارج از امکان ہے، لہٰذا ہر وقت بعد النبوۃ ہی متعین بالمراد ہوا، اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم باللہ اور علم بصفات اللہ کا جو کہ علم غیب اور عین ایمان ہے۔ لگاتار، ہر وقت حاصل رہتا ہے؟ یا کہ کسی وقت میں زائل بھی ہو جاتا ہے، اگر دوسری شق کو اختیار کرو گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت مسلوب الایمان ہونا، العیاذ باللہ تعالیٰ، آپ لوگوں پر وارد ہوگا اور اگر شق اول کو اختیار کرو گے تو وہی تمہارا فتوائے شرک صریح تم پر عائد ہوگا۔

(۲) اور اگر ''ہر شئ'' سے وہ شرک لازم آتا ہے تو ہم جواباً کہتے ہیں کہ ہر شئ سے یہاں كُلُّ شَيْءٍ تَعَلَّقَ بِهٖ مَشِيْئَةُ اللّٰهِ تعالىٰ اَنْ يُّعَلِّمَهُ النَّبِيّ صلى الله عليه وسلم مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ، اسی طرح تخصیص لفظ کل شئ کی بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ جیسا کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، یعنی کل شئ تعلق بہ مشیئۃ اللہ تعالیٰ۔

(۳) اور اگر ''محیط'' سے لازم آتا ہے تو آیت مذکورہ کی تفسیر میں صاحب تفسیر حسینی نے لکھا ہے، ''مگر بدانچہ او خواہد کہ بداں محیط شوند'' اب آپ لوگ اپنے معتمد علیہ مفسر پر شرک صریح کا فتویٰ لگائیں، نیز شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ پر بھی مشرک ہونے کا فتویٰ لگاؤ، کیونکہ انہوں نے مدارج النبوۃ کے خطبہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

الظاہر والباطن، ظاہر است انوار او کہ تمام آفاق را در گرفتہ وعالم را روشن ساختہ است وہیچ ظہورے مثل ظہور وے، وہیچ نورے مثل نور وے، نیست، وباطن ست اسرار وے کہ ہیچ کس بدرکِ حقیقتِ حالِ وے راہ نبردہ و دور ونزدیک ہمہ در نظارۂ کمال وجمال وے حیران وخیرہ ماندہ۔ وہو بکل شئ علیم، و وے صلی اللہ علیہ وسلم دانا ست بر ہمہ چیز از شیونات الٰہی، واحکام وصفاتِ حق واسماء وافعال وآثار، وبجمیع علوم ظاہر وباطن اول وآخر احاطہ نمودہ ومصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ، علیہ من الصلوات اکملہا ومن التحیات اتمہا وافضلہا۔

ترجمہ: ظاہر ہیں آں ذات کے انوار کہ تمام آفاق کو گھیر رکھا ہے، اور سارے عالم کو روشن کر رکھا ہے، اس کے ظہور جیسا کوئی ظہور نہیں اور اس کے نور جیسا کوئی نور نہیں، اس کے اسرار ایسے ہیں کہ کوئی شخص بھی کلی طور پر ان کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا، دور ونزدیک سب، نظارۂ کمال وجمال میں حیران اور خیرہ رہ گئے۔وہو بکل شئ علیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں ہر چیز از قسم شیوناتِ الٰہی، احکام، صفاتِ حق، اسماء، افعال، آثار اور تمام ظاہری اور باطنی علوم، اول آخر سب کا احاطہ فرما لیا اور مصداق فوق کل ذی علم علیم کے ہو گئے، علیہ من الصلوات اکملہا ومن التحیات اتمہا وافضلہا۔

قال الطبیب: پانچویں حدیث وعن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت مَنْ اخبرک انّ محمداً صلی اللّٰه علیه وسلم یعلم الخمس التی قال اللّٰه تعالٰی انّ عندهٗ علم الساعة فقد اعظم الفریة آہ، جو لوگ منبروں پر واعظ بن کر بے کھٹکے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے۔ بعض امور کے کشف یا وحی کی قید نہیں لگاتے، یہ حدیث انہی لوگوں کو پوری پوری تنبیہ کر رہی ہے مگر وہ متنبہ نہیں ہوتے۔

اقول: طبیب صاحب! اپنے ان چالاک بھائیوں کو کہو کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کا تم نے خود جواب دے دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اس قول سے تو یعلم الخمس بدون الکشف او بدون الوحی، مراد ہے، لہٰذا واعظ کا یہ قول کہ ان پانچ

چیزوں کا علم بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے، اسی پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ امور کا علم بالاستقلال اور ذاتی نہیں بلکہ بالوحی یا بالکشف ہے، کیونکہ جو چیز بالاستقلال اور ذاتی طور پر حاصل ہو اس کو ''دی گئی'' نہیں کہا جاتا۔ اپنے ان بھائیوں سے پوچھو کہ تم نے جو بعض کا لفظ بڑھایا ہے تو بتاؤ کہ پانچ میں سے وہ کون سا بعض ہے جو وحی یا کشف سے حاصل ہو گیا ہے اور وہ کونسا بعض ہے جو باقی رہ گیا ہے؟

جناب طبیب صاحب! علم الساعة کے بارے میں چند گذشتہ مقامات پر بحث ومباحثہ ہوتا آیا ہے، اور یہ فقیر بھی مسلسل دلائل شرعیہ پیش کرتا آیا ہے، اب یہ اخیر مقام ہے، اب یہ فقیر کچھ بات عرض کرنا چاہتا ہے، مگر آپ سوچ سمجھ کر اپنے چالاک بھائیوں سے استفسار فرماویں۔

ضروری بات یہ ہے کہ آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ میں الساعة کا لفظ واقع ہوا ہے، اور ایسے ہی حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ میں فاخبرنی عن الساعة کا لفظ وارد ہوا ہے، سو اس بارے میں عرض ہے کہ:۔

(۱) اگر ساعت کے لفظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو پھر ان لوگوں کا استدلال صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ کتاب اللہ اور کتب احادیث بھرے ہوئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقوع ساعت (وقوع قیامت) کا علم دیا گیا ہے، اس وقت آیت مذکورہ کے یہ معنی ہوں گے کہ انّ اللّٰه عنده علم الساعة بالاستقلال۔

(۲) اور اگر ساعت سے مجاز مراد لیا جائے یعنی انّ اللّٰه عنده علم وقت الساعة تو امام بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے:۔

قال بینما النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یحدّث إذ جاء اعرابی فقال متیٰ الساعة قال اذا اُضِیعَتِ الاَمَانَةُ فانتظر الساعة قال کیف اضاعتها قال اذا وُسِّدَ الامرُ الیٰ غیر اَهلِه فانتظر الساعة.

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک بدو آیا اور کہا، قیامت کب ہو گی؟ آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو، اس نے کہا کہ امانت کو ضائع کرنے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا، جب معاملات، نااہل لوگوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو تم قیامت کا انتظار کرو۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت الساعۃ معلوم نہ ہوتا تو کہہ دیتے کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ نیز امام بخاری کی یہ حدیث گذر چکی ہے:۔

اخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل أهل الجنة منازلهم وأهل النار منازلهم۔	ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ابتداء آفرینش سے لیکر، اہل جنت کے جنت میں اور اہل جہنم کے جہنم میں داخلے تک کے تمام حالات بتا دیئے۔

اور علامہ قسطلانیؒ سے اس حدیث کی تشریح سابقہ صفحات میں گذر چکی ہے، اور مسلم سے مندرجہ ذیل حدیث بھی گذر چکی ہے:۔

عن حذیفۃؓ قال اخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما هو كائن الى يوم القيامة۔	ترجمہ: حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ سب بتا دیا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

مذکورہ بالاحدیث میں تحدید الی یوم القیامۃ کی، معلومیتِ وقت الساعۃ پر دلالت کرتی ہے۔

حافظ محی السنۃ بغویؒ نے معالم التنزیل میں مندرجہ ذیل حدیث بیان کی ہے:۔

عن أبی سعید الخدریؓ قال قام فینا النبی صلی اللہ علیه وسلم یومًا بعد العصر فما ترک شیئاً إلٰی یوم القیامة إلا ذکرهُ فی مقامهِ ذلک حتی إذا کانت الشمس علی رؤس النخل وإطراف الحیطان قال أنه لم یبق من الدنیا فیما مضی منها إلا کما بقی من یومکم هذا۔ (البقرہ:۱۴۳)	ترجمہ: ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن، نماز عصر کے بعد خطبہ دیا، پس آپ نے قیامت تک پیش آنے والی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کا ذکر فرمایا، یہاں تک کہ جب دھوپ کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے بالائی کناروں تک پہنچ گئی تو فرمایا کہ دنیا کا اتنا وقت باقی ہے جتنا کہ آج کے دن کا یہ وقت۔

مندرجہ ذیل حدیث صحاح میں مروی ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما أجلکم فیما خلا عن الأمم کما بین صلوة العصر إلٰی مغرب الشمس۔	ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سابقہ امتوں کے بعد اب تمہاری میعاد اتنا وقت ہے جتنا کہ نماز عصر سے لیکر غروب آفتاب تک۔

مندرجہ ذیل حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

بعثت انا والساعة كهاتين.	ترجمہ: میں اور قیامت یوں قریب ہیں۔

امام مسلم نے ایک حدیث دجال کے حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

فبيناهم كذلك إذ بعث الله ريحاً طيبةً فتأخذهم تحت آباطهم فتقبض روح كل مؤمنٍ وكل مسلمٍ ويبقى شرار الناس يتهارجون فيها تهارج الحمر، فعليهم تقوم الساعة.	ترجمہ: تو وہ لوگ اِسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالی پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو انہیں بغلوں نے نیچے گرفت کرے گی، پس ہر مؤمن اور ہر مسلم کی روح پرواز کر جائے گی مگر شریر لوگ باقی بچ جائیں گے جو گدھوں کی طرح ہینگتے ہوں گے، ان پر قیامت قائم ہوگی۔

امام مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

قال سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فيبقى شرار الناس فى خفة الطير واحلام السباع لا يعرفون معروفاً ولا ينكرون منكراً فيتمثل لهم الشيطان فيقول الا تستجيبون فيقولون فما تأمرنا فيأمرهم بعبادة الأوثان وهم فى ذلك، دارٌ رِزقُهم، حَسَنٌ عَيشُهُم، ثم ينفخ فى الصور فلا يَسمَعُهُ احدٌ إلا اصغى لِيتاً و رَفَعَ لِيتاً قال وأول من يسمعهُ رجلٌ يَلُوطُ حَوضَ ابلهِ قال فيصعق، ويصعق الناس ثم يرسل الله أوقال ينزل الله مطراً كأنَّهُ الطَّلُّ أو الظِلُّ، نعمانُ الشاكُ، فَتَنبُتُ مِنهُ اَجسَادُ الناسِ ثُمَّ يُنفَخُ فيه اخرىٰ فاذاهم قيامٌ ينظرون.	ترجمہ: میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شریر لوگ باقی بچ جائیں گے جو خفیف العقل پرندوں اور فقید الغیرت درندوں کی مانند ہوں گے، یہ لوگ نہ تو نیکی کو نیکی سمجھیں گے اور نہ ہی برائی کو برائی سمجھیں گے۔ پس شیطان بھیس بدل کر انہیں کہیے گا، کیا تم لوگ میری بات نہیں مانو گے؟ وہ لوگ کہیں گے تمہارا کیا حکم ہے؟ سو وہ انہیں بتوں کی پرستش کا حکم دے گا چنانچہ وہ لوگ اسی میں مشغول ہو جائیں گے، خوب کھانا پینا ہوگا، اور زندگی بڑی دلکش ہوگی، پھر صور پھونکا جائے گا، جو بھی اسے سنے گا، اس کی گردن ڈھلک جائے گی، پہلا شخص جو صور کی آواز سنے گا وہ اس وقت اپنے اونٹ کے

حوض کی لپائی کر رہا ہوگا وہ بے ہوش ہو جائیگا دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ہلکی، مسلسل بارش برسائے گا، لوگوں کے اجسام اس سے اُگ آئیں گے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے البدور السافرۃ میں ابوداؤد اور نسائی وغیرہما سے یہ حدیث بیان کی ہے:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال ان من ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم علیه السلام وفیه قبض وفیه نفخة الصور وفیه الصعقة.	ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دنوں میں، ایک دن، جمعہ کا ہے، اسمیں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی میں فوت ہوئے، اسی میں صور پھونکا جائیگا، اور اسی میں کڑک واقع ہوگی۔

نیز البدور السافرہ میں مندرجہ ذیل حدیث بیان کی گئی ہے:۔

اخرج ابن أبي حاتم عن ابن عباس قال یَسِیْلُ وَادٍ من اصل العرش مِنْ مآءٍ فیما بین النفختین ومقدار ما بینهما اربعون یوماً.	ترجمہ: ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا، عرش کی جڑ سے ایک وادی بہے گی، دونفخوں کی درمیانی مدت میں، یہ مدت چالیس دن کی ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام اشراط الساعۃ (علامات قیامت) پر مطلع ہونا اور قیامت کے بارے میں ہر چھوٹی بڑی بات سے مکمل طور پر باخبر ہونا اور نہایت باریک سے باریک تفصیلات سے آگاہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وقتِ قیامت سمیت، تمام امور متعلقہ بالساعۃ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جوکہ آخری نبی بھی ہیں واقف فرما دیا تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اول نفخہ صور کا فلاں شخص سنے گا آہ اس شخص کی یہ کیفیت اور حالت ہوگی، جیسا کہ حدیث مسلم میں گذرا ہے، نیز نفخہ صور

سے پیشتر کے تفصیلی احوال، ذرہ بذرہ، مع مدت بین النفختین، تعیین کے ساتھ، اور دیگر سب کا سب بتا دیا ہے، تو پھر آپ لوگوں کا انکار پر ڈٹے رہنا سمجھ سے بالاتر ہے، اگر آپ لوگ ان تفصیلات کا مطالعہ کریں تو آپ مان جائیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت الساعۃ پر من جانب اللہ، اطلاع کر دی گئی تھی، مگر ضد کا کوئی علاج نہیں۔

کسی قدر احادیث اس فقیر نے بیان کر دی ہیں، تمام احادیث شریفہ کو بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا، اسلئے یہ فقیر اسی پر اکتفاء کرتا ہے، ورنہ فقیر کے پاس مزید احادیثِ مبارکہ کا وافر ذخیرہ دستیاب ہے۔

جناب طبیب صاحب! اپنے ان چالاک بھائیوں کو کہو کہ تمہارے پیشوا جناب مولوی محمد صاحب لکھوکیاں والے نے اپنی کتاب احوال الآخرۃ میں جو لکھا ہے اس پر ذرا نظر ڈالیں کہ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تھوڑے سے بیت یہ فقیر بھی سنا دیتا ہے:

قحط ہوسی دو سال جگ اندر پیش ظہور دجالوں ترےجے سال ہوسی جگ اندر دھندوکار وبالوں

پھر مولوی صاحب آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

بادشاہی مہدی دی مدت، وچ حدیثاں آئی ست ورہے یا اٹھ یا نوں سال اے ہائی
ظاہر وچ تطابق لکھیا، ست فراغوں ہوسی اٹھویں سال دجال لڑائی فتہ اُٹھ کھلوسی
نانویں سال محمد مہدی، عیسیٰ نال وہا وے جاں سال انجونجہ عمر تمامی، مہدی لڈ سِدھا وے
حضرت عیسیٰ کرے جنازہ کفن دفن اوستائیں اوس تھیں پچھے حضرت عیسیٰ حکم کرے ہر جائیں

جناب مولوی محمد صاحب لکھوی اس کے بعد کہتے ہیں:۔

حضرت عیسیٰ دنیا اتے سال رہے پنجتالی خلقت اندر رونق برکت بہت رہے خوش حالی
عورت کرسی، بیٹے ہوسن، موت کریسی پھیرا نبی صاحبؐ دے روضے اندر قبر کریسی ڈیرا
پچھے انہاں، خلیفہ میموں شخص ہوسی قحطانی اوس نام ہوسی جہجاہ خلیفہ عادل نیک حقانی

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:۔

فِر دُھوں آن ہوسی اسمانوں ظاہر وَٹ زمیں بھر آ دے
خلقت تنگ ہوسی اِس دُھوں تھیں خوف دلاں نوں دھا دے۔
مومن بند دماغ، آوارہ حالت جویں زکامی سخت بیہوش منافق سارے، ہور کافر تمامی

دوجے روز، رکناہاں ترتیجے ہوش ٹکانے آوے چاؒلی روز رہے دھوں باقی پھر اسمان دسیاوے
ذوالحج مہینے عیدوں پچھے رات لمی اک پوسی چھوٹے وڈے جاگن ویکھن صبح نہ ہرگز ہوسی
ترنہہ چنہہ راتیں قدر دا زی خلقت عاجز آوے رِ فر نکی سورج مغرب توں چاچیت دسیاوے
سوا پہر لگ اُچا آوے سورج مغرب داؤں رِ فر ہنکر وانگ ہمیشہ لہسی مغرب حکم خداؤں
رِ فر اس تھیں پچھے جویں ہمیشہ سورج چڑھے نورانی رِ فر ہک دابہ ظاہر ہوسی صورت ہفت حیوانی

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:

فارغ ہو کے غائب ہوسی دابہ پھیر کتائیں اس تھیں پچھے ویہاں روز قیامت تائیں

پھر اس کے بعد ریح اور آگ کا حال بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

آتش ہنکر غائب ہوسی لوگ سنبھالن گھرنوں ملک آباد ہوئے رِ فرجاون اپنے ملک شہرنوں
اس تھیں پچھے خلقت رہسی سال ترے یا چارے بارش بہت تے نعمت وافر غفلت نال گذارے
اچاچیت صبح دے ویلے سُنسِن نفخہ صوری روز جمعہ دا ہوسی نالے دہواں روز عاشوری

پھر آگے چل کر نفخۂ صوری کے بارے میں کہتے ہیں:۔

ڈھونڈ جُسیاں نوں داخل ہوسن زندہ تھیں سارے دھرتی پاٹی، نکل دوڑن، دہشت مارے
فرق دوہاں نفخیاں وچ ہوسی لکھیا سالاں چالی جیُوں کرشکم ماؤ تھیں جم اُٹھسن اوسے حالے

جناب طبیب صاحب! اب آپ فرماویں کہ کونسا دقیقہ باقی رہ گیا ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت الساعۃ سے بیان نہیں فرمایا؟ کتب احادیث میں ذرا نظر فرمائیں، آپ کے دماغ کا عقدہ اچھی طرح کھل جائے گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے پیدائش سے لیکر دخول جنت تک سب کچھ بتا دیا اور زمانہ دجالِ اعظم کے قیام اور مقدار دن پہلے، دوسرے، تیسرے اور بقیہ دنوں کی، نیز مدت قیام حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہما السلام بیان فرما دی اور نفخۂ اولیٰ کا خاص دن بتا دیا اور زمانہ بین النفختین کا بھی بیان کر دیا اور کأنی انظر الیهم ینفضون رؤسهم عند الصیحة من تراب، بھی فرما دیا۔ پھر ان چالاک لوگوں کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت الساعۃ کا علم نہیں تھا، خلجانِ ذہنی اور وہمِ دماغی نہیں تو اور کیا ہے؟

تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے:۔

ترجمہ	متن
ترجمہ: آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان پانچ امور کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یہ جائز ہے کہ وہ اپنے دوستوں میں سے جسے چاہے انہیں ان کے بارے میں آگاہ فرما دے، قرینہ یہ ہے کہ ان اللّٰہ علیمٌ خبیرٌ میں خبیر بمعنی مخبر (خبر دینے والا) ہے اگر آپ سوال کریں کہ ان پانچ امور کی کیا تخصیص ہے؟ جبکہ تمام مغیبات کا یہی حال ہے؟ تو میں کہوں گا کہ اس میں نکتہ یہ ہے کہ یہ پانچ امور معظم المغیبات اور چابیاں ہیں، مثال کے طور پر جب کوئی شخص، کل آئندہ سے واقف ہوا تو وہ کل کے دن پیش آنے والی زید کی وفات، عمر کی پیدائش، بکر کی فتح، خالد کی شکست، بشر کا آنا وغیرہ وغیرہ سب سے واقف ہوا، بیضاویؒ کی بات سے اس امر کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ "فلا یظهر علی غیبهٖ احداً. یعنی اللہ اپنے غیب مخصوص بالعلم کی جہاتِ متناہیہ پر اپنے رسولِ مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرماتا ہے، جو ان کیلئے معجزہ ہوتا ہے۔ شاید غیب مخصوص بالعلم سے بیضاویؒ کی مراد یہ پانچ امور ہیں، کیونکہ ان کے ماسوا پر تو بہتوں کو اطلاع دی جاتی ہے"۔	ولک ان تقول انّ علم هذهٖ الساعة وان کان لا یملکهٗ إلا اللّٰه لکن یجوز ان یُعْلِمَهَا من یشاء من محبیه واولیائهٖ بقرینة قولهٖ تعالیٰ انّ اللّٰه علیم خبیر علی ان الخبیر بمعنی المخبر. فان قلت فما فائدة ذکر الخمس لان جمیع المغیبات کذلک قلتُ فائدتهٗ انّ هذه الخمسة معظم المغیبات لأنها مفاتیحها فانهٗ اذا وقف مثلاً علی ما فی غدٍ وقف علی موت زیدٍ وتولُّد عمر وَفَتْحِ بکر و مقهوریة خالد وقدوم بشر وغیر ذلک مما فی الغد وهکذا القیاس ویؤید هذا التوجیه ما ذکر فی البیضاوی فی قولهٖ فی سورة الجن، عالم الغیب فلا یظهر علی غیبهٖ احداً إلا من ارتضیٰ من رسول حیث قال فلا یطلع علی الغیب المخصوص بهٖ علمهٗ إلا من ارتضی بعلم بعضهٖ حتی یکون لهٗ معجزةً وجعل قولهٗ تعالیٰ من رسولٍ بیاناً لِمَنْ، ولعلهٗ اراد بالغیب المخصوص هذهٖ الخمسة، وعلی ما سواها یطلع الأکثر.

بیضاویؒ نے یہاں پر بعض کا لفظ استعمال فرمایا ہے کیونکہ امور خمسہ کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی جہات سے ہے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بالامور

الخمسۃ متناہی جہات سے ہے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایک ذرہ کے بارے میں بھی علم الٰہی کا بعض ہوا۔

تحفہ احمدیہ مشہور بالنجوم الشہابیہ والرجوم للوہابیہ، نیز انموذج اللبیب فی خصائص الحبیبؐ، نیز کتاب الخصائص وشرح الصدور للسیوطیؒ، نیز فتح الباری للعسقلانیؒ والمواہب للقسطلانیؒ میں لکھا ہے:۔

انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم اوتی علم الخمس التی فی ھذہ الآیۃ ولکن اُمِرَ بکتمھا (انتھی).

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں بیان کردہ امور خمسہ کی بابت بھی اطلاع بخشی گئی ہے لیکن اس کے افشاء کی اجازت نہ تھی۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا تعلق، متناہی جہات سے ہوتا ہے غیر متناہی جہات سے نہیں ہوتا۔

اسی تحفہ احمدیہ میں لکھا ہے۔

آنچہ وارد گشتہ از صدیقہ، ام مؤمناں — کہ بفرمود ہرآں کو کرد اخبار وبیاں
کہ ہمی داند نبی آں پنج چیز از علم غیب — افتراء محض واعظم گفت او بے شک وریب
پس مراد اُو باستقلال، جز رب ودود — نیست علم خمس او را تا نہ تعلیمش نمود
گفت علامہ خفاجی اندر آں شرح شفاء — قول حق لا یعلم الغیب بغیر آں، بے خفاء
ہست نفیِ علمِ غیرِ حق، بغیر واسطہ — اطلاع برآں باعلامِ خدا داں ضابطہ

مذکورہ بالا اشعار کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ اس کے سب سے آخری نبی بھی ہیں، امور خمسہ کا علم مرحمت فرمایا۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:۔

وقد ذھب بعض المشائخ إلی انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعرف وقت الساعۃ باعلام اللہ تعالیٰ، وھو لا ینافی الحصر فی الآیۃ کما لا یخفٰی.

ترجمہ: بعض مشائخ نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ قیامت کی پہچان حاصل تھی، یہ پہچان محض اللہ تعالیٰ کے بتانے سے تھی، لہٰذا آیت میں واقع حصر کے منافی نہیں (کیونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی طور پر بالاستقلال جاننا مراد ہے)۔

حقیقی بات یہ ہے کہ کلام اللہ کے مطالعہ سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی بالاستقلال، عالم الغیب ہے، بالذات اور بالاحاطہ غیب دانی اس کی ذاتِ عالی جل جلالہٗ وعز برہانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے، غیب مطلق وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ مگر مغیبات یعنی غیوب اضافیہ (Relative) کے انکشاف کا وہ سرچشمہ ضرور بالضرور ہے۔ امور غیبیہ کو بالتدریج آنحضرتؐ کیلئے منصۂ شہود پر لانا اسی کا کام ہے۔ دوم یہ کہ اس ذاتِ بے ہمتا نے اپنے رسولوں کو مغیبات پر اطلاع بخشی ہے، جن کو اس نے اس کیلئے چن لیا۔ چنانچہ فرمایا ﴿الا من ارتضٰی من رسول﴾، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی آگاہی برغیب محض اللہ تعالیٰ کے اعلام واطلاع کی بدولت ہے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، خاتم النبیین ہیں اور تمام انبیاء ومرسلین کے سردار ہیں۔ اس لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام کا تمام علمِ غیب اضافی بالتدریج عطا فرما دیا جیسا کہ نصوص اس پر شاہد ہیں۔

مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو کشف والہام کے ذریعے جو آگاہی بر امور غیبی مرحمت ہوتی ہے وہ کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی آگاہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، (انکشاف بالالہام کا درجہ، انکشاف بالوحی کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے؟)۔

یہود، مشرکینِ مکہ اور منافقینِ مدینہ کی طرف سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنۂ قلتِ علمی کا مفصل اور مدلل جواب گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔

اب ہمارے زمانے میں اہل جہل وحمق نے یہاں تک کہنا شروع کیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے انجام کی بھی خبر نہ تھی، معاذ اللہ لا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

ابن صیاد کے دعوائے نبوت اور دعوائے غیب دانی کا پول کھولنے کیلئے ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا، اچھا تم یہ بتاؤ کہ اس وقت میرے دل میں کیا ہے؟ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں سورہ الدخان کی آیت ﴿فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس﴾، چھپائی۔ ابن صیاد کہنے لگا الدخ الدخ، اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اِخسَأ، وَلَن تَعدُ وَقَدرَکَ۔

ترجمہ: دفع ہو! تو ہرگز اپنی قدر سے آگے نہ بڑھ سکے گا یعنی تو مکمل بات پر آگاہ نہیں ہوا۔ نامکمل بات پر آگاہ ہونا نبی کی شان نہیں ہے۔ بلکہ نبی تو مکمل بات پر آگاہ ہوتا ہے۔

اُس وقت، عرب کے جاہلانہ، مشرکانہ اور اوہام پرستانہ معاشرے میں کاہنوں کے بارے میں غیب دانی کا عقیدہ وبا کی طرح پھیلا ہوا تھا، اس اوہام پرستانہ عقیدے کی اساس پر، کاہن طبقہ پریشان حال لوگوں کا خوب استحصال کرتا اور سادہ لوح عوام سے، محض اپنی شعبدہ بازی اور کذب بیانی کے عوض، بھاری رقومات اور قیمتی نذرانے وصول کرتا، انکی ساری دوکان داری کا دارومدار ۹۹ فیصد جھوٹی غیب دانی پر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا کہ علم غیب کا مالک تو صرف میں ہوں، سو میں امور غیبیہ کی اطلاع اپنے انبیاء ورسل کو عطا کروں گا، نہ کہ کاہنوں جیسے دھوکے باز دوکان داروں اور شعبدہ گروں کو۔

ذیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشاد نقل کئے جا رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو، کاہنوں کے پاس جانے سے سختی سے منع فرمایا کیونکہ وہ دعوائے غیب دانی میں جھوٹے تھے:۔

عن معاویةؓ بن الحکم قال قلت یا رسول اللّٰه امورٌ کنا نصنعها فی الجاهلیة کنا نأتی الکهان قال علیه السلام فلا تأتوا الکهان قال قلت کنا نتطیر قال ذلک شیٌ یجدهٗ أحدکم فی نفسهٖ فلا یصدنکم قال قلت ومنا رجالٌ یخطون خطاً قال کان نبیٌ من الأنبیاء یخط فمن وافق خطهٗ فذاک. رواه مسلم، مشکوٰة باب الکهانة.

ترجمہ: معاویہؓ بن الحکم راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں کاہنوں (قسمت کا حال بتانے والوں اور حساب کتاب کرنے والوں) کے پاس جایا کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس نہ جایا کرو، میں نے عرض کیا کہ ہم لوگ فال نکالا کرتے تھے، آپ نے فرمایا، تم اپنے وہم سے نتیجے نکالتے ہو، یہ وہم تم کو کسی کام سے روک نہ دے، میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے کچھ لوگ زائچے بناتے ہیں، آپ نے فرمایا، کبھی کبھی کسی کا زائچہ، کسی نبی کے زائچہ سے مطابقت کر جاتا ہے، اور بس۔

وعن عائشةؓ قالت سأل اناسٌ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن الکهان فقال لهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انهم لَیْسُوْا بشیٍ قالوا یارسول اللّٰه فانهم یحدثون احیاناً بالشیٔ یکون حقاً فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تلک الکلمة من الحق یَخطَفُهَا الجِنّی فَیَقُرُّهَا فی اُذُنِ ولیهٖ قَرَّ الدجاجة فَیَخلِطُونَ فیها أکثر من مأةِ کذبةٍ، متفق علیه، مشکوٰة باب الکهانة.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، وہ کچھ نہیں ہیں، عرض کیا گیا کہ کبھی کبھی ان کی بات وقوع پذیر ہو جاتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اتفاق یوں ہوتا ہے کہ جنی ایک درست بات کو کہیں سے اچک لیتا ہے اور اسے اپنے مالک کے کان میں ڈال دیتا ہے، پس وہ شخص اس ایک بات میں سو سے زیادہ جھوٹی باتیں ملا دیتا ہے۔ (سو ایک سچ ہوتا ہے اور سو سے زیادہ جھوٹ ہوتے ہیں)۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو کاہنوں کے مساوی درجہ پر کھڑا کرنا، ایمان کیلئے آفت ہے۔

قال الطبیب: چھٹی حدیث وعن اُم العلاء قالت قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا ادری ما یفعل بی ولابکم، اسکی بنیاد قرآنی آیت ﴿وما ادری ما یفعل بی و ولابکم اِن اتبع إلا ما یوحیٰ الیَّ﴾ ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب حاصل نہیں ہے۔

اقول: جناب طبیب صاحب! سب سے اول تو یہ معلوم کرنا ہوگا کہ درایت کا معنی از روئے لغت کیا ہے؟ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے فوراً بعد، قرآن مجید کی آیت ﴿اِنْ اَتّبِع الا ما یوحیٰ الیَّ﴾ سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ بعد ازاں قرآن واحادیث کا مطالعہ کرکے ان سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔

سو سب سے پہلے لغتِ عرب سے درایت کا معنی دریافت کرتے ہیں:

لسان العرب میں ہے، دَرَیتُ الظِّبَاءَ اِذا خَتَلْتَهَا، یعنی دَرَیتُ الظِّبَاءَ، (میں نے ہرنوں کا ٹھکانہ معلوم کیا) اس وقت بولتے ہیں جب آپ حیلے بہانے سے ان کا ٹھکانہ معلوم کریں، اسی طرح لسان العرب میں فرماتے ہیں، دَرَیتُ الظَّبیَ، اس وقت بولتے ہیں جب آپ ہرن کا مسکن معلوم کرنے کیلئے حیلہ جوئی کریں تاکہ اس کا شکار کر سکیں۔ اسی

طرح لسان العرب میں ہے، دَرَیتُ فلاناً اِذا ختَلتَهُ ترجمہ: میں نے خفیہ داؤ پیچ استعمال کر کے اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کیں، اسی طرح تاج العروس میں ہے، دَرَیتُهُ ای عَلِمتهُ بِضربٍ مِنَ الحِیلَةِ۔ ترجمہ: میں نے اس شخص کو حیلہ سے معلوم کیا، نیز مفردات القرآن میں ہے، الدرایة المعرفة المدرکة بضربٍ من الختل، یعنی پوشیدہ تدبیر کے ذریعے کسی شخص یا چیز کی کھوج کھاج لگانا، درایت کہلاتا ہے۔

مذکورہ بالا لغاتِ عربیہ کے حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لا ادری کا مطلب یہ ہے کہ میں خفیہ تدابیر، پوشیدہ حیلوں بہانوں، داؤ پیچ لڑانے اور تخمینی کھوج کھاج لگانے اور ذہنی قیاسات سے مستغنی ہوں، کیونکہ میں تو وحی کی پیروی کرتا ہوں، جوکہ علام الغیوب کی طرف سے نازل ہوتی ہے، یہ وحی، ہر شئ کو مجھ پر منکشف کر دیتی ہے۔

اب میں آپ کو کچھ آیات قرآنیہ سناتا ہوں جن سے اس امر کی خوب نشان دہی ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امتِ مرحومہ کا انجام کیا ہوگا؟
ارشاد قرآنی ہے:

(۱) ﴿وَرَفَعنا لَکَ ذِکرَکَ﴾، ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

(۲) ﴿عَسٰی أن یَبعَثَکَ رَبُّکَ مَقاماً مَّحمُوداً﴾، عنقریب اللہ تعالیٰ آپکو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

(۳) ﴿وَلَلاٰخِرَةُ خَیرٌ لَّکَ مِنَ الْأُولیٰ﴾، ہر دوسرا لمحہ آپ کیلئے پہلے لمحے سے بہترین ہے۔آپ کیلئے آخرت دنیا سے بہت ہی بہتر ہے۔

(۴) ﴿وَلَسَوفَ یُعطِیکَ رَبُّکَ فَتَرضیٰ﴾، عنقریب اللہ تعالیٰ آپ پر وہ نوازشات اور عطایا نچھاور فرمائیگا کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

(۵) ﴿إنّا أعطَینٰکَ الکَوثَرَ﴾، ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی۔

(۶) ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیهِمُ المَلٰئِکَةُ أَلّا تَخافُوا وَلا تَحزَنُوا﴾، فرشتے نازل ہو کر ان اہلِ ایمان کو خوش خبری سنائیں گے کہ نہ تم کوئی خوف کھاؤ اور نہ ہی کوئی غم۔

(۷) ﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلناکُم أُمَّةً وَسَطاً لِّتَکُونُوا شُهَداءَ عَلَی النّاسِ وَیَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیکُم شَهِیداً﴾، اور اسی طرح ہم نے آپ کو بہترین امت بنایا، تاکہ آپ لوگوں پر

گواہی دو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے عادل اور مزکیٰ ہونے پر گواہی دینگے۔

(۸) ﴿کُنتُم خَیرَ أُمَّةٍ أُخرِجَت لِلنّاسِ﴾، تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی رہنمائی کیلئے ظاہر کی گئی ہے۔

(۹) ﴿هُوَ الَّذِی أَرسَلَ رَسُولَهُ بِالهُدیٰ وَدِینِ الحَقِّ لِیُظهِرَهُ عَلَی الدِّینِ کُلِّهِ﴾، وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور آئینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔

(۱۰) ﴿وَکانَ حَقّاً عَلَینا نَصرُ المُؤمِنِینَ﴾، اہل ایمان کی مدد کرنا ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور ایسی آیات کلام الٰہی میں بہت ہیں۔

اب فقیر تھوڑی سی احادیث بھی سنا دیتا ہے:

(۱) بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے دروازوں کا ذکر کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فهل یُدعیٰ منها کلها أحدٌ قال نعم فارجوا أن تکون منهم یا أبا بکر.

ترجمہ: کیا ان تمام دروازوں سے کسی شخص کو بیک وقت پکارا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اے ابوبکر! آپ ان لوگوں میں سے ہی ہوں گے۔

(۲) سنن ابی داؤد میں ہے:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أما انّک یا أبو بکر أول من یدخل الجنة من امتی۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! آپ میری امت میں سے، سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے شخص ہوں گے۔

(۳) اور جامع ترمذی میں ہے:

انَّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لأبی بکر أنت صاحبی علی الحوض وصاحبی فی الغار۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ میرے ساتھی ہوں گے، حوض کوثر پر، جسطرح کہ آپ میرے ساتھی تھے غار میں۔

(۴) اسی جامع ترمذی میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا أول من تنشق عنه الأرض ثم أبوبكر ثم عمر۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے، زمین، میرے لئے شق ہو گی پھر ابوبکر کیلئے پھر عمر کیلئے۔

(۵) اسی ترمذی میں ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ذات يوم فدخل المسجد وأبوبكر وعمر، أحدهما عن يمينه والآخر عن شماله وهو آخذ بايديهما وقال هكذا نبعث يوم القيامة۔

ترجمہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے، ابوبکر اور عمر آپ کے ساتھ تھے، ایک دائیں طرف اور دوسرے بائیں طرف، آپ نے ان کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اور فرمایا، ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔

(۶) البدور السافرۃ میں ہے:

عن ابن عمر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أُحشَرُ بين أبي بكر وعمر حتى أقِفَ بين الحرمين، فيأتي أهل مدينه ومكة۔

ترجمہ: ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں روزحشر ابوبکر اور عمر کے درمیان ہوں گا، یہاں تک کہ حرمین کے درمیان ٹھہر جاؤں گا، پس اہل مدینہ اور اہل مکہ آئیں گے۔

(۷) تاریخ الخلفاء میں ہے:

عن أبي سعيد بن جبيرؓ قال قرأتُ عند النبي صلى الله عليه وسلم يا أيتها النفس المطمئنة، فقال أبوبكر يارسول الله اِنّ هذا لحسنٌ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اَمَا اِنّ الملك سيقولها لك عند الموت۔

ترجمہ: ابوسعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیت ﴿یا ایتها النفس المطمئنة﴾ تلاوت کی تو ابوبکر نے کہا یارسول اللہ! یہ بہت خوب ہے، آپ نے فرمایا کہ فرشتہ یہ کلمہ تمہیں، بوقت وفات کہے گا۔

(۸) ابن ماجہ میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أول من يصافحهُ الحق عمر، وأول من يسلّم عليه وأول من يؤخذ بيدهٖ فيدخل الجنة۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے پہل، جس سے حق تعالیٰ مصافحہ فرمائے گا، اور اسے سلام کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کیا جائیگا وہ عمر ہیں۔ (لفظ اول یہاں برائے اولیت اضافیہ ہے یعنی حضرت عمرؓ بھی اولین میں شامل ہوں گے)۔

(۹) جامع ترمذی میں ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال أبوبكر في الجنة وعمر في الجنة وعثمان في الجنة وعلي في الجنة وطلحة في الجنة وزبير في الجنة وعبدالرحمن بن عوف في الجنة وسعد بن أبي وقاص في الجنة وسعيد بن زيد في الجنة وأبوعبيده في الجنة۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر جنت میں جائیں گے، عمر جنت میں جائیں گے، عثمان جنت میں جائیں گے، علی جنت میں جائیں گے، طلحہ جنت میں جائیں گے، زبیر جنت میں جائیں گے، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں جائیں گے، سعد بن ابی وقاص جنت میں جائیں گے، سعید بن زید جنت میں جائیں گے، ابوعبیدہ جنت میں جائیں گے۔

(۱۰) البدور السافرۃ میں ہے:

اخرج الطبراني عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس على أهل لا إله إلا الله وحشة في الموت ولا في النشور ولا في القبور كاني أنظر إليهم ينفضون عند الصيحة رؤسهم من تراب يقولون الحمد لله الذي اذهب عنا الحزن۔

ترجمہ: طبرانی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صدق دل سے پڑھنے والے پر وحشت طاری نہ ہوگی نہ موت میں، نہ نشر میں، نہ قبر میں، گویا کہ میں انکو دیکھ رہا ہوں، بوقت نفخ صور، اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور کہتے ہوئے کہ اللہ کیلئے حمد ہے جس نے ہم سے غم کو دور فرمایا۔

(۱۱) البدور السافرۃ میں ہے:-

اخرج الطبرانی عن أبی ہریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تحشر الأنبیاء یوم القیامۃ علی الدواب وَیُبعَثُ صالحٌ علی ناقتہٖ واُبعَثُ علی البراق ویبعث ابنای الحسن والحسین علی ناقتین من نوق الجنۃ ویبعث بلالٌ علی ناقۃٍ من نوق الجنۃ فینادی بالا ذان حقاً وبالشہادۃ حقاً حتی إذا قال أشہد اَنَّ محمداً رسول اللّٰہ، شہد المؤمنون فی الأولین والآخرین فَقُبِلَتْ ممن قُبِلَتْ ورُدَّتْ ممن رُدَّتْ۔	ترجمہ: طبرانی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن انبیاءِ کرام علیہم السلام چوپایوں پر سوار ہوں گے، صالح علیہ السلام اونٹنی پر سوار ہوں گے اور میں براق پر، میرے بیٹے حسن اور حسین جنتی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے، بلال بھی جنتی اونٹنی پر سوار ہوں گے، وہ اذان اور شہادتِ توحید ورسالت کی ندا بلند کریں گے، جب وہ رسالت محمدیہﷺ کی شہادت کا کلمہ بلند کریں گے تو تمام مؤمنین اگلے اور پچھلے بھی شہادت محمدیہ کا کلمہ بلند کریں گے، پس یہ کلمہ بعض لوگوں سے قبول کیا جائیگا اور بعض سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۱۲) حدیث نبوی ہے:

أنا حامل لواء الحمد تحتہٗ آدم ومن دونہٗ۔	ترجمہ: میرے پاس حمد کا جھنڈا ہوگا جس کے نیچے آدم اور سب لوگ ہوں گے۔

(۱۳) حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

سیدا شباب أہل الجنۃ۔	ترجمہ: یہ دونوں، جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

(۱۴) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق ارشاد فرمایا:

سیدۃ نساء أہل الجنۃ۔	ترجمہ: فاطمہ جنتی خواتین کی سردار ہیں۔

(۱۵) حضرت ثابت بن قیسؓ کو فرمایا:

أما ترضٰی أن تعیش حمیداً وتقتل شہیداً وتدخل الجنۃ۔	ترجمہ: کیا تم اس پر خوش نہیں ہوکہ قابل تعریف زندگی گذارو، شہادت کا درجہ حاصل کرو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔

جناب طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں کے پیش امام نے تو بڑھ چڑھ کر بے ادبی کی ہے، اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ بات صریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہ تھا، پھر وہ بعد وفات کے، اپنی امت کے حال سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں؟ آپکے ان چالاک بھائیوں کے دل میں بھی یہی بات ہوگی؟

خلاصۃ الکلام یہ کہ احادیث میں اس قدر حالات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیئے ہیں کہ دفاتر میں گنجائش رکھتے ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لا ادری کا معنی تو لا ادری بنفسی، بل با علام اللہ تعالیٰ ہے، اور یہی ادبِ بارگاہ ایزدی ہے، اگر وہ چالاک بھائی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں غور کرتے تو اس بے ادبی میں مبتلا نہ ہوتے۔

اب یہ فقیر چند مفسرین کے اقوال نقل کرتا ہے جن سے اس آیت کے مرادی معنی کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے:

والذی اختارہٗ ان المعنی علی نفی الدرایۃ من غیر جہۃ الوحی۔	ترجمہ: مختار یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بغیر وحی کے نہیں جانتے۔

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

وانہ لم ینفِ إلا الدرایۃ من قبل نفسہ وما نفٰی الدرایۃ من جہۃ الوحی۔	ترجمہ: اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ خود بخود نہیں جانتے، بذریعہ وحی کے جاننے کی نفی نہیں فرمائی۔

قال الطبیب: حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اوتیتُ علم الأولین والآخرین، یہ حدیث بے اسناد ہے، نیز اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ ما من عامٍ الا وقد خص منہ البعض، چنانچہ علم الاولین والآخرین سے بعض مراد لینا ضروری ہے، ورنہ علوم شیطانیہ جیسے علمِ جادو اور علمِ راگ وغیرہ بھی اسمیں داخل ہو جائیں گے۔

اقول: حوالہ جات میں سے فی الحال اتنا حوالہ کافی ہے کہ المواہب اللدنیہ، للمحدث القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اور اسکی شرح، للمحدث الکبیر الامام الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ، (الجزء السادس، تذکرہ معراج) میں جو حدیث شریف درج ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں: اس کے راوی حضرت علیؓ ہیں، آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

فاورثني علم الأولين والآخرين، وعلّمني علوماً شتّى، فعلمٌ اَخذَ عليَّ كتمانهٗ اِذ عَلِمَ أنّه لا يقدر على حمله اَحدٌ غيري، وعلمٌ خيّرني فيه، وعلّمني القران فكان جبريلٌ يذكرني به، وعلمٌ أمرني بتبليغه إلى العام والخاص من اُمّتي. (اس حدیث کی اسناد قسطلانیؒ اور زرقانیؒ نے بیان فرما دی ہے، وہاں ملاحظہ کرلیں)

ترجمہ: پس اللہ سبحانہ نے مجھے اولین اور آخرین کے علوم کا وارث بنا دیا نیز اس نے مجھے کثیر الانواع علوم عطا فرمائے۔ (۱) ایک نوع علوم وہ ہے جنہیں پوشیدہ رکھنے کا اس نے مجھ سے وعدہ لیا، کیونکہ اس نے جانا کہ میرے سوا کوئی بھی دوسرا، ان علوم کے حامل ہونے کی قدرت نہیں رکھتا۔ (۲) دوسرا نوع علوم وہ ہے کہ انہیں بتانے یا نہ بتانے کا مجھے اختیار عطا فرمایا۔ (۳) اس ذات سبحانہ نے مجھے علوم قرآنیہ عطا فرمائے کہ جبریلؑ انکی بابت مجھ سے مذاکرہ کرتا تھا۔ (۴) چہارم وہ نوع علوم ہے کہ اس نے مجھے حکم فرمایا کہ میں انہیں اپنی امت کے عام وخاص تک پہونچاؤں۔

اور قاعدہ تمہارا منقوض بنفسہ ہے کیونکہ لفظ ''عام'' کا مامن عام الاوقد خص منه البعض میں بھی تو عام ہی ہے، اس لئے کہ نکرہ حیز نفی میں عام ہوا کرتا ہے اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ ''پس ضرور ہوا کہ علم الاولین والآخرین سے بعض مراد لینا ضروری ہے'' تو اس بارے میں گذارش یہ ہے کہ لفظ ''علم'' تو علم الاولین والآخرین میں خاص ہے عام نہیں ہے، عام تو الاولین والآخرین کا لفظ ہے، اس لئے آپ لوگوں نے جو تخصیص علم کے لفظ میں کی ہے، بے جا ہے، اگر عام کی تخصیص کرتے تو بتاتے کہ اولین اور اسی طرح آخرین میں سے فلاں فلاں خارج ہیں، آپ یاد رکھیں کہ تخصیص بلا مخصص ناجائز ہے، کیونکہ اگر ایسی تخصیصات بلا مخصص، اعتبار کر لی جائیں تو اکثر لوگ آپ کے قاعدہ (تخصیص بلا مخصص) سے تمسک پکڑ کر اکثر تکالیف شرعیہ کے منکر ہو جائیں گے، مثلاً اقیموا الصلوٰۃ میں فاعل عام ہے، تو منکر لوگ کہیں گے کہ ہم اس عام سے مخصوص ہیں، اور ایسا ہی وآتوا الزکوٰۃ ہے، اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ ورنہ علوم شیطانیہ جیسے علم جادو اور علم راگ وغیرہ بھی اسمیں داخل ہو جائیں گے، تو بھلا صاحب! کیا شرک سے بری کوئی چیز

ہے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل وغیرہ کے شرک سے واقف تھے یا نہ؟ اگر تھے تو بقول آپ کے، کفر صریح، آپ لوگوں کو لازم آئے گا، اگر آپ لوگ کہیں کہ واقف نہ تھے، تو بتائیں کہ یہ آپ لوگوں کا جہلِ اختراعی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور آپ لوگ یہ بھی بتاؤ کہ تم کو کسی کی زناکاری اور شراب خوری وغیرہ وغیرہ پر آگاہی ہو جائے تو تمہارے اندر تو کوئی قباحت وجودپذیر نہ ہو، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے تو کفر کیوں لازم آیا؟ اور یہ بھی بتائیں کہ اللہ جل شانہٗ وعز برہانہٗ، ان سب امور کو جانتا ہے یا نہ؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو بقول آپ لوگوں کے، کفر صریح آپ پر لازم آئے گا، اگر کہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان امور سے واقف نہیں تو جہل باری عزاسمہ کا قول آپ لوگوں پر عائد ہوگا، نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد المنجز الی اقبح الفساد۔

قال الطيبي: عن عبد الرحمن بن عائشٍ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت ربي في أحسن صورةٍ قال فيما يختصم الملأ الاعلىٰ قلتُ أنتَ اعلم قال فوضع كفهٗ بين كتفيَّ فوجدتُ بردها ما بين ثديَيَّ فعلمتُ ما في السموات والارض (شرح السنہ)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عائش راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا اس نے پوچھا ملأ اعلیٰ کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں، میں نے کہا آپ زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر رب تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے کندھوں کے درمیان رکھی جسکی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پس میں جان گیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

(۱) اس روایت میں کل کا لفظ مذکور نہیں ہے۔

(۲) علمت ماضی کا صیغہ ہے اسمیں حال اور مستقبل زمانے شامل نہیں ہو سکتے، لہذا اس خبر کے بعد جو امور وقوع پذیر ہوئے یا ہوں گے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں نہیں ہوں گے۔

اقول: ایک اور حدیث شریف، یہ فقیر پیش کرتا ہے، جو مذکورہ حدیث سے بھی زیادہ مشرّح اور موثّق ہے، اِس میں کل کا لفظ موجود ہے، یہ حدیث درج ذیل ہے:

عن معاذ بن جبل..........فاذا انا بربّی تبارک وتعالٰی فی اَحسن صورةٍ فقال یا محمد قلتُ لبیک رب، قال فیما یختصم الملأ الأعلٰی قلتُ لا اَدری قالها ثلاثاً قال فرأیتهٗ وضع کفهٗ بین کتفیّ حتی وجدتُ برد انا ملهٖ بین ثدیی فتجلّیٰ لی کلُّ شیٍٔ وعرفتُ آه رواه أحمد والترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح، وسألت محمد بن إسماعیل (البخاری) عن هذا الحدیث فقال هذا حدیث صحیح (مشکوٰة، باب المساجد و مواضع الصلوٰة)۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے ۔۔۔۔پس اچانک میں نے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا، اس نے فرمایا اے محمد! میں نے کہا لبیک اے میرے رب! فرمایا ملأ اعلیٰ کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں از خود نہیں جانتا تین مرتبہ یہ مکالمہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس میں نے دیکھا کہ رب تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے کندھوں کے درمیان رکھی، یہاں تک کہ میں نے اسکی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پس میرے لئے ہر شئ منکشف ہوگئی اور میں نے پہچان لی، اس کو روایت کیا امام احمد نے اور امام ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن، صحیح ہے، امام ترمذی نے کہا کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ذیل میں ایک اور حدیث شریف درج کی جاتی ہے، اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت اور کثرت کی صراحت موجود ہے، وہ یوں ہے:

عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم عُرِضَتْ علیّ اجور امتی حتی القذاة یخرجها الرجل من المسجد وعرضتُ علیّ ذنوب امتی فلم ار ذنباً اعظم من سورةٍ من القرآن او آیةٍ اوتیها رجل ثم نسیها۔ (الترمذی، ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رو برو میری امت کے اجر و ثواب پیش کئے گئے۔ یہاں تک کہ وہ کوڑا کرکٹ بھی جو میرا امتی مسجد کی صفائی کرنے کے بعد باہر پھینکتا ہے، نیز میرے رو برو میری امت کے گناہ پیش کئے گئے، پس میں نے اس سے بڑا گناہ کوئی نہ

دیکھا کہ ایک شخص کو قرآن کی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو، اور اس نے اسے بھلا دیا ہو۔

جناب طبیب صاحب! اپنے ان بھائیوں کو بتاؤ کو شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بیان کردہ حدیث شریف کے جملہ "فعلمتُ ما فی السموات والارض" کے ترجمہ میں لکھا ہے ''پس دانستم ہر چہ در آسمانہا وہر چہ در زمین بود''۔

شاید، تمہارے نزدیک، بقول تمہارے، شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ دھوکے باز اور پورے پورے ناواقف ہوں گے، قرآن و حدیث سے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں ما فی السموات والارض کے الفاظ آئے ہیں، کل کے معنی میں آئے ہیں، جیسا کہ فرمان قرآنی ہے، للّٰہ ما فی السموات والأرض۔ ترجمہ '' اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے''، اب آپ لوگ ہی بتائیں کہ کل کا کل اللہ کا ہے یا بعض اللہ کا ہے؟ ایسی آیات قرآنیہ بہت ہیں، شاید آپ لوگ جو پورے پورے قرآن کریم کے واقف بنتے ہیں تو کل کا معنی کرنا صحیح نہیں جانتے ہوں گے۔ اسی طرح آیت قرآنیہ "یعلم ما فی السموات والارض" ترجمہ: وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، میں بھی اپنا قاعدہ جاری کر کے کہتے ہوں گے کہ او سبحانہ وتعالیٰ کو کل کا علم نہیں ہے، واہ رے صاحب واہ! کیا پورے واقف نکلے!

اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ علمتُ ماضی کا صیغہ ہے، اس میں گذشتہ زمانہ کے ساتھ، زمانہ حال اور زمانہ مستقبل شریک نہیں ہو سکتا، ارے صاحب! ذرا غور تو کرو، کہ موجب " فعلمت ما فی السموات والارض" کا تو بردِکفِ باری تعالیٰ ہے، جب تک بردِ کف باری تعالیٰ کا سینہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھین لیا جانا، ثابت نہ کرو گے، تب تک چھین لیا جانا، علم ما فی السموات والارض کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ممکن نہ ہوگا، کیونکہ آپ لوگوں کا مخالف کہہ سکتا ہے کہ بردکف باری تعالیٰ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں، قیام قیامت تک باقی ہے، جیسا کہ احادیث دالّ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حالات سماویہ، ارضیہ، ماضیہ اور مستقبلہ، سب سے، بدء الخلق سے لیکر تا ما بعد دخول جنت تا اخیر عمر شریف، خبر دیتے رہے، جن سے کتب احادیث بھرے ہوئے ہیں، یہ سب اسی بردکف باری تعالیٰ کے آثار ہیں۔ اور یہ جو آپ نے کہا ہے،''پس ثابت ہوا کہ جو امور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے خبر دینے کے بعد وقوع میں آئے یا آئیں گے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معلومات سے نہیں ہیں''، انتہی، تو جواباً عرض ہے کہ آپ لوگوں نے تو ماضی کے صیغہ سے یہ بات گھڑ ڈالی ہے مگر ماضی کے صیغہ سے کام نہیں چلے گا، کیونکہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ یہ بات، جار مجرور فی السموات والارض کے ''متعلق'' سے سمجھنی چاہئے یعنی اگر مخالف کہہ دے کہ یہاں فعلمتُ ما کان وما یکون فی السموات والارض، مراد ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں واقع ہے، لہذا اس جگہ بھی وہی مراد ہے، تو اس صورت میں آپ کی یہ بات صحیح نہ ہوگی، دیگر آیات و احادیث سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ آیت و علّمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما، اس مبہم کی تفسیر کر رہی ہے، نیز حافظ محی السنہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے خلق الانسان ۝ علّمہُ البیان، کی تفسیر میں لکھا ہے ''خلق الانسان یعنی محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم علّمہ البیان، بیان ما کان وما یکون، لانہٗ صلی اللہ علیہ وسلم کان یُبَیِّنُ عن الاولین والآخرین وعن یوم الدین''، انتہیٰ، اور جیسا کہ بخاری شریف کی روایت پہلے گزر چکی ہے کہ فاخبرنا عن بدء الخلق (الحدیث) اور جیسا کہ علامہ قسطلانیؒ سے اس حدیث کی شرح بھی پہلے گذر چکی ہے، یعنی ''وَدَلَّ ذلکَ علیٰ انہٗ اخبر بجمیع احوال المخلوقات منذ ابتدئت الیٰ ان تفنی والی ان تبعث'' نیز مسلم شریف کی روایت گذر چکی ہے یعنی ''فاخبرنا بما کان وبما ھو کائن، نیز اسی مسلم شریف کی روایت گذر چکی ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہ اخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما ھو کائن الی یوم القیامۃ، اور ایسا ہی حافظ محی السنہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ سے گذر چکی ہے، یعنی:

ما بال اقوام طعنوا فی علمی، لا تسئلونی عن شئ فیما بینکم وبین الساعۃ الا أنبأتکم بہ. (آل عمران: ۱۷۹، المائدہ: ۱۰۱)	ترجمہ: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) لوگوں (یعنی منافقوں) کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے علم کے بارے میں طعنہ زنی کے مرتکب ہوئے ہیں، تم لوگ مجھ سے، کسی بھی چیز کے بارے میں، موجودہ لمحہ سے لیکر تاقیام قیامت، کوئی بھی سوال نہیں کرو گے مگر میں تم کو اس کے بارے میں پوری خبر دوں گا۔

نیز مسلم شریف سے حدیث گذر چکی ہے یعنی سلونی عن ما شئتم، تم لوگ مجھ سے پوچھو، جو کچھ تم لوگ پوچھنا چاہو، امید ہے کہ اب تک آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ فعلمتُ ما فی السموات والارض کا معنی ہے کہ فعلمتُ ما کان وما یکون فی السموات والارض (یعنی پس میں نے جان لیا جو کچھ کہ آسمانوں میں تھا ہے اور ہو گا اور جو کچھ زمین میں تھا ہے اور ہو گا)

افسوس! کہ ہمارے طبیب صاحب! علوم ادبیہ سے بہرہ کافی نہیں رکھتے! بے چارے کیا کریں، مجبور ہیں۔

اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ'' اس سے علم محیط کی نفی ہو گئی وھو الحق المطلوب'' حالانکہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی تو اس کا ترجمہ کرتے ہوئے اس سے احاطہ بیان فرما رہے ہیں، جیسا کہ گذر چکا ہے، شاید وہ آپ لوگوں کے نزدیک پورے پورے ناواقف ہوں گے؟

ہم پہلے بھی یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ غیبِ مطلق کا علم، مخصوص بالباری تعالیٰ ہے، جبکہ غیب اضافی کا کل علم، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالتدریج عطا فرما دیا ہے، اس لئے جہاں کہیں بھی کلی، ہر شئ اور احاطہ، جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو ان سے مراد تمام علم غیب اضافی ہی ہوتا ہے، جسے اصطلاحاً مغیبات بھی کہا جاتا ہے۔

جناب طبیب صاحب! آپ اپنے بھائیوں سے پوچھیں کہ اس حدیث شریف میں حرف نفی کا نام و نشان تک نہیں، پھر آپ لوگ نفی کہاں سے نکال لیتے ہیں؟ اگر آپ لوگوں کے نزدیک ماضی کا صیغہ، نفی حال اور نفی مستقبل کیلئے موضوع ہے تو ذرا اپنے گریبان میں منہ جھانک کر دیکھ لیں کہ حرّمت علیکم امھاتکم وبناتکم میں بھی حُرِّمَتْ، صیغہ ماضی ہے تو کیا یہ زمانہ حال اور زمانہ مستقبل میں نفی حرمتِ امہات و بنات پر دال ہو گا؟ یا نہ ہو گا؟ واہ رے صاحب واہ، ایسا ہی حرّمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر بھی، آپ لوگوں کے قاعدے کے موافق کیا مزے دکھلا رہا ہے؟ قرآن مجید میں عَلِمَ اللہُ کا لفظ، مقاماتِ متعددہ میں واقع ہوا ہے، پھر شاید وہ طبیب صاحب کے چالاک بھائی، خدائے علیم وخبیر، سمیع و بصیر، پر بھی اپنے صیغہ ماضی کا قاعدہ کلیہ جاری کر دیں گے؟

قال الطبيب : عن عبد اللّٰه بن معتب بن أبی بردة عن أبيه عن جدهٖ قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم اِنَّ اللّٰه عزّوجلّ رفع لی الدنيا فانا انظر إليها وإلی ما هو كائن فيها إلی يوم القيامة كما انظر إلی كفی هذهٖ جليان من اللّٰه، جلاه اللّٰه لنبيهٖ كما جلا للنبيين من قبلی (رواه أبو نعيمؒ، فی الفتن عن ابن عمرؓ وسندهٗ ضعيف).

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو بلند کیا، پس میں اسکو دیکھ رہا ہوں، اور اسے بھی جو کہ قیامت تک ہونے والا ہے، جیسا کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، یہ اللہ کی طرف سے روشن روشن کر دینا ہے جو اس نے اپنے نبی کے لئے کیا، جسطرح کہ مجھ سے پہلے والے انبیاء کرام کیلئے روشن کیا تھا۔(اس حدیث کو ابو نعیمؒ نے باب الفتن میں ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اسکی سند ضعیف ہے)

اس حدیث شریف کو ابو نعیمؒ نے باب الفتن میں درج کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کا تعلق امور فتنہ سے ہے، مزید یہ ہے کہ " فانا انظر اليها" مضارع کا صیغہ ہے مگر اس میں استمرار اس وقت ہو گا جب اس کے ساتھ کان کا لفظ مذکور ہو۔

اقول: جناب طبیب صاحب! اپنے ان چالاک بھائیوں کو کہو کہ اس حدیث شریف کو کنز العمال، (الجزء السادس) طبرانی اور زرقانی شرح مواہب میں دیکھ لو، واضح ہو کہ ضعفِ حدیث کے بہت سارے درجات ہوتے ہیں، علاوہ ازیں باب الفضائل میں ایک سند کے ضعف سے کوئی حدیث متن کے لحاظ سے ضعیف نہیں سمجھی جاتی، جبکہ کوئی سند مؤید بھی موجود ہو تو ایسی صورت میں ضعف، سندِ ضعیف کا جاتا رہتا ہے، خصوصاً اِس حدیث کا ضعف تو لا یُعبَأُ بِہٖ ہے کیونکہ اس کے شواہد تو صحیحین (بخاری، مسلم) میں موجود ہیں، بلکہ آیات قرآنیہ بھی اسکی مؤید ہیں، جیسا کہ مسلم شریف میں ہے:

عن ثوبان رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم إنَّ اللّٰه زویٰ لی الأرض فرأيتُ مشارقها و مغاربها.

ترجمہ: حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا، پس میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو ملاحظہ فرمایا۔

اور مسلم شریف سے گذر چکا ہے کہ إنّی صُوِّرت لی الجنة والنار فرأيتهما دون هذا الحائط. سو جب بہشت اور دوزخ، کہ جن میں سے ہر ایک کی وسعت اور فراخی کے مقابلے میں دنیا ایک حقیر اور چھوٹی جگہ ہے، ان کو دیوار سے بھی قریب تر دیکھ لیا تو پھر ساری دنیا کا دیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کونسا بعید ہے؟ نیز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے لیکر تا دخول جنت سب امور کی خبر دیدی ہے تو دنیا کا دیکھنا کیسے مستبعد ہو گیا؟ نیز جب كأنی انظر اليهم ينفضون عند الصيحة رؤسهم من ترابٍ يقولون الحمد للّٰه الذی اذهب عنا الحزن، تک ارشاد فرمایا تو پھر دنیا کا دیکھ لینا کونسا دور ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ ان چالاک لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ اوٹ پٹانگ باتیں بنا کر طبیب صاحب جیسے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانس لیتے ہیں، اور جب کوئی انکی چکنی چپڑی باتوں میں پھنس جاوے تو پھر گروہی تعصب اسے نکلنے نہیں دیتا، اسی نابینا فرقہ پرستی نے سابقہ اقوام کو ہلاک کر دیا۔

جناب طبیب صاحب! فقیر کو فرصت کم ہے ورنہ اور بھی بہت احادیث آپکو سناتا، اور یہ جو ان لوگوں نے کہا کہ" ابو نعیم رحمہٗ اللہ تعالیٰ کا اس حدیث کو باب الفتن میں لانا بتلا رہا ہے کہ مراد اس سے امور فتنہ ہوں گے دیگر امور سے اس سے خارج ہوں گے" ارے صاحب! کوئی سند تو دیجئے کہ کسی حدیث کو باب الفتن میں درج کرنا اس حدیث کے معنیٰ ومفہوم کو بدل ڈالتا ہے؟ بلکہ تمام اصولیین کرام اور تمام محدثین عظام کا تو یہ مسلمہ قانون ہے کہ "العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب" اس لئے آپ لوگوں نے باب الفتن میں لانے کا جو خود ساختہ قاعدہ بیان کیا ہے، اس کو تسلیم کرنا محتاجِ دلیل ہے، کوئی سند اور ثبوت چاہئے، ورنہ آپ لوگوں کیلئے مفت کی شرمساری ہے۔

اگر آپ لوگوں کے قاعدے پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا جائے تو کل ذخیرہ احادیث کے مفاہیم میں ترمیم لازم ہو جاوے گی، کسی مؤلف کا کسی حدیث کو کسی باب میں درج کرنا، اس کو اس باب کے ساتھ مخصوص، محدود اور منحصر نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اور دیگر ائمہ، ایک حدیث کو متعدد ابواب میں درج کرتے ہیں کیونکہ تبویب کا مقصد، استنباطِ مسائل ہوتا ہے اور بس، اس عمل سے حدیث کے مفہوم کو الٹا دینا اسے رد

کرنے کے مترادف ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ محدثین کرام کی کتب میں بہت الفاظ، احادیث فتن میں عموم کے حامل ہیں، آپ کا قاعدہ تو مفہوم حدیث میں من مانی ترمیم کا دروازہ کھول دے گا، بھلا صاحب! اگر کوئی مؤلف، آیت قرآنیہ **واللّٰہ یعلم ما تسرون وما تعلنون** کو باب الفتن میں ذکر کر دے تو کیا آپ ما کے عموم کو نظر انداز کر کے امور فتنہ کے علاوہ دیگر جزئیاتِ اعمال و احوال کو، علم الٰہی سے خارج کر دیں گے؟

آپ لوگ ذرا غور کریں کہ فرمانِ نبویؐ ''**مَن تَشَبَّہَ بقومٍ فھو منھم**'' ترجمہ: جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے، کو باب اللباس میں درج کرنے سے مشابہت کفار کی ممنوعیت صرف لباس کے ساتھ مخصوص نہیں ہو گئی بلکہ اس کا عموم علیٰ حالہٖ برقرار ہے جو کہ کفار کے قومی، مذہبی، سماجی، گھریلو وغیرہ وغیرہ میں سے تمام امتیازی، علامتی امور، طور طریقوں، اقدار، تہوار اور رسوم و رواجات سب کو شامل ہے اور یہ جو آپ لوگوں نے کہا ہے ''دوسری بات یہ ہے کہ مضارع کے صیغہ کا مفید استمرار ہونا، کسی صرفی سے نہیں سنا''۔ ارے صاحب! یہ تو آپ نے کسی صرفی سے سنا ہو گا کہ فعلِ مضارع، استقبال پر دلالت کرتا ہے، پھر آپ یہ فرماویں کہ استقبال کی حد کہاں تک ہے؟ ذرا غور فرماؤ کہ جب تک کوئی چیز مقتضی ازالۂ نسبت کی نہ پائی جاوے، استمرار ہو گا یا نہ ہو گا؟

نیز آپ نے جو یہ کہا ہے کہ مضارع پر اگر باب کان لگایا جاوے تو بعض صرفیوں کے نزدیک مفید استمرار ہے، تو بتایئے کہ کونسا استمرار؟ استمرار از منہ ماضیہ کا یا مستقبلہ کا؟ شاید مسئلہ زیربحث میں آپکو ذہول ہو گیا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و مشاہدہ بعطاء الٰہی ہے، اسلئے آپ کے فریق مخالف کو تو استمرار کی بحث سے کوئی غرض نہیں ہے بلکہ وہ تو یہ کہتا ہے کہ جو کام دنیا میں ہوتے ہیں یا ہوں گے ان پر ''**ما ھو کائن فیھا**'' صادق آتا ہے اور ''**ما ھو کائن فیھا**'' کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ فرماتے ہیں جیسا کہ آیت **ویکون الرسول علیکم شھیداً** کی تفسیر میں مفسرین کرامؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

بھلا صاحب! یہ تو فرماویں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے محدثین کرام ایک حدیث باب الفتن میں روایت کرتے ہیں جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

''**فجاء ھم الصریخ ان الدجال قد خلفھم فی ذراریھم فیرفضون ما فی ایدیھم ویقبلون فیبعثون عشر فوارس طلیعةً قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إنی لاعرف أسماء ھم وأسماء آباء ھم والوان خیولھم، ھم من خیر فوارس علی ظھر الارض یومئذٍ** (رواہ مسلم)

ترجمہ، پس انہیں یہ چیخ سنائی دے گی کہ دجال ان کے بال بچوں تک پہنچ گیا ہے، سو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اُدھر لپکیں گے، پس وہ دس گھڑ سواروں کو خبر لانے کیلئے بھیجیں گے، میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے ناموں کو ان کے آباء کے ناموں کو، ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو پہچانتا ہوں، وہ روئے زمین پر سب سے اچھے گھوڑے ہوں گے (مسلم شریف)۔

مذکورہ بالا حدیث میں جو لفظ اَعرِفُ یعنی میں پہچانتا ہوں ہے، یہ مضارع کا صیغہ ہے، اب آپ لوگ بتائیں کہ معرفت اسماء، اسماء آباء اور معرفت رنگت گھوڑوں کی کس وقت تک ہے؟ اور کس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ معرفت زائل ہوئی؟ اور اس کے زوال کا باعث بھی بتائیں۔

اور ایسا ہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لاریٰ الفتن خلال بیوتکم کوقع القطر.

ترجمہ: میں دیکھ رہا ہوں فتنوں کو تمہارے گھروں کے اندر جیسے قطرے گرتے ہیں۔

اب آپ بتائیں کہ اس رؤیت مذکورہ سے جو علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ کس وقت تک ہے؟

اور ایسا ہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **کأنی انظر الیھم عند الصیحة ینفضون رؤسھم من تراب ویقولون الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الحزن** تو اس نظر سے جو کیفیت، قلب نبوی میں حاصل ہوئی ہے وہ کس وقت تک ہے؟

اور ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **فرأیتھما دون ھذا الحائط**، اب آپ لوگ بتائیں کہ رؤیت سے جو کیفیت قلب مبارک نبوی میں حاصل ہوئی وہ کس وقت تک حاصل ہے؟ اور کس وقت زائل ہوئی؟ اور زائل ہونے کا کیا باعث ہے؟

قال الطبیب: ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضة قولہٖ تعالیٰ لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللہ۔

اقول: طبیب صاحب! ان چالاک بھائیوں کو کہو کہ تم خود ہی تو لکھتے ہو'' اور غیبی باتیں جو انہیں ان کے رب نے بتلائی ہیں وہ دوسروں کی نسبت بہت 'کامل' ہیں'' اب یہ فقیر عرض کرتا ہے کہ پھر تمہارے اور اہل السنّت والجماعت کے درمیان، غیب دانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں، بصورتِ قطعِ نظر تمہاری تضاد بیانی سے، اور کونسا فرق باقی رہا؟ سو، جو، جواب تم لوگ دو گے، اس سے وہی جواب اہل السنۃ و الجماعۃ سے سمجھو!

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم واقعی کامل بلکہ اکمل ہے بھلا صاحب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قبل از پیدائشِ آسمان وزمین سے لیکر (جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے سوال کیا، '' این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق قال کان فی عماءٍ تحتہٗ ہواء وما فوقہٗ ہواء وخلق عرشہٗ علی الماء،'') تا انتہاء دخول جنت اور مابعد کے سب حالات بیان کردئے ہیں، اور حالات آسمان اور زمین کے اور حالات عرش و کرسی کے اور حالات دوزخ اور اسفل السافلین کے اور حالات ملأ اعلیٰ اور ملائکہ مقربین کے اور حالات سوال منکر نکیر کے اور حالات تنگی اور فراخیٔ قبر کے اور حالات فرحت وعذابِ میت کے اور حالات فراشِ جنت اور جہنم کے قبر میں، اور کھل جانے کھڑکی کے طرف جنت وجہنم کے قبر میں، اور حالات فتنہ اور ملاحم کے اور حالات نشروحشر اور پل صراط وغیرہ وغیرہ کے ذرہ بذرہ، نیز احوال آخرت کے اور ہزارہا احکام شرعیہ جزئیہ تفصیلیہ وغیرہا، جو یہ سب کے سب، غیب کی باتیں ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل طور پر بتلا دی ہیں۔

اب آپ لوگ ہی بتائیں کہ حنفیہ کیا کہتے ہیں کہ جو شخص اعتقاد کرے کہ یہ حالاتِ غیبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھے، وہ کافر ہے؟ واہ رے حنفی واہ! قربان تیری حنفیت پر! اگر ایسے دو تین حنفی اور بھی پیدا ہو جائیں تو خدا جانے کیا گل شگفتہ فرماویں! ارے صاحب! اس عبارت کے یہ معنی نہیں جو تمہاری ادھوری سمجھ میں آئے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ '' یعلم الغیب بالاستقلال، من غیر اعلام اللہ تعالیٰ''

کیونکہ غیب مطلق کا علم اور غیب اضافی کا بالاستقلال ذاتی غیر متناہی علم تو اگرچہ ذات باری عزاسمہٗ کے ساتھ مخصوص ہے، مگر اطلاع علی المغیبات بدرجہ کمال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے از روئے قرآن (اور احادیث) ثابت ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، '' عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہٖ احداً إلا من ارتضیٰ من رسول''، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت نے ''مَنِ ارتضیٰ مِن رسول'' کو آیت قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب کے ''مَنْ'' سے مستثنیٰ قرار دیدیا ہے، اصول تفسیر کا قاعدہ ہے کہ '' القرآن یفسر بعضہٗ بعضاً''۔

خدارا، اہل اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''کے دانائے کل اور بینائے کل'' ہونے کا مسلّمہ عقیدے سے برگشتہ مت کرو۔

؎ گر تو قرآں بریں نمط خوانی — ببری رونق مسلمانی

قال: قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں لکھتے ہیں: الولی لا یعلم إلا ما عَلَّمَہُ اللہ تعالیٰ، فالقول بانہٗ یعلم غیب السموات والأرض کفر، قال اللہ تعالیٰ لا یحیطون بشيءٍ من علمہٖ إلا بماشاء، قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب۔

اقول: طبیب صاحب! ان چالاک لوگوں سے کہو کہ فالقول بانہٗ یعلم غیب السموات والأرض کفر۔ میں، قید من غیر اعلام اللہ تعالیٰ کی لگی ہوئی ہے۔ جیسا کہ إلا ما علّمہُ اللہ تعالیٰ اور إلا بما شاء صاف طور پر تصریح کر رہے ہیں اور ایسا ہی ولا اعلم الغیب میں، قید إلا بما شاء اللہ/ إلا ما علّمنی اللہ تعالیٰ کی لگی ہوئی ہے، لہٰذا فالقول بانہٗ یعلم غیب السموات والأرض کا ترجمہ یوں ہوا: سو یہ کہنا کہ ولی، آسمانوں اور زمین کا غیب، بغیر الہام من جانب اللہ تعالیٰ کے، جانتا ہے، کفر ہے، اور ایسا ہی باقی اقوال ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی بغیر وحی منجانب اللہ کے اور ولی بغیر الہام منجانب اللہ کے غیبی امور کونہیں جانتے، سو ان کا جاننا بشرط و بوقتِ عطاء الٰہی ہوتا ہے، اور بقدرِ اطلاع واعلام علام الغیوب جل جلالہٗ ہوتا ہے۔

مسئلہ مُسلِم تزوّج بشهادة الله ورسوله صلى الله عليه وسلم۔ یعنی نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے والے کے کفر کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، قال فی التتارخانية والحجة "ذكر فی الملتقط انّهٗ لايكفّر لأنّ الأشياء تعرض على روح النبي صلى الله عليه وسلم. ترجمہ: فتاویٰ تاتارخانیہ اور الحجۃ میں ہے کہ الملتقط میں مذکور ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ تمام امور، روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں۔

مگر واضح رہے کہ شہادت فی النکاح کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بوقتِ نزاع، عدالتِ متعلقہ، اس شہادت کو بناءِ فیصلہ بنا سکے جبکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ڈالنے سے اس مقصد کا حصول، محلِ نظر ہے۔

یہ امر بھی واضح رہے کہ اللہ سبحانہٗ وعزّ برھانہ، نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان وما یکون کا علم قطعی اور یقینی بدرجۂ کمال عطا فرما دیا ہے جبکہ ولی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوانِ نعمت سے، حسبِ مرتبہ وظرف، فیضیاب ہونے کا اذن اور موقعہ بخشا جاتا ہے مگر ولی کا کشف و الہام ظنی ہوتا ہے۔

قال الطبیب: اور خلاصۃ الفقہ میں ہے کہ اگر شخصے گوید فلاں چیز را خدا تعالیٰ ورسول خدا میداند کافر گردد۔ چرا کہ خدا تعالیٰ عالم است ورسول خدا را تا وحی نگردد نمی داند۔

اقول: ان چالاک لوگوں نے کیا خوب دعویٰ کیا ہے، اور کیا خوب دلیل جمائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحاح میں ایک حدیث مروی ہے جسمیں یہ الفاظ ہیں: ثم قال لی یا عمر اتدری من السائل قلتُ اللّٰه ورسولهٗ اعلم، اور صحیح مسلم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسمیں یہ الفاظ ہیں: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم هل تدری ما حق اللّٰه عزّوجلّ على العباد قلتُ اللّٰه ورسولهٗ اعلم، اور اسی مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسمیں یہ الفاظ ہیں: كنا عند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فضحك فقال هل تدرون مما اضحك قال قلنا اللّٰه ورسولهٗ اعلم اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسمیں ہے کہ إذا اتى عليهم سحاب فقال نبي اللّٰه هل تدرون ما هذا، قالوا اللّٰه ورسولهٗ اعلم ، ان کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی "اللّٰه ورسولهٗ اعلم" کے الفاظ بہت وارد ہوئے ہیں جن کا ترجمہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، شاید وہ لوگ اصحاب رسول اللہ پر بھی فتویٰ لگا دیتے ہوں گے۔

اور جو جواب خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درج ہے، اسمیں تو درحقیقت علم غیب بالاستقلال ہی کو خاصہ باری عزاسمہٗ تسلیم کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے جواب میں کچھ ذکر نہیں کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیبات پر اطلاع دی گئی ہے یا نہ؟ اگر اطلاع برغیب کو تسلیم نہ کیا جائے تو ان کا جواب قابل تسلیم نہیں ہے، کیونکہ اطلاع برغیب برائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کلام اللہ سے اور احادیث رسول اللہ سے ثابت ہے، لہٰذا خدا اور رسول خداؐ کے فرامین کو ترجیح دی جائے گی۔

قال الطبیب: اور بعضے از روئے قیاس یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو حق تعالیٰ نے اپنے نور سے اس طرح پر پیدا کیا ہے جیسا کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ کو علم غیب کا حصول ازاں ذات سبحانہ وتعالیٰ، بلاشک وشبہ ہے، میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ، لیس کمثلہ شئ، کے بارے میں چراغ کی مثال دینا، عین شرک ہے۔

اقول: طبیب صاحب! ان چالاک لوگوں نے کیا ہی الٹی بات لکھ دی ہے، علماء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ مثل نور خدا کی، روح و قلبِ مبارک نبویؐ میں، علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات الطیبات، مثل فانوس کے ہے، جس میں چراغ روشن ہے، کہ جس کی برکت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام علویات اور سفلیات، منکشف بانکشاف تام ہو رہے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح، اور جیسا کہ بیضاوی میں لکھا ہے: "والقوة القدسية تتجلىٰ فيها لوائح الغيب واسرار الملكوت المختصة بالأنبياء والأولياء".

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نور کی مثل بیان فرمائی ہے، مثل نورہ کمشکوٰۃٍ، اور ان چالاک لوگوں نے اس کو شرک بتا دیا۔ طبیب صاحب! بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کچھ تفکر وتامل نہیں فرماتے، جو کچھ وہ چالاک گروہ کہہ دیتا ہے، آپ آنکھوں پر رکھ لیتے ہیں۔

جہاں تک مولانا مولوی عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو وہ تعلق رکھتا ہے ساتھ سوال کے، اور اسمیں بحث ہے جس کا تعلق ہے ساتھ نوعیتِ اضافت کے (جو کہ اضافتِ تشریفی ہے) لیکن اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''نور اللہ'' سے ہونے کا انکار ہرگز نہیں ہے، جو کہ آپ کے چالاک بھائیوں نے آپکو سمجھایا ہے۔

طبیب صاحب! فقیر اپنی طرف سے نصیحت کر چکا ہے، جو حق بات تھی، وہ ظاہر کر دی ہے، آپ اور آپ کا گروہ مان لیں تو آپ سب کے حق میں بہتر ہے، اور اگر وہ مانیں تو وما علینا الا البلاغ المبین، چاہئے کہ اس رسالہ کا نام ''معائنہ بلا شیب'' ہووے۔

راقم آثم غلام محمد (گھوٹوی) بایماء مولانا واستاذنا واستاذ الکل تحقیق پناہ، تدقیق دستگاہ الحافظ محمد جمال الدین ادام اللہ تعالیٰ ظلہٗ علی رؤسنا، آمین، یا رب العالمین، بحرمۃ سید الأنبیاء والمرسلین، اللّٰھم صلی علی محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعلماء امتہ وصلحاء ملتہ وجمیع من آمن بہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

☆☆☆☆

باب نہم

وفات حسرت آیات

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے؟

”وفات حسرت آیات“

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بروز سوموار بتاریخ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ بمطابق ۸ مارچ ۱۹۴۸ء وصال فرمایا۔

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نازد حیات
تا ز بزمِ غیب یک دانائے راز آید بروں

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مدیرِ مدینہ بہاولپور نے اپنے تعزیتی مضمون میں لکھا:

آہ! وہ علم وعرفان کا پیکر اور تقویٰ وَ طہارت کا مجسمہ جسے لوگوں نے حضرت الشیخ الجامع للشریعۃ والطریقۃ بحر العلوم مولانا غلام محمد گھوٹوی بانی شیخ الجامعۃ العباسیہ بہاولپور کے نام سے پہچانا اور علوم عربیہ کے طلبگاروں نے وقت کا امام غزالیؒ اور شیخ بو علی سیناؒ سمجھا، اس دنیا سے رخصت ہو گیا، آج، علم کی دنیا تیرہ وتاریک ہے، اور فکرونظر کی کائنات بے نور ہو گئی ہے، یہ کتاب اللہ کا راز داں، حدیث نبویؐ کا اسرار شناس، علوم عقلیہ کا امام، فقہ کا امام طحاوی اور علوم شرعیہ کا شیخ الکل پھر کہاں پیدا ہو گا؟

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ، علمی دنیا کی زندۂ جاوید شخصیت ہیں، آج ان کا جسد اقدس ہماری نگاہوں کی تسکین نہیں بن سکتا، مگر وہ اپنے علمی وروحانی فیض وبرکات کی بدولت رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے۔

غالب بقول حضرت حافظ، زفیض عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

وراثِ مسندِ انبیاء، شانِ صفتِ اولیاء، سایۂ ابر ولایت غوثِ جلی (قدس سرہٗ)، فیضانِ حضرت مہر علی (قدس سرہٗ)، بہارِ چمنستانِ دینِ متیں، صاحبِ شرحِ صدرِ امیں، علم ومعرفت کا بحر بے کنار، نور بصیرت کا قطب مینار، جامعہ عباسیہ کا آقائے تاجدار، مفسر قرآن، حدیث کا نکتہ داں، فقاہت کا حدی خواں، وہ فصاحتوں کا جلال، وہ بلاغتوں کا کمال، وہ درس نظامی کا جمال، وہ فخر علماء، وہ متاع صلحاء، ان کے وابستگانِ علم قریہ قریہ،

ان کے تلانذہ مشرق ومغرب، وہ قرآن وسنت کا چشمہ رواں، وہ تدبر وتفکر کا راز داں، وہ عظمتِ دین کا پاسبان، وہ آفتاب آمد دلیل آفتاب، وہ معقولات ومنقولات کا درخشندہ باب، وہ پاکیزہ روایات کا تابندہ مہتاب، جس نے طالبانِ علم دین کو قرینِ بہار کر دیا۔ جس نے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والوں کو مژدۂ انوار کر دیا، اور جس نے تشنگانِ دین کو دلوں کا قرار دیا، بلاشک وریب، وہ ہر شعبۂ علم کا گوہر تابدار، وہ مدارس ومکاتب کا شہر یار، وہ نظم وضبط کا حصار وجوار، مرکز صدق وصفا، علم کی برستی ہوئی گھنگھور گھٹا، ہر طرح بلند وبالا، گروہِ معلمین میں افضل واعلیٰ، تدریس کی دنیا میں منفرد ویکتا، اس کی نگاہیں عرش رسا، فراست ایمانی کی تنویر، بسطۃً فی العلم والجسم کی تصویر۔

جس نے برصغیر کو علوم وفنون سے معمور کر دیا، جس نے بہاولپور کو علم کی روشنیوں کا شہر بنا دیا، جس نے اپنے یمین ویسار علم کے متوالوں کو جمع کئے رکھا، جس نے جہالت اور ظلمات کا پردہ چاک کیا۔ جس نے جامعہ عباسیہ کو بلند قامت کر دیا، اس کے علمی دبدبے کو ہمکنارِ مصر وبغداد کر دیا اور اس کی علمی عظمتوں کو ہم دوشِ کوفہ وبصرہ کر دیا۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ

ان کی ساری زندگی اتباعِ شریعت میں گذری، وہ بلا ریب اپنے عہد کے عظیم انسان، عظیم مفکر اور عظیم استاد تھے، اللہ تعالیٰ ان کے مرقد کو رحمتوں اور روشنیوں سے معمور اور منور کر دے، آمین۔

مدیر کائنات بہاولپور نے اپنے تعزیتی اداریئے میں لکھا ہے کہ ہم لوگ سالہا سال، حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کرتے رہے، اور اب حرف شناسی کی جو بضاعت ہمارے دامن میں ہے، وہ سب ان کی خیرات ہے، وہ ایک شفیق استاد بھی تھے اور روحانی بزرگ بھی، ہم نے جن کانوں سے اس صدمۂ جانکاہ کی خبر سنی، ہمیں یقین ہے کہ ساری علمی دنیائے اسلام نے اسی یاس وحرماں کے ساتھ اس حادثۂ فاجعہ کی خبر سنی ہوگی۔ ہم حیران ہیں کہ ہم کس کو تعزیت کا پیغام دیں؟ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ پورے ملک اور پوری ملت کی مشترکہ دولت تھے اور ان کا انتقال بھی تمام اہل اسلام کا مشترکہ صدمہ ہے۔

ہم سب سے پہلے ان کے صاحبزادگان حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبد الحی الچشتی القادری اور حضرت علامہ حافظ غلام احمد قادری سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں، پھر

اپنے آپ کو تعزیت کا پیغام دیتے ہیں، اس کے بعد جامعہ کے اساتذہ کرام، طلباء اور ہند وپاک کے علماء اور تمام اہل اسلام کے غم واندوہ میں شریک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اداریہ ''کائنات'' بہاولپور، منجانب جناب ولی اللہ اوحد مرحوم، باشتراکِ مضمون منجانب علامہ منظور احمد رحمت مرحوم مدیر ''مدینہ'' بہاولپور)۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ کو عصر کے وقت سے حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کی طرف قلبی اضطرار، کلفتِ انتظار اور امید دیدار محسوس کرنے لگے، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا ذہنی رابطہ حضرت پیر صاحب کے ساتھ ہو چکا ہے، اور آپ روحی طور پر پیر صاحب کی محفل میں چلے گئے ہیں، نماز مغرب سے پہلے جامعہ کے اساتذہ کرام اور طلباء آپ کی مزاج پرسی کیلئے حاضر ہوئے، لیکن اس وقت آپ نے ان کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی، کیونکہ آپ کی ساری توجہ اب کسی اور طرف مرکوز ہو چکی تھی۔ لیٹے لیٹے آپ نے نماز مغرب ادا فرمائی، بعد ازاں آپ بے ساختہ کھڑے ہو گئے اور چند قدم دروازے کی طرف بڑھے گویا کہ آپ کسی ذات والاشان کا استقبال کر رہے ہیں، عشاء کے وقت آپ نے اپنے لختِ جگر (حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو اشارہ فرمایا کہ میں نماز عشاء پڑھنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ کو قبلہ رخ کیا گیا، آپ نے پوری نماز (فرض، وتر، سنتیں) ادا فرمائیں۔ لیکن حسب معمول، طوالت کرنے کی بجائے، قدرے اختصار سے کام لیا۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے، لیٹتے ہی آپ کے مونہہ مبارک سے ''اللہ'' کا کلمہ نکلا، اور آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ کے صاحبزادے علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور کسی قدر اونچی آواز میں ''ابا جی''، ''ابا جی'' پکارنے لگے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

؎ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!   تونے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۲۶ اور ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ کی درمیانی شب، بعد نماز عشاء، ہوا۔ لمحہ بھر میں سارا شہر آپ کے آستانہ عالیہ کے باہر جمع ہو گیا۔ کیپٹن واحد بخش سیال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام لوگ غم میں نڈھال اور سرگرداں تھے، ہر شخص

کی زبان پر تھا موت العالم، موت العالَم، ترجمہ: صاحبِ علم کی موت، سارے جہان کی موت ہے۔

صبح تک تجہیز و تکفین مکمل ہو گئی، نواب آف بہاولپور کے حکم سے ریاست میں عام تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔ لاکھوں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی، آپ کے تابوت کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دئے گئے تاکہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کو تابوت کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے، جنازہ شاہی بازار سے عید گاہ لے جایا گیا، دن کے تقریباً گیارہ بجے (بتاریخ ۹ مارچ) نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کا مزار پُر انوار، نور محل کے قریب قبرستان ملوک شاہ، بہاولپور میں مرجع خلائق ہے، اس کے قریب ہی جامع مسجد تیار کی گئی ہے، جہاں نماز پنجگانہ کا پورا اہتمام ہے۔ مسجد شریف میں مدرسہ الشیخ الجامعؒ قائم ہے جس میں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے، آپؒ کے وصال کا دن سوموار ہے اور تاریخ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ بمطابق ۸ مارچ ۱۹۴۸ء ہے۔

؎ وما كان قيسٌ هلكهُ هلك واحدٍ   ولكنّهُ بنيان قومٍ تهدّما

ترجمہ: قیس کی موت کسی ایک فرد کی موت نہیں، بلکہ اس کی موت نے تو ساری قوم کو زمیں بوس کر دیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے لے کر، تدفین اور دعاء کے وقت تک صالحین نے ہاتف غیبی کو سنا جو مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِي فِي عِبَادِي. وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾

''اے روحِ مطمئن! تو اپنے رب کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا''۔

مولانا عبید اللہؒ نے ''وغاب البدر عنا'' سے آپ کی تاریخ وصال نکالی تھی، جس کا ترجمہ ہے ''اور چودھویں کا چاند ہم سے بچھڑ گیا''۔ إنا للہ وإنا إليه راجعون۔

☆☆☆☆

رضينا قسمة الجبارِ فينا

لنـا علـمٌ وللجهـالِ مـالٌ

فـانّ الـمـال يفنىٰ عن قريب

وانّ الـعـلـم بـاقٍ لا يـزالُ

باب دہم

''سیدی و أبی''

قدس سرہٗ العزیز

انہیں اب بھول جانے کا ارادہ کر لیا ہے

بھروسہ غالباً خود پہ زیادہ کر لیا ہے

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبحِ محشر تک   مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبد الحئی چشتیؒ

ولادت اور حصولِ تعلیم

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فرزند کا صغر سنی میں انتقال ہو گیا تو آپ نے ایک خط کے ذریعہ، حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں اس امر کی اطلاع دی اور دعاء کی درخواست کی، حضرت اعلیٰؒ نے مندرجہ ذیل جوابی خط ارسال فرمایا:

مخلصی فی اللہ مولوی غلام محمد صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس خط سے پہلے بھی مجھ کو اس کا خیال ہے اور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے، اور دوسرے امر میں بھی حسبِ منشأ کامیابی بخشے، آمین۔

والسلام

دعاگو از گولڑا

اس خط کے بعد حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جس فرزند کا تولد ہوا اس کا نام نامی اسم گرامی حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبد الحئی الچشتی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

آپؒ کی ولادت باسعادت ۱۹۲۲ء میں بمقام موضع مراد آباد ضلع مظفر گڑھ میں ہوئی۔

آپؒ کے ننھیال میں حضرت مولانا محمد پیارا خان رحمۃ اللہ علیہ، نامور محقق عالم اور صاحبِ نسبت صوفی بزرگ تھے، جن کے خصوصی روابط جناب پرہاوری رحمۃ اللہ علیہ اور جناب منشی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قائم تھے، نیز آپ حضرت پرہاویؒ کے ہم درس، مستفیض اور خلیفہ تھے۔

آپؒ کی والدہ ماجدہؒ حافظہ قرآن اور ذاکرہ شاغلہ خاتون تھیں، جنکی لوری آیاتِ

قرآنیہ، درود پاک اور تسبیحات پر مشتمل ہوتی تھی، نماز پنج وقتہ کی سختی سے پابندی کرتی تھیں اور ہمہ وقت باوضو رہتی تھیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار ان کے نوکِ زبان رہتے تھے، نہایت اعلیٰ درجہ کی مہمان نواز، فیاض اور غریب پرور خاتون تھیں نیز معاملہ فہمی، تدبر اور خانگی انتظام وانصرام میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کی اور انکی تربیت میں سرِ مو کوتاہی گوارا نہ فرمائی۔

یہ وہ مقدس اور پاکیزہ گھریلو ماحول تھا جس میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی، چنانچہ اللہ کی یاد آپکی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور دین وشریعت کی محبت آپ کے قلب و ذہن میں پنگوڑے کے ایام سے ہی بھر دی گئی تھی۔

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۵ء میں بطور شیخ الجامعہ بہاولپور تشریف لے گئے، اس وقت حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک تین سال تھی۔

"حفظ قرآن مجید"

بہاولپور میں حفظ قرآن کا سب سے بڑا مرکز مسجد چاہ فتح خان تھی، جسمیں اس علاقے کے عظیم استاد حافظ غلام محمد المعروف استاد وڈا، بچوں کو قرآن پاک حفظ کراتے تھے، چنانچہ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لخت جگر کو ان کے سپرد کیا، جہاں آپ نے کلام اللہ کو نوک زباں ازبر کیا۔

حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے ۱۹۳۲ء میں دس سال کی عمر میں پہلا مصلّیٰ سنایا، آپ نے قرأت وتجوید مولانا قاری غلام محمد پشاوری خطیب دربار گولڑہ شریف سے سیکھی۔

"بیعت اور آغازِ سلوک"

حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اہل وعیال کو جب ۱۹۳۳ء میں پہلے پہل گولڑہ شریف لیگئے، اس وقت آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک گیارہ برس تھی، حضرت اعلی گولڑوی قدس سرہٗ نے آپ کو، چھوٹی عمر کے باوجود، امتیازی بیعت سے مشرف فرمایا، یہاں قیام کے دوران

حضرت شیخ الاسلامؒ نے اس بات کا انتظام فرمایا کہ ان کا بڑا صاحبزادہ تصوف کا پہلا سبق حضرت اعلیٰ سے پڑھے، چنانچہ حضرت اعلیٰ نے آپکی استدعا قبول کی اور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کریما'' جوکہ سلوک کی ابتدائی کتاب اور تزکیۂ اخلاق کا بنیادی رسالہ ہے، اس کے معتدبہ اسباق علامہ چشتی صاحب کو بڑی محبت، شفقت، کرم نوازی اور قلبی توجہ سے عطا فرمائے، جس کے غایت درجہ مثبت اثرات آپ کے اس ہونہار شاگرد کی شخصیت پر واضح طور پر مرتب ہوئے۔

''صرف ونحو کی تعلیم''

درس نظامی کا پہلا زینہ علم الصرف اور علم النحو ہیں، جوشخص ان علوم میں دسترس حاصل کر لیتا ہے وہ آئندہ کی طالب علمانہ زندگی میں سب پر فوقیت اور برتری کا حامل قرار پاتا ہے، حضرت علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علم الصرف اور علم النحو کی تحصیل اپنے والد گرامی اور مولانا ملک محمود رحمۃ اللہ علیہ سکنہ گھوٹہ شریف (جوکہ مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے) نیز علامہ مولانا اللہ بخش چاچڑانی رحمۃ اللہ علیہ، معلم جامعہ عباسیہ بہاولپور سے فرمائی (یہ علوم ادبیہ میں لاثانی استاد تھے) علامہ ملک محمودؒ سے پڑھنے کیلئے، علامہ چشتی صاحبؒ نے کچھ عرصہ گھوٹہ شریف میں قیام فرمایا۔ حضرت علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان دانی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، نہایت فراوانی سے عربی بولتے، لکھتے اور پڑھتے تھے، عرب شریف سے آئے ہوئے عرب علماء کرام کے ساتھ آپ نہایت ہی فصیح اور بلیغ عربی میں گفتگو فرماتے تھے، حضرت قبلہ مدنی صاحب قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ سے گولڑہ شریف تشریف لاتے تو علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی ہمہ وقت ان کے ساتھ رہتے اور ان کے ساتھ عربی میں ہم کلام ہوتے، حضرت قبلہ مدنی صاحب قدس سرہٗ ان کے ساتھ بہت اکرام سے پیش آتے۔

علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے طالب علمی کے اس مذکورہ بالا دور میں جامعہ عباسیہ کے باقاعدہ طالب العلم بن چکے تھے۔ آپ نے ۱۹۳۲ء میں جامعہ ہذا میں داخلہ لیا۔

''علوم عصریہ کی تحصیل''

جامعہ عباسیہ بہاولپور ایک ایسا تعلیمی ادارہ تھا جو قدیم اور جدید علوم کا سنگھم تھا، یہاں علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ بھی پڑھائے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد عبد الحئ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ دونوں قسم کے علوم پر حاوی تھے، قانون، طب، نباتات، حیوانات، جدید ریاضی اور انگریزی زبان پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا، آپ بڑی روانی اور فراوانی کے ساتھ انگلش بولتے، لکھتے اور پڑھتے تھے۔

حکیم عبدالجلیل صاحب پرنسپل طبیہ کالج بہاولپور طب کے ادق مباحث سمجھنے کیلئے آپکی خدمت میں ہی حاضر ہوتے تھے، اسی طرح جناب محمد افضل صاحب جسٹس ہائی کورٹ لاہور، جب بہاولپور بنچ کے مقدموں کی سماعت کیلئے بہاولپور آتے تو پیچیدہ قانونی مسائل اور نکات کے فہم کیلئے حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت پر ہی تشریف لاتے تھے، نیز پاکستان کے مشہور وکیل جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب جو لاہور ہائی کورٹ کے سینئر ترین اور قابل ترین وکیل تھے، بوقتِ ملاقات حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے علم سے استفادہ کر کے نہایت ہی ممنون ہوتے تھے، علاوہ ازیں خلق کثیر آپ سے فیض حاصل کرتی رہی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کوعلم النباتات اورعلم الحیوانات میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا، چنانچہ مویشی پالنے کے دلدادہ لوگ اور زراعت پیشہ حضرات آپ کی مشاورت سے اپنے اپنے مسائل اور مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالتے تھے۔

اسی طرح آپ نے بڑی محنت سے خوش خطی بھی سیکھی، آپ حضرت علامہ مولانا احمد علی بلوچ رحمۃ اللہ علیہ نائب الشیخ کے ہاں خوشخطی کی مشق کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں تیراکی، شتر سواری اور اسپ سواری جیسے فنون میں بھی آپ کی مہارت مسلمہ تھی۔

''علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل''

جامعہ عباسیہ کا نصابِ تعلیم، پرائمری پاس کرنے کے بعد، دس سال میں مکمل کرایا جاتا تھا، پہلے چار سال کے بعد عالم کی سند ملتی تھی، پھر تین سال کے بعد فاضل کی سند

دی جاتی تھی اور اس کے بعد مزید تین سال مکمل کرنے پر علامہ کی سند عطا کی جاتی تھی، بعدازاں جو چاہتا پی ایچ ڈی (رابعہ علامہ) کر سکتا تھا۔

اس دس سالہ تعلیم کے دوران، عربی گریمر (صرف ونحو) عربی ادب و انشاء (نثر، نظم، علم المعانی والبدیع، امہات ادب عربی، علم شعر العرب بشمول علم الاوزان والقوافی وغیرھا) فقہ اور اصول فقہ (بشمول علم المیراث اور مشق افتاء) علم الکلام، حدیث (متون، شروح، اصول حدیث، علم الجرح و التعدیل، علم اسماء الرجال) اور علوم عقلیہ کی تکمیل کرائی جاتی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تمام علوم وفنون کو جامعہ کے اساتذہ کرامؒ کے علاوہ اپنے والد گرامی حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے بارے دیگر پڑھ کر تحصیل تمام فرمائی، آپ نے جامعہ عباسیہ سے عالم، فاضل، علامہ اور رابعہ علامہ (الشیخ فی الحدیث) کی ڈگریاں حاصل کیں۔

حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت قبلہ سید غلام معین الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ آف گولڑہ شریف بھی آپ کے کلاس فیلو تھے، جنکی وجہ سے مزید توجہات اور مزید قیمتی اوقات آپ کو نصیب ہوئے چنانچہ جب حضرت شیخ الحدیثؒ فارغ التحصیل ہوکر صاحبِ اسناد ہوئے تو آپ کے اساتذہ نے آپؒ کو ”راسخ فی العلم“ کے خطاب سے شاباش دی، بعدازاں آپ نے محدثِ مدینہ منورہ حضرت الشیخ عبد الباقی الایوبی المحدث المدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی اجازت اور سند حاصل کی۔

جامعہ عباسیہ کے نصاب تعلیم کی مکمل تفصیل برادرم الشیخ پوتا علامہ جی اے حق محمد صاحب ریسرچ سکالر اور پروفیسر اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی کتاب مسافر چند روزہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا عرصہ کے دوران جامعہ کے اساتذہ مثلاً حضرت مولانا عبید اللہؒ، حضرت مولانا محمد صادقؒ، حضرت مولانا احمد علی بلوچؒ، حضرت مولانا فاروق احمد انصاریؒ، حضرت مولانا حافظ نصیر الدین چیلاوہیؒ اور دیگر علماء کرام سے بھی استفادہ فرمایا۔

اسی عرصہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فاضل عربی اور فاضل فارسی، امتیازی درجہ میں پاس کر کے انکی ڈگریاں حاصل کیں۔

”شادی خانہ آبادی“

حضرت بحرالعلوم، شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ، اپنے شاگرد عزیز مولانا حافظ محمد شفیع بانی اور مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی ذکاء عقلی اور ذکاء روحی سے آگاہ تھے، اسلیئے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رشتہ ان کی دختر نیک اختر سے کرنا پسند فرمایا، اس طرح راقم الحروف (پروفیسر نصیر الدین شبلی) کو نجیب الطرفین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

”قطبِ تدریس“

تدریس، حضرت محبوب سبحانی قدس سرہٗ العزیز کا منصب ہے، اسکی وراثت خوش نصیب عالم کو عطا کی جاتی ہے، ان بے شمار خوش نصیب علماء کرام میں ایک نام، حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، آپ تعلیم سے فارغ التحصیل ہوتے ہی جامعہ عباسیہ میں استاد تعینات ہو گئے، آپ بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے کار تدریس میں مشغول ہو گئے، آپکی محنت، لگن اور یکسوئی رنگ لائی چنانچہ آپ بہت جلد نائب شیخ الجامعہ کے منصب پر ترقی یاب ہو گئے جو ایک بڑا اعزاز شمار ہوتا تھا۔

جامعہ عباسیہ میں آپکی سرکاری ملازمت کا آغاز ۱۹۴۲ء میں ہوا، ۱۹۶۳ء میں جامعہ عباسیہ کو جامعہ اسلامیہ میں تبدیل کر دیا گیا، جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں آپؒ کو شیخ الفقہ اور مفتیٔ اعظم کا منصب ملا، آپؒ ۱۹۸۰ء میں سرکاری منصب سے ریٹائر ہوئے، اس طرح آپؒ ان جامعات میں اڑتیس سال تک تدریس کے سجادہ پر رونق افروز رہے۔

”جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور“

حضرت شیخ الحدیث مفتیٔ اعظم حافظ علامہ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ جب اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ریٹائر ہوئے تو حضرت مولانا عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر کچھ عرصہ تک جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں بطور شیخ الحدیث، تدریس حدیث کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ چنانچہ جب تک صحت نے ساتھ دیا، آپ

رحمۃ اللہ علیہ تشنگانِ علم کو اپنی علمی دولت سے مالا مال فرماتے رہے۔ اس طرح حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا کل عرصۂ تدریس چالیس سال بنتا ہے۔

لاہور میں قیام کے دوران حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا روزانہ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر قرآن مجید کے پانچ پارے تلاوت کرتے۔ ایصال ثواب کرتے اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ وعم نوالہٗ سے سب کیلئے خیر، مغفرت، رحمت اور برکت کی دعا مانگتے، اس کے بعد جامعہ میں جا کر دار الحدیث میں قال اللہ تبارک وتعالیٰ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور توضیح میں مشغول ہو جاتے۔

مکرمی مولانا عبد الستار صاحب مدظلہٗ (حال شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک دن میں منطق کا سبق پڑھا رہا تھا، اور میں نے بلیک بورڈ پر ''کلی'' کی چھ اقسام تحریر کی ہوئی تھیں، اتنے میں حضرت شیخ الحدیث مفتیٔ اعظم حافظ علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ برامدے میں سے گذرے، آپ نے بغیر توقف کئے، چلتے چلتے صرف ایک اچٹتی سی نگاہ بلیک بورڈ پر ڈالی اور حیرت انگیز طور پر ایک لمحہ میں پوری تحریر پڑھ لی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے، بعد میں مجھے بلوا کر، ارشاد فرمایا کہ آپ نے ''کلی'' کو جو فلاں قسم لکھی ہوئی تھی وہ ''کلی'' کی قسم نہیں بلکہ قسم القسم ہے۔ پھر آپ نے اس مقام کی مفصل تقریر فرمائی، سبحان اللہ، ایسے علماء کرام ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں قیام کے دوران حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو ایک باوفا اور مخلص دوست حضرت مولانا عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی معیت ملی، جنھوں نے اپنی کتاب ''تذکرہ اکابر اہل سنت'' میں حضرت شیخ الاسلام بحر العلوم مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر بھرپور محبت اور عقیدت سے کیا ہے۔

''مدرسہ قمر الاسلام سلیمانیہ کی تأسیس''

مہتمم مولانا سید منظور احمد شاہ صاحب ہمدانی نے حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ قمر الاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی،

کراچی کی تأسیس کیلئے مدعو کیا، چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے جامعہ اسلامیہ سے رخصت لے کر ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں قیام فرمایا اور اس کو اپنے قواعد پر مستحکم فرمایا، اس دوران یہاں پر آپ تفسیر، حدیث اور معقولات پڑھاتے رہے۔

مہتمم صاحب مذکور کے برادر خورد مولانا سید عظمت علی شاہ ہمدانی صاحب نے یہیں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، برادرم الشیخ پوتا علامہ حافظ جی اے حق محمد صاحب ان کے ہم جماعت اور ہم سبق رہے۔ مولانا عظمت علی شاہ ہمدانی صاحب نے حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر آف گولڑہ شریف کے استقبالیہ کے موقع پر جو نظم پیش کی تھی، اس کا مندرجہ ذیل شعر بہت مشہور ہوا:۔

تیرے والد کے ہیں استاذ، حضرت گھوٹویؒ
میرے استاذ کے والدِ ماجد، حضرت گھوٹویؒ

''مدرسہ غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف''

حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ، حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم، بصیرت، فراست اور دیانت پر بھرپور اعتماد رکھتے تھے، اسلئے حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ نے مدرسہ غوثیہ مہریہ کے تعلیمی امور کی جانچ پڑتال کیلئے ان ہی کا انتخاب فرمایا۔ چنانچہ سالانہ امتحانات کے علاوہ، وقتاً فوقتاً بھی حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ کے حکم سے آپؒ طلباء کی تعلیمی نشو ونما کی رفتار کا جائزہ لیتے رہتے تھے، اور اس سلسلہ میں اپنے مفید، گراں قدر اور دور رس مشوروں سے مدرسہ ہذا کے اساتذہ کرام کو مستفید فرماتے رہتے تھے۔

''مدرسہ معین الاسلام، نکے آرائیاں (لودھراں)''

۱۹۲۱ء میں حضرت خواجہ غلام معین الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ادارے کا سنگ بنیاد رکھا، حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے اعزازی مہتمم بنائے گئے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ اس کے اعزازی مہتمم بنے، بعد ازاں آپ نے راقم الحروف (پروفیسر نصیر الدین شبلی) کو یہ اعزاز بخشا۔

مرورِ زمانہ اور نیرنگئ وقت نیز اپنوں کی بے نیازی کی وجہ سے اس وقت جو کوئی

لوگ اس ادارے پر متصرف ہیں، ان کے ناآشنا ہونے پر افسوس ہے!

”مفتیِ بہاول پور“

حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ میں مفتی اعظم کے مقام پر فائز تھے، ریاست بہاولپور کے لوگ، حصول فتویٰ کیلئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کیونکہ یہاں آپ کا فتویٰ ہی مستند مانا جاتا تھا۔ عدالت آپ کے فتویٰ پر اعتماد کرتی تھی، اگر عدالت میں کسی اور صاحب کا فتویٰ پیش کیا جاتا تو عدالت حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ طلب کرتی تھی، جامعہ کے شیوخ آپ کے فتویٰ کو متفق علیہ قرار دیتے تھے، حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز آف گولڑہ شریف، مولانا علامہ پیر امام شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ مولانا منتخب الحق رحمۃ اللہ علیہ آف کراچی، علامہ مولانا عبد الحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ آف کراچی، شیخ الحدیث مولانا احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ التفسیر مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ آپکی فقہی بصیرت، دقیق مسائل پر آپ کی گہری نظر اور قوی طرز استدلال پرمسرت کا اظہار فرماتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ مولانا افغانی نے طلقات ثلاثہ جیسے معرکۃ الآراء مسئلہ کے بارے میں ایک استفتاء پر حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت مبسوط، پراز دلائل اور مؤثق فتویٰ ملاحظہ کیا تو اتنے خوش ہوئے کہ وائس چانسلر صاحب کے پاس جاکر کہنے لگے کہ آپ ذرا اس فتویٰ کو پڑھ کر بتائیں کہ کیا کوئی اور مفتی ہے جو اس قدر مسکت اور لاجواب فتویٰ مرتب کر سکے؟

”رمضان شریف میں مزار شریف پر مصلّی پڑھنا“

حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دس سال کی عمر میں مسجد چاہ فتح خاں بہاولپور میں پہلا مصلّی سنایا، اس کے بعد آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر سال بلا ناغہ مصلّی سنایا کرتے تھے، جب آپ کے صاحبزادگان، حفظ قرآن کر لیتے تو وہ بھی بحمد اللہ تعالیٰ مصلّی سنانا شروع کر دیتے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تمنا ہوتی تھی کہ وہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ گولڑہ شریف میں گذاریں، چنانچہ جب آپ وہاں حاضر ہوتے تو وہاں بھی مصلّی سنایا کرتے تھے، اس کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں پر مصلّی سنانے

کے خواہش مند دیگر حفاظ کرام کی باری مقرر کرنے اور ان کی قرآءت کی نگرانی کرنے پر بھی، حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز کی طرف سے مأمور ہوا کرتے تھے۔

آپ بہت خوش الحان تھے، آپ نے جید قراء حضرات سے فنِ قرآءت وتجوید حاصل کیا تھا اور اس کی تکمیل قاری القراء مولانا غلام محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ خطیب گولڑہ شریف سے فرمائی تھی، آپ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے والے لوگوں سے تھکاوٹ اور اکتاہٹ کوسوں دور رہتی تھی۔

”کتب خانہ مہریہ کی فہرستِ کتب“

گولڑہ شریف کا غوثیہ مہریہ کتب خانہ، کتابوں کا سمندر ہے، ہر شعبۂ وفن میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں، جن میں اکثر نادر ونایاب ہیں، قلمی مخطوطات کی ایک کثیر تعداد بھی یہاں موجود ہے۔

حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز کی خواہش پر حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحیٔ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم کتب خانہ کی ایک جامع فہرست تیار کرنا شروع کی، اس کی تکمیل میں ایک عرصہ صرف ہوا، آپ نے اپنے صاحبزادے الشیخ پوتا علامہ حافظ جی اے حق ۔ محمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ شامل کرکے، بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی سے اسے مرتب فرمایا۔

یہ فہرست مندرجہ ذیل کوائف پر مشتمل ہے:۔

۱۔ نام کتاب ۲۔ نام مصنف ۳۔ شعبۂ وفن ۴۔ تعداد نسخہ جات ۵۔ زبان
۶۔ مطبع ۷۔ سن طباعت ۸۔ خاص کوائف

اس کتب خانہ کے ناظم عزیزم ماسٹر انوار صاحب نے اس فہرست کو ایک یادگار قیمتی سرمایہ اور ایک بابرکت رہنما دستاویز قرار دیا اور بتلایا کہ یہ فہرست اب بھی کتب خانہ ہذا میں موجود ہے، اس کی افادیت کبھی ختم نہ ہوگی۔

”مکتوباتِ مہریہ کو مرتب فرمایا“

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کے نادرۂ روزگار مکتوبات، علمی جواہر پاروں

کا درجہ رکھتے ہیں اور بلند پایہ تحقیقی حیثیت کے حامل ہیں، حضرت شیخ الحدیث مفتی علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے، حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز کے حکم سے، ان سب کی جمع وتدوین کی ان کو ایڈٹ کیا اور پھر انہیں شائع کرایا۔

مکتوبات مہریہ کی ایڈیٹنگ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد اور مستند عند المشائخ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے، ان مکتوبات کے آخر میں وہ اسناد بھی شائع کی گئی ہیں جو حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز نے حضرت مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمائی تھیں۔

مکتوبات مہریہ، تمام اہل اسلام کیلئے گراں قدر سرمایہ ہیں، انکی روشنی میں پیچیدہ اور ادق مباحث نہایت سہولت سے حل کئے جا سکتے ہیں۔

''کتابیں خریدنے کا شوق''

حضرت شیخ الحدیث علمہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے والد گرامیؒ کی طرح کتابیں خرید کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا، آپ اپنی زیادہ تر آمدنی، کتابوں کی خریداری پر صرف فرماتے، آپ نے حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ کو دو چند کر دیا۔ آپ کتب فروشوں کے پسندیدہ گاہک شمار ہوتے تھے، مختلف ممالک، مثلاً مصر، اردن، شام، لبنان، یمن، عراق، عرب شریف اور ترکی وغیرہ سے کتابیں منگوایا کرتے تھے۔ ہندوستان کے بڑے شہروں مثلاً دھلی، ممبئ، حیدر آباد دکن، آگرہ، اجمیر شریف، سرہند شریف، کلکتہ، امرتسر اور دیگر شہروں سے بھی کتابیں آیا کرتی تھیں، ان کے علاوہ لاہور، ملتان اور بہاولپور کے تاجرانِ کتب کے ذریعہ بھی کتابیں خریدی جاتیں۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتابوں کو علماء کرام کیلئے بمنزلہ زیور، اوزار اور ہتھیار کے قرار دیتے تھے، آپ کے آستانہ عالیہ کی نچلی اور بالائی منزلوں کی جملہ الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں، آپ کا دولت کدہ، ''حضرت الشیخ الجامعؒ لائبریری'' میں تبدیل ہو چکا تھا۔ آپؒ کتابوں کی حفاظت کرنا، انکی دیکھ بھال کرنا، انہیں صاف ستھرا رکھنا اور ان کو ترتیب دینا خوب جانتے تھے۔ آپ دن رات مطالعۂ کتب میں محو رہتے تھے، جب آپ ضعیف العمر ہو گئے تو لیٹے لیٹے کتابیں پڑھتے رہتے، اگر مطالعہ کے دوران کیفیتِ خواب محسوس فرماتے تو کتاب کو اپنے سینے پر

رکھ لیتے اور کچھ وقت کے بعد جب بارے دیگر بیدار ہوتے تو دوبارہ کتاب بینی شروع کر دیتے۔

مطالعۂ کتب کے دوران اکثر اوقات اپنے صاحبزادوں کو بلوا کر انہیں زیر مطالعہ کتاب کے خاص مضامین سے آگاہ فرماتے اور ادق مباحث کو نہایت جامع اور بلیغ پیرائے میں انہیں ذہن نشین کرا دیتے، کتابیں ہی حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا اوڑھنا بچھونا تھیں۔ آپ کتابوں سے والہانہ محبت کرتے تھے اور ان کی نہایت درجہ تعظیم ملحوظ رکھتے تھے، آپؒ اپنا کوئی چھوٹے سے چھوٹا رسالہ بھی دنیا ومافیہا کے عوض بیچنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، بلکہ آپ ایسے خریدار پر خفا ہوتے اور اسے بے نیلِ مرام واپس لوٹا دیتے۔

''عادات وخصائل''

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ''شریعت'' کی سختی سے پابندی فرماتے، صوم وصلوٰۃ پر سمجھوتا نہ کرتے، جامعہ کے طلباء اور دیگر مستحقین پر زکوٰۃ اور خیرات کا روپیہ دل کھول کر خرچ فرماتے رہتے، غریب پرور اور مہمان نواز ایسے کہ آپ کا آستانہ ہمہ وقت مہمانوں سے بھرا رہتا تھا، اپنے والد گرامیؒ کی محبت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسلاف اور مشائخ کی عقیدت میں بے مثال تھے، استغناء، سادگی، ایثار اور حمیت دینی میں فائق الاقران تھے، بلا کے صابر وشاکر، محنت کش، باہمت، اعلیٰ درجہ کے حق گو اور بے باک، علم ظاہری وعلم باطنی کے سمندر، امراء کے مقابلے میں مظلوموں کے حامی، طلباء کے شوقِ علم کو مہمیز لگانے والے، علماء کو تحقیق، تدقیق اور مطالعہ کی طرف مائل کرنے والے، دینی تحریکات کے حامی، خاص طور پر تحریک پاکستان کے علمبردار، اختلافی مسائل کو وجہِ جنگ وجدل بنانے کے مخالف بلکہ افہام اور تفہیم کی راہ اپنانے والے، سخت سے سخت جھگڑالو کو نرمی، شفقت اور حوصلے سے بات سمجھانے والے، مخالف اور معاند کا نام بھی عزت وتکریم سے لینے والے، گوشہ نشین، عافیت پسند، فنِ گفتگو میں ماہر، عبادت میں مخلص، شب بیدار، تہجد گذار، متعلقین کی خوب خبر گیری کرنے والے، اپنے اہل وعیال کی بہتری چاہنے والے، اپنے پرائے سب کے خیر خواہ، آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے والے، شریعت اور طریقت کو یکجا کرنے والے، دشمنوں کو باہم یک جان کرنے والے، اتحاد بین المسلمین کیلئے ہمہ وقت کوشاں، فقر پر شاداں وَ فرحاں، توکل کے مینار، عزیمت کے شاہکار، ہر ایک کو سلام کرنے والے، مصالحت میں پہل کرنے والے،

تحریر کے دھنی، مشورہ دینے میں امین، اعلیٰ پایہ کے منتظم، ڈسپلن کے دلدادہ، اساتذہ کا احترام کرنے والے، شاگردوں پر جان چھڑکنے والے، سروقامت، بلند آواز، تیز رفتار، اعراس پر حاضری کے مشتاق، اوراد وظائف پر مستمر، خدام دربار سے پیار کرنے والے، کلمۂ حق کہنے میں سب سے آگے، مال ومتاع اکٹھا کرنے میں سب سے پیچھے، کمزور کیلئے ڈھال، انکساری اور فروتنی میں باکمال، باطل کے پرستاروں کیلئے سراپا جلال، کھیتوں کھلیانوں کو پسند کرنے والے، اپنے مزارعین اور ملازمین سے چشم پوشی کرنے والے، ندامت اور توبہ کو قبول کرنے والے، خطاء سے اغماض برتنے والے، ہمسایوں کیلئے سراپا عفو وغفران، عمدۃ الخصائل یہ کہ حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جان بھی قربان، فنائیت فی الشیخ کو فنائیت فی الرسولؐ کا ذریعہ بنانے والے، فانی فی اللہ، باقی اللہ، رحمۂ اللہ، رحمۂ اللہ، رحمۂ اللہ۔

”مہر انور سے چند اقتباسات“

برادرم جناب علامہ شاہ حسین گردیزی صاحب سلمۂ اللہ تعالیٰ (آف کراچی) نے اپنی مشہور کتاب ”مہر انور“ میں دربار گولڑہ شریف سے روحانی تعلق رکھنے والے علماء کرام علیہم الرحمت والرضوان کے حالات جمع فرمائے ہیں، یہ حضرات، اہل نسبت کیلئے سرمایۂ افتخار ہیں، انہوں نے دربار شریف کی نیک نامی، عزت، شہرت اور وقار میں اضافے کو اپنا مشن بنائے رکھا، یہ علماء، اسلام کے سپاہی تھے۔ ان لوگوں نے دینِ اسلام کی ترویج کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا اور اہل السنّت والجماعت کی رہنمائی اور سربلندی کیلئے ہمہ وقت مستعد رہنے کو اپنا شعار بنا لیا۔

ان خوش نصیب اور مقبولانِ بارگاہ ایزدی میں حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بڑے صاحبزادے اور جانشین حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحیؒ الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

ذیل میں حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ”مہر انور“ کے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کئے جا رہے ہیں، جناب علامہ گردیزی صاحب لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی علامہ چشتی صاحب مدظلہ العالی درس نظامی کے معقولی اور شرعی تمام علوم وفنون پر یکساں عبور رکھتے ہیں، علوم اسلامیہ کے غواص ہیں، علماء میں

امتیازی شان رکھتے ہیں، اس شانِ علم وعرفان کے ساتھ متقدمین علماء کرام کی طرح توکل اور سادگی ان کا شعار ہے، مزاج میں نہایت درجہ استغناء ہے۔

تحریک پاکستان کا آغاز ہوا تو آپ جامعہ عباسیہ بہاولپور (جو کہ ایک سرکاری ادارہ تھا) میں مسند تدریس پر مأمور ہونے کے باوجود، میدانِ تحریکِ آزادی مسلمانان میں پورے جوش وخروش کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی دو ماہ کی تعطیلاتِ گرما اور دیگر سرکاری تعطیلات کے دوران، گولڑہ شریف میں رہ کر یہاں علمی خدمات سر انجام دیتے رہتے، اس دوران میں نے (گردیزی صاحب نے) دیکھا کہ نماز باجماعت کی بڑی پابندی فرماتے، ہر نماز کے بعد باقاعدگی سے اوراد و وظائف پڑھتے، نماز فجر کے بعد بہت دیر تک اوراد اور دعاء میں مشغول رہتے، مزاج میں سنجیدگی، متانت اور وقار کے باوجود، ملاقاتیوں سے بڑی خوش اخلاقی اور انکساری سے پیش آتے، دربار کے خدام کی بڑی توقیر فرماتے، گولڑہ شریف کے حلقۂ ارادت میں ”علامہ چشتی صاحب“ سے مراد آپ ہی ہوتے، علماء سے گفتگو میں علم کے موتی بکھیرتے، اعراس کے مواقع پر جب اہلِ علم وفضل کے ساتھ کسی موضوع پر ہم کلام ہوتے تو ان آسمانِ علم وفضل کے ستاروں کی گفتگو کا کما حقہٗ فہم ہر عام عالم کی دسترس میں نہ ہوتا، میں اگرچہ بلا واسطہ آپ کے ساتھ رشتۂ تلمذ کی سعادت سے بہرور نہیں ہو سکا مگر آپکی علمی محفلوں میں بیٹھ کر خوشہ چینی ضرور کی ہے، جب بھی حاضری اور زیارت ہوتی، بڑی شفقت آمیز گفتگو سے نوازتے، زیر درس کتب سے کچھ اہم مباحث کی بابت پوچھتے، بڑی حوصلہ افزائی فرماتے اور شوقِ تعلیم کو مہمیز لگاتے۔

جب آپ جامعہ نظامیہ لاہور میں شیخ الحدیث تھے، اس دوران ایک دفعہ میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا، علمی جواہر پاروں سے مالا مال فرمانے کے بعد بیماری اور کمزوری کا تذکرہ ہوا تو فرمایا، شاہ جی! بیماری نے قریبِ مرگ کر دیا ہے، عملِ تدریس، طاقت اور قوت کا متقاضی ہوتا ہے مگر مفتی عبد القیوم ہزاروی صاحب کا اخلاص مجبور کئے ہوئے ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ شاعر بھی تھے، آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز تک سلسلہ چشتیہ مہریہ کو منظوم فرمایا، ابھی مہر انور ترتیبی مراحل میں تھی کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ نے ۷ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ بمطابق ۴ جنوری ۱۹۸۲ء کو بروز سوموار راولپنڈی کی ہسپتال میں انتقال فرمایا۔

آپ کا جنازہ بہت عظیم الشان جنازہ تھا۔ دربار غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف میں مولانا فیض احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، سید غلام معین الدین شاہ صاحبؒ (بڑے لالہ جی) شاہ عبد الحق صاحب (چھوٹے لالہ جی) خانوادہ مہریہ کا ہر شہزادہ نیز خدام دربار، اردگرد کے تمام پیر بھائیوں اور جملہ زائرین کے علاوہ آپ کے متعلقین اور محبین کی کثیر تعداد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کے جوار میں مشرقی باغیچہ میں، مہمان خانہ نمبر۲ کے سامنے آخری آرام گاہ بنی۔

آپ کی وفات اہل علم کیلئے ایک ایسا جاں گداز صدمہ ہے جس کا اثر دیر تک باقی رہے گا، آپ ان پرانے علماء میں سے ایک تھے جن کا علم مضبوط اور کردار عظیم ہوتا تھا، شرافت ونجابت اور وضع داری آپ کا شیوۂ حیات تھی، آپ واصلین کے سرخیل اور نابغہ روزگار علمی وعرفانی شخصیت تھے۔

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

حضرت شیخ الحدیث مفتیٔ اعظم علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شلوار، کرتا، بالاپوش، اور گولڑوی طرز کا سفید عمامہ (جس کے نیچے تنکوں والی ٹوپی ہوتی تھی) زیب تن فرماتے تھے، اپنے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فاروقی قد وقامت رکھتے تھے۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو، آمین!

"قومی پریس کا اظہارِ تعزیت"

آپؒ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر ملکی اخبارات ورسائل نے تعزیتی اداریے اور مضامین شائع کئے، روزنامہ امروز ملتان سے ایک مختصر ترین اقتباس پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے:۔

"حضرت شیخ الحدیث مفتیٔ اعظم علامہ حافظ محمد عبد الحی الچشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم علمی و روحانی شخصیت ہم سے بچھڑ گئی۔ یہ کائنات جب سے معرضِ وجود میں آئی ہے، بے حد و حساب افراد کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور اپنی مقررہ حیاتِ مستعار کی تکمیل کے بعد پھر گوشۂ گمنامی میں چلے گئے لیکن حیات وممات کی اس کشمکش سے دوچار ہونے والے بنی آدم میں بعض ایسی نابغۂ روزگار شخصیات بھی ہیں جو

راہیٔ ملکِ بقاء ہونے کے باوجود، اپنے کارناموں اور فیوضات کی وجہ سے حیاتِ جاوید کی صفت سے متصف ہوتی ہیں۔

ایسی ہی معدودے چند شخصیات میں سے ایک حضرت شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عبد الحیٔ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات تھی جو عمر بھر دینِ متین کی خدمات انجام دیتے رہے اور شریعت محمدیہ کی آبیاری کرتے رہے۔

رحمۃ اللہ علیہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

"تلامذۂ کرام"

حضرت شیخ الحدیثؒ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو ممالک اسلامیہ وغیرہا میں پھیلے ہوئے ہیں اور دین کی خدمت میں مصروف ہیں، چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت علامۃ الزمان سید پیر نصیر الدین نصیر صاحبؒ، سجادہ نشین دربار عالیہ غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف۔

۲۔ حضرت علامہ مفتی حافظ غلام فرید صاحبؒ، معلم جامعہ عباسیہ بہاولپور۔

۳۔ حضرت علامہ مولانا محمد احسن صاحبؒ، معلم جامعہ عباسیہ بہاولپور۔

۴۔ مولانا حافظ محمد قاسم فاروقی صاحب، بہاولپور۔

۵۔ جناب مولانا مشتاق احمد چشتی صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ انوار العلوم ملتان۔

۶۔ جناب مولانا سکندر شاہ صاحب معلم جامعہ غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف۔

۷۔ جناب مولانا ظفر علی شاہ صاحب مہتمم جامعہ غوثیہ مہریہ، لودھراں۔

۸۔ جناب مولانا جمیل الرحمٰن صاحب معلم جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور۔

۹۔ جناب مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب چیئرمین رؤیت ہلال کمیٹی، پاکستان سابق پروفیسر علامہ اقبال کالج، کراچی۔

۱۰۔ جناب مولانا اللہ بخش اویسی صاحب سابق معلم جامعہ قمر الاسلام سلیمانیہ، کراچی

۱۱۔ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری صاحب سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۲۔ جناب مولانا سید عظمت علی ہمدانی صاحب مہتمم جامعہ قمر الاسلام سلیمانیہ، کراچی۔

۱۳۔ جناب مولانا ڈاکٹر ساجدالرحمٰن صاحب، وائس پریذیڈنٹ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۱۴۔ مولانا محمد بخش کریمی صاحب ولد حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ، خطیب جامع مسجد عثمان گنج، لاہور۔

''اولاد امجاد''

۱۔ الشیخ پوتا علامہ حافظ مولانا غلام معین الدین جنید صاحب، فاضل عربی، فاضل فارسی علامہ جامعہ عباسیہ بہاولپور۔ آپ عربی اور علومِ اسلامیہ کی تدریس پر مامور ہیں۔

۲۔ الشیخ پوتا پروفیسر حافظ غلام نصیر الدین شبلی، فاضل عربی، علامہ جامعہ عباسیہ، تخصص فی الفقہ والقانون، جامعہ اسلامیہ بہاولپور، ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ صدر شعبۂ اسلامک ایجوکیشن، گورنمنٹ کالج آف سائنس ملتان۔ (مؤلف کتاب ہذا)

۳۔ الشیخ پوتا پروفیسر علامہ حافظ جی اے حق ۔ محمد صاحب ایم اے اسلامیات، ایل ایل بی۔ ریسرچ سکالر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۴۔ الشیخ پوتا علامہ حافظ فیض الحسن بختیار صاحب، فاضل تنظیم المدارس، فاضلِ طب وجراحت، خطیب خانقاہ حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹوی، بہاولپور۔

۵۔ الشیخ پوتا حافظ غلام محمد مثنیٰ صاحب، ایم اے معاشیات، فاضل درسِ نظامی، آفیسر اسٹیٹ بینک آف پاکستان، ملتان۔

''حضرت شیخ الحدیث علامہ چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نمونۂ کلام''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''حمد باری تعالیٰ''

خو شا آنانکہ در جان، شانت مقام است
دگر وِردِ شاں، نامِ تو صبح وشام است
ہر آن کس کہ شد بر درت از گدایاں
ہموں صاحبِ عزّ و ذی احتشام است
کسے را کہ در گوشِ جان حلقہ کردی
عجب بادشاہ ست ونامش غلام است
دراں دل کہ شد جاگزیں درد عشقت
براں دل ہزاراں صلوٰۃ وسلام است
نباشد بجز درد ہائے محبت
علاجے کہ درمانِ رنج وسقام است
تو آنی کہ داری بہ ہر دل مقامے
دلے ہیں کہ دائم برایت اُدام است
بہ ہر ذرہ ذرہ نمودی تو خود را
ظہورت حجابِ نگاہِ انام است
تو عینی، مظاہر ہمہ جلوہ ہا
توئی آنکہ پیدا زخاص وعوام است
بہ ہر اسم خوانم، مسمّٰی تو باشی
جہاں گرچہ با نامہا مستہام است
مگر نیستی بستۂ ایں تعین
تو قدوسی وَ ذاتِ پاکت مدام است

چہ شد گرچہ کورے نہ بیند برویت
صنم اہلِ دل را بہ بالائے بام است
زِ روزے کہ شد چشتی از بستگانت
نماید کہ در صفِ شعراء، امام است

"نعت شریف"

شاہا کہ ترے سر پہ ہے لولاک لما تاج
کونین کے سر ہے تری خاکِ کفِ پا تاج
وہ خاک جو اڑتی ہے تری راہ گذر سے
شاہنشہِ کونین! وہ ہوتی ہے مرا تاج
دارین میں کیونکر نہ چلے سکہ انہیں کا
جن لوگوں کے سر پر ہے تری مہر و وفا تاج
لاکھوں کو بنایا ہے "نبی"، رب نے ولیکن
رکھا گیا آخر ترے سر پر ہی شہا! تاج
معراج کی شب آپ کی تھی تخت نشینی
بٹھلا کے سرِ عرش دیا قربِ دنیٰ تاج
بلوا کے نبیوں کو جو پوچھا ترے رب نے
کیا چاہئے اس سر کیلئے؟ سب نے کہا تاج
دنیا کو ضرورت نہ رہی اور کسی کی
پیارے! تری زلفوں پہ وہ ہے آکے سجا تاج
کہہ دیں گے نبی سارے بہ ہنگام شفاعت
سجتا ہے ترے سر پہ ہی اے ماہِ لقا، تاج
اس واسطے تو بعد میں آیا ہے سبھی کے
تھے سارے نبی موتی، بنا جن سے ترا تاج
ہو جائیں گے محشر میں خطا کار بھی آزاد
نکلیں گے جہاں پہن کے، محبوبِ خدا تاج

وہ تاک رہی ہوتی ہے خود عرش بریں سے
ہے کیونکہ اجابت کیلئے تیری دعاء تاج
یوں غیب سے آتی تھی ندا وقتِ ولادت
کیا خوب تجھے آمنہ مائی! یہ ملا تاج
آقا تیرے قربان، تیری آل کے صدقے
حق والوں کے سر پر ہے آلِ عبا تاج
ہر چند کہ ہے مفلس ونادار یہ چشتی
رکھتا ہے سر اپنے پہ، تیرا عشق و ولاء تاج

"نعت شریف"

مجھے غیروں کے چُنگل سے چُھڑا لو یا رسول اللہ
کرم فرما کے دامن میں چھپا لو یا رسول اللہ
کسی بھی غیر کی جانب، رہے خواہش نہ جھکنے کی
کچھ ایسا آپ، اپنا ہی بنا لو یا رسول اللہ
اگر دشمن ہوں کوشاں، آپ سے مجھکو چھڑانے میں
مجھے اس کشمکش سے، خود بچا لو یا رسول اللہ
حوادث کے بھنور میں گر پھنسے کشتی
تمہیں اس آڑی ساعت میں سنبھالو یارسول اللہ
تمہارے شوق میں ہم زندگی کے سیل میں کودے
تمہیں ہو ناخدا، خود ہی نکالو یا رسول اللہ
نہیں خواہاں، سکندر بن کے دنیا میں گذاروں میں
فقط دامن سے چشتی کو لگا لو یا رسول اللہ

"نعت شریف"

مدینے میں بلا لو یا رسول اللہ
میں گرتا ہوں سنبھالو یا رسول اللہ

☆☆☆

بھنور میں پھنس گئی ہے میری کشتی
خدا را اب بچالو یا رسول اللہ

☆☆☆

عجب الجھن میں ہے بندہ تمہارا
تمہیں ہو جو نکالو یا رسول اللہ

☆☆☆

نہیں ملتا کہیں بھی اب ٹھکانہ
کملیا میں چھپا لو یا رسول اللہ

☆☆☆

ترا چشتی ہے بیمارِ غمِ ہجر
اسے طیبہ بلا لو یا رسول اللہ

"نعت شریف"

مجھے بھی مدینے بلاؤ نبی جی
اور اس قید غم سے چھڑاؤ نبی جی

سفینہ بھنور میں حزیں کا پھنسا ہے
تمہیں ہو جو اس کو بچاؤ نبی جی

کٹی عمر، تیری ہی رہ تکتے تکتے
کبھی پیاری صورت دکھاؤ نبی جی

وہ پُر پیچ زلفیں، وہ مخمور آنکھیں
انہی سے ذرا مئے پلاؤ نبی جی

بڑی دیر سے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں
ذرا رُخ سے گھنگٹ اٹھاؤ نبی جی

جہاں میں اندھیرا سا پھر چھا گیا ہے
پھر آؤ، ذرا، جگمگاؤ نبی جی

ہے سورج سوا نیزے پہ پہنچ آیا
کملیا میں مجھ کو چھپاؤ نبی جی

پھر آئی ہیں دنیا میں گمراہیاں سب
یا بھیجو عمرؓ یا علیؓ کو نبی جی

تمنا، جہاں بھر سے چشتی کو تیری
زیارت کراؤ یا اس کو بلاؤ نبی جی

"نعت شریف"

میں ہو جاؤں تم پر فدا کملی والے
ہے کون اپنا ترے سوا کملی والے

بڑی آرزو ہے مدینے کو جاؤں
پہنچ کر درپاک پر سر جھکاؤں
لو قدموں میں اب تو بلا کملی والے

مروں سر زمینِ مدینہ میں جا کر
جگہ آپ کے آستانے پہ پاکر
یہی ہے مرا مدعا کملی والے

نہ ہو ذرہ ذرہ، فدا تم پہ کیونکر
نہ دین، انس وجاں، سرکتا تم پہ کیونکر
کہ شیدا ہے تم پہ خدا کملی والے

رخِ پاک دیکھوں، ہوں مدت سے خواہاں
بلا کر مدینے کرو مجھ کو شاداں
ہو پوری مری التجا کملی والے

سوا آپ کے، کون ہے مجھ گدا کا
ہے بے نور آئینۂ دل، خدا را
اسے بھی عطا ہو ضیاء کملی والے

غموں سے ہے چشتی کی کشتی بھی بوجھل
دکھائی کہیں بھی نہیں دیتا کچھ حل
بحمد اللہ، ہو ''ناخدا''، کملی والے

''نعت شریف''

تاباں ہے سرِعرشِ عُلا تاج محمدؐ　　ہے مہر ضیاء بارِ سما تاج محمدؐ

معراج کرانے سے یہ مقصود تھا شاید　　خود پہن کے دکھلائیں ذرا تاج محمدؐ

یوں تو ہوئے سارے نبی، مخلوق میں افضل　　انکو جو کہو شاہ تو بنا تاج محمدؐ

سمجھیں گے سر افرازِ جہاں، ہم تو اسی کو　　فرمائیں گے جس سر کو عطا تاج محمدؐ

سرِ عرشِ خدا، ان کا ہے، محمود مقام　　سلطان ہیں وہ، اور نورِ خدا تاج محمدؐ

جب تک کہ جہاں ہے نہ کیوں انکی حکومت؟　　جب رکھتے ہیں ''لولاک لما تاج'' محمدؐ

جس نے بھی سرِ اخلاص ومحبت کو جھکایا　　دیتے ہیں اسے قربِ دنیٰ تاج محمدؐ

موقوف فقط عجز پہ ہے رتبۂ اعلیٰ　　جب خاک جھکی، رب نے دیا تاج محمدؐ

وہ ہونگے کوئی اور، جنہیں چاہئے، کچھ اور　　ہے سر پہ مرے تیری ولاء تاج محمدؐ

ہر چند ترا چشتی ہے نادارِ زمانہ　　ہے اس کو مگر آلِ عبا، تاج محمدؐ

''نعت شریف''

ایسا گھیرا عشق نے مجھکو قلندر ہو گیا　　عشق کی آتش میں پل کر دل سمندر ہو گیا
نعمتیں دارین کی اب کس طرح مطلوب ہوں　　دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہو گیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

ہے جہاں خواہاں میرا، میں ہوں دنیا سے نفور　　اب فقط درکار ہے جامِ محمد کا سرور
یہ گدا خاطر میں لائے کس طرح کونین کو　　دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہو گیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

میں گدا انکا ہوں جنکا سب جہاں محتاج ہے　　ذرہ ذرہ پر حکومت اور انہی کا راج ہے
انکا ہو جانے سے رہ جاتی نہیں پھر احتیاج　　دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہو گیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

میری نظروں میں بھلا شاہ وگدا کی کیا تمیز　　احمد مختار کا ہوں میں گداگر اے عزیز!
میری نس نس بھر گئی اس دولتِ جاوید سے　　دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہو گیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

مہربانی اس گھرانے کا بڑا دستور ہے　　یہ جو بھی مانگیں تو وہی اللہ کو منظور ہے
ایسی نعمت ہو مجھے حاصل تو پھر کیا چاہئے　　دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہو گیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

اس گدائی میں ملا ہے مجھکو وہ رتبہ رفیع　　میں بھلا اب دنیوی شاہوں کو سمجھوں کیوں وقیع
لوگ دیوانہ مجھے کہتے ہیں کہنے دو انہیں　　دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہو گیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

جامِ الفت کیا بتاؤں کس قدر پُر کیف ہے   جسنے پی دیکھا نہیں، قسمت پہ اسکی حیف ہے
مجھ گداگر پر شہنشہ بھی کریں گے رشک اب   دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہوگیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

میں ترے قربان، کی جس پر بھی تو نے اک نظر   کر دیا رشکِ سکندر بے نیازش بحر و بر
میں کمتر وکمزور ہوں دنیا کی نظروں میں مگر   دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہوگیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

اک سہارا ہے تمہارا یا شفیع المذنبین   بھولنا مت، روزِ محشر اور یومِ آخرین
اس جہاں سے تیرا چشتی اسلئے بے زار   دولتِ عشقِ نبیؐ سے دل تونگر ہوگیا
مفلس وقلاش تھا لیکن سکندر ہو گیا

''نعت شریف''

جہاں بھر پہ چھایا ہے فیضِ محمد   کہ رحمت کا سایہ ہے فیضِ محمدؐ
ملائک کی نسبت مُفَضَّل نہ ہو کیوں   وہ جس نے کہ پایا ہے فیضِ محمدؐ
ہو کیوں نور خنداں نہ اسکی جبیں سے   کہ جس سر پہ چھایا ہے فیضِ محمدؐ
ہوئے دور دنیا سے ظلم وجہالت   ہر اک جا سمایا ہے فیضِ محمدؐ
برائی کا رہ جائے کیوں نام باقی   زمانے میں چھایا ہے فیضِ محمدؐ
ملائک کو شرمندہ کرنے کی خاطر   خدا نے ہی بخشا ہے فیضِ محمدؐ
غریبوں کا ناصر یتیموں کا حامی   بیواؤں کا مایہ ہے فیضِ محمدؐ
بھنور میں پھنسی تھی یہ کشتی جہاں کی   کنارے پہ لایا ہے فیضِ محمدؐ
بھرا تیرا دامن، اے چشتی مبارک   عطا رب کا قاسم ہے فیضِ محمدؐ

''نعت شریف''

آپ ہو قرۃ عینین، مدینے والے
ہر دکھی دل کے ہو تم چین، مدینے والے

پاک ہے کتنی ترے ملک سے نسبت، آقا
دھوم ان کی، مشرقین ومغربین، مدینے والے

چڑھ گئے قیصر و کسریٰ پہ عرب کے بدوی
یہ بھی ہے ادنیٰ سی تری دین، مدینے والے

دل میں دھڑکن ہے تو ہے درد کلیجے میں جناب!
غم میں روتے ہیں میرے نین، مدینے والے

رات آنکھوں میں ہی کٹ جاتی ہے ساری ساری
ہوں میں اس درد سے بے چین، مدینے والے

رحم فرماؤ میری حالتِ ابتر پہ حضور!
صدقۂ حسنین کریمین، مدینے والے

بخشوا سکتے ہو گر چاہو جسے چاہو تم
آپ ہو قاسمِ کونین، مدینے والے

خلق کو راہِ خدا آپ نے دکھلائی ہے
پاک تو نے کیے حرمین، مدینے والے

کر دو چشتی پہ اگر ایک نظر، رحمت سے
کیوں سنور جائیں نہ دارین، مدینے والے

''نعت شریف''

ساقی ترے قربان ذرا ایک نظر اور
سرشار تو ہیں رندِ بلا نوش مگر اور

مے خانہ میں سامان تو وافر ہے ولیکن
ہے آپ کی آنکھوں کے پیالوں میں اثر اور

آنکھیں تیری دریا ہیں یہ دو جام نہیں ہیں
ہے سارا جہاں مست اِدھر اور، اُدھر اور

واقف نہیں ہم رہ گذر دیر و حرم سے
رکھتے ہیں پرستار تیرے، مدنظر اور

یہ بارگہ عشق ہے بازار نہیں ہے
درکار یہاں ہے جو جگر اور، تو سر اور

یوں بجلیاں گرتی تھی نشیمن پہ ہزاروں
خاکستر ہوا جس سے، وہ ہے کوئی شرر اور

تو حور نہ غلماں ہے، ملک ہے نہ پری ہے
اِک رازِ مجسم ہے نہیں کوئی خبر اور

اللہ رے تیری شان، یہ رفعت، یہ بلندی
پہنچا نہ تیری گرد کو کوئی بھی بشر اور

چشتی پہ تیرا سایہ رہے تا بہ قیامت
بے چارے کا دنیا میں کوئی در ہے نہ گھر اور

''منقبت''

مہر عالمتاب ہیں مہر علی — معرفت کا باب ہیں مہر علی
ہر طرف پھیلا ہے ان کا فیضِ عام — شیخِ شیخ وشاب ہیں مہر علی
اہل ایمان کھیت ہیں اللہ کے — فضلِ حق کا آب ہیں مہر علی
وہ گھٹائیں، اہل دل کی کھیتیاں — جن سے ہوں شاداب، ہیں مہر علی
ہے معطر باغِ عالم جس سے اب — وہ ولایت مآب ہیں مہر علی
رحمتِ حق ہو جہاں پر جلوہ ریز — ایسے عالی جناب ہیں مہر علی
فخر ہیں ساداتِ عالم کے لئے — اسوۂ احباب ہیں مہر علی
جسم عالم میں، ولی ہیں مثلِ خون — اور مشکِ ناب ہیں مہر علی
اولیاء مسجد ہیں، منبر اہل علم — واہ وا، محراب ہیں مہر علی
آن نبی کی آل ہیں شمس وقمر — ایسے ہی مہتاب ہیں مہر علی
کیا ہوا؟ چشتی کی کشتی گھر گئی — ناخدا تو آپ ہیں مہر علی

''منقبت''

غلام محیِ دیں ہے تو کہ محی الدین ثانی ہے
خدا کا نور ہے اور اپنے آباء کی نشانی ہے

حسینی رنگ ہے منہ پر حَسَن کا خون ہے تن میں
نبی کی نسل ہے، حیدر کی جان، زہراء کا جانی ہے

اگر زلفِ سیہ دیکھو تو سبحان اللہ الذی اسریٰ
اگر رخسار کی پوچھو، طلوعِ صبحِ ثانی ہے

ہے آنکھوں میں وہی اجداد کا ما زاغ کا سرمہ
کہ تعبیر دہن، مہر نبوت، کیا سہانی ہے

دو ابرو قاب ہیں قوسین کی، ہیں گوش، او ادنیٰ
دُرِ دندان سے یٰس کو وہی نسبت پرانی ہے

جبیں تفسیرِ والفجر، لیالِ ہیں عبادت میں
قیامت خیز قامت، اک طلسمِ دلستانی ہے

ہیں اخلاقِ مکرم اسوۂ حسنہ کا مجموعہ
وہ جسمِ پاک گر دیکھو بہارِ نوجوانی ہے

وہ دو لب کیا ہیں؟ اعجازِ مسیحائی کا مخزن ہیں
زبان کا پوچھتے کیا ہو؟ کہ اک بحرِ معانی ہے

نجانے کیا چھپا ہے؟ ان کے ہاتھوں میں تعجب ہے
رواں دونوں سے سیلاب دُر وگوہر فشانی ہے

مجسم نقشۂ قرآن ہے اُس یار کا چہرہ
اگر کردار کی پوچھو تو تفسیرِ مثانی ہے

بحمد اللہ ملا ہے شیخ اک ایسا ہمیں چشتی
اِدھر وہ رشکِ یوسفؑ ہے اُدھر غوث زمانی ہے

''بحضور شیخ''

نہ ملتا پیرِ مئے خانہ تو مستانے کہاں جاتے
یہ دنیا بھر کے ٹھکرائے ہوئے جانے کہاں جاتے

کسی کی چشمِ مےگوں سے ہی مے خانے میں رونق ہے
وگرنہ خُم کہاں ہوتا؟ یہ پیمانے کہاں جاتے

خدا رکھے تجھے ساقی، سہارا ہے غریبوں کا
کہ ہم بے چارے ورنہ پھر، خدا جانے کہاں جاتے

تیرے باعث لگا رکھا ہے سینے سے زمانے نے
میری دیوانگی کے، ورنہ افسانے کہاں جاتے

تمہارے سنگِ در نے ہی تو رکھ لی ہے شرم اپنی
جُنوں کے جوش میں ورنہ، یہ دیوانے کہاں جاتے

تیرے ہی حُسن سے ہے انجمن قائم فقیروں کی
تلاشِ شمع میں ورنہ، یہ پروانے کہاں جاتے

چھڑایا معترض سے چشتی کو، تصویر نے تیری
اکیلے ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

''بحضور شیخ''

مجھے مسرتِ بے حد ہے ہمکنار کیا
جو تو نے اپنی محبت سے دل نگار کیا

میں گن سکوں تیرے احسان یہ غیر ممکن ہے
دل کو نظر نے تیری، رشکِ لالہ زار کیا

اسیر کیا ہوئے؟ ہر غم سے ہو گئے آزاد
غلام پر وہ نظر کی، کہ تاجدار کیا

شکاریوں کو ہوس ہے کہ کاش ہو انکا شکار
جسے نگاہِ مست نے تیری، شکار کیا

حریمِ خاص ہوا ہے دلِ حزیں جب سے
کہ تیرے ناوکِ مژگاں نے زخم دار کیا

نہ آ سکے گا اسے چین حشر تک شاید
تمہاری زلفِ پریشاں سے جس نے پیار کیا

رہی نہ جنتِ ماؤیٰ کی اس کے دل میں ہوس
تری جناب کو جس نے بھی اختیار کیا

ہے چہرہ زرد تو آنکھوں میں خون کے آنسو
تمہارے عشق نے پیارے! سدا بہار کیا

نعیمِ خُلد پہ اترا رہے تھے کل زاہد
دکھا کے تیری گلی، خوب شرمسار کیا

ہے دو جہاں میں اسی کی ہی عزت وتکریم
تمہارے عشق سے بے حظ نے جس کو خوار کیا

وہ کیا کریں گے شرابِ طہور کو چشتی
جنہیں نگاہ کے پیالوں نے بادہ خوار کیا

"بحضور شیخ"

جانِ جاں کیا ہو تم؟ اتنا بتاؤ تو سہی
اک دفعہ پھر، وہ رخِ پاک دکھاؤ تو سہی

سینکڑوں راہ میں، مشتاق کھڑے ہیں ساقی
بن کے اک بار، ذرا سامنے آؤ تو سہی

بچ ہی جائیں گے مسیحا، یہ محبت کے مریض
شربتِ دید کے دو گھونٹ پلاؤ تو سہی

نہ کرو ترس، میری حالتِ نازک پہ مگر
تم زبان اپنی کے اقرار نبھاؤ تو سہی

دیدہ وُ دل ہیں تری راہ میں قربان پیارے
چشمِ ے گوں ہی ذرا اپنی اٹھاؤ تو سہی

چاہتے ہو کہ مجھے قتل کرو، ٹھیک کرو
اپنے دامن کو ہی، دھبوں سے بچاؤ تو سہی

میں طلبگارِ تعلق ہوں وہ ہو جیسا ہو
پیار ممکن نہ ہو گر تم سے، ستاؤ تو سہی

میں جو خاموش ہوں، ہے درد تیرا مجھ کو عزیز
داورِ حشر تو کہتے ہیں بتاؤ تو سہی

چشتی صاحب کی غزل ویسے تو ہے اوٹ پٹانگ
وہ کرم کرتے ہیں، کہتے ہیں سناؤ تو سہی

"بحضور شیخ"

دل کو جو آگ لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی
بات بنتی جو نہ تھی، سو وہ بنائی نہ گئی

سوچ رکھا تھا سنائیں گے انہیں قصۂ دل
سامنے آئے تو اک بات بتائی نہ گئی

ہم نے کر ڈالے جتن سارے زمانے کے مگر
ہائے اے بختِ نگوں سر! یہ جدائی نہ گئی

چاہا کم فہم رقیبوں نے کہ ہو غم کا علاج
پر بہار آپ کے کوچے کی بھلائی نہ گئی

مل تو جاتے، جو چلا جاتا کسی محفل میں
منتِ دربان، مگر مجھ سے اٹھائی نہ گئی

دل تری یاد میں کیوں وقف نہ رہ جائے بھلا
کوئی خوبی بھی تری، غیر میں پائی نہ گئی

قرض بڑھتا ہی گیا مجھ پہ ترے احسان کا
مجھ سے اک دمڑی بھی اس مد میں چکائی نہ گئی

لطف، رودادِ غم عشق میں آتا تھا انہیں
جی ہی بھر آیا مرا، مجھ سے سنائی نہ گئی

زور تو سیلِ حوادث نے لگایا ہے مگر
حُسنِ آن ذات کی، چشتی وہ صفائی نہ گئی

"اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ کے فراق میں"

جب سے ہوا ہے مے کدہ ویراں ترے بغیر
جم ہی سکی نہ محفلِ رنداں ترے بغیر

کہنے کو شاید، آ تو گئی ہے بہار، پر
سونا پڑا ہے اپنا گلستاں ترے بغیر

شبنم نہیں، یہ اشک ہیں رخسارِ پھول پر
گویا کہ رو رہے ہیں گلِ خنداں ترے بغیر

میرے پہ بس نہیں، کہ جہاں بھر اداس ہے
ہنستے ہوئے بھی روتے ہیں انساں ترے بغیر

اک تم ہی کیا گئے ہو کہ سب کچھ ہی لٹ گیا
کیا کیا ہوا ہے، کیا کہوں؟ ویراں ترے بغیر

جو چیز تیرے وصل میں تھی مایۂ سرور
وہ سب ہے اب ملال کا ساماں ترے بغیر

جو گھر کہ تیرے دم سے تھا میرے لئے اِرَم
ہے اُکل وخَمط والا بیاباں ترے بغیر

جیتے تھے تیرے واسطے، روٹھے ہو چونکہ تم
ہم کیا کریں گے زیست کو جاناں! ترے بغیر

سمجھا چکا ہوں لاکھ دلِ ناصبور کو
پاتا نہیں ہے چین میری جاں! ترے بغیر

بیمارِ ہجر ہووے، شفایاب کس طرح
دل کا جہاں میں کون ہے درماں ترے بغیر

جس سر پہ سایہ کرتے تھے تم ابر کی طرح
گرتے ہیں اس پہ صاعقہ سوزاں ترے بغیر

کشتیِ نوح، جن کیلئے ذات تھی تری
وہ ہیں رہینِ منتِ طوفاں ترے بغیر

خواہاں تھے جس کے جینے کے حضرت، وہی وہی
چشتی ہے تھوڑی دیر کا مہماں ترے بغیر

☆☆☆

”حضرت شیخ الاسلام کے چھوٹے صاحبزادے“

از قلم الشیخ پوتا بریگیڈیئر عبد القیوم (ریٹائرڈ)

حضرت علامہ حافظ غلام احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ وہ خوش نصیب اور صاحب عظمت فرزند جلیل تھے جنہوں نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو فخر علماء متاع صلحاء حضرت شیخ الاسلام غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر بہاولپور میں آنکھیں کھولیں آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ عباسیہ بہاولپور سے حاصل کی اور وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے آپ نے اپنی عملی اور پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز صادق ڈین ہائی سکول میں ملازمت سے کیا اور بہاولپور شہر کے مختلف سکولوں یعنی عباسیہ ہائی سکول اور ٹیکنیکل ہائی سکول میں عربی اور اسلامیات کی تدریس پر اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا اختتام کیا۔ آپ کی ملازمت کا آغاز ۱۰ مئی ۱۹۵۱ء کو ہوا اور ریٹائرمنٹ ۵ فروری ۱۹۸۰ء کو ہوئی۔

آپ کو گولڑہ شریف سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اور تمام گرمیوں کی چھٹیاں گولڑہ شریف میں گزارتے وہاں کے معمولات میں حضرت قبلہ بابوجیؒ کی خدمت میں روزانہ صبح حاضری اور ان کو مٹھیاں دابنا، ان کا بہت بڑا اعزاز ہے، آپ کا علامہ پیر سید غلام نصیر الدین شاہ نصیرؔ رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق تھا اور تقریباً تمام وقت ان کی خدمت میں رہ کر انکی عالمانہ گفتگو اور شاعری سے محظوظ ہوتے اور بعد میں اسکا تذکرہ فرماتے تھے۔ پرسوز آواز کے مالک تھے، حمد ونعت اور غزل سنا کر بھی اپنے پیرزادہ کی قربت حاصل کی۔ آپ اپنے والد محترم کے ہر دل عزیز فرزند تھے اور ساری ساری رات اپنے والدِ گرامی کی خدمت میں گزار دیتے تھے، حتیٰ کہ جب آپ کے والد گرامی حضرت شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ اپنی عمر کے آخری حصے میں شوگر کے مرض کی وجہ سے علیل اور لاغر ہوئے تو وہ انہیں رفع حاجت کے لیے اٹھا کر لے جاتے۔ آپ نے اپنے والد محترم کی خدمت کر کے بہت دعائیں اور شفقت وصول کی۔ اپنی والدہ محترمہ کے تو وہ خاص لاڈلے تھے جو اُن کو پیار سے گامنڑ کہتی تھیں۔ وہ دوسرے غیر تدریسی مشاغل کھیل، کھیتی باڑی اور خاص کر ڈیری فارم کے دلدادہ تھے وہ اپنے خوبصورت جانوروں سے دلی لگاؤ رکھتے تھے خوش لباسی اور زہد وعبادت ان کی پہچان تھی جس کے لیے وہ مشہور تھے۔

خدمت خلق کے سچے جذبے اور نسل نو کیلئے علمی راہنمائی انسان کو وہ مقام عطا

کرتے ہیں جن سے وہ رشک ملائکہ بن جاتا ہے۔ حضرت علامہ قادری مرحوم کہتے تھے کہ جب تک بندہ گناہ اور خطا کرتا ہے اور اپنے عمل سے فساد اور قتل وغارت اور فتنہ پردازی کا سبب بنتا ہے تو قدرت کو ملائکہ کے سامنے شرمندہ کرنے کی کوشش لا حاصل کرتا ہے، چونکہ ملائکہ نے کہا تھا: ترجمہ۔ ”کیا تو ایسا خلیفہ بنائے گا جو خونی اور فسادی ہوگا“ اور بندہ جب پارسائی اور پاک دامنی، شرافت اور عبادت میں خلوص اپناتا ہے تو ملائکہ کے سامنے اسکی قدرت کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ وہ ملائکہ میں اپنے بندے پر فخر کرتی ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی گفتگو کا اکثر حصہ علمی نکات پر مشتمل ہوتا تھا اور نکتہ آفرینی وبذلہ سخی ان کی پہچان تھی۔ اکثر اوقات مسائل فقہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ اگر علم فقہ اور آئمہ دین مجتہدین نہ ہوتے، تو احادیث نبویہ سے مستنبط ہونے والا دین کا بہت بڑا حصہ، اہل اسلام سے مخفی رہتا اور نتیجتاً علم کی راہیں دشوار اور مسدود ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ موصوف کے سامنے عجیب وغریب سا سوال آیا کہ قرآن فہمی اس وقت تک بہت مشکل ہے جب تک حدیث فہمی نہ ہو اور حقیقت میں قاعدہ اور اصول بھی یہی ہے کہ حدیث پاک قرآن کی سب سے پہلی تشریح ہے مگر سائل کے سوال میں اعتراض یہ تھا کہ اس طرح قرآن تو حدیث کا محتاج ہو گیا مگر جب حضرت قادری مرحوم نے جوابی تقریر کا آغاز کیا تو اس سے معلوم ہوتا تھا کہ مرحوم میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی روح عود کر آئی ہے۔ چہرے پر محققانہ نور، فکر میں اچھوتا رنگ اور زبان سے فقیہانہ الفاظ کی خوشبو آنے لگی۔ اور بڑے دلکش انداز میں بولے: قرآن (کتاب اللہ) حدیث پاک کا محتاج نہیں بلکہ ہم قرآن پاک سمجھنے کیلئے حدیث پاک کے محتاج ہیں اور رہیں گے۔ سنت رسولؐ تو زینہ ہے کتاب اللہ کے معانی تک پہنچنے کا اور محبت رسول ذریعہ ہے قرآن فہمی کا۔ وہ اکثر مجتہدین کے اقوال نقل کرتے اور آثار صحابہ سے استشہاد لیتے۔ فقہی اقوال میں جب امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کا ترجیحی قول نقل کرتے تو فرماتے۔ واہ امام اعظم واہ!

آپ اپنے عظیم والد شیخ الاسلام بحر العلوم حضرت مولانا غلام محمد محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلال وجمال کا امتزاجی پیکر تھے اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا سکہ براعظم ایشیاء کے اسلامی ممالک میں چلتا تھا۔ علمائے کرام کی گردنیں ان کے سامنے جھک جاتی تھیں۔ جناب شیخ الاسلامؒ کا سراپا جناب غلام احمد قادری کی صورت میں لوگوں کے سامنے بڑے آب وتاب اور شان وشوکت سے آفتاب کی مانند چمکتا رہا۔

جناب قادری مرحوم آنحضورؐ کی طیب وطاہر زندگی کو ہمیشہ عیب سے پاک گردانتے تھے بلکہ کبھی کبھی اپنی گفتگو میں یہاں تک کہہ دیتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات نہ صرف عیب سے پاک ہے بلکہ عیب کے تصور سے بھی پاک ہے۔ وہ اپنے اس دعویٰ کو قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت کرتے۔ ترجمہ: ہماری کائنات کو دیکھو کہیں تم کو کوئی تفاوت، کجی یا عیب نظر آتا ہے؟ تمہاری نظریں خیرہ ہو کر تھک ہار کر لوٹ آئیں گی مگر تمہیں ہماری تخلیق میں عیب نظر نہ آئے گا اور پھر بڑے جوش وجذبے اور ولولے سے بول اٹھتے کہ یہ تو کائنات کا حال ہے اور جس محبوب نبیؐ کے طفیل یہ کائنات بنی اس نبی کی شان کیا ہوگی۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بعثت یعنی اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی بھی پاک، طیب وطاہر، پاکیزہ اور ہر لحمہ معجزہ نما تھی جو کہ آنحضورؐ کے الصادق ہونے کی دلیل ہے۔ بن دیکھے خدا کو اپنی رسالت کی زبان سے عرب کے ان پڑھ، مشرک، ظالم اور ہٹ دھرم معاشرے سے تسلیم کرانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ توحید اور اقرار توحید کا سارا بوجھ رسالت کے کندھوں پر تھا۔ توحید خداوندی کی خاطر اپنی جان پر ظلم سہنا، مصیبتوں اور تکلیفوں کے طوفانوں کا مقابلہ کرنا اور ہجرت کرنا سب کچھ اپنے ایک خدا کی خاطر تھا اور اکثر وبیشتر یہ آیت بھی شان رسالتؐ میں پیش کرتے۔ ترجمہ: ہم نے تمہارے لئے نبیؐ کی زندگی کو کامل نمونہ بنایا ہے۔

علامہ مرحوم فرماتے: عالم قرآن کا حافظ قرآن ہونا ضروری ہے اور پھر ان دونوں کا عامل قرآن ہونا بھی ضروری ہے۔ اس طرح قرآنی برکات زیادہ سے زیادہ انداز میں سمیٹی جاسکتی ہیں۔ وہ اپنی بصیرت سے حالات حاضرہ کو قرآنی آیات سے منطبق کرتے اور فرماتے کہ فلاں فلاں مسئلہ قرآنی آیت کے مفہوم سے ملتا جلتا ہے۔

آپ اپنے بڑے بیٹے عبد القیوم کو، جو کہ پاکستان فوج سے بریگیڈیئر ریٹائرڈ ہوئے، اپنا نعم البدل کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ اس کے ادب واحترام پر فخر کرتے ہوئے کہتے کہ عبد القیوم جیسا عظیم بیٹا میری تمام زندگی کی کمائی ہے اور اس کی گواہی وہ اپنی اہلیہ محترمہ سے لیتے۔ جناب علامہ قادری دعا فرماتے کہ اللہ رب العزت ہر کسی کو عبد القیوم جیسا باادب بیٹا نصیب فرمائے۔

حضرت علامہ صاحب مرحوم اولاد کی تعلیم وتربیت جیسے امور میں سمجھوتے کے قائل نہ تھے۔ ان کی اولاد میں چار بیٹے (۱) الشیخ پوتا بریگیڈیئر عبد القیوم (ریٹائرڈ) (۲)

الشیخ پوتا عبد الحلیم (۳) الشیخ پوتا جمال احمد (۴) الشیخ پوتا محمد بلال شامل ہیں۔

آپ، قادری اور حسنی حسینی نسبت کو عظیم سرمایہ سمجھتے تھے۔ جناب غوث پاک سے خاص قلبی رشتہ اور روحانی تعلق تھا۔ مسلسل ۷۶ سال دین، ملت، مذہب اور اہل خاندان کے لئے بے لوث خدمات سر انجام دے کر اپنی یادوں کے انمٹ نقوش چھوڑ کر حضرت علامہ حافظ مولانا غلام احمد قادریؒ ۱۹ جنوری ۲۰۰۵ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی نماز جنازہ مہر آباد کے مولانا فخر الدین شاہ صاحبؒ نے پڑھائی اور دربار حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین صاحبزادہ غلام معین الدین صاحب نے دعا کرائی۔

آپؒ کا جنازہ بہاولپور کی تاریخ میں بہت بڑا جنازہ تھا، اعلیٰ فوجی افسران، سول حکام، علماء کرام، قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبران، سیاست دان، وکلاء، تاجر، صحافی اور امیر آف بہاولپور نواب صلاح الدین عباسی کے علاوہ ہزارہا اہل اسلام نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور آپ کے لئے دعاء مغفرت ورحمت میں شامل ہوئے۔

☆☆☆☆